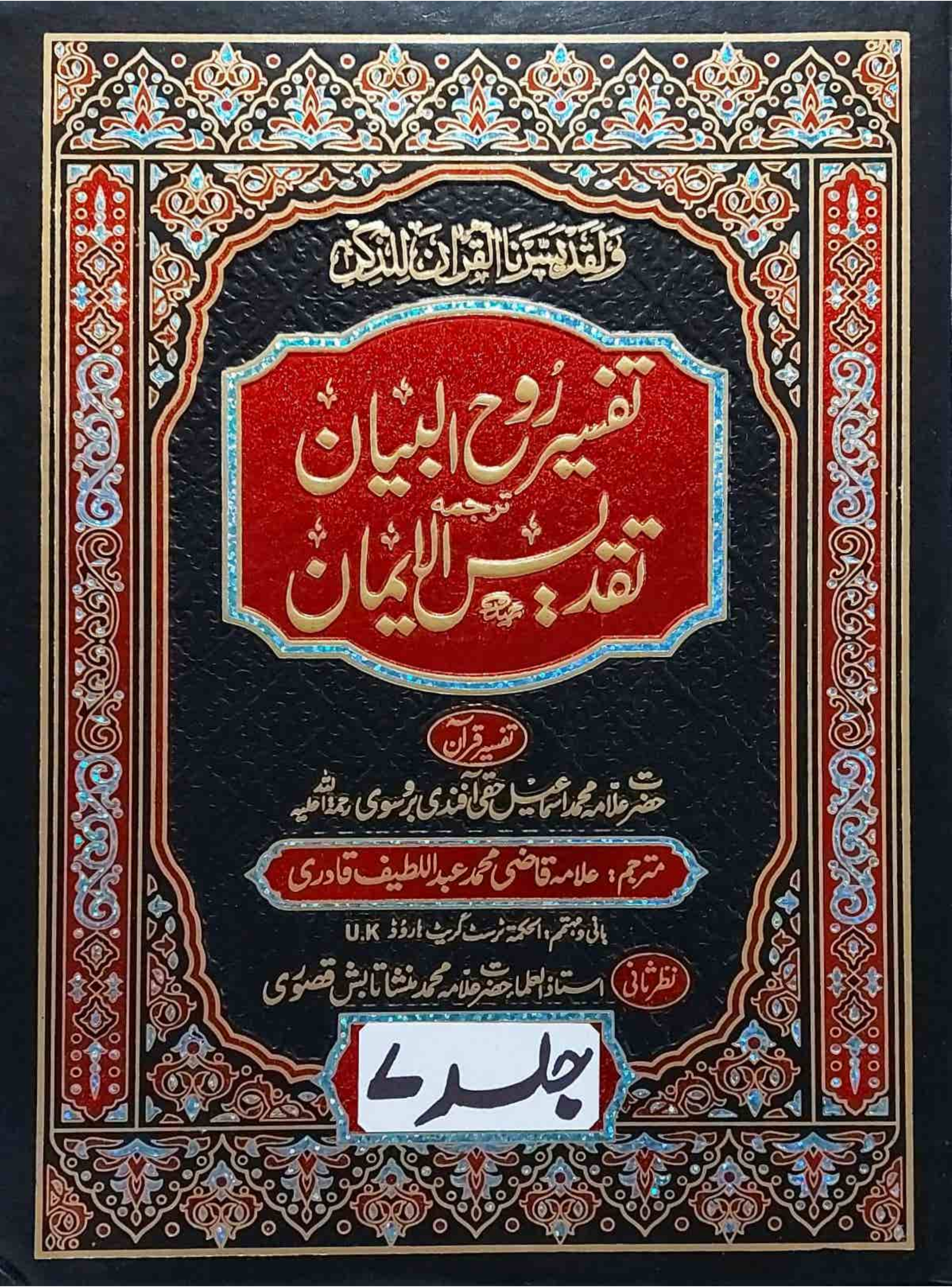

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ
تفسیر روح البیان
ترجمہ
تقدیس الایمان
تفسیر قرآن
حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی برسوی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم: علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری
بانی و مہتمم، الحکمۃ ٹرسٹ گریٹ ہارووڈ U.K
نظر ثانی
استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری
جلد ۷

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ

ہم نے نصیحت حاصل کرنے کے لیے قرآن کو آسان بنادیا ہے۔ (سورۃ القمر)

تفسیر روح البیان

ترجمہ

تقدیس الایمان

تفسیر قرآن : حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم : علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری

بانی و مہتمم: الحکمۃ ٹرسٹ گریٹ ہاورڈ U.K

نظر ثانی : استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری

پارہ 19 تا 21

عبداللہ اکیڈمی

میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

فون: 042-37241382

نام کتاب	......☆......	تفسیر روح البیان ترجمہ تقدیس الایمان
تفسیر قرآن	......☆......	حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ وتخریج	......☆......	علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری
	......☆......	بانی ومہتمم: الحکمہ ٹرسٹ گریٹ ہاورڈ U.K
نظر ثانی	......☆......	استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری
پروف ریڈنگ	......☆......	علامہ قاضی محمد سعید الرحمٰن قادری 0300-9506527
	......☆......	علامہ قاضی طاہر محمود قادری، علامہ قاضی مظہر حسین قادری
	......☆......	مولانا مقصود الٰہی، مولانا حافظ غالب چشتی
پروف ریڈنگ قرآن	......☆......	قاری محمد اسلام خوشابی 0306-6628331
	......☆......	(رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف حکومت پنجاب)
کمپوزنگ	......☆......	حافظ شاہد خاقان 0321/0311-5841622
اشاعت اول	......☆......	2021
مجلدات	......☆......	10

ہدیہ

گورنمنٹ آف پاکستان کے احکامات کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ کا نام مبارک جہاں بھی آئے گا وہاں ساتھ خاتم النبیین ﷺ کا لفظ لازمی آئے گا۔ حکومت کے اسی حکم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کتاب میں جہاں جہاں حضور نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک آیا ہے وہاں ساتھ خاتم النبیین ﷺ لکھ دیا گیا ہے۔ تاہم اگر کہیں لکھنے سے رہ گیا ہو تو قارئین سے التماس ہے کہ آپ ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ خاتم النبیین ﷺ ہی لکھا اور پڑھا جائے۔ شکریہ ادارہ

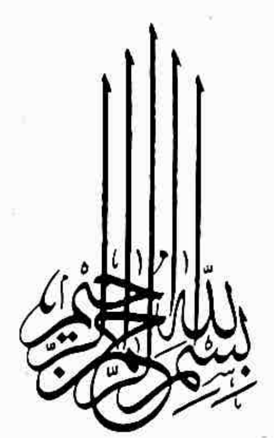
ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ (ادارہ)

فہرست مضامین تفسیر روح البیان (جلد ہفتم پارہ 21-19)

تفسیر پارہ بیسواں

تفسیر سورۂ القصص



پارہ 19 تا 21

تفسیر روح البیان

ترجمہ

تقدیس الایمان

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰی

اور کہا انہوں نے جو نہیں امید رکھتے ہمیں ملنے کی کیوں نہ اترے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھتے

رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِیْرًا ﴿٢١﴾

اپنے رب کو۔ تحقیق انہوں بہت بڑا سمجھا اپنے آپ کو اور سرکشی بھی بہت بڑی کی۔

(آیت نمبر ٢١) اوران لوگوں نے کہا جو ہمیں ملنے کی امید نہیں رکھتے۔ ملاقات سے مراد قیامت کا دن ہے۔ یعنی جو قیامت کے دن اٹھنے اور حساب وکتاب اور جزاء وسزا کے منکر ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کیوں نہ اتارے گئے ہم پر فرشتے یعنی فرشتوں کو رسول بنا کر ہماری طرف کیوں نہ اتارا گیا۔ وہ سمجھتے تھے۔ شاید بشریت نبوت کیلئے مناسب نہیں۔ لہٰذا ایا تو فرشتہ نبی بن کر آتا۔ یا پھر ہم واضح طور پر اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھتے اور اللہ تعالیٰ ہمیں کہتے کہ یہ میرا رسول ہے تم اس کی اتباع کرو۔ اور فرشتہ اس کی تصدیق کرتا تو پھر ہم ایمان لے آتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی کی کسی سے تصدیق کرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

عجیب بات: نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ کافر دنیا میں ہی رب تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے ہیں لیکن تعجب ہے ان مومنوں پر جو بروز قیامت بھی رب کے دیدار کی آرزو نہیں کرتے۔ نتیجہ نکلا کہ منکرین قیامت اور منکرین رؤیت باری تعالیٰ کی نصوص کے انکار میں کچھ قدر اشتراک ہے۔ حالانکہ آیات وروایات صحیحہ سے جیسے بعث وحشر ثابت ہے۔ اسی طرح اہل ایمان کیلئے قیامت کے دن رؤیت باری بھی ثابت ہے۔ آگے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ یہ بات انہوں نے تکبر سے کہی۔ کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو اپنے خیال کے مطابق بہت بڑا سمجھ لیا اور اور نبی کو کچھ نہیں سمجھا اس لئے انہوں نے بے جا اتنی بڑی جرات کی۔

آگے فرمایا کہ انہوں نے ظلم وطغیان میں بھی حد سے تجاوز کیا اور سرکشی میں بھی انتہاء تک پہنچ گئے۔ اس کے باوجود کہ انہوں نے بے شمار دلائل دیکھے اور نبی پاک ﷺ کے معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھے لیکن خباثت طبعی سے روگردانی کی۔ اس خباثت کے ساتھ فرشتوں یا اللہ کو دیکھنے کی آرزو کرنا کسی پاگل کا کام ہی ہوسکتا ہے۔ ورنہ اس دنیا میں دیدار الٰہی سوائے ہمارے رسول پاک ﷺ کے کسی نبی اور رسول کیلئے بھی ممکن نہیں۔ اولیاء تو انبیاء سے نچلے درجے کے لوگ ہیں۔ ہمارے پیارے آقا کو بھی دنیا میں نہیں ہوا۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا

جس دن دیکھیں گے فرشتوں کو تو نہیں خوشی کا ہوگا وہ دن مجرموں کیلئے اور کہیں گے یا اللہ آڑ ہو

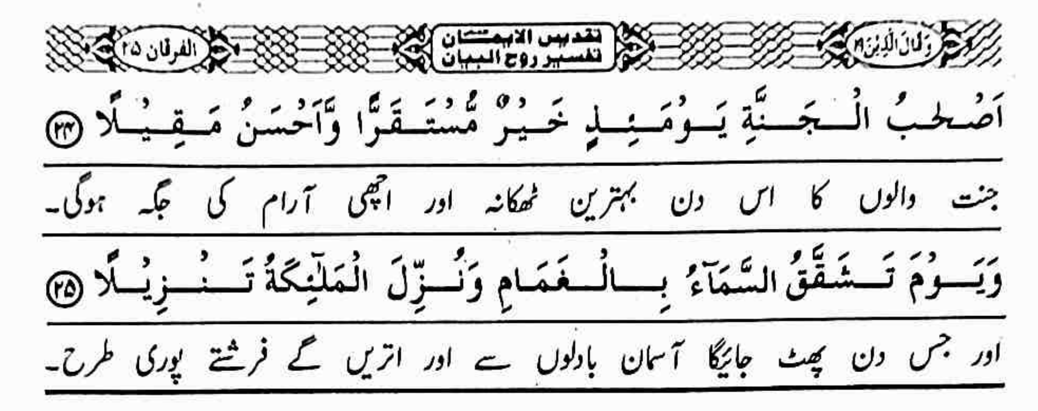
مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾

رکی ہوئی۔اور سامنے لائیں گے جو بھی کوئی انہوں نے عمل کئے پھر کردیں گے انہیں ذرے اُڑے ہوئے

(بقیہ آیت نمبر ۲۱) **دیدار الٰہی** : دنیا کی حدود سے باہر جا کر بلا حجاب ہوا چونکہ اس دنیا کی حد آسمانوں تک ہے (اسی لئے ہمارے حضور ﷺ کو ساتوں آسمانوں سے بھی اوپر عرش علیٰ پر بلا کر دیدار کرایا گیا)۔

(آیت نمبر ۲۲) جس دن یہ کفار فرشتوں کو دیکھیں گے یعنی عذاب کے فرشتوں کو تو ان کا دیکھنا ان کیلئے بشارت اور خوشی کا باعث نہیں ہوگا یعنی جو کچھ وہ مانگ رہے ہیں وہ انہیں ملے گا۔ضرور لیکن جب ملے گا تو انہیں کوئی خوشی نہیں ہوگی بلکہ پریشانی ہی ہوگی۔آگے فرمایا کہ یہ مجرم لوگ فرشتوں کو دیکھتے ہی کہیں گے کہ ان کے اور ہمارے درمیان آڑ ہو جائے۔کہ ہم انہیں دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتے۔یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ سے استدعا کریں گے کہ ہمیں یہ نظر نہ آئیں لیکن اس وقت ان کا یہ شور مچانا انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

(آیت نمبر ۲۳) اور ہم ان کے اعمال ان کے سامنے لائیں گے لیکن ان اعمال میں قبولیت کی شرائط ہی نہیں ہوں گی۔یعنی وہ ایمان سے خالی ہوں گے تو انہیں باطل قرار دے دیا جائیگا۔مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال اچھے بھی ہوئے۔مثلاً صلہ رحمی کرنا۔مظلوم کی فریادرسی یا مہمان نوازی یا قیدیوں کو چھڑانا۔یتیم پروری وغیرہ یہ اعمال اگر وہ ایمان لانے کے بعد کرتے پھر تو وہ قبول بھی ہوتے اور اس پر انہیں ثواب بھی ملتا۔اس کی مثال بادشاہ کے باغیوں کی طرح ہے کہ وہ اس کے ملک میں بے شک کام اچھے کریں لیکن بادشاہ تو انہیں سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑے گا وہ ان سے سب کچھ چھین کر انہیں تباہ و برباد کر دے گا۔اسی طرح کفار کے اچھے اعمال کو بھی ریزہ ریزہ کر کے غبار کی طرح اڑا دیا جائیگا یہ تشبیہ ان کے اعمال کی حقارت سے دی گئی کہ ان کے اعمال کی آخرت میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی اس لئے کہ ان کے ساتھ ایمان نہیں ہوگا۔



اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ يَوۡمَئِذٍ خَيۡرٌ مُّسۡتَقَرًّا وَّاَحۡسَنُ مَقِيۡلًا ﴿۲۴﴾

جنت والوں کا اس دن بہترین ٹھکانہ اور اچھی آرام کی جگہ ہوگی۔

وَيَوۡمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالۡغَمَامِ وَنُزِّلَ الۡمَلٰٓئِكَةُ تَنۡزِيۡلًا ﴿۲۵﴾

اور جس دن پھٹ جائیگا آسمان بادلوں سے اور اتریں گے فرشتے پوری طرح۔

(آیت نمبر۲۴) جنتی لوگ اس دن ایمان کے ساتھ آئیں گے تو وہ بہترین قرارگاہ میں ہوں گے۔ یعنی مومنوں کی رہائش گاہ ان کافروں کی دنیوی رہائش گاہوں سے ہزاروں گنا بہتر ہوگی بلکہ ہر لحاظ سے مسلمان اعلیٰ مراتب پر ہوں گے کفار کے قیلولہ کرنے کے مکانات سے آخرت میں مسلمانوں کے محلات ہزاروں درجہ اعلیٰ اور بہترین یعنی جنتی لوگ اپنی ازواج کے ساتھ اعلیٰ مقام پر ہوں گے اور بہت ہی آرام میں ہوں گے اور کفار جہنم میں ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

فائدہ: جنتیوں کیلئے تو قیامت کا پورا دن ہی گویا اتنا ہوگا کہ جیسے کوئی صبح سے دوپہر تک وقت ہوتا ہے۔ پھر قیلولہ کے لئے اپنے مقام پر آرام کیلئے چلا جاتا ہے۔ ایسے ہی جنتی اپنا وقت گذار کر جنت کو چلے جائیں گے حالانکہ وہ ایک دن دنیوی پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ لیکن کافروں کیلئے ذلت اور رسوائی پچاس ہزار سال کی الگ اور آگے جہنم کی دائمی سزا الگ ہوگی۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ فرمائے)۔

سبق: عقل والے کیلئے لازم ہے کہ وہ آخرت کی آرامگاہ اور اعلیٰ آرام کیلئے پوری کوشش کرے۔

(آیت نمبر۲۵) وہ وقت یاد کرو جب آسمان پھٹ جائیں گے بادلوں کے ساتھ۔

فائدہ: اس سے زمین والے بادل مراد نہیں ہیں یہ بادل ساتویں آسمان سے اوپر کی ایک چیز ہے جو قیامت کے دن آسمانوں کے پھٹ جانے کے بعد وہ بادل زمین پر آئیں گے تو ان کے ساتھ ساتھ فرشتے بھی اتر آئیں گے ان سفید بادلوں کی موٹائی ساتویں آسمانوں کے برابر ہے۔ ابھی وہ ساتوں آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے رکے ہوئے ہیں۔ قیامت کے دن جب ان کا بوجھ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ڈالے گا تو وہ پھٹ جائیں گے پھر ان ہی بادلوں سے عجب طریقے سے فرشتے بندوں کے اعمالنامے لیکر اتر آئیں گے۔

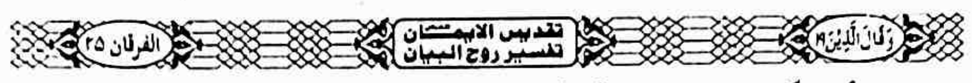
اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿٢٦﴾

بادشاہی اس دن حقیقی طور پر رحمٰن کی ہوگی اور ہوگا۔ وہ دن کافروں پر سخت۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۵) **قیامت کا عجیب منظر** : قیامت کے دن پہلا آسمان پھٹے گا تو اس سے زمین کی ساری مخلوق سے زیادہ فرشتے اتریں گے۔ لوگ ان سے پوچھیں گے کہ کیا پروردگار تمہارے اندر ہے تو فرشتے کہیں گے۔ وہ عنقریب آنے والا ہے پھر دوسرا آسمان پھٹے گا اس سے پہلے آسمان کے مقابلے میں ڈبل فرشتے اتریں گے۔ پھر تیسرے آسمان سے اس سے ڈبل فرشتے اتریں گے۔ یہاں تک کہ ساتوں آسمانوں کے بعد وہ سفید بادل اتریں گے۔ اس سے فرشتوں کی تعداد کا اندازا لگائیں۔ یہ زمین آسمان کے مقابلے میں تو جیسے زمین پر ایک رسی پڑی ہو پھر زمین کو اللہ تعالیٰ دسترخوان کی طرح پھیلا دے گا۔ آسمانوں کے قبے جوں جوں اٹھتے جائیں گے توں توں زمین پھیلتی چلی جائے گی۔ فرشتوں کی اتنی بڑی تعداد ہونے کے باوجود مزاحمت نہیں ہوگی کیونکہ زمین انتہائی وسعت پر پھیل جائے گی اور اس میں فرشتے زمین پر پھیل جائیں گے چونکہ وہ لطیف اجسام ہیں۔ اس لئے ان کی مزاحمت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ مزاحمت وغیرہ کا تصور صرف انسانوں کیلئے ہوتا ہے اس لئے کہ ان کے اجسام ثقیل ہیں پھر قدرت خداوندی کے آگے یہ سب کام آسان ہیں اس لئے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(آیت نمبر ۲۶) اس دن حقیقی بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی۔ دنیا میں بھی اگرچہ سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے لیکن یہاں کسی نہ کسی طور پر مجازاً اور بھی کئی بادشاہ ہوئے لیکن آخرت میں اس اکیلے قہار کی بادشاہی ہوگی۔ آگے فرمایا کہ قیامت کا دن کفار پر شدت ہول کی وجہ سے انتہائی سختی کا دن ہوگا اور اہل ایمان کیلئے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انتہائی آسانی کا دن ہوگا۔ **حدیث شریف**: میں ہے کہ اہل ایمان کیلئے قیامت کا دن آسانی میں ایسا ہوگا جیسے فرض نماز پڑھنا دنیا میں۔ (معالم التنزیل)

فائدہ : کفار پر سخت اس لئے ہوگا کہ آگے ان کیلئے جہنم کی مصیبت، جنت سے محرومی کی حسرت ہوگی اور اہل ایمان کیلئے آسان اس لئے کہ جنت کی نعمتوں اور دیدار الٰہی کے مزے حاصل ہوں گے اس لئے کہ وہ دنیا میں رضاء الٰہی کیلئے تکالیف اٹھا کر گئے ہوں گے لیکن انہیں یہ یقین تھا کہ اس دکھ درد کے بعد انہیں آرام وسکون نصیب ہوگا۔ اور کفار دنیا میں خواہشات وشہوات کے مزے کر گئے ہوں گے۔ اس لئے آگے عذاب در عذاب ہی ہوگا۔



وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿٢٧﴾

اور جس دن چبائے گا ظالم اپنے ہی ہاتھوں کو کہے گا ہائے افسوس میں نے بنایا ہوتا ساتھ رسول کے راستہ۔

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿٢٨﴾

ہائے افسوس کاش میں نے نہ بنایا ہوتا فلانے کو دوست۔

(آیت نمبر ۲۷) ظالم بروز قیامت حسرت وافسوس سے اپنے دونوں ہاتھوں کو چبائے گا۔

شان نزول: عقبہ بن ابی محیط حضور ﷺ کی مجلس میں اکثر حاضر رہتا۔ ایک دفعہ اس نے دعوت عام پکائی جس میں حضور ﷺ کو بھی مدعو کیا۔ جب حضور تشریف لائے تو اس نے کھانا پیش کیا آپ نے فرمایا کہ میں کھانا تب کھاؤں گا جب تو کلمہ پڑھ کر میرا رسول ہونا تسلیم کریگا۔ عرب اس بات کو بڑی عار سمجھتے کہ کوئی مہمان ان کے گھر سے کھانا کھائے بغیر چلا جائے۔ لہذا عقبہ نے شرط منظور کرتے ہوئے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ اس پر حضور ﷺ نے کھانا تناول فرمالیا اتفاق سے اس کا گہرا دوست ابی بن خلف کفار مکہ کا سردار وہاں نہیں تھا اسے جب معلوم ہوا کہ عقبہ نے اسلام قبول کرلیا ہے تو اس نے اسے کہا کہ تو نے آبائی دین کیوں چھوڑ دیا تو اس نے کہا میں نے تو صرف ان کی مہمانی کی وجہ سے شرط قبول کی ہے تو اس نے کہا میں تمہاری بات اس وقت تک نہیں مانتا جب تک کہ تو جا کر (نعوذ باللہ) ان کی تکذیب نہ کرے اور ان کو گالی نہ دے بلکہ ان کے چہرے پر تھوکے نہیں تو میں راضی نہیں ہوں چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

گستاخی کی سزا: اسباب النزول میں لکھا ہے وہ تھوک آگ کی چنگاری بن کر واپس اس کے چہرے پر آئی اور دونوں طرف کے رخسار جلا دیئے۔ زندگی کے آخری حصے تک وہ داغ نمایاں رہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ عقبہ تو نے مجھ پر تھوکا۔ میرا تو کچھ نہیں بگڑا لیکن تجھے قتل کیا جائیگا۔ چنانچہ وہ بدر کے قیدیوں کے ساتھ جب گرفتار ہو کر آیا تو اسے حضور کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔ ابی بن خلف خبیث کو حضور ﷺ نے احد میں تلوار ماری۔ اگرچہ زخم تو معمولی تھا (مگر کتے کی طرح) چیختا چیختا مر گیا تو وہ قیامت کے دن کہے گا اے کاش دنیا میں رسول ﷺ کی طرف راستہ بنا تا یعنی میں ان کی اطاعت کرتا اور اسلام کو صحیح طور پر قبول کرتا۔

(آیت نمبر ۲۸) ہائے میرے اوپر افسوس کاش کہ میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔ اور آج یہ رسوائی بھی نہ ہوتی۔ اس سے مراد ابی بن خلف ہے بلکہ ہر گمراہ ہونے والا جسے جس نے گمراہ کیا ہوگا۔ خواہ جنوں سے یا انسانوں سے ہو۔ اس میں ان سب کی حسرت کا اظہار مقصود ہے۔

لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ ؕ وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ

تحقیق اس نے بہکا دیا مجھے یاد الٰہی سے اس کے بعد کہ آ گئی میرے پاس۔ اور ہے شیطان انسان کو

خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾

چھوڑ دینے والا۔ اور فرمایا رسول نے اے میرے رب بے شک میری قوم نے بنایا اس قرآن کو چھوڑا ہوا۔

(آیت نمبر۲۹) البتہ تحقیق اس نے مجھے گمراہ کیا اس کے بعد جب وہ میرے پاس آ گیا اور میں اس پر عمل کرنے کی قدرت بھی رکھتا تھا لیکن شیطان انسان کا تعلق مخالف اسلام کے ساتھ جوڑنے اور رسول خدا سے تعلق توڑنے میں اور قرآن مجید کو چھوڑنے میں بڑا کاریگر ہے اس طرح وہ اپنا مطیع بنا کر رسوا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بندوں کو تباہ و برباد کر کے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ فائدے کے بجائے نقصان میں ہی ڈالتا ہے۔ شیطان کی عادت ہے کہ وہ لوگوں کو طرح طرح کی تمناؤں اور آرزوؤں میں پھنسا کر جھوٹے وعدوں سے اس کا دل بہلا کر جب دیکھتا کہ اب صحیح گمراہ ہو گیا ہے۔ پھر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ **حدیث** میں ہے انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہٰذا دیکھ لیا کرو کہ کس کے ساتھ دوستی کر رہے ہو۔ قیامت کے دن سلطنت قاہرہ اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہوگی اور کسی کیلئے مجازاً بھی نہیں ہوگی۔ حقیقی کا تو تصور ہی نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ خود اعلان فرمائے گا۔ کہ بتاؤ۔ آج کس کی بادشاہی ہے۔ چالیس سال تک کوئی نہیں بول سکے گا۔ پھر خود ہی فرمائے گا۔ آج ایک ہی کی بادشاہی ہے۔

قیامت کی ہولناکی سے نجات: شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آخرت کی ہولناکی سے نجات کیسے مل سکتی ہے تو آپ نے فرمایا دنیا کے مشاغل کو چھوڑ دو آخرت کی ہولناکی سے نجات مل جائے گی وہ لوگ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ جو طلب دنیا سے فارغ اور اس کی شہوات سے دور اور اس کے فریب سے بچ گئے بلکہ اس کی طرف ایک نظر بھی نہیں دیکھتے۔ **فائدہ**: صد حیف ہے اس پر جو دنیا کا خریدار ہے۔

(آیت نمبر۳۰) رسول اللہ ﷺ نے جب کفار کی سرکشی دیکھی تو بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔ اے میرے رب کریم بے شک میری قوم قریش نے قرآن مجید کو بالکل چھوڑ دیا۔ یعنی اس پر ایمان نہیں لائے اور اس سے منہ پھیر لیا۔ یا بروز قیامت ان لوگوں کے بارے میں یہ کلمہ ارشاد فرمائیں گے۔ جنہوں نے قرآن اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈالا گیا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۗ وَكَفٰى بِرَبِّكَ

اور اسی طرح بنایا ہم نے ہر نبی کیلئے دشمن مجرموں سے اور کافی ہے تیرا رب

هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ

ہدایت اور مدد دینے والا۔ اور کہا کافروں نے کیوں نہ اترا اس پر قرآن

جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾

اکٹھا ایک بار۔ اس طرح اتارا تاکہ ہم مضبوط کریں اس سے آپ کا دل۔ اور ہم نے ٹھہر ٹھہر کر اسے پڑھا۔

(بقیہ آیت نمبر۳۰) **مسئلہ**: مسلمان کو چاہئے کہ قرآن مجید کے ساتھ بہت زیادہ تعلق جوڑے۔ جتنی زیادہ ہو سکے اس کی تلاوت کرے تاکہ اس وعید میں نہ آئے۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ جس نے تلاوت قرآن نہ کی۔ اور نہ اس میں غور وفکر کیا تو بروز قیامت قرآن اسے پکڑ کر بارگاہ الٰہی میں عرض کرے گا کہ اس تیرے بندے نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔

(آیت نمبر۳۱) اے محبوب جیسے آپ کی قوم میں آپ کے دشمن ابوجہل جیسے مجرم ہیں۔ ایسے ہی ہم نے ہر نبی کے دشمن اس کی قوم سے بنائے۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام کا دشمن نمرود، موسیٰ علیہ السلام کا دشمن فرعون اور عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن یہودی۔ اس لئے محبوب آپ صبر کریں جیسے پہلے نبی صبر کر کے کامیاب ہوئے۔ آپ بھی فتح یاب ہوں گے۔ آپ کا رب کافی ہے۔ مقاصد میں کامیابی کی طرف راہنمائی کرنے والا اور اپنے نبی کی مدد کرنے والا۔

فائدہ: معلوم ہوا ہر زمانے میں انبیاء اور اولیاء کے دشمن ہوئے لیکن غلبہ اللہ والوں کا رہا۔

(آیت نمبر۳۲) مشرکین نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر توراۃ اور انجیل کی طرح یکبارگی ہی قرآن کیوں نہ اترا۔

فائدہ: اس قرآن کے معجزہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اسی لئے غیر مسلم آج تک اس کے مقابلے میں ایک سورۃ بھی نہیں بنا سکے حالانکہ انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ بالآخر عاجز آ گئے۔ آگے فرمایا کہ ہم نے قرآن کو اکٹھا اس لئے نہیں اتارا تاکہ اے محبوب آپ کے دل مبارک کو قوت حاصل ہو اور بھی کئی فوائد ہیں۔ مثلاً: (۱) آسانی کے ساتھ حفظ ہو سکتا ہے۔ (۲) معانی سمجھ آ سکتے ہیں۔ (۳) احکام کا ضبط۔ (۴) عمل کرنے میں آسانی وغیرہ۔ (۵) آپ کا قلب انور قرآن سے متخلق ہو۔ (۶) نورانیت کو تقویت ملے۔ آگے فرمایا کہ ہم نے اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا تاکہ اسے ترتیل سے ہی پڑھا جائے۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿۳۳﴾ الَّذِينَ

اور نہیں آپ کے پاس لاتے کوئی مثل مگر ہم آپ کے پاس لائے حق بات اور بہت اچھی تفسیر۔ یہ لوگ

يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۳۴﴾

اکٹھے لے جائے جائیں گے موہوں کے بل طرف جہنم کے ان کا برا ہے ٹھکانہ اور بہت بڑے گمراہ۔

(بقیہ آیت نمبر۳۲) اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ عطا کی۔ یعنی فرعون کی ہلاکت کے بعد اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون کو بھی ان کا وزیر بنایا تا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے دعوت حق اور اعلاء کلمہ حق میں مددگار ہوں۔

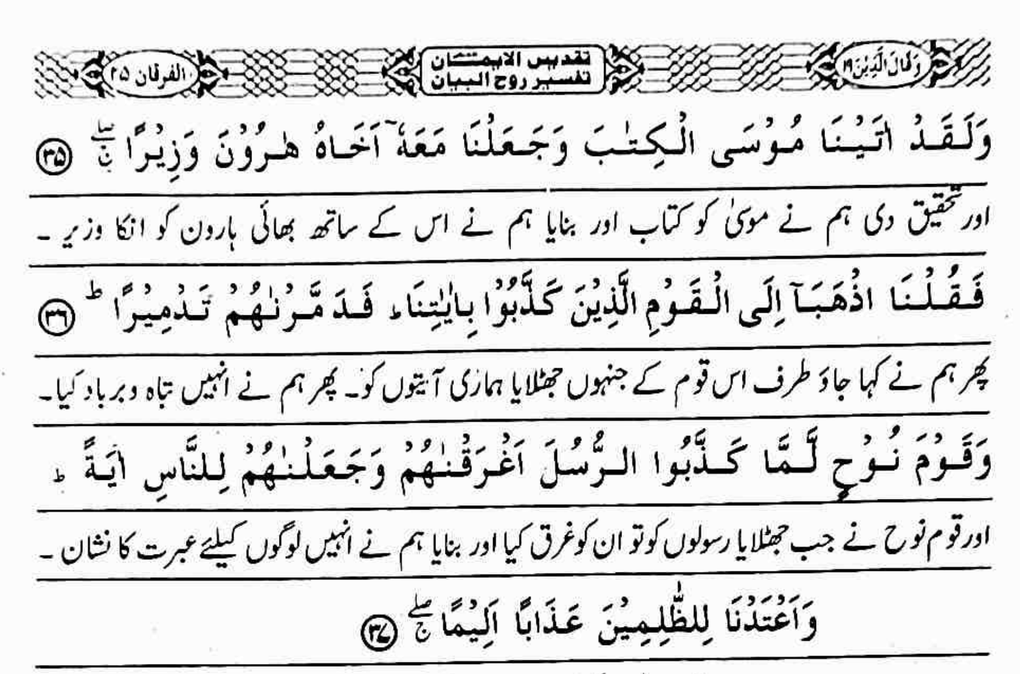
(آیت نمبر۳۳) اے محبوب یہ کفار آپ پر اور قرآن مجید پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ اور نہیں کوئی بری مثال نہیں دیتے۔ مگر ہم اس کے مقابلے میں صرف آپ کے لئے اس کا حق اور درست جواب لے آتے ہیں۔ یعنی کفار کے باطل اقوال کے مقابلے میں ایسا جواب باصواب لاتے ہیں جو ان کے بطلان کو جڑوں سے اکھیڑ پھینکتا ہے اور بیان کے لحاظ سے نہایت اچھی تفسیر جو حکمت کے مطابق ہو وہ ہم لے آتے ہیں۔

فائدہ: یاد رہے قرآن مجید کے تمام مضامین میں فی ذاتہ نہایت حسن اور خوبی موجود ہے۔

فائدہ: کفار و مشرکین کے تمام سوالات باطل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے جوابات میں حق و صداقت پائی جاتی ہے۔

نکتہ: پہلے انبیاء کرام علیہم السلام پر سوالات ہوتے تو انبیاء کرام علیہم السلام خود جواب دیتے۔ لیکن اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر جب بھی کفار کی طرف سے سوال ہوتے۔ تو ان کے ہر سوال کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا۔

(آیت نمبر۳۴) انہی لوگوں کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں لے جایا جائے گا۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ لوگوں کا قیامت کے دن تین طرح کا حشر ہوگا۔ (۱) جانوروں کی طرح۔ (۲) قدموں کے بل چل کر۔ (۳) منہ کے بل۔ پوچھا گیا۔ منہ کے بل کیسے جائیں گے تو فرمایا کہ جو رب قدموں پر چلا سکتا ہے۔ وہ منہ کے بل بھی چلا لے گا (انیس الساری)۔ آگے فرمایا کہ یہ لوگ بدترین درجے میں ہوں گے۔ اور ان کا ٹھکانہ بد سے بدتر ہوگا۔ کیونکہ دنیا میں لوگوں کو اپنے مکانات کا نخرہ دکھاتے تھے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اب بتاؤ کس کا مکان اعلیٰ ہے۔ جنت والوں کا یا دوزخ والوں کا۔ اور یہ لوگ سب سے زیادہ بھٹکے ہوئے اس راستے پر ہیں۔ جو سیدھا جہنم کی طرف جاتا ہے چونکہ وہ دنیا میں ایمان والوں کو بھٹکا ہوا کہتے تھے۔ اب معلوم ہوگا۔ کہ کون سیدھی راہ سے بھٹکا ہوا ہے۔



وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿٣٥﴾

اور تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور بنایا ہم نے اس کے ساتھ بھائی ہارون کو انکا وزیر ۔

فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿٣٦﴾

پھر ہم نے کہا جاؤ طرف اس قوم کے جنہوں جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ پھر ہم نے انہیں تباہ و برباد کیا۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ

اور قوم نوح نے جب جھٹلایا رسولوں کو تو ان کو غرق کیا اور بنایا ہم نے انہیں لوگوں کیلئے عبرت کا نشان ۔

وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣٧﴾

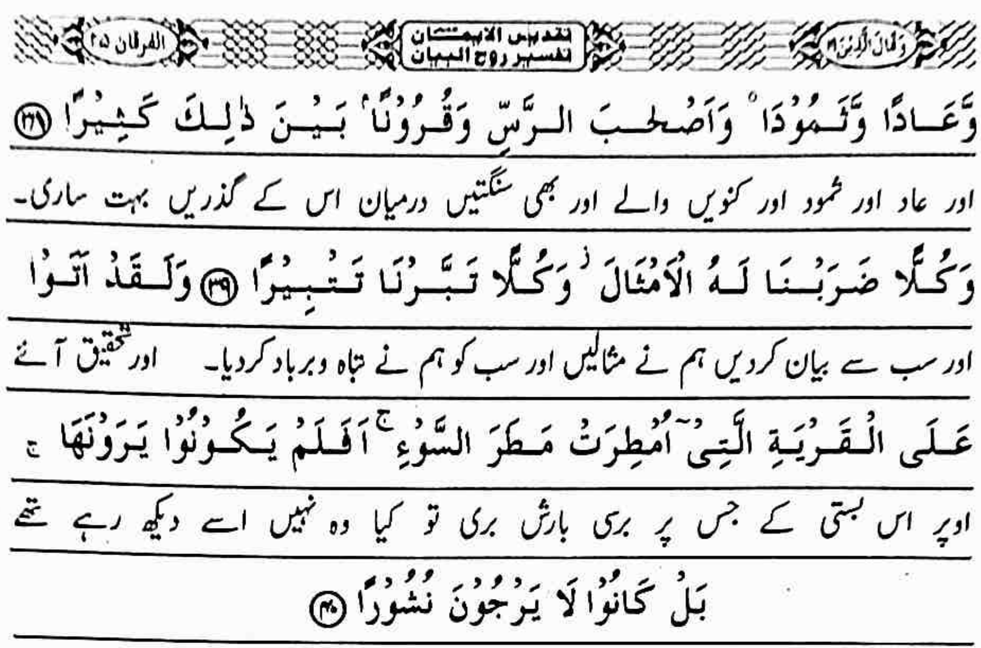
اور ہم نے تیار کیا ظالموں کیلئے عذاب دردناک ۔

(بقیہ آیت نمبر ٣٤) **سبق**: دانا پر لازم ہے کہ دنیا میں رہ کر آخرت کے اچھے مکان کو بنانے کی پوری کوشش کرے۔ دنیا کے اعلیٰ مکانات مساجد ہیں یا علوم دینیہ کی مجالس جہاں سے نعمات الٰہیہ کی خوشبو آتی ہے۔

(آیت نمبر ٣٥) اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلا کر انہیں تورات عطا فرمائی۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی سفارش پر ان کے بھائی جناب ہارون علیہ السلام کو نبی بھی بنایا۔ اور انہیں موسیٰ علیہ السلام کا وزیر بھی بنایا۔ تاکہ موسیٰ علیہ السلام کی کمر مضبوط ہو اور وہ موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں بنی اسرائیل کو سیدھی راہ پر قائم رکھیں

(آیت نمبر ٣٦) پھر ہم نے ان دونوں بھائیوں سے کہا کہ تم دونوں ان کے پاس جاؤ۔ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ آیات سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکامات ہیں۔ جن کا ذکر قرآن مجید میں کئی مقامات پر ہوا۔ یا جو موسیٰ علیہ السلام سے معجزات ظاہر ہوئے۔ **فائدہ**: بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ یہاں آیات سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات یا آسمانی کتابیں ہیں تو جب موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی جناب ہارون فرعونیوں کے پاس آ گئے اور انہوں فرعونیوں کو ہر طرح سے سمجھایا۔ مگر وہ نہ مانے۔ تو پھر تمام فرعونی دریا میں غرق ہو کر تباہ ہو گئے۔

(آیت نمبر ٣٧) اسی طرح نوح علیہ السلام کی قوم بھی اس وقت تباہ و ہلاک ہوئی جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یعنی نوح علیہ السلام شیث اور ادریس علیہ السلام کی تکذیب کی۔ اگر صرف جناب نوح کی تکذیب کی ہو تو بھی ایک نبی کی تکذیب سب کی تکذیب ہے۔ اس لئے کہ سب انبیاء کا نقطہ نظر ایک ہی ہے اور وہ توحید ہے اور ہر نبی بعد میں آنے والے انبیاء پر ایمان لانے کا حکم دیتا رہا۔ خصوصاً نبی آخر زمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا ہر نبی نے اپنی امت سے وعدہ لیا



وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا ﴿۳۸﴾

اور عاد اور ثمود اور کنویں والے اور بھی سنگتیں درمیان اس کے گذریں بہت ساری۔

وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا

اور سب سے بیان کردیں ہم نے مثالیں اور سب کو ہم نے تباہ وبرباد کردیا۔ اور تحقیق آئے

عَلَى الْقَرْیَةِ الَّتِیْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ یَكُوْنُوْا یَرَوْنَهَا ۚ

اوپر اس بستی کے جس پر بری بارش بری تو کیا وہ نہیں اسے دیکھ رہے تھے

بَلْ كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾

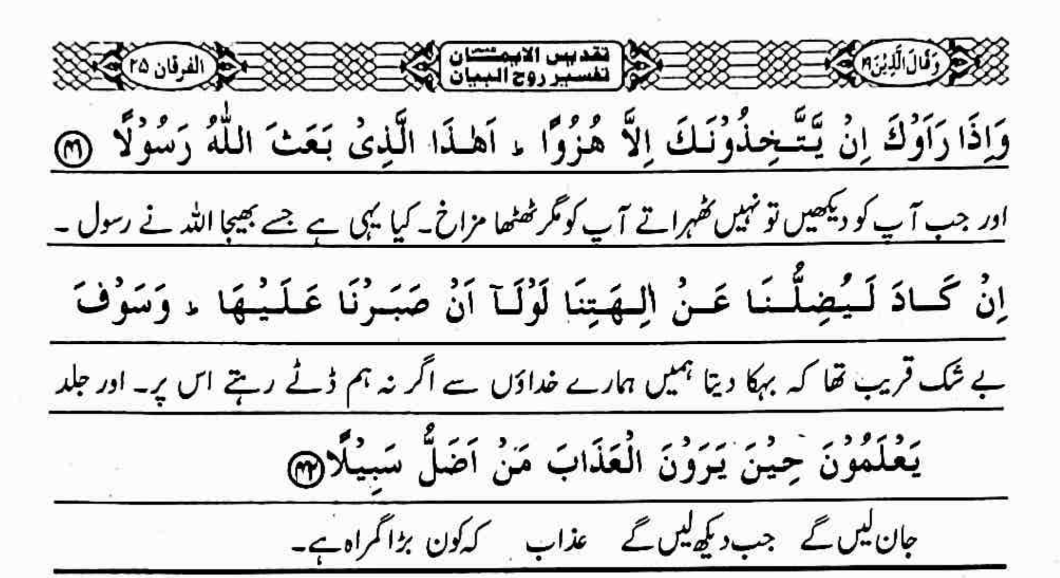
بلکہ تھے ناامید جی اٹھنے سے۔

(بقیہ آیت نمبر۳۷) تو جب نوح علیہ السلام کی قوم نے تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انہیں پانی کے طوفان میں غرق کیا پھر ہم نے ان کی ہلاکت اور غرقابی کو قیامت تک آنے والے لوگوں کیلئے عبرت کا نشان بنایا اور آخرت میں ظالموں کیلئے دردناک عذاب تیار کیا۔

(آیت نمبر۳۸) قوم عاد نے ہود علیہ السلام کی اور قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے اسی طرح کنویں والوں نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی کہ ایک دن سب ایک جگہ کنویں کے پاس جمع تھے کہ زلزلہ آیا۔ اس میں وہ بھی اور ان کے اموال بھی تباہ ہوگئے بعض علماء نے اس سے مراد حنظلہ بن صفوان نبی مراد لئے ہیں کہ جن کو ان کی قوم نے کنویں میں گرایا تو پانی بالکل خشک ہوگیا اور وہ پیاس سے بلک بلک کر ہلاک ہوئے اس کے متعلق ایک لمبی روایت حضرت علی المرتضیٰ سے بھی منقول ہے۔ فیوض الرحمٰن میں دیکھی جاسکتی ہے۔ آگے فرمایا کہ اس کے درمیان بھی بہت زمانوں میں انبیاء کرام علیہم السلام کے دشمنوں کو تباہ کیا گیا جنہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

(آیت نمبر۳۹) ہم نے مذکورہ ہلاک ہونے والوں کے ہر گروہ کو نصیحت کی اور خوف خدا سے ڈرنے کیلئے ان کے پاس انبیاء بھیجے۔ جن کی وجہ سے وہ کفر اور گناہوں سے بچ سکتے تھے لیکن ان کے انبیاء کو جھٹلانے اور کفر اور گناہوں پر ڈٹ جانے کی وجہ سے ہر گروہ کو تباہ کیا۔

(آیت نمبر۴۰) اور البتہ تحقیق یہ قریش مکہ تجارت کی غرض سے شام کی طرف جاتے ہوئے اس بستی پر ان کا گذر کئی بار ہوا۔ جس پر بری بارش اتری۔ یعنی قوم لوط کی بستی جن کے پانچ شہروں میں یہ بڑا شہر تھا۔ ان میں بڑی برائی لواطت کا عمل تھا۔



وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿٤١﴾

اور جب آپ کو دیکھیں تو نہیں ٹھہراتے آپ کو مگر ٹھٹھا مزاخ۔ کیا یہی ہے جسے بھیجا اللہ نے رسول۔

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ

بے شک قریب تھا کہ بہکا دیتا ہمیں ہمارے خداؤں سے اگر نہ ہم ڈٹے رہتے اس پر۔ اور جلد

يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٤٢﴾

جان لیں گے جب دیکھ لیں گے عذاب کہ کون بڑا گمراہ ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۰) اور یہ بستیاں آسمانوں کی طرف اٹھا کر الٹ دی گئیں اور ان پر پتھروں کی بارش اتری۔ ان میں سے ایک آدمی بھی نہ بچ سکا تو یہ قریش تجارت کی غرض سے جب وہاں گذرتے اور اس بستی کی تباہ حالت کو دیکھ کر بھی عبرت حاصل نہیں کی۔ آگے فرمایا کہ کیا ان تاجروں نے ان کی آبادیوں سے گذرتے ہوئے ان کے مکانوں کو گرا ہوا نہیں دیکھا انہیں چاہئے تھا کہ وہاں سے گذرتے وقت اس منظر سے خوف حاصل کرتے بلکہ اس سے عبرت حاصل کر کے ایمان لاتے۔ لیکن یہ تو قیامت کے دن اٹھنے کی توقع بھی نہیں کرتے۔ چونکہ یہ سرے سے قیامت کے ہی منکر ہیں تو پھر انہیں جزاء وسزا سے کیسے کوئی قائل کرسکتا ہے۔

(آیت نمبر ۴۱) اے محبوب جب آپ کو یہ قریش مکہ دیکھتے ہیں تو آپ کی تحقیر واہانت کرتے ہوئے آپ کا ٹھٹھہ مزاخ بناتے ہیں یعنی ابوجہل وغیرہ ٹھٹھہ مزاق کرتے ہوئے کہتے ہیں کیا اسی کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا یہ تو بشر ہے ہماری طرح کھانے کا محتاج ہے۔ اور ہماری طرح بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ چونکہ ان کا خیال تھا کہ نبی فرشتہ ہوتا۔

(آیت نمبر ۴۲) کفار کہنے لگے۔ بے شک محمد (ﷺ) تو ہمیں بہکا دیتے اگر ہم اپنے خداؤں کو ماننے میں پکے نہ ہوتے۔ یعنی وہ تو ہمیں معبودوں کی عبادت سے پھرا کر ان سے بالکل دور کر دیتے اگر ہم اپنے معبودوں کی پرستش پر ثابت قدم نہ رہتے اور انہیں ہم مضبوطی سے نہ پکڑتے (گویا اگر ڈھیٹ نہ ہوتے) تو انہوں نے ہمیں خداؤں سے ہٹا دینا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عنقریب وہ جان لیں گے جب وہ دیکھیں گے عذاب کو جس کے وہ مستحق ہیں۔ انہیں قیامت کے دن کھلا عذاب دیکھ کر خود ہی پتہ چل جائیگا کہ کون سیدھی سے گمراہ ہے۔ (اب دنیا میں تو انہیں سمجھ ہی نہیں آرہی۔ ان کے عقل پر پردہ آیا ہوا ہے۔)

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾

کیا تو نے دیکھا جس نے بنایا اپنا خدا اپنی خواہشات کو۔ تو کیا تم ہو اس پر نگہبان ۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ

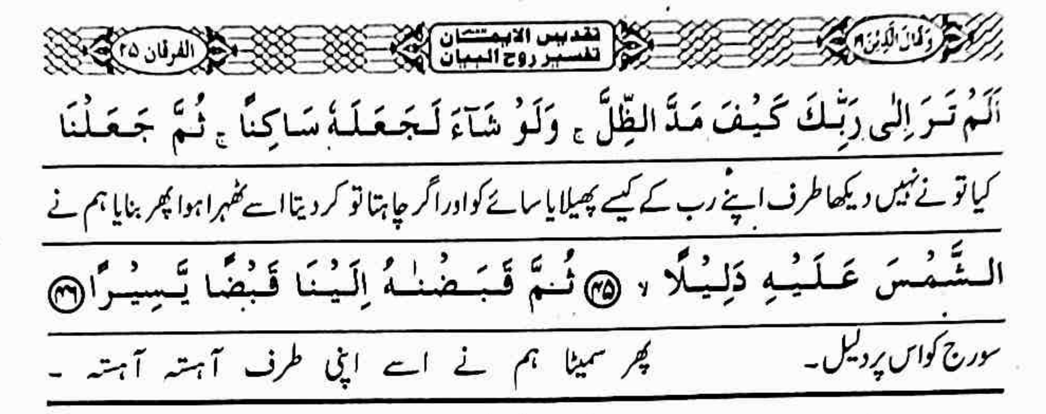
یا تم سمجھتے ہو کہ بے شک ان کی اکثریت سنتے یا سمجھتے ہیں۔ نہیں ہیں یہ مگر چوپائیوں کی طرح

بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾

بلکہ وہ ان سے بھی بڑے گمراہ ہیں۔

(آیت نمبر۴۳) کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو ہی اپنا معبود بنالیا یہ کلمہ یہاں تعجب کے طور پر لایا گیا ہے یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی کسی سے محبت خواہش نفسانی سے کرے۔ خواہ وہ شیءمحمود ہو یا مذموم۔ پھر عموماً یہ غیر محمود پر استعمال ہونے لگا یعنی جس کا میلان محض شہوت کی بناء پر ہو یا جس کی خواہش نفس بہت زیادہ کرے گویا اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ تم اس سے تعجب نہیں کرتے۔ جس نے خواہش نفسانی کو معبود کے قائم مقام بنالیا ہے کیا تم نے اسے دیکھا ہے اور اے محبوب آپ اس کام کیلئے نہیں بھیجے گئے کہ آپ زبردستی ان سے کفر و شرک چھڑائیں بلکہ آپ کو صرف انہیں جہنم کا خوف دلانے کیلئے بھیجا گیا ہے۔

(آیت نمبر۴۴) تمہارا گمان ہے کہ ان کے سامنے جو آیات قرآنی پڑھی جاتی ہیں ان کو صحیح صحیح سنتے یا پند ونصائح کو یا جو باتیں برائیوں سے روکنے والی ہیں انہیں سنتے یا سمجھتے ہیں۔ ایسی بات نہیں ان میں سے کچھ ہیں جو صحیح سنتے سمجھتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر تکبر اور بغاوت سے روگردانی کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں خطرہ ہے کہ نبی پر ایمان لائے تو ہماری چوہدراہٹ ختم ہوجائے گی لہذا یہ جو نہ قرآن سنتے نہ دلائل سمجھتے ہیں یہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ (سیدھی راہ پر نہ چلنے کی وجہ سے) جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ جانور پھر بھی اپنے محسن کی تمیز رکھتا ہے اور یہ اپنے رب تعالیٰ کے ہی نافرمان اور احسان فراموش ہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے کہنے پر چل جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کہنے پر نہیں چلتے جانور تو نہ حق کے اعتقاد کو سمجھتے ہیں نہ خیر و شر کو اس لئے کہ انہیں ان باتوں کا علم ہی نہیں اور یہ ان سب امور کو جاننے کے باوجود اس سے غافل ہیں جانوروں کی جہالت کسی کو نقصان نہیں دیتی اور ان کی جہالت ہزاروں فتنوں کے دروازے کھولتی ہے۔



اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا

کیا تو نے نہیں دیکھا طرف اپنے رب کے کیسے پھیلایا سائے کو اور اگر چاہتا تو کر دیتا اسے ٹھہرا ہوا پھر بنایا ہم نے

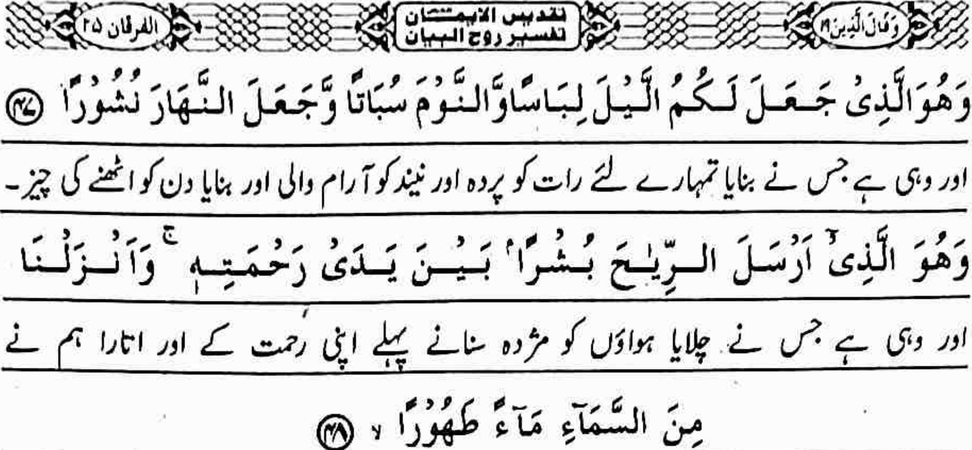
الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾

سورج کو اس پر دلیل۔ پھر سمیٹا ہم نے اسے اپنی طرف آہستہ آہستہ۔

(آیت نمبر ۴۵) اے محبوب کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کاری گریوں میں ایک عجیب وغریب صنعت کہ کس طرح سائیہ لمبا۔ کیا پھر سورج کی رفتار کے ساتھ سائے کو تھوڑا تھوڑا کم کرتا ہے۔ زوال تک سائیہ بڑھتا رہتا ہے پھر زوال کے بعد سایہ سورج کی روشنی کو کم کرنا شروع کر دیتا ہے یہاں تک کہ روشنی بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت کو بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ تمام امور حادثہ میں اسکی حکمت کو بالذات دخل ہے لیکن اس میں کسی واسطہ کی اسے حاجت نہیں۔ ہر چیز میں بالذات وہی موثر ہے اگر وہ چاہے تو اسی سائے کو ساکن بنا دے۔ اس لئے کہ ہم نے سورج کو ایک ایسی علامت بنایا ہے۔ جس کے تغیر احوال سے سائے کا پتہ چلتا ہے اس میں کسی سبب کی ضرورت نہیں۔

(آیت نمبر ۴۶) پھر ہم نے اسے اپنی قدرت اور مشیت سے سمیٹا جیسے ہم نے پھیلایا ایسے ہی اسے سمیٹ لیا۔ یعنی جوں جوں سورج اوپر چڑھتا گیا تو مغرب کی جانب توں توں سائیہ گھٹتا چلا گیا۔ یہ کیفیت آہستہ آہستہ ہوتی ہے جو نظر نہیں آتی۔ اگر اکٹھا ہی سمیٹ لیا جاتا تو جو سورج سے یا سائے سے جو منافع مطلوب تھے وہ سب ختم ہو جاتے۔ ہم نے سائے کو بتدریج سمیٹا تا کہ لوگ سائے اور دھوپ سے نفع حاصل کر سکیں۔

شانِ نزول : اس آیت کے شان نزول کے متعلق صاحب کشف الاسرار نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ ایک سفر کے دوران ایک درخت کے سائے میں قیلولہ کرنے کیلئے آرام فرما ہوئے لیکن لشکر بڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی خاطر سائے کو اتنا بڑھا دیا کہ پورے لشکر نے اس درخت کے نیچے آرام کر لیا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک ﷺ کی کرامت کے لئے اس معجزے کو بھی ظاہر فرما دیا۔



وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾

اور وہی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے رات کو پردہ اور نیند کو آرام والی اور بنایا دن کو اٹھنے کی چیز۔

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۙ ﴿۴۸﴾

اور وہی ہے جس نے چلایا ہواؤں کو مژدہ سنانے پہلے اپنی رحمت کے اور اتارا ہم نے

آسمان سے پانی پاک۔

(آیت نمبر ۴۷) اوراللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے رات کوتمہارے لئے لباس بنایا جیسے لباس انسان کو چھپا لیتا ہے۔ایسے ہی رات انسان کواپنے اندھیرے میں چھپا لیتی ہے۔آگے فرمایا کہ نیند کوتمہارے لئے آرام کی چیز بنایا۔چونکہ عموماً رات کے وقت جونیند کی جاتی ہے۔اس میں تمام کاروبار ختم ہوجاتے ہیں اورتھکا ہوا انسان آرام کرلیتا ہے۔آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دن کوروشنی پھیلانے والا بنایا۔یعنی اس وقت میں لوگ زمین پرپھیل کررزق ومعاش تلاش کرتے ہیں۔دوسرے مقام پرفرمایا کہ رات بنائی تاکہ اس میں آرام کرواوردن بنایا تاکہ تم اس میں اللہ کافضل تلاش کرو۔

فائدہ: بزرگ فرماتے ہیں کہ رات کی گھڑیاں بعض لوگوں کیلئے سکون اوربعض کیلئے بے قراری کا موجب بنتی ہیں۔مثلاً غافل سکون سے سوتے ہیں اوراہل دل بیدار ہوکریادالٰہی میں مصروف ہوجاتے ہیں۔

سبق: انسان پرلازم ہے کہ بیدار ہوکرغوروفکر کرے۔کہ نیند کوموت سمجھے اور بیداری سے اٹھنے کوقیامت کے اٹھنے سے تعبیر کرے اورعبرت حاصل کرے کہ جیسے نیند سے اٹھا ہے اسی طرح مرنے کے بعد قبر سے یوں ہی اٹھنا ہوگا اور یہ بھی یادرہے جس حال میں موت آئی اسی حال میں اٹھنا بھی ہوگا۔

(آیت نمبر ۴۸) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے کہ جس نے ہواؤں کوچلایا۔وہ ہوائیں جوبارش آنے کی خوش خبری دیتی ہیں۔بارش کواستعارۃ رحمت فرمایا یعنی بارش سے پہلے جوٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں۔اسے رحمت کہا گیا ہے۔اسی لئے آگے فرمایا کہ ہم نے ہی آسمان سے ایسا پانی اتارا جوخود بھی پاک ہے اوردوسروں کوبھی پاک کرتا ہے۔یعنی اس سے حدث (بے وضوئی) بھی دوراور پلیدی بھی دورہوجاتی ہے۔

لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿٤٩﴾

تا کہ ہم زندہ کریں اس سے شہر مردہ کو اور ہم پلائیں ان کو جنہیں پیدا کیا ہم نے چوپائے اور انسان بہت۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٥٠﴾

اور تحقیق ہم نے پھرایا اسے ان میں تا کہ یاد کریں تو نہ مانا اکثر لوگوں نے مگر ناشکری کرنا۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۸) **مسئلہ**: فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ پانی کے زیادہ وقت ایک جگہ ٹھہرنے سے تغیر آ جائے یعنی رنگ، بو، ذائقہ بدل جائے یا ایسی چیز مل گئی جس سے بچنا ناممکن ہو جیسے مٹی یا پتے وغیرہ تو بھی پانی پاک ہے لیکن دوسری چیز کا غلبہ ہو جائے تو پھر پاک تو ہوگا مگر کسی اور کو پاک نہیں کرے گا۔ حدیث میں ہے ہمیشہ پاک (باوضو) رہو۔ تمہارے رزق میں وسعت ہوگی۔

نکتہ: انسان کیلئے تنبیہ ہے کہ جس طرح ظاہر کو پاک کرنا ضروری ہے۔ ایسے ہی باطن کو باطنی خرابیوں سے پاک کرنا اس سے زیادہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ کا نظارہ ظاہر سے نہیں باطن سے ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۴۹) تا کہ ہم مردہ شہروں کو آباد کر کے زندہ کریں۔ یعنی جہاں خشک سالی، قحط اور ویرانی تھی۔ اسے آباد کر دیں اور تا کہ پانی پہنچائیں وادیوں، حوضوں اور چشموں میں اپنی مخلوق میں سے جانوروں اور کثرت کے ساتھ انسانوں کو پانی پلائیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی قدرت پر قربان جائیں۔ پہلے انسان کا ذکر کیا پھر اس کی ضروریات یعنی اس کے رزق کا ذکر کیا اور جانوروں کا خصوصاً ذکر فرمایا پھر حیوانوں کے رزق نباتات کا ذکر کیا۔ پھر پانی کا ذکر کیا کہ وہ نباتات کا بھی رزق ہے۔

(آیت نمبر ۵۰) اور البتہ تحقیق ہم نے قرآن مجید یا دیگر کتب سماویہ میں اس قسم کی مثالوں کو بار بار دہرایا، متقدمین اور متاخرین کے درمیان تا کہ وہ ان میں غور و فکر کریں اور اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کو پہچانیں اور نعمت کا حق پہچانیں اور نعمت دینے والے کا شکریہ ادا کریں لیکن ان میں سے اکثر لوگوں نے سوائے کفران نعمت کے اور کچھ نہ ہوا کفران نعمت ان سے یہ ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی پاک ﷺ کی نبوت و شریعت کا ہی انکار کر دیا۔ یعنی نعمتیں اللہ تعالیٰ کی کھائیں۔ اور شکریہ بھی اس کا ادا نہیں کیا۔ بلکہ کفر کیا۔

فائدہ: کفران کا لفظ اکثر نعمت کے انکار پر اور کفر اللہ تعالیٰ کے انکار پر استعمال ہوتا ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ

اور اگر چاہتے تو بھیج دیتے ہر بستی میں ڈرانے والا۔ تو نہ مان کافروں کی

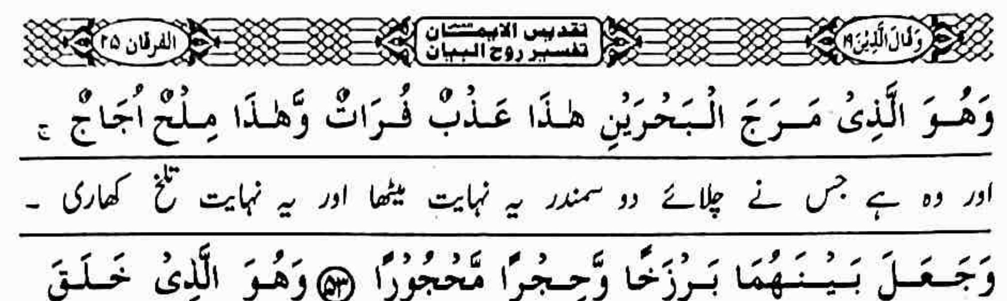
وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ﴿٥٢﴾

اور جہاد کران سے بہت بڑی کوشش سے۔

(بقیہ آیت نمبر۵۰) **فائدہ**: یا اس سے مراد ہے کہ ہم بارش کو بعض شہروں اور جگہوں پر مختلف مقامات پر اتارتے ہیں۔ نہ کم کر کے قحط سالی میں مبتلا کرتے ہیں۔ نہ بہت زیادہ کر کے ان کا نقصان کرتے ہیں۔ لیکن ان میں اکثر لوگ کفران نعمت یعنی ناشکری کرتے ہیں۔ اور دین کے لحاظ سے کفر کو پسند کرتے ہیں۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ رات دن میں کوئی ایسی گھڑی نہیں جس میں کہیں نہ کہیں بارش نہ ہو رہی ہو جہاں اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے بارش وہیں ہوتی ہے۔ (بخاری) **مسئلہ**: جو کہے کہ بارش ستاروں کے اثر سے ہوتی ہے وہ کافر ہے۔ بارش میں صرف اللہ تعالیٰ کی مرضی کو دخل ہے۔

(آیت نمبر۵۱) اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں الگ الگ رسول بھیج دیتے اس سے آپ کی نبوت ورسالت کا بوجھ ہلکا ہو جاتا لیکن ہم نے آپ کو ختم المرسلین بنایا کہ آپ قیامت تک کیلئے تمام انسانوں بلکہ کل کائنات کے ذرے ذرے کے لئے رسول بن کر تشریف لائے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی عزت افزائی۔ اور تمام رسولوں پر فوقیت عطا فرمائی کہ ہر بستی میں کوئی ڈرسنانے والا رسول نہیں بھیجا۔ (بلکہ ہر بستی اور قریہ میں اپنے رسول کے غلاموں کو لوگوں کی ہدایت کیلئے بھیجا)۔ **فائدہ**: اس میں مرزائیوں کا بھی رد بلیغ ہے جو کہتے ہیں کہ ہر زمانے میں اور ہر جگہ نبی ہوسکتا ہے اس طرح وہ امام الانبیاء ﷺ کی عزت وعظمت میں توہین کرتے ہیں۔

(آیت نمبر۵۲) اے محبوب ان کافروں کی بات نہ مانیں یعنی کفار نے جو اپنے معبودوں کی پرستش کیلئے آپ کو دعوت دی اسے قبول نہ کیجئے بلکہ ان کی طرف معمولی جھکاؤ بھی نہ کریں اور حق کے اظہار کیلئے پوری کوشش کریں اور ان سے بہت بڑا جہاد کریں یعنی دشمن کی مدافعت میں پوری طاقت استعمال کریں اس میں معمولی سی سستی بھی نہ کریں۔ جہاد تلوار اور زبان دونوں سے ہوسکتا ہے۔ زبان سے یوں کہ ان کی جملہ خرابیاں لوگوں پر واضح کرو۔ حدیث میں سب سے افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے (بخاری)۔ اس لئے کہ عام دشمن سے مغلوب ہونے کے ساتھ غالب ہونے کی بھی امید ہوتی ہے۔ لیکن ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے سے تو ہلاکت ہی ہے اس لئے اسے افضل جہاد کہا گیا۔



وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ج

اور وہ ہے جس نے چلائے دو سمندر یہ نہایت میٹھا اور یہ نہایت تلخ کھاری ۔

وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿٥٣﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ

اور بنایا ان کے درمیان پردہ اور آڑ روکی ہوئی۔ اور وہی ہے جس نے بنایا

مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ط وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴿٥٤﴾

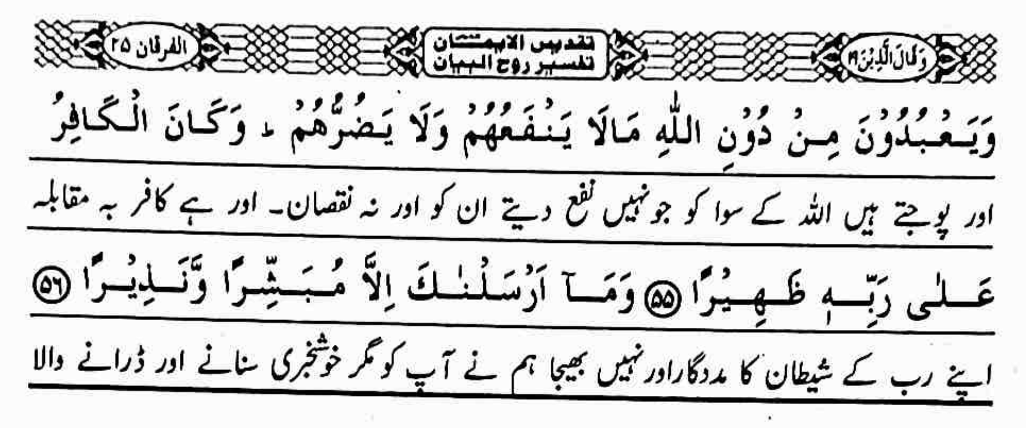
پانی سے انسان پھر اس سے بنائے رشتے اور سسرال۔ اور ہے تیرا رب قدرت والا ۔

(آیت نمبر ۵۳) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے دو دریاؤں کو ایسے چلایا کہ مل کر بھی چل رہے ہیں اور آپس میں مکس بھی نہیں ہوتے حالانکہ بالکل اکٹھے چل رہے ہیں۔ ایک ان میں پینے کے لحاظ سے میٹھا خوشگوار ہے کہ مزے سے پیا جائے اور دوسرا سخت کڑوا ہے اسے پینا تو درکنار اس کو منہ لگانا بھی مشکل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں دریاؤں کے درمیان ایک آڑ بنادی جو کسی کو نظر نہیں آتی۔ گویا دونوں ایک دوسرے کے خلاف چل رہے ہیں۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے بحر فارس اور بحر روم مراد ہیں۔ بعض علماء نے اس کے علاوہ بھی مراد لئے ہیں سیحون اور جیحون بعض نے دریائے نیل اور فرات لئے ہیں۔

عجوبہ: علماء فرماتے ہیں کہ بحر تنیس چھ ماہ تک میٹھا رہتا ہے اور چھ ماہ کڑوا رہتا ہے جہاں دونوں دریا ملتے ہیں تو میٹھا اوپر اور کڑوا نیچے ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۵۴) اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے پانی سے انسان پیدا کیا۔ اس پانی سے انسان کا نطفہ مراد ہے۔ بشر کا معنی ظاہری چمڑا ہے۔ آگے فرمایا کہ پھر اس بشر سے نسب اور سسرال بنائے: (۱) نسب سے وہ نرینہ رشتہ جس کی طرف وہ سب منسوب ہوں۔ مراد باپ یا دادا ہے۔ (۲) اور سسرال سے مراد وہ زنانہ رشتہ جن کے ساتھ مردوں کے اختلاط سے نسل میں اضافہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے اس سے نر اور مادہ پیدا کئے۔ آگے فرمایا کہ تیرا رب بہت بڑا قدرت والا ہے کہ اس نے صرف ایک مادہ سے بے شمار انسان بنا دیئے پھر ان میں طبیعتیں وغیرہ بھی الگ الگ بنادیں پھر ان سے دو بالمقابل قسمیں بنائیں پھر ان کے مادے کو ملا کر ایک مادہ بنایا۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ یہ آیت حضور ﷺ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے حق میں ہے۔



وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ

اور پوجتے ہیں اللہ کے سوا کو جو نہیں نفع دیتے ان کو اور نہ نقصان۔ اور ہے کافر بہ مقابلہ

عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿٥٥﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٥٦﴾

اپنے رب کے شیطان کا مددگاراور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر خوشخبری سنانے اور ڈرانے والا

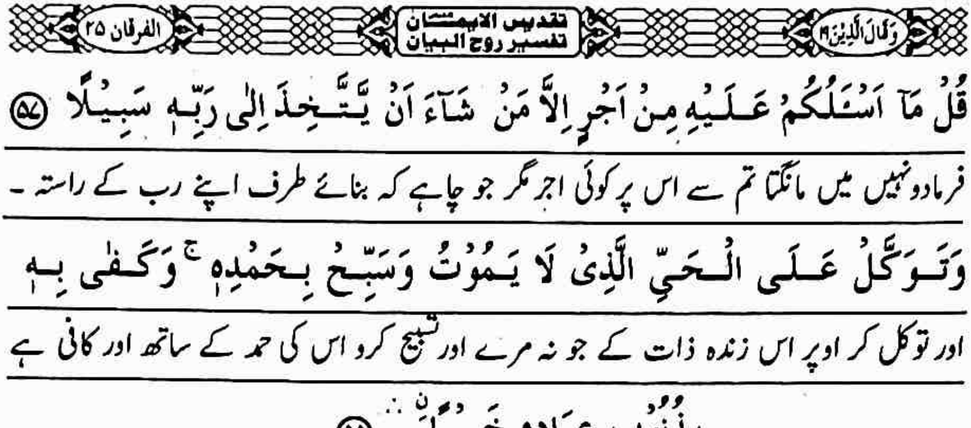
(بقیہ آیت نمبر۵۴) کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نکاح حضرت فاطمہ سے ہوا۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور ﷺ کے عم زاد بھی اور داماد بھی تھے۔اس طرف سے نسب میں شامل تھے اور صہراً میں بھی (اس نکاح کی مزید تفصیلات دیکھنی ہو تو فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔

(آیت نمبر۵۵) اور مشرک لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو پوجتے ہیں جو نہ انہیں کوئی فائدہ دیتے ہیں اور نہ انہیں نقصان دیتے ہیں نفع سے مراد کسی خیر کا ملنا۔ بتوں کی پوجا سے خیر نہیں ملتی بلکہ ان کو پوجنے سے نقصان ملتا ہے۔ اسی طرح دیگر مخلوق میں کوئی شیء بالذات نہ نفع دیتی ہے نہ ہی نقصان دیتی ہے۔

آگے فرمایا کہ کافر حق سے عداوت کی وجہ سے اپنے رب تعالیٰ کا ساتھ دینے کے بجائے شیطان مردود کا مددگار بنا ہوا ہے۔اس سے مراد ابوجہل ہے کہ اس نے رب رحمان کی نافرمانی اور حضور ﷺ کی دشمنی میں شیطان کی پوری پوری مدد کی اور لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے ابھارا یہ بھی شیطان کی مدد میں شامل ہے۔

فائدہ: یاد رہے۔اللہ تعالیٰ کو کسی ساتھی کی ضرورت نہیں نہ کسی کی مدد کی ضرورت ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کا ساتھ نہیں دیا بلکہ شیطان کا ساتھی اور مددگار بنا۔

(آیت نمبر۵۶) اے محبوب نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر خوشخبری سنانے والا ان کو جو ایمان لائے۔ کہ آخرت میں جنت یا رحمت الٰہی نصیب ہوگی۔ بشارت سے مراد وہ خبر کہ جس میں فرحت اور سرور ہو۔اور جہنم سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا یعنی کافروں کو غضب الٰہی سے ڈرانے والا۔انذار کا مطلب یہ ہے کہ ایسی بات سنائے جس میں ڈر اور خوف ہو۔یعنی کفار ومشرکین کو بتایا کہ اگر تم نہ مانے اور کفر وشرک سے باز نہ آئے تو قیامت کے دن جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔ جہاں سے کبھی بھی نہیں نکل سکو گے۔



قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿٥٧﴾

فرمادو نہیں میں مانگتا تم سے اس پر کوئی اجر مگر جو چاہے کہ بنائے طرف اپنے رب کے راستہ ۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ

اور توکل کر اوپر اس زندہ ذات کے جو نہ مرے اور تسبیح کرو اس کی حمد کے ساتھ اور کافی ہے

بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿٥٨﴾

اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار۔

(آیت نمبر ۵۷) اے محبوب آپ انہیں بتادیں کہ نہیں مانگتا میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر کچھ بھی کوئی اجر یا مزدوری کہ تم عذر کرو کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تو چونکہ تبلیغ اسلام کر کے ہم سے مال مانگتے ہیں اس لئے ہم ان کی اتباع نہیں کرتے

فائدہ: اجر کا مطلب وہ فائدہ جو انسان کو کسی عمل کے نتیجے میں حاصل ہو خواہ دنیوی ہو یا اخروی۔ آگے فرمایا کہ مگر جو چاہے بنائے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی طرف کوئی راستہ یعنی اس کا مقرب بننا چاہے۔ یا فرمایا کہ ایمان واطاعت سے تم میری دعوت قبول کرو کسی مال وغیرہ کی مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ میرے رب تعالیٰ کی مجھ پر بہت مہربانی اور عطا ہے۔ وہی مجھے آخرت میں اس پر اجر وثواب دے گا۔ (۱) اس سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ ہر نبی علیہ السلام نے قوم سے دعوت وتبلیغ پر کوئی اجر نہیں مانگا۔ (۲) چونکہ وہ کافر تھے۔ اگر مسلمان بھی ہوں تب بھی نبی کبھی اپنی ذات کیلئے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔

مسئلہ: علماء کرام نے فرمایا کہ اذان واقامت تعلیم وتدریس۔ فقہ کی درس وتدریس وعظ وتقریر پر اجرت تنخواہ یا نذرانہ وغیرہ لینا جائز ہے اس لئے کہ آج کے دور میں دینی امور کے اندر لوگوں کی رغبت کم ہوگئی ہے۔ اگر تنخواہ وغیرہ نہ دی گئی تو دینی کام رک جانے کا ڈر ہے۔

(آیت نمبر ۵۸) اس ذات پر بھروسہ کریں جو ہمیشہ زندہ ہے اس پر موت نہیں آئیگی وہی ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھتا ہے اور وہ سب کا کارساز ہے چاہئے کہ اسی پر توکل کیا جائے۔ بالآخر سب پر موت واقع ہوگی۔

فائدہ: یہی عقیدہ رکھنا فرض ہے اور ایمان کی شرط ہے۔ قرآن میں فرمایا اگر مومن ہو تو اللہ پر ہی توکل کرو۔ عوام کا توکل یہ ہے کہ ملے تو شکر کرتے ہیں نہ ملے تو صبر کرتے ہیں۔ خواص کا توکل یہ ہے کہ ملے تو بانٹ دیتے ہیں نہ ملے تو صبر کرتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ اس کی حمد کے ساتھ اسکی پاکی بیان کریں کہ وہ ہر نقصان سے پاک اور وہم وگمان سے بلند ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی

وہ جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پھر استویٰ کیا

عَلَی الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا

اوپر عرش کے نہایت مہربان ہے تو پوچھ اس کے جاننے والے سے۔ اور جب کہا جائے انہیں کہ سجدہ کرو

لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۚ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۩ السجدة ع ﴿۶۰﴾

رحمان کو تو کہتے ہیں کہ رحمان کیا ہے۔ کیا سجدہ کریں اسے جس کا تو حکم دیتا ہے اور بڑھی ان کی نفرت

(بقیہ آیت نمبر ۵۸) **حدیث شریف** میں ہے جو دن میں سو بار سبحان اللہ وبحمدہ کہے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ خواہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں (بخاری ومسلم)۔ آگے فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کے ظاہری اور باطنی گناہوں پر خبر دار ہے جس کا وہ بدلہ دے گا۔

(آیت نمبر ۵۹) اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے زمین وآسمان اور ان کے درمیان جو بھی ہے وہ اس نے صرف چھ دنوں میں بنایا۔ اگر چہ وہ ایک لمحے میں بھی بنا سکتا ہے لیکن اپنے بندوں کو بتانے کیلئے کہ کاموں میں جلد بازی نہ کریں ہر کام سوچ سمجھ کر کریں۔ اس کے بعد وہ عرش پر مستوی ہوا جس کی حقیقت کو وہ خود بہتر جانتا ہے۔ بہر حال عرش اور اس کے ماسوا سب اسی کا ہے۔ البتہ کائنات میں سب سے عظیم چیز عرش الٰہی ہے۔ اسی ذات کا نام رحمان بھی ہے۔ خلق اور استویٰ کے متعلق کسی خبر رکھنے والے سے پوچھ لے۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ خبر رکھنے والے کے بغیر تجھے یہ کوئی نہیں بتائے گا۔ اور وہ یا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یا اس کے رسول کو خبر ہے۔

(آیت نمبر ۶۰) جب ان مشرکوں کو کہا جائے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو یعنی اس کی نماز پڑھو تو وہ کہتے ہیں رحمٰن کیا چیز ہے یا وہ کون ہے چونکہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے اس نام سے بے خبر تھے۔ اگر چہ سابقہ آسمانی کتابوں میں یہ نام موجود تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ہی دوسرا نام رحمان ہے۔ یا وہ غیر اللہ کے لئے لفظ رحمان استعمال کرتے تھے۔ جیسے مسیلمہ کذاب کو بھی رحمان کہتے تھے۔ لہذا وہ کہتے کہ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کے متعلق تو ہمیں حکم دیتا ہے ہم تو رحمان کو سجدہ نہیں کرتے۔ اس وجہ سے ان کی نفرت اور زیادہ ہوگئی (سجدہ کے متعلق تفصیلی معلومات فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿۶۱﴾

بڑی برکت والا ہے جس نے بنائے آسمان میں برج اور رکھے ان میں چراغ اور چاند چمکنے والا۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ

اور وہی ہے جس نے بنایا رات اور دن بدلنے والے اس کیلئے جو چاہے کہ نصیحت حاصل کرے

اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾

یا چاہے کہ شکر کرے۔

(آیت نمبر ۶۱) بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں برج بنائے برج سے مراد سیارے۔ سورج چاند وغیرہ جن سے زمین آباد ہے۔ (اس سے مراد یا چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں)۔

فائدہ: آسمان میں بارہ برج ہیں جو کہ سورج کی منزلیں ہیں اور اس آسمان میں یا بروج میں چراغ یعنی سورج بنایا دوسرے مقام پر فرمایا۔ (جعل الشمس سراجا) آگے فرمایا اور چاند بنایا رات کو روشن کرنے والا۔

فائدہ: نفائس المجالس میں ہے کہ یہ قدرت الٰہی کے کمال کی دلیل ہے کہ اس قدر روشن ستارے انسان کی خدمت پر لگا دیئے لیکن افسوس ہے پھر بھی وہ اطاعت کرنے سے دور بھاگتا ہے۔

(آیت نمبر ۶۲) وہی ذات ہے جس نے اپنی حکمت کاملہ سے رات اور دن کو بنایا جو لگا تار آگے پیچھے آ رہے ہیں۔ یہ اس کیلئے نصیحت ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہے۔ بندے کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کاری گری میں غور و فکر کر کے اس ذات کو پہچانے۔

فائدہ: مسلمان کو یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ صانع حکیم واجب بالذات اور رحیم علی العباد ہے۔ آگے فرمایا کہ یا وہ ارادہ کرے شکر کرنے کا یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر منعم کا شکریہ ادا کرنا۔ خواہ زبان سے بول کر یا دل سے یقین کر کے یا اعضاء سے نماز وغیرہ پڑھ کر۔ ہر طریقے سے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا جا سکتا ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ

اور بندگان خدا وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر آہستہ آہستہ اور جب مخاطب ہوں ان سے

الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾

جاہل تو کہتے ہیں بس سلام۔ اور جو رات گذارتے ہیں اپنے رب کیلئے سجدے اور قیام میں۔

(آیت نمبر ۶۳) رحمان کے وہی بندے ہیں جو زمین پر نرمی کے ساتھ چلتے ہیں جو اکڑ کر یا تکبر سے چلتے ہیں وہ نفس یا شیطان یا خواہشات کے بندے ہیں۔ اگر چہ انہیں پیدا تو اللہ تعالیٰ نے کیا لیکن وہ اس کو بھول گئے۔ آگے فرمایا کہ جب وہ جاہلوں سے مخاطب ہوں تو انہیں سلام کہہ کر ان سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں تا کہ جاہلوں کے شر سے محفوظ رہیں۔ یعنی ان سے نہ الجھتے ہیں۔ نہ بحث وغیرہ کرتے ہیں۔ بلکہ خاموشی سے گذر جاتے ہیں۔

فائدہ: مفسرین فرماتے ہیں کہ سلام سے مراد یہ مشہور سلام نہیں ہے بلکہ وہ جاہلوں سے جان چھڑانے کا سلام ہے۔ جس سے وہ ان کی ایذاء سے بچ جاتے ہیں۔ بہر حال جاہلوں بے وقوفوں کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئے نہ ان سے لمبی چوڑی بات کرنی چاہئے۔ ان سے جو بحث کرے وہ بھی بے وقوف ہے۔

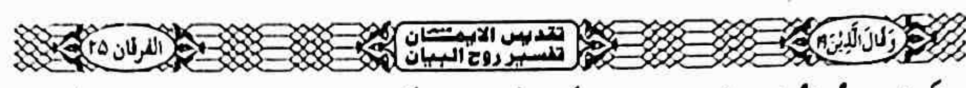
(آیت نمبر ۶۴) رحمان کے بندے وہی ہیں جو اپنی راتیں اپنے رب کیلئے گذارتے ہیں جنہیں نہ اپنے جسمانی آرام کا خیال نہ نفسانی خواہشات کا بلکہ وہ رات کبھی سجدے کی حالت میں تو کبھی قیام کی حالت میں گذارتے ہیں۔ سجدے کا ذکر قیام سے پہلے اس لئے کیا تا کہ معلوم ہو کہ نماز میں سب سے اہم چیز سجدہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بندہ بوقت سجدہ اللہ تعالیٰ کے بہت ہی قریب ہوتا ہے (مسلم شریف) کفار تکبر کی وجہ سے سجدہ کرنے سے گھبراتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ رحمان کے بندے پوری رات یا رات کا اکثر حصہ نماز میں گذارتے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا کہ وہ رات کو بہت کم سوتے ہیں۔

نکتہ: چونکہ رات کی عبادت نفس کیلئے مشکل اور ریاء سے بعید ہے۔ اس لئے وہ بہت محبوب اور مقبول ہے۔

فائدہ: پوری رات عبادت کرنے والوں میں سعید بن مسیب، فضیل بن عیاض ابوسلیمان دارانی، حبیب عجمی، مالک بن دینار، رابعہ بصریہ، غوث اعظم اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ ہیں۔

حدیث شریف: جو رات والی نماز کی کثرت کرے اس کا چہرہ نورانی ہوتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)



وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾

اور جو کہتے ہیں ہمارے رب پھیر ہم سے عذاب جہنم کا بے شک اس کا عذاب ہے گلے کا طوق ۔

اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾

بے شک وہ بہت بری ہے ٹھہرنے کی جگہ۔

(آیت نمبر ٦٥) وہ جو نمازوں کے بعد دعا میں کہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار جہنم کا عذاب ہم سے پھیر۔ بے شک جہنم کا عذاب گلے کا پھندا ہے جس میں سخت ہلاکت ہے۔ جب کفار جہنم میں جائیں گے پھر انہیں اس میں کوئی مہلت نہیں ملے گی۔ یعنی نہ عذاب میں کمی نہ اس میں کوئی وقفہ ہوگا۔

غرام: قرض دار کو کہتے ہیں جیسے قرض خواہ قرض دار کے پیچھے ہر وقت لگا رہتا ہے۔

فائدہ: محمد بن کعب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار سے اپنی نعمتوں کا ثمن طلب کیا۔ یعنی اپنی عبادت کا حکم دیا۔ لیکن انہوں نے ادا نہ کیا تو انہیں اس کی پاداش میں انتہائی سخت عذاب میں ڈالا گیا۔

(آیت نمبر ٦٦) بے شک وہ ٹھکانہ جہنم والا بہت برا ٹھکانہ ہے۔ پہلے ان کے کردار کی برائی کو بیان کیا پھر ان کے برے ٹھکانے کو ذکر کیا۔ یعنی وہ مقام جہاں انہوں نے جانا ہے۔ وہ جہنم ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ وہ لوگ مخلوق خدا کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ پوری رات عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ زاری وانکساری بھی کرتے ہیں اور ڈرے ہوئے آرزو کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ سوال و دعا میں اپنے آپ کو مجرم اور گناہ گار تصور کرتے ہیں۔ نہایت عاجزی سے اپنا عذر رب کریم کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ مطلقاً دعا مانگنا ہمہ وقت جائز ہے۔ خصوصاً عبادت کے بعد کیونکہ دعا عبادت کا مغز ہے نمازی کو چاہئے کہ وہ نماز کے بعد ضرور دعا مانگے۔ خواہ اکیلے نماز پڑھی یا جماعت سے۔ اس لئے کہ وہی وقت قبولیت ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ دو وقت میں دعا کبھی رد نہیں جاتی: (١) رات کے آخری حصے میں۔ (٢) فرض نماز کے بعد۔ (بخاری شریف)

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

اور وہ جب خرچ کریں تو نہ حد سے بڑھتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ہیں درمیان اس کے قائم رہنے والے

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ

اور جو نہیں پوجتے ساتھ اللہ کے کسی خدا دوسرے کو اور نہ قتل کرتے ہیں اس جان کو جو حرام کی

اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۙ ﴿٦٨﴾

اللہ نے مگر حق سے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔ اور جو کرے یہ وہ ملے گا سزا کو۔

(آیت نمبر ٦٧) اور وہ لوگ جب خرچ کریں تو نہ حد سے بڑھتے ہیں کہ بے مقصد خرچ کریں اور نہ بخیلوں کی طرح تنگی سے خرچ کرتے ہیں یعنی درمیانے حساب سے دونوں طرفوں کو مدنظر رکھ کر خرچ کرتے ہیں بلکہ ہمیشہ وہ درمیانے طریقے کو اپناتے ہیں۔ جیسا دوسرے مقام پر فرمایا کہ خرچ کرتے وقت نہ ہاتھ گردن سے بندھا ہو کنجوسوں کی طرح۔ اور نہ بہت کھلا ہوا کہ گھر میں کچھ نہ رہے۔ اور پھر خود ملامت کیا ہوا بیٹھ جائے۔

خرچ کی دو قسمیں: (١) اچھی۔ (٢) بری۔ اچھی قسم یہ ہے کہ بندہ شرع کے مطابق خرچ کرے یعنی صدقہ فرض یا اہل وعیال پر خرچ کرنا یہ محمود بھی ہے اس پر ثواب بھی ہے۔ برے خرچ کی پھر دو قسمیں ہیں: (١) فضول خرچی کرنا۔ (٢) کنجوسی سے خرچ کرنا۔ یہ دونوں قسمیں انتہائی بری ہیں۔ البتہ راہ خدا میں جتنا زیادہ دیا جائے۔ وہ فضول خرچی میں نہیں آتا۔ بلکہ وہ قابل تعریف ہے۔ (جیسے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گھر سے سارا مال لاکر حضور ﷺ کے سامنے رکھ دیا اور فرمایا گھر میں اللہ اور اس کے رسول کا نام ہی چھوڑا ہے) اور باطل جگہ تھوڑا خرچ بھی اسراف میں داخل ہے اور راہ حق میں جتنا زیادہ خرچ ہو وہ اسراف میں داخل نہیں۔ تقتیر کا مطلب یہ ہے کہ جہاں خرچ کرنا ضروری ہو وہاں خرچ نہ کیا جائے۔

(آیت نمبر ٦٨) اور وہ لوگ اپنی عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتے یعنی بتوں وغیرہ کی پوجا نہیں کرتے اور نہ وہ کسی جان کو قتل کرتے ہیں۔ جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ مگر جسے قتل کرنا حق شرع نے مباح کیا ہے۔ جیسے قصاص وغیرہ میں کسی کو قتل کرنا مباح ہے یا شادی شدہ نے زنا کیا یا فسادی ہے ان صورتوں میں اس کو قتل کرنا حق میں داخل ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ زنا بھی نہیں کرتے۔ یعنی عقد شرعی کے بغیر کسی آزاد عورت سے جماع کرنے کو زنا کہا جائے گا۔ اس کی سزا بھی بہت سخت ہے۔

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ

بڑھایا جائیگا اس کا عذاب بروز قیامت اور ہمیشہ رہے گا اس میں ذلت سے۔ مگر جس نے توبہ کی

وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ

اور ایمان لایا اور عمل کیا نیک تو ان کے بدل دے گا اللہ برائیوں کو اچھائیوں سے ۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾

اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔

(بقیہ آیت نمبر ۶۸) **حدیث شریف**: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا میں نے عرض کی پھر فرمایا کہ بھوک کے ڈر سے اولاد کا قتل۔ میں نے عرض کی پھر کون سا تو فرمایا ہمسایہ کی بیوی سے زنا۔ (بخاری)

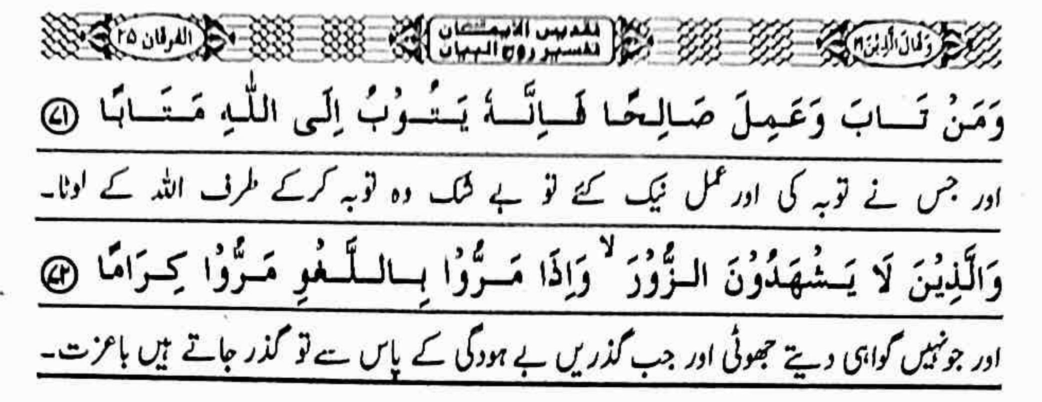
آگے فرمایا کہ جو بھی ان مذکورہ اعمال کو کرے گا تو اس نے گناہ کمایا یعنی سزا کا مستحق ہو گیا۔

فائدہ: قاموس میں ہے کہ اثام جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔ ان گناہوں والا وہاں جائیگا۔

(آیت نمبر ۶۹) کئی گنا عذاب دیا جائیگا قیامت کے روز یعنی اس کا عذاب ہر گھڑی بڑھتا ہی جائیگا۔ اس لئے کہ وہ دنیا میں گناہوں پر گناہ کرتا رہا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ رہے گا عذاب پر عذاب اٹھائیگا۔ ذلیل وخوار ہو کر یعنی اسے روحانی اور جسمانی دونوں طرح کے عذابوں میں رکھا جائیگا۔

(آیت نمبر ۷۰) مگر جس نے شرک یا کفر سے یا قتل وزنا سے توبہ کر لی اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور ایمان کامل حاصل کرنے کیلئے نیک کام کئے۔ یہاں تین امور بیان ہوئے: (۱) توبہ۔ (۲) ایمان۔ (۳) اور عمل صالح۔ یعنی نجات کیلئے ان تینوں کا ہونا ضروری ہے۔ ان تینوں اوصاف سے موصوف کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا کہ ہر برائی کے بدلے نیکی لکھ دے گا اور سزا کی جگہ اچھی جزا عطا کرے گا۔

حدیث شریف میں ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ایک شخص کے صغیرہ گناہ لانے کا حکم ہوگا اور اس بندے سے اقرار کرایا جائیگا۔ وہ سوچے گا کہ اگر بڑے گناہ آ گئے تو پھر کیا کرونگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کے گناہ کو مٹا کر وہاں نیکی لکھ دو تو وہ فوراً کہے گا یا اللہ ابھی تو میرے اور بھی گناہ ہیں جو اس سے بڑے ہیں۔ (شمائل محمدیہ)



وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾

اور جس نے توبہ کی اور عمل نیک کیے تو بے شک وہ توبہ کرکے طرف اللہ کے لوٹا۔

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ ۙ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ﴿٧٢﴾

اور جو نہیں گواہی دیتے جھوٹی اور جب گذریں بے ہودگی کے پاس سے تو گذر جاتے ہیں باعزت۔

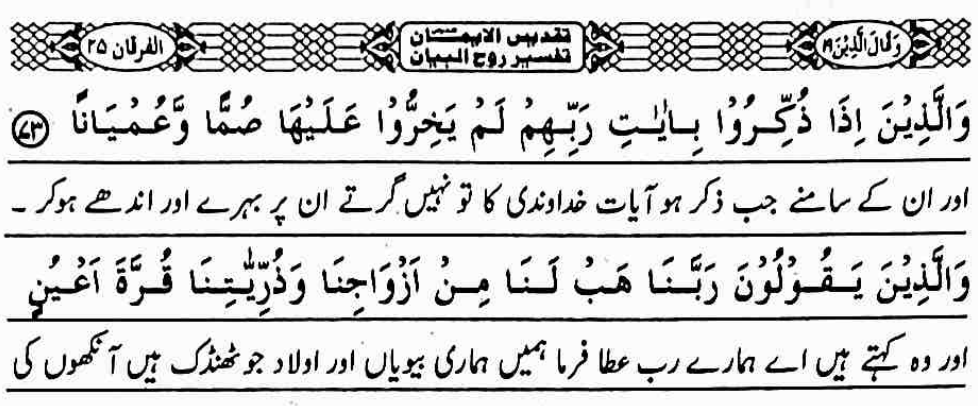
(بقیہ آیت نمبر ۷۰) تو حضور اتنے ہنسے کہ آپ کی ایک داڑھ مبارک کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زیارت کرلی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو تلاوت فرمایا آگے فرمایا کہ ہے اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا یعنی گناہ معاف فرما کے اس کی جگہ نیکیاں درج کرنے والا اور سب کچھ وہ اپنی رحمت سے کرتا ہے۔ کسی کے کہنے یا کسی کے زور کی وجہ سے نہیں۔

(آیت نمبر ۷۱) اور جس نے پکی توبہ کی یعنی ہر قسم کے گناہ ترک کردیئے۔ جو ہوئے ان پر پشیمان ہوا اور نیک عمل کئے یعنی گناہ گذشتہ کا مکمل تدارک کیا یا گناہوں کی جگہ نیک اعمال میں لگ گیا تو بے شک اس نے جو عمل کئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف مکمل رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے عذاب کو ختم کرکے اس کے نامہ اعمال میں اجر وثواب داخل فرمائے گا۔

فائدہ: متاب کا معنی امام راغب نے کیا ہے۔ برائیوں کو مکمل طور پر چھوڑنا اور نیکیوں کو مکمل حاصل کرنا۔

توبہ کے چار امور: (۱) توبہ کو قبیح سمجھ کر اسے مکمل چھوڑنا۔ (۲) سابقہ کوتاہی پر پشیمان ہونا۔ (۳) پھر ایسا گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ۔ (۴) سابقہ غلطیوں کے بدلے نیکیاں زیادہ سے زیادہ کرنا۔

(آیت نمبر ۷۲) اور وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ **مسئلہ:** امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جھوٹے گواہ کی سزا یہ ہے کہ اسے تمام برادری میں جھوٹا مشہور کیا جائے۔ امام مالک فرماتے ہیں اس کی تمام مساجد اور بازار میں تشہیر کر دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسے چالیس کوڑے مارے جائیں۔ آگے فرمایا کہ جب ان بندگان خدا کو لغو امور کے پاس سے اتفاقاً گذرنا پڑ جائے تو باعزت طور پر گذر جاتے ہیں۔ یعنی وہ ہر قسم کی برائیوں سے اجتناب کرتے ہیں اور ایسے افعال سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی حقارت ہو بے حیائی کی باتوں سے بچنا ہر قسم کے گناہوں سے دامن بچانا وغیرہ سب لغو میں آتے ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فحش اسے کہتے ہیں جس کا زبان پر لانا قبیح سمجھا جائے جیسے جماع یا پیشاب یا شرمگاہ کا نام لینا یعنی وہ ایسی چیزوں کا نام بھی نہیں لیتے۔



وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾

اور ان کے سامنے جب ذکر ہو آیات خداوندی کا تو نہیں گرتے ان پر بہرے اور اندھے ہوکر ۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ

اور وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب عطا فرما ہمیں ہماری بیویاں اور اولاد جو ٹھنڈک ہیں آنکھوں کی

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿٧٤﴾

اور بنا ہمیں متقی لوگوں کا پیشوا۔

(آیت نمبر ۷۳) ان اہل ایمان کو جب ان کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جائے۔ یعنی جن آیات میں پند ونصائح ہیں وہ آیات جب پڑھی جائیں تو ان پر اندھے بہرے ہوکر نہیں گر جاتے بلکہ وہ ان آیات کے گرویدہ ہو جاتے ہیں یعنی انہیں پورے طور پر غور وخوض سے سنتے اور ان کی طرف نگاہ لگا کر دیکھتے ہیں اور مکمل طور پر ان سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ **فائدہ**: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ وہ باہوش وحواس ہوکر سنتے دیکھتے ہیں یعنی آیات میں غفلت نہیں کرتے۔

فائدہ: یہ منافقین کیلئے تعریض ہے کہ وہ لوگ گویا تلاوت آیات کے وقت اندھے، گنگے اور بہرے ہو جاتے ہیں کہ اور آیات قرآنی کی طرف نہ وہ دیکھتے ہیں۔ نہ وہ آیات کو غور وخوض سے سنتے ہیں۔

(آیت نمبر ۷۴) وہ لوگ اپنی دعاؤں میں کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں ہماری بیویوں سے اولاد عطا فرما جن سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں یعنی ان کی اطاعت وبندگی سے ہمارا دل خوش ہو کیونکہ نیک اولاد ماں باپ کے ساتھ جنت میں اکٹھے ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ ہم ان کی اولادیں جنت میں ان سے ملادیں گے۔ آگے فرمایا کہ اے اللہ ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔

فائدہ: امام وہ ہوتا ہے۔ جس کی اقتداء کی جائے۔ قول وفعل میں یعنی اے اللہ ہمیں ایسا بنادے کہ متقی لوگ دین کے قائم رکھنے میں اور علم کے فیضان حاصل کرنے والے توفیق عمل میں ہمارے پیچھے چلنے والے ہوں۔ یہ دعا گویا ہر ایک سے فرداً فرداً صادر ہوتی ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۙ ﴿۷۵﴾

ان کو ہی بدلہ میں ملے گا اونچا محل اس کے بدلے جو انہوں نے صبر کیا اور دیئے جائیں گے اس میں تحفے اور سلام

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾

ہمیشہ رہیں گے اس میں کتنا اچھا ٹھہرنے کا مقام ہے۔

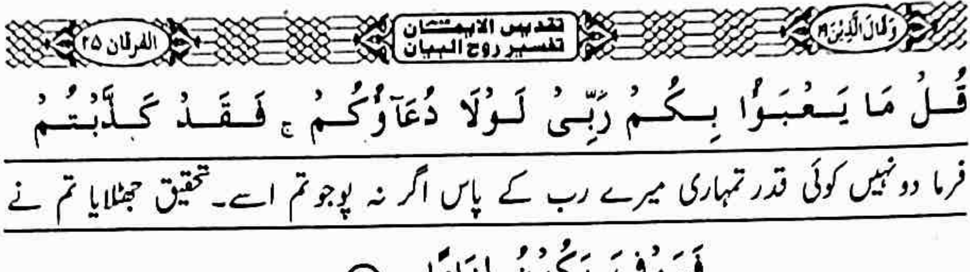
(بقیہ آیت نمبر ۷۴) **جاہ طلبی**: امام قفال اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ دینی ریاست یا دینی حکومت میں جاہ ومرتبہ طلب کرنا جائز ہے۔ بے دین حکومت میں جاہ ومرتبہ کو طلب کرنا جائز نہیں ہے۔ یاد رہے مذکورہ آیات مختلف صحابہ کرام کے متعلق نازل ہوئیں (مفصل فیوض الرحمان میں دیکھا جاسکتا ہے)۔

(آیت نمبر ۷۵) یہ لوگ جن کی مذکورہ آٹھ صفات بیان ہوئیں۔ انہیں بدلے میں بالاخانے دیئے جائیں گے۔ اس سے مراد جنت میں بلند وبالا منازل ہیں جو ان کو دی جائیں گی۔ یا وہ محلات جو سونے چاندی اور موتیوں سے تیار ہوں گے۔ اس صبر کی وجہ سے جو انہوں نے دنیا میں کیا۔ یعنی دنیا میں عبادات اور طاعات بجالانے میں جو انہیں تکالیف پہنچیں اور مجاہدات میں پریشانیاں برداشت کیں۔ یا روزہ رکھ کر صبر کیا۔ اس کا انہیں یہ عظیم الشان بدلہ دیا جا رہا ہے۔

آگے فرمایا کہ ان بالاخانوں میں انہیں فرشتوں کی طرف سے تحفے اور سلام ملیں گے یا دنیا میں ہی فرشتے ان کے پاس آکر انہیں سلام کہتے ہیں اور ان کے لئے دعائیں کرتے ہیں کہ خداوند کریم تمہیں ہر قسم کی آفت وبلا سے محفوظ رکھے۔

(آیت نمبر ۷۶) ہمیشہ ان ہی بالاخانوں میں رہیں گے۔ نہ وہاں موت آئیگی نہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔ کتنی ہی بہترین ہے وہ ٹھہرنے کی جگہ اور قیام گاہ جو بہتر سے بہتر ہوگی۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ ان عالی شان بالاخانوں کے حصول کے لئے آج ہی اعمال صالحہ کے ذریعے جدوجہد کریں۔ خالی خیالی پلاؤ بنانے اور آرزومند رہنے سے کچھ نہیں ملے گا۔ خالی تصورات کا حال موت کی طرح ہے۔



قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّىْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ

فرما دو نہیں کوئی قدر تمہاری میرے رب کے پاس اگر نہ پوجو تم اسے۔ تحقیق جھٹلایا تم نے

فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾

پھر جلد ہوگا عذاب تمہیں لپٹا ہوا۔

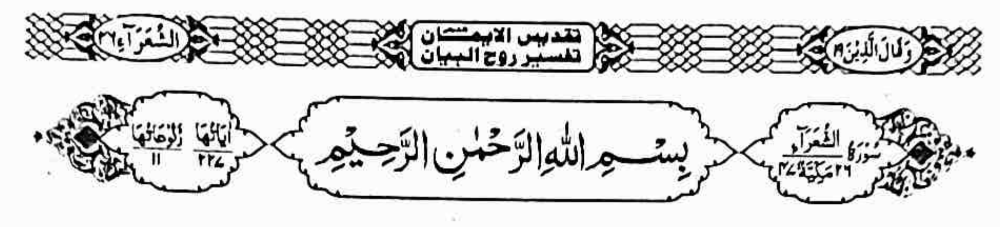
(بقیہ آیت نمبر ٧٦) **رضاء الٰہی کی علامت:** بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ جو جاننا چاہے کہ اس سے اللہ راضی ہے یا نہیں تو وہ اپنے اندر جھانک کر دیکھ لے کہ اس کے اندر نبی کریم ﷺ اور آپ کے خلفاء اور صحابہ واہل بیت اور مجتہدین کے طریقے پر چلنے کی شوق ہے یا نہیں اور ان کے اخلاق وعادات سیرت واعمال یعنی زہد، تقوی شب بیداری اور شرع کے احکام پر عمل ہے۔ یا نہیں اور تمام منہیات سے بچ رہا ہے یا نہیں اور دکھ اور مصیبت وبلا اور تنگی معاش میں ان کی طرح صابر شاکر ہے یا نہیں۔ اگر ان تمام حالات میں ان کے موافق ہے پھر یقین کرے کہ اللہ تعالٰی اس سے راضی ہے۔ ورنہ نہیں ہے۔

(آیت نمبر ٧٧) اے میرے محبوب آپ سب لوگوں سے فرمادیں کہ میرے پروردگار کو تمہاری کیا پرواہ ہے کہ اگر تم اسے نہ پوجو اور اس کی اطاعت نہ کرو۔ تو اسے کیا فرق پڑے گا۔

فائدہ: کیونکہ بندہ بندگی سے قدر و قیمت والا بنتا ہے۔ ورنہ اس میں اور جانور میں کیا فرق ہے۔

آگے فرمایا کہ اے کافرو تم نے تو میری بات کو جھٹلایا اور حد سے تجاوز کر گئے کہ جس حد کے اندر رہنے کا تمہیں حکم دیا گیا تھا۔ اگر تم اس حد کے اندر رہتے۔ تو تمہاری قدر و منزلت ہوتی اب تمہاری اس تکذیب پر جو بھی سزا مقرر ہوگی وہ تم پر ایسی لازم ہو جائے گی کہ قبر و حشر میں وہ تمہارے ساتھ چمٹی رہے گی۔ اس سے تمہارا بچنا نہایت مشکل ہوگا۔ بالآخر وہ سزا تمہیں جہنم میں جھونک دے گی۔

سورہ فرقان ختم مورخہ ١٥ مئی ٢٠١٦ء بمطابق ٨ شعبان بروز اتوار بوقت نماز عصر



طٰسٓمٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ

یہ آیتیں ہیں کتاب روشن کی۔ شاید تم ضائع کرو اپنی جان

اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③

کہ کیوں نہیں وہ ہوتے مسلمان۔

(آیت نمبر۱) طٰسٓمٓ : یہ حروف مقطعات سے ہے۔ جس کی مراد اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے چھپے ہوئے اسرار میں سے ہے۔ جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہر کتاب میں کچھ بھید ہوتے ہیں اور قرآن مجید کے بھید حروف مقطعات میں ہیں۔ (ریاض الاذکار)۔ ان کے حقائق کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ سوا ان علماء باللہ کے جو راسخ فی العلم ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی معرفت عطا فرمائی۔

(آیت نمبر۲) یہ قرآنی آیات ہیں جن کا اعجاز ظاہر ہے کہ ان کا مقابل آج تک کوئی نہ لایا جاسکا۔ اسی سے معلوم ہوا کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ ورنہ کفار اس کے مقابل آیات ضرور لے آتے۔ بہر حال یہ کتاب قدیم کی آیات ہیں۔ اس لئے اس کا ہر حرف بے شمار معانی پر دلالت کرتا ہے اور اس قدر واضح بھی ہیں کہ ہر ایک اسے بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔

(آیت نمبر۳) اے محبوب آپ اپنے اوپر شفقت کریں بلا وجہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔

فائدہ: اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین اور تسلی دی جارہی ہے کہ آپ اس بات کا افسوس نہ کریں کہ کافر لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب قریش نے قرآن کو ٹھکرا دیا اور ماننے سے انکار کردیا تو یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت گراں تھی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ ان بدنصیبوں کے انکار کرنے پر اس قدر پریشان نہ ہوں کہ اپنی جان ضائع نہ کریں کہ یہ قریش ایمان کیوں نہیں لائے۔ **فائدہ**: کشف الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اے میرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ کفر و نافرمانی کی وجہ سے میرے قہر و غضب میں ہیں اور یہ راندۂ درگاہ ہیں۔ اس لئے انہیں ایمان لانا نصیب نہیں۔ لہٰذا اپنا دلی رجحان ان کی طرف نہ کریں نہ ان کے انکار پر غم زدہ ہوں۔

إِنْ نَّشَأْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿۴﴾

اگر ہم چاہیں تو اتار دیں ان پر آسمان سے کوئی نشانی پھر ہو جائیں ان کی گردنیں اس کے آگے جھکنے والی۔

وَمَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ﴿۵﴾

اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نصیحت رحمٰن کی طرف سے نئی مگر ہیں اس سے وہ منہ پھیرنے والے۔

فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶﴾

پس تحقیق جھٹلایا انہوں نے تو جلد آئیں گی ان تک خبریں جو ہیں اس کا مزاخ اڑاتے۔

(آیت نمبر۴) اگر ہم چاہتے تو ان کے کہنے کے مطابق ان پر آسمان سے کوئی آیت نازل فرما دیتے جسے دیکھ کر یہ ایمان لانے پر مجبور ہوتے۔ یعنی فرشتوں کو اتارتے یا کوئی آفت نازل کرتے تو اس وقت ہو جاتیں ان کی گردنیں اس کے آگے جھکنے والی۔ پھر ان میں کوئی بھی ایسا نہ ہوتا۔ جس کا دل گناہوں کی طرف جھکے۔ لیکن ہم ان سے ایسا ایمان نہیں چاہتے کہ جو قہر و جبر سے لایا جائے۔ جیسے قیامت کے دن وہ مانیں گے لیکن اس ایمان کو ہم نہیں مانیں گے۔

فائدہ: صوفیاء فرماتے ہیں ایمان و معرفت خاص عطیہ الٰہی ہے جس میں مخلوق کے کسب کو دخل نہیں جسے شقاوت گھیر لے تو پھر ایمان لانا مشکل ہو جاتا ہے۔ تو جسے شقاوت نے گھیر لیا وہ اپنی بدبختی کا ماتم کرے۔

(آیت نمبر۵) اور نہیں آتی ان کے پاس قرآنی نصیحتوں میں سے کوئی نئی نصیحت یا قرآن پاک کا کوئی حصہ نہیں اترا جس سے وہ مکمل طور پر نصیحت ہوتی اور انہیں خبردار کرتا ہو مگر وہ ہر حکم سے منہ پھیرنے والے ہیں حالانکہ وہ حکم رحمت کرنے والی ذات کی طرف سے ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک علیہ السلام کے ہاں بھیجا قرآن پاک کی ہر آیت اور اس کا مضمون باقاعدہ نصیحت ہے اور لفظ رحمٰن ارشاد فرمانے میں بھی اشارہ ہے کہ قرآنی پند و نصائح بھیجنا بھی اس کی رحمت کی دلیل ہے جو رحمت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر فرماتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس کے نزول سے منہ پھیرنے والے ہیں یعنی وہ اپنے کفر پر ہی مصر ہیں خلاصہ یہ ہے کہ ان کے پاس جب بھی ذکر آتا ہے وہ اس سے روگردان ہو جاتے ہیں۔

(آیت نمبر۶) پس تحقیق انہوں نے اس ذکر کی تکذیب یوں کی۔ کبھی کہا یہ جادو ہے کبھی شعر اور کبھی اسے بناوٹی باتیں کہا تو عنقریب ان کے پاس قرآنی وہ خبریں آئیں گی۔ جن کے ساتھ وہ ٹھٹھہ مخول کرتے تھے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑦

کیا نہیں دیکھتے طرف زمین کے کہ کتنے ہم نے اگائے اس میں ہر قسم کے جوڑے عزت والے ۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧

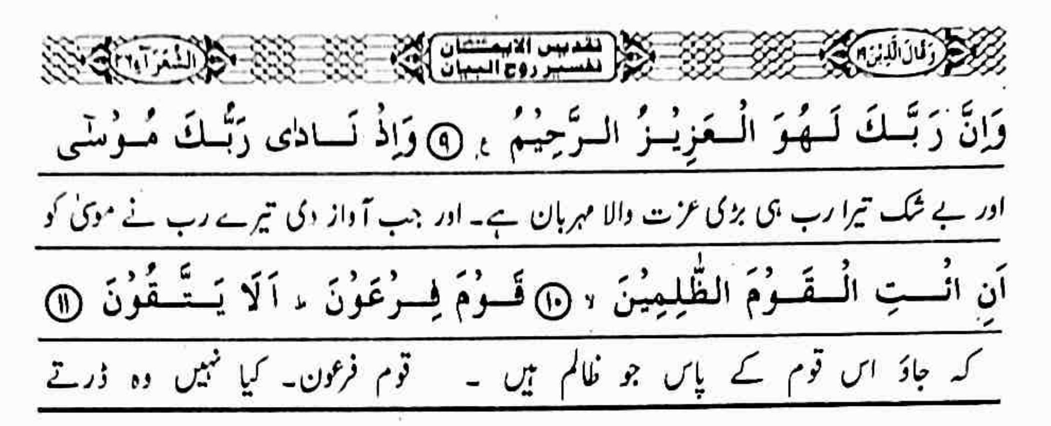
بے شک اس میں نشانی ہے۔ اور نہیں ہیں ان میں اکثر مومن۔

(بقیہ آیت نمبر ٦) یعنی جلد یا بدیر وہ سزاؤں میں مبتلا ہوں گے پھر وہ یقین کرلیں گے کہ جو کچھ قرآن نے بتایا تھا وہ حق اور سچ تھا اور جو کچھ ہم کہتے رہے وہ باطل تھا۔ **فائدہ**: قرآن مجید کے متعلق ہمارا حق تو یہ تھا کہ ہم اس پر ایمان لاتے اس کی تعظیم کرتے اس کی قدر ومنزلت کو پہچانتے۔

سبق : کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نتیجہ ظاہر ہو جانے کے بعد پشیمانی کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ انسان کو آج ہی سمجھ جانا چاہئے ورنہ کل پریشانی ہوگی۔ لیکن اس پریشانی اور پشیمانی کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر ۷) کیا ان قریش نے دیکھا نہیں یعنی جو قرآن کی تکذیب اور روگردانی کرنے والے اور ان سے ٹھٹھہ مزاق کرنے والے ہیں انہوں نے زمین کے عجائبات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے اس زمین سے کیسے کیسے پھل پھول گھاس انگوری اور رنگا رنگ شگوفے اور عجیب وغریب نفع مند پودے لگائے جسے انسان اور حیوان کھاتے ہیں۔ یعنی زمین سے نباتات وغیرہ جو بہت زیادہ ہے اور جن کے فوائد بھی بہت زیادہ ہیں اور لوگوں کو بہت پسند ہیں وہ ہم نے ہی تو اگائے ہیں۔

(آیت نمبر ۸) بے شک ان نباتات اور ان کے اگانے میں ضرور نشانی ہے جو اگانے والے کی کمال قدرت پر اور اس کی وسیع رحمت پر دلالت کرتی ہے وہ ایمان لانے کا سبب ہے اور کفر سے روکتی ہے اور اس قوم میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اس کے باوجود کہ ان کے سامنے واضح اور روشن دلائل موجود ہیں لیکن چونکہ وہ کفر اور گمراہی کی انتہاء تک پہنچے ہوئے ہیں۔ **فائدہ**: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کی اس میں معذوریت لازم نہیں آتی۔ اس لئے کہ انہوں نے کفر ومعصیت اپنے اختیار سے کیا ہے۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں ازل سے تھی کہ یہ کفر اختیار کریں گے۔ **فائدہ**: ان میں سے اکثر کیلئے عدم ایمان کی نسبت اس لئے کی کہ ان میں کچھ کے مقدر میں ایمان تھا جو بعد میں مسلمان ہوئے۔



(آیت نمبر۹) اور بے شک تیرا پروردگار عالم عزیز ہے یعنی کفار سے بدلہ لینے پر قادر اور غالب ہے اور رحم کرنے والا ہے کہ ابھی ان کو مہلت دے رکھی ہے کہ ان کے جرموں پر فوری گرفت نہیں کی۔ صاحب کشف الاسرار فرماتے ہیں۔ اہل ایمان جو تھوڑے ہیں ان پر رحم فرماتا ہے۔ کفار جنہیں کثرت پر ناز ہے ان سے بدلہ لینے پر غالب ہے اور صوفیاء فرماتے ہیں کہ وہ اپنے غلبہ قدرت کے لحاظ سے سرکش دشمنوں کیلئے قہر اور اپنے اولیاء کیلئے رحمت ہے۔

(آیت نمبر۱۰) اور جب موسیٰ علیہ السلام کو تیرے رب نے آواز دی۔ یعنی اے محبوب اپنی قوم کو وہ وقت یاد دلائیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپس گھر کی طرف لوٹ رہے تھے۔ راستے میں پہاڑ پر آگ دیکھ کر لینے گئے تو ایک درخت کے پاس اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی۔ اور حکم دیا کہ ظالم قوم کے پاس چلے جائیں چونکہ کفر اور گناہوں میں وہ حد سے بہت آگے بڑھ گئے۔ اس وجہ سے انہیں ظالم کہا اور دوسرا انہوں نے بنی اسرائیل پر بھی ظلم وستم کے پہاڑ گرائے کہ ان کے بچوں کو ذبح کیا اور ان سے سخت مشقت والے کام لئے۔

(آیت نمبر۱۱) یعنی اے موسیٰ (علیہ السلام) آپ اس ظالم قوم کے پاس تشریف لے جائیں اور انہیں بتائیں کہ تم کتنے بڑے ظالم اور جابر ہو کہ تم اللہ تعالیٰ سے بھی نہیں ڈرتے۔ تمہیں چاہئے کہ تم اس ذات پر ایمان لاؤ اور اس کی فرمانبرداری کر کے اپنے آپ کو آخرت کے عذاب اور دنیا میں ہی ملنے والی سزا سے بچاؤ خلاصہ یہ کہ اے موسیٰ علیہ السلام انہیں جا کر کہو کہ تم عذاب الٰہی سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا چھوڑ دو۔ اور بنی اسرائیل پر تم نے بہت ظلم کر لئے اب تم ان کو آزاد کر دو۔ یا انہیں تعجب دلانا مقصود ہے کہ تم کتنے ہی حد سے بڑھے ہوئے ظالم ہو کہ تمہیں کوئی خدا کا خوف بھی نہیں ہے۔ ابھی بھی تم نے غریبوں پر ظلم وستم جاری کئے ہوئے ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ؕ﴿۱۲﴾ وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ

عرض کی میرے رب مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ اور تنگ ہوتا ہے میرا سینہ اور نہیں چلتی

لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۚ﴿۱۴﴾

میری زبان تو رسول بنائیں ہارون کو بھی۔ اور ان کا مجھ پر الزام ہے تو مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کریں گے۔

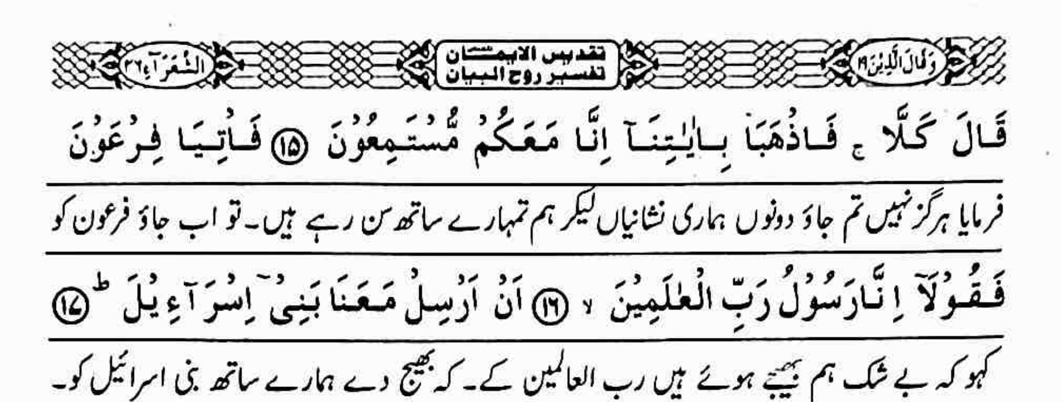
(آیت نمبر۱۲) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ ای میرے پروردگار مجھے خوف ہے کہ وہ میری بات نہیں سنیں گے اور میری تکذیب کردیں گے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو گھبراہٹ تھی تو اس بات کی کہ وہ جب میری تکذیب کریں گے تو عذاب الٰہی آجائے گا جیسا کہ پہلی امتوں سے ہوا۔ گویا ان کا ڈرنا ذات کیلئے نہ تھا بلکہ قوم پر شفقت کی وجہ سے تھا۔ (اور فرعون ظالم سے یہ کوئی بعید بھی نہیں تھا۔ کہ وہ ایسا کر گزرتا)۔

(آیت نمبر۱۳) ان کی تکذیب سے اور احکام شریعت کے انکار کرنے کی وجہ سے میرا سینہ تنگ ہوگا۔ یعنی میں غمگین ہونگا۔ آگے فرمایا کہ میری زبان بھی ثقالت کی وجہ سے نہیں چلتی اور اس کیلئے الگ دعا بھی کی کہ یا اللہ میری زبان کی گرہ بھی کھول دے تا کہ لوگ میری بات کو اچھی طرح سمجھیں اور تیسری بات یہ ہے کہ میری طرح میرے بھائی ہارون کی طرف بھی جبریل علیہ السلام کو بھیجیں تا کہ وہ تبلیغی کام میں میرا مددگار ہو اور مجھ سے زیادہ وہ بولنے میں فصیح اللسان ہے۔ جناب ہارون موسیٰ علیہما السلام سے ایک سال بڑے تھے۔

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں ثقالت فرعون کے انگارہ کی وجہ سے ہوئی لیکن جب آپ فرعون کے پاس تبلیغ کیلئے تشریف لے گئے تو کلام آپ نے پوری فصاحت سے کی یہ آپ کا معجزہ تھا۔ **انتباہ**: بزرگوں نے فرمایا۔ واعظین کو چاہئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے معاملے میں زبان سے ایسا کوئی لفظ نہ نکالیں جو ان کے متعلق نقص وعیب کا شائبہ ظاہر کرے یا جس سے ہتک اور گستاخی کا پہلو نکلتا ہو۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی گستاخی کفر ہے۔

(آیت نمبر۱۴) اور ان کا میرے ذمہ ایک جرم بھی ہے کہ میں نے ان کا ایک فرد قتل کیا ہے۔

فائدہ: یہ جرم یا گناہ فرعونیوں کے نزدیک تھا۔ کاشفی مرحوم نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یا اللہ انہوں نے مجھ پر قبطی کے قتل کا مقدمہ بنایا ہے اور اپنے گمان میں مجھے مجرم سمجھا ہوا ہے لہذا مجھے ڈر ہے کہ اگر میں اکیلا ہی ان کے پاس چلا گیا تو وہ اس قبطی کے بدلے میں مجھے قتل کردیں گے اس سے پہلے کہ میں تیرا پیغام پہنچاؤں۔ ہارون پر تو ان کا کوئی دعویٰ وغیرہ نہیں ہے۔ لہذا ہارون کو میرا وزیر بنادیں۔



قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿١٥﴾ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ

فرمایا ہرگز نہیں تم جاؤ دونوں ہماری نشانیاں لیکر ہم تمہارے ساتھ سن رہے ہیں۔ تو اب جاؤ فرعون کو

فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ ﴿١٦﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ؕ ﴿١٧﴾

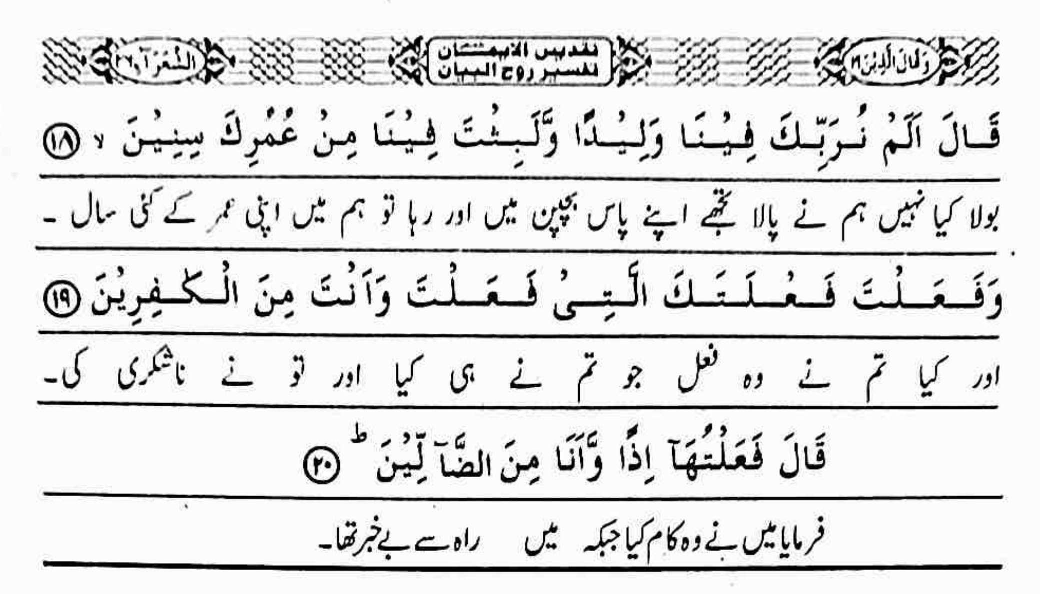
کہو کہ بے شک ہم بھیجے ہوئے ہیں رب العالمین کے۔ کہ بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو۔

(آیت نمبر ١٥) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تمکین نصیب فرمائی اور آپ کے تمام خدشات کو دور کر کے فرمایا۔ اے موسیٰ ہرگز یہ خیال دل میں نہ لائیں کہ وہ آپ پر غلبہ پائیں گے یا آپ کو قتل کریں گے بلکہ ہر میدان میں آپ ان پر غالب رہیں گے لہذا اب دونوں بھائی جاؤ ہماری طرف سے یہ معجزے ہیں انہیں لے جاؤ۔ وہ میری قدرت کے دلائل قاہرہ اور نبوت کیلئے حجت ہیں اور اے میرے کلیم گھبرانا نہیں میں بھی تمہارے ساتھ ہوں یعنی تم دونوں میری حفاظت میں ہو۔ میری مدد تمہارے شامل حال ہوگی اور میں تمہارے اور فرعون کے درمیان جو بات ہوگی میں خود سنوں گا۔ **فائدہ**: معلوم ہوا اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی خفیہ مدد فرماتا ہے۔

(آیت نمبر ١٦) اب دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ اسے جا کر میرا حکم سناؤ۔

فرعون کا اصل نام ولید بن مصعب تھا اور اس کی کنیت ابو العباس تھی۔ یہ ابتداء میں ایک غریب کا بیٹا تھا۔ جیسا کہ پہلے پارہ میں بیان گذرا۔ بعد میں یہ ایک چکر سے تخت پر پہنچا اور پھر اپنی بادشاہی بچانے کیلئے ہزاروں بے گناہ بچے مروائے۔ اس نے چار سو سال زندگی پائی اور ایک دن بھی بیمار نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ دونوں جا کر فرعون سے کہو کہ بے شک ہم رب العالمین کی طرف سے رسول بن کر آئے ہیں۔ **فائدہ**: اصل اور مستقل رسول اگرچہ موسیٰ علیہ السلام تھے اور حضرت ہارون ان کے امدادی تھے جو ان کی تائید و تصدیق کے لئے ساتھ بھیجے گئے۔

(آیت نمبر ١٧) یہ کہ چھوڑ دے بنی اسرائیل کو تا کہ وہ شام کے علاقے کی طرف جاسکیں جو ان کے باپ دادا کا مسکن ہے۔ **فائدہ**: فرعونیوں نے انہیں صدیوں سے غلام بنایا ہوا تھا۔ اس وقت بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ سے زائد تھی۔ الغرض دونوں بھائی فرعون کے محل پر رات کے وقت پہنچے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عصا سے فرعون کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ گرجدار آواز سن کر اس کے دربان بھی گھبرا گئے پوچھا کون ہے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اس نے موسیٰ علیہ السلام کو اسی وقت یا صبح کے وقت دربار میں بلایا اور موسیٰ علیہ السلام کو پہچان لیا اور موسیٰ علیہ السلام کو پچھلے احسانات جتانے لگا۔



قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۙ ﴿١٨﴾

بولا کیا نہیں ہم نے پالا تجھے اپنے پاس بچپن میں اور رہا تو ہم میں اپنی عمر کے کئی سال۔

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾

اور کیا تم نے وہ فعل جو تم نے ہی کیا اور تو نے ناشکری کی۔

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ؕ ﴿٢٠﴾

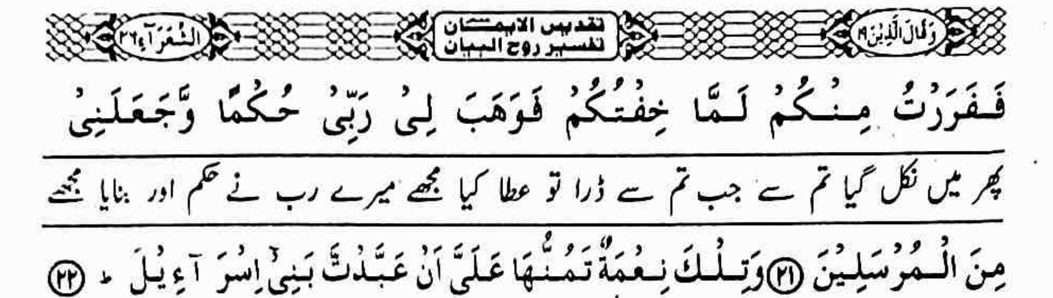
فرمایا میں نے وہ کام کیا جبکہ میں راہ سے بے خبر تھا۔

(آیت نمبر ١٨) کہ کیا ہم نے بچپن میں اپنے بچوں کی طرح تیری پرورش نہیں کی تھی اور تم نے ہمارے گھروں میں ہی اپنی زندگی کے کئی سال گذارے۔

فائدہ: بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس تیس سال رہے۔ اس کے بعد مدین تشریف لے گئے۔ وہاں دس سال رہ کر واپس تشریف لائے۔ پھر دعوت و تبلیغ فرعون پر بھی تیس سال کا عرصہ صرف کیا اور فرعون کے غرق ہونے کے بعد بھی پچاس سال زندہ رہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(آیت نمبر ١٩) مزید فرعون نے قبطی کا قتل یاد کرایا جو کہ فرعون کا باورچی تھا جس کا نام فاتون تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا ایک مکہ لگنے سے مر گیا تھا۔ مزید موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تو نے جو کیا وہ تو ہی نے کیا یعنی اے موسیٰ میں نے تجھے پالا پوسا تھا اور تجھے جوان کیا لیکن تو نے میرے باورچی کو قتل کر کے اچھا نہیں کیا اور اب تو تم میری نعمت کو بھی ٹھکرا دو گے اور میری تربیت کے بھی منکر ہو گے لیکن فرعون نے اپنی کلام میں اس بات کو ظاہر نہیں کیا۔ صرف اتنا کہا کہ جو کیا وہ تو ہی نے کیا۔ قاعدہ ہے کہ جس فعل کی تصریح کے بجائے اسے مبہم طور پر ذکر کیا جائے تو وہ اس کی عظمت پر دلالت کرتا ہے اور یہ بھی اصولی قاعدہ ہے کہ تنکیر کبھی تعظیم کا فائدہ دیتی ہے۔

(آیت نمبر ٢٠) تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ کام قبطی کو مارنے والا بے شک میں نے ہی کیا لیکن وہ میری خطا تھی۔ جو بلا ارادہ تھی جیسے کوئی بندہ پرندے کو تیر مارنے لگے اور وہ کسی آدمی کو جا لگے یعنی مجھے معلوم نہیں تھا کہ قبطی ایک مکے سے ہی مر جائیگا یہ میرا عمل بلا قصد تھا۔ میرا ارادہ مارنے کا نہ تھا۔



فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَّجَعَلَنِي

پھر میں نکل گیا تم سے جب تم سے ڈرا تو عطا کیا مجھے میرے رب نے حکم اور بنایا مجھے

مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢١﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿٢٢﴾

رسولوں میں سے۔ اور یہ جس نعمت کا تو احسان جتاتا ہے مجھ پر تو جو تو نے غلام بنا رکھا ہے بنی اسرائیل کو۔

(آیت نمبر ۲۱) پھر میں جلدی ہی مدین میں چلا گیا کہ کہیں اس کے بدلے مجھے قتل نہ کر دیا جائے یعنی جب مجھے تم سے مؤاخذے کا ڈر ہوا کہ تم مجھے کوئی ضرر پہنچاؤ گے تو میں چلا گیا اب میرے پروردگار نے مجھے علم و حکمت عطا فرمائی اور اس نے مجھے اپنے رسولوں میں سے منتخب فرمایا۔ اور تیرے پاس بھیجا۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو اعلیٰ مقام عطا فرماتا ہے تو وہ مخلوق سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیتا ہے جس کی وجہ سے اس پر خصوصی اسرار رموز منکشف ہوتے ہیں۔

فائدہ: بعض لوگ نادانی میں کہہ دیتے ہیں کہ انبیاء سے بھی غلطیاں ہوئیں یہ غلط جملہ ہے اس لئے کہ خواص کی غلطیاں ہماری غلطیوں کی طرح نہیں کیونکہ ان سے ایسے امور کا ارتکاب خواہش نفسانی سے نہیں ہوتا۔

(آیت نمبر ۲۲) رہی وہ بات جو تو نے نعمت کا احسان مجھے جتایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو کتنے عرصے سے غلام بنا رکھا ہے۔ ان سے اپنی پوجا کرا رہا ہے۔ ان کے کتنے ہزار بچوں کو تو نے مروایا میرا تیرے پاس تربیت کے لئے آنا بھی ایک سبب تھا کہ اگر تو بنی اسرائیل کے بچے قتل نہ کرتا تو والدہ خود اپنے گھر میں پرورش کرتی۔ نہ وہ دریا کے سپرد کرتی نہ تیرے گھر میں پہنچتا۔

فائدہ: گویا موسیٰ علیہ السلام نے اسے بتا دیا کہ میرا چند دن کھانا تجھے یاد ہے۔ بنی اسرائیل کئی سو سال سے کما رہے ہیں اور تم کھا رہے ہو۔ وہ تجھے کیوں یاد نہیں آتا۔ اس لحاظ سے تو تم نے ہماری پرورش نہیں کی۔ بلکہ ہم نے تمہاری پرورش کی۔ اور ابھی کر رہے ہیں۔ یہ تو ہمارا احسان تم پر ہے۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ فرعون نے بڑا گھٹیا رویہ اختیار کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو کھانا دے کر احسان جتایا۔ غالباً اسے امید تھی کہ موسیٰ علیہ السلام میرے خدائی دعوے کو نہیں روکیں گے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

بولا فرعون اور کون ہے وہ رب العالمین۔ فرمایا وہ رب آسمانوں اور زمین کا ہے اور جو کچھ

بَیْنَہُمَا ؕ اِنْ کُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَہٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾

ان کے درمیان ہے اگر تم یقین رکھو۔ بولا اپنے آس پاس والوں سے کیا نہیں تم سن رہے۔

(آیت نمبر۲۳) فرعون نے کہا کہ وہ رب العالمین کیا چیز ہے۔ جس کی طرف تم بلا رہے ہو اور کہتے ہو کہ میں اس کا رسول ہوں کیونکہ وہ اپنے علاوہ کسی اور خدا کا قائل ہی نہیں تھا۔ اس نے کہا رب العالمین کا خلاصہ کیا ہے اور وہ کون سی جنس سے ہے۔ یا کوئی جوہر ہے یا عرض ہے۔ (یہ اس نے تجاہل سے کہا۔ ورنہ وہ اس بات کو جانتا تھا۔)

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں کہ فرعون نے اب اسلوب سخن بدل لیا اور بطور امتحان پوچھا کہ پروردگار عالم کیا چیز ہے گویا اس نے رب العالمین کی ماہیت کے بارے میں سوال کیا۔

(آیت نمبر۲۴) ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف جنس کے لحاظ سے تو مشکل ہے۔ البتہ اس کی صفات لازمہ سے ہی ہوسکتی ہے۔ لہذا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ رب تعالیٰ آسمانوں، زمینوں اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا رب ہے۔ اگر تو یقین کرنے والا ہے۔ یعنی آپ نے عالمین کی تشریح بھی کر دی اور اس ملعون کو بھی ربوبیت کی صفت سے خارج کر دیا۔ گویا دو نقطوں میں جامع مانع تعریف بھی کر دی اور فرعون کی ربوبیت کا بھی قلع قمع بھی کر دیا۔ یعنی میرا رب تو وہی ہے جو زمینوں آسمانوں اور ان کے درمیان کی جملہ اشیاء کو بنانے والا ہے۔ رزق دینے والا۔ سب کاموں کی تدبیریں کرنے والا ہے۔

کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی ذات تک آگاہی تو ناممکن ہے۔ نہ وہ عقل وفہم وخیال میں آتا ہے نہ حواس وقیاس میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان سب سے وراء الوراء ہے اور حادث قدیم تک رسائی کر بھی کیسے سکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے اس جملے نے پورے حال میں ایک عجیب کیفیت پیدا کر دی۔

(آیت نمبر۲۵) اب فرعون کو یہ ڈر لاحق ہوا کہ اگر دو چار جملے اور موسیٰ علیہ السلام نے بول دیئے۔ تو کہیں سارے ان کے ہی تابعدار نہ ہو جائیں فوراً اس نے اردگرد بیٹھنے والوں سے کہا۔ جن کی تعداد تقریباً پانچ سو تھی۔ جو سارے قبطی قوم کے سردار تھے۔ زیورات سے آراستہ مزین کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں کہا تم سن نہیں رہے ہو یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ یعنی میرے سوا کسی اور خدا کی بات کیوں ہو رہی ہے۔

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ

تو فرمایا وہ تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی رب ہے۔ بولا بے شک تمہارا رسول جو بھیجا گیا

اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ

تمہاری طرف ضرور دیوانہ ہے۔ فرمایا رب ہے مشرق ومغرب کا اور جو ان کے درمیان ہے

اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾

اگر ہوتم عقل رکھتے۔

(آیت نمبر ٢٦) موسیٰ علیہ السلام نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ وہ صرف زمین وآسمان کا رب نہیں بلکہ وہ تمہارا بھی رب ہے اورتم سے پہلے تمہارے باپ دادا کا بھی رب ہے۔ یعنی آپ نے فرعون کی ربوبیت کے تو پرخچے اڑادیئے۔ اسے اتار کر عام لوگوں میں شامل کردیا۔ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے بعید والی آیات سے عدول کر کے ان آیات کو ظاہر فرمایا جو قریب تھیں تا کہ وہ اچھی طرح غور وفکر کرسکیں۔ اگر کوئی عقل ہے۔

فائدہ: فرعون چونکہ موجودہ لوگوں کیلئے ربوبیت کا مدعی تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بتایا کہ رب ہونے کا مستحق وہ ہے جو ہر زمانے کا رب ہے۔

(آیت نمبر ٢٧) فرعون اپنی جہالت بلکہ حماقت سے کہنے لگا۔ بے شک تمہارا رسول جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے وہ تو دیوانہ ہے یعنی ایسی باتیں کر رہا ہے جو عقل میں نہیں آتیں۔ یہ بات اس نے اس لئے کہی تا کہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کی بات مان نہ جائیں۔ **فائدہ**: فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کو رسول کہنا بھی ازراہ تمسخر تھا اور تکبر سے یہ کہا کہ اگر تم اسے رسول کہو بھی تو میں اسے رسول نہیں مانتا۔

(آیت نمبر ٢٨) موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کریم کی تعریف جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا۔ (فرعون کی سفیہانہ گفتگو کا ذرا بھی دھیان نہ کیا)۔ نہ اس کی باتوں کا جواب دینا مناسب سمجھا بلکہ جو مشن لیکر آئے اسی کو واضح فرمایا کہ میں جس رب کی بات کر رہا ہوں وہ مشرق ومغرب اور اس کے درمیان کی ہر چیز کا رب ہے۔ یعنی اے فرعون تیری باطل ربوبیت کا دائرہ مصر تک ہے۔ اس میں بھی تجھے کوئی مانتا ہے کوئی نہیں مانتا۔ میں جس رب کی بات کرتا ہوں اسے ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں میں رہنے والی ساری مخلوقات اور مشرق سے مغرب اور شمال سے لیکر جنوب تک

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِىْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ

بولا اگر تو نے بنایا کوئی خدا میرے سوا میں ضرور تجھے کردونگا قید میں۔ فرمایا

اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَىْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾

اگر لاؤں تیرے پاس کوئی چیز واضح۔ بولا لے آ اسے اگر ہے تو سچا۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۸) ذرہ ذرہ اسے رب مانتا ہے۔ اگر تیرے جیسے چند نہیں مانتے تو اس کی خدائی میں کیا فرق پڑتا ہے۔ اس لئے دوبارہ تصریح فرمائی تا کہ ان پر بات اچھی طرح واضح ہو جائے اور ساتھ ہی فرمایا کہ یہ بات تم تب سمجھو گے جب تم میں عقل اور تمیز ہوگی۔ ع: بے علم نتواں خدارا شناخت)

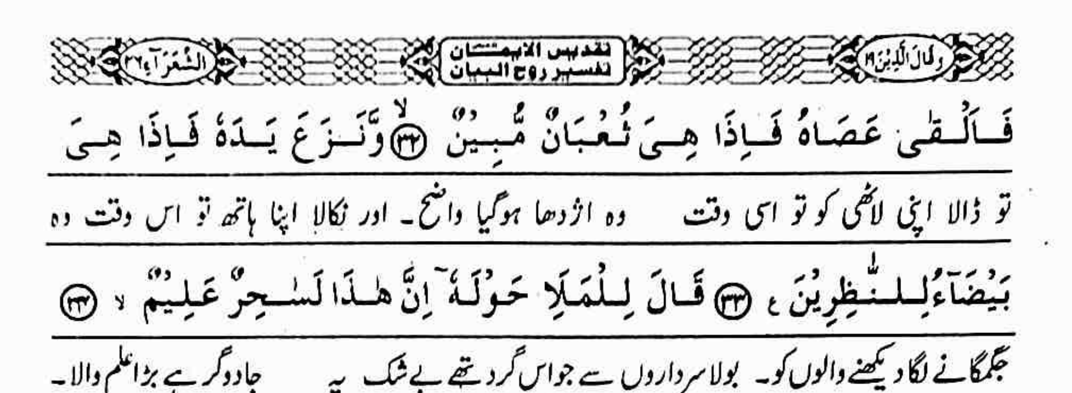
فائدہ: چونکہ وہ عقل کے دائرے سے تو کوسوں دور تھے بلکہ خود دیوانے تھے اور کہا موسیٰ علیہ السلام کو۔

(آیت نمبر ۲۹) جب موسیٰ علیہ السلام کی بات کا اسے کوئی جواب نہ آیا تو اپنے ظالمانہ گھمنڈ میں کہنے لگا کہ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو خدا بنایا تو یاد رکھ تو میں تجھے ضرور قید خانے میں قیدیوں کے ساتھ داخل کردونگا۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں کہ اس نے گہرے گڑھے کھود رکھے تھے۔ ان میں قیدیوں کو ڈالتا۔ جب وہ بلک بلک کر مر جاتے پھر انہیں نکالتا تھا۔ یہ سزا قتل سے بھی بدتر تھی۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ ایسے موقع پر ظالم جابر حکمران یہی کہتے ہیں۔

(آیت نمبر ۳۰) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ خواہ میں تیرے پاس واضح کوئی چیز لاؤں۔ جو میرے دعوے کی سچائی پر دلیل ہو کیا پھر بھی ایسا کرے گا۔ یعنی ایسا معجزہ لاؤں جو رب تعالیٰ کے وجود کی جامع دلیل اور میری نبوت کیلئے برھان ہو۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیکر مجھے بھیجا ہے۔

(آیت نمبر ۳۱) فرعون نے کہا۔ لے آ۔ اگر تو سچوں سے ہے چونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی تمام گفتگو کو وہ جھوٹ اور من گھڑت سمجھ رہا تھا۔ اور یہ بھی اس کا خیال تھا۔ کہ موسیٰ (علیہ السلام) ابھی تک وہی ہیں۔ جیسے ہمارے گھر میں رہا کرتے تھے۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا۔ کہ یہ اب فی الواقع رسول بن کر ہمارے پاس آئے ہیں۔ اس لئے وہ کہنے لگا۔ اگر تم سچے ہو تو کوئی نشانی لے آؤ۔ تا کہ ہم جانیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔


فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿۳۲﴾ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ

تو ڈالا اپنی لاٹھی کو تو اسی وقت وہ اژدھا ہوگیا واضح۔ اور نکالا اپنا ہاتھ تو اس وقت وہ

بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿۳۳﴾ قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾

جگمگانے لگا دیکھنے والوں کو۔ بولا سرداروں سے جو اس گرد تھے بے شک یہ جادوگر ہے بڑا علم والا۔

(آیت نمبر ۳۲) وہ لاٹھی جو آدم علیہ السلام اپنے ساتھ جنت سے لیکر آئے۔ وہ شعیب علیہ السلام کے پاس تھی۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو رخصت کرتے وقت دے دی تھی۔ وہ اس وقت آپ کے ہاتھ میں تھی۔ اسے آپ نے زمین پر ڈال دیا۔ تو وہ اسی وقت اژدھا بن گئی۔ اژدھا کو دیکھتے ہی فرعون سخت خوفزدہ ہوگیا باقی لوگ بھاگ گئے تو فرعون نے خدا کا واسطہ دے کر کہا۔ مہربانی کر کے اس اژدھا کو پکڑ یئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جوں ہی ہاتھ میں پکڑا تو پھر وہ لاٹھی بن گئی جیسا کہ پہلے لاٹھی تھی۔ فرعون کی پھٹکڑی تو اسی وقت پھل ہوگئی۔ پھر کبھی قید میں ڈالنے کا نام تک نہیں لیا۔

شک کا ازالہ: موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا کبھی سانپ اور کبھی اژدھا بننے میں تناقض نہیں ہے۔ عام حالات میں تو سانپ بن جاتی لیکن فرعون جیسے بڑے موذی کے سامنے وہ بہت بڑا اژدھا بن گیا تا کہ اس پر اچھی طرح رعب پڑے اور پھر موسیٰ علیہ السلام کو قید خانے میں ڈالنے کا نام نہ لے بلکہ اژدھا دیکھ کر وہ سارے نخرے بھول گیا۔

(آیت نمبر ۳۳) اور پھر اپنے ہاتھ کو گریبان میں ڈال کر باہر نکالا تو ہاتھ انتہائی سفید نورانی تھا۔ دیکھنے والے دیکھ کر حیران ہی رہ گئے۔ علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورج کی طرح روشن تھا۔ دیکھنے والے کی آنکھیں چندھیا جائیں۔ یعنی بہت زیادہ روشن تھا۔

فائدہ: مروی ہے کہ فرعون نے پہلا معجزہ دیکھ کر پوچھا کہ کیا اور بھی ہے۔ تو فرمایا ہے ہاں ہے۔ تو پھر آپ نے ہاتھ والا معجزہ دکھایا تو ہاتھ مبارک اس قدر روشن تھا کہ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں اور اس کا نور دور تک پھیل گیا۔

(آیت نمبر ۳۴) فرعون نے یہ دونوں معجزے دیکھ چکنے کے بعد اپنے درباریوں سے کہا جو اس کے اردگرد بیٹھے تھے کہ بے شک یہ (موسیٰ علیہ السلام) جادو کے علم میں بہت سمجھدار ہیں اور جادو کے فن میں استاد ہیں چونکہ اسے لوگوں کے مسلمان ہونے کا خطرہ تھا۔ اس لئے جادوگر کہا۔ تا کہ لوگ یہی سمجھیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی وقعت ایک جادوگر کی ہے۔

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ

چاہتا ہے کہ نکالے تمہیں تمہارے ملک سے اپنے جادو کے ذریعے تو کیا تمہارا مشورہ ہے۔ بولے روکو اسے

وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿٣٦﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿٣٧﴾

اور اس کے بھائی کو اور بھیجو شہروں میں جمع کر کے۔ لے آئیں تیرے پاس ہر بڑے جادو جاننے والے کو۔

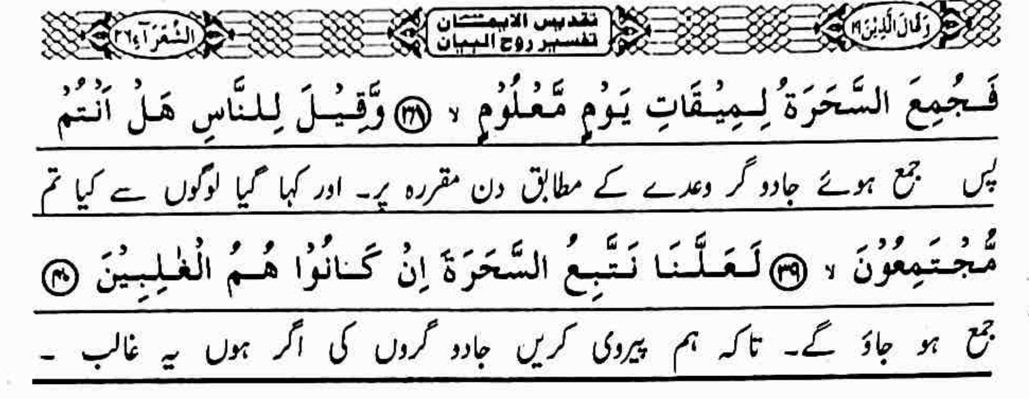
(آیت نمبر ۳۵) یعنی موسیٰ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں زمین مصر سے نکالے اور جادو کے ذریعے غلبہ پاکر اپنی قوم بنی اسرائیل کو یہاں بسائے اب تم بتاؤ تمہارا کیا مشورہ ہے۔ یہ باتیں فرعون نے اپنی قوم کو بھڑکانے کیلئے کیں۔ الغرض فرعون نے اپنی شوریٰ کے اراکین سے کہا کہ تم موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو۔ کیا کیا جائے۔

فائدہ: دراصل موسیٰ علیہ السلام سے دونوں معجزے دیکھنے کے بعد فرعون کا حوصلہ پست ہوگیا اور جان گیا کہ میری ربوبیت کا دعویٰ بھی غلط ہے۔ اس سے پہلے کبھی فرعون نے کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ مشورہ لینا تو درکنار کسی کو اہمیت ہی نہیں دیتا تھا۔ اب موسیٰ علیہ السلام کا اژدھا دیکھ کر غلاموں اور ماتحتوں کو بھی مشورے میں شریک کر رہا ہے۔ چونکہ اسے اب اپنی شاہی کے خاتمے کا خطرہ نظر آ گیا تھا۔ اس لئے اب وہ قوم کو موسیٰ علیہ السلام سے متنفر کرنے لگ گیا۔

(آیت نمبر ۳۶) قبطی قوم کے لیڈروں نے کہا کہ موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون علیہما السلام کو ابھی روک لے اور اس میں غور و فکر کر لے۔ تاکہ تیرے اپنے ماننے والوں کو تجھ سے بدگمانی بھی نہ ہو کہیں کہ پھر تجھے ان سے معذرت نہ کرنی پڑے اور بہتر ہے کہ اپنی مملکت کے تمام شہروں اور قصبوں میں لوگوں کو بھیجا جائے۔

(آیت نمبر ۳۷) اور وہ لے آئیں تمہارے پاس ہر جگہ سے اچھے ماہر جادوگر جو اپنے فن میں مہارت رکھتے ہوں تاکہ وہ اپنے جادو کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں اور ظاہر ہے۔ کہ اتنے زیادہ اور ماہر جادوگروں کا اکیلا موسیٰ کیا مقابلہ کرے گا۔ جب موسیٰ ہار جائیگا۔ پھر خواہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دینا۔ یا چھوڑ دینا۔ وہ تیری مرضی ہے۔

فائدہ: کاش فرعون اور اس کی قوم موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد پر عمل کر لیتے تو تمام آفات بلیات سے بچ جاتے لیکن شاہی کی محبت نے اسے ایسی سوچ سے ہی محروم رکھا اور قاعدہ ہے کہ جسے جس سے محبت ہوتی ہے وہ اس کیلئے اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے اس لئے وہ دنیوی مراتب سے چمٹے رہے ایمان اور اتباع موسیٰ سے ان کے دل پردے میں غافل رہے۔



فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٣٨﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤٠﴾

پس جمع ہوئے جادو گر وعدے کے مطابق دن مقررہ پر۔ اور کہا گیا لوگوں سے کیا تم جمع ہو جاؤ گے۔ تاکہ ہم پیروی کریں جادو گروں کی اگر ہوں یہ غالب۔

(آیت نمبر ۳۸) فرعون نے تمام شہروں میں شاہی نوکر بھیجے کہ جا کر اپنے اپنے علاقے سے جادو کے ماہر لوگوں کو بلا کر لے آؤ۔ روایات میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کیلئے ستر ہزار جادو گر جمع کئے گئے۔

فائدہ: یہ مقابلہ اسکندریہ شہر میں ہوا۔ (طبری)۔ فرعون نے ان کیلئے ایک دن مقرر کر دیا اور وہ فرعونی قوم کی عید کا دن تھا اور دوپہر کا وقت مقرر رہا۔ سال میں اس دن وہ لوگ خوب بناؤ سنگار کر کے جمع ہوتے تھے۔ چنانچہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھ کر وہ دن مقرر کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کی تصدیق کی۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سال کا پہلا دن تھا اور اس روز ہفتہ کا دن تھا اور اس دن کو وہ نوروز کہتے تھے۔ یعنی سال کا یوم اول۔ قرآن مجید کے بیان کے مطابق دن اور ٹائم موسیٰ علیہ السلام نے مقرر فرمایا تھا۔ فرعون نے لوگوں میں اعلان کرایا کہ تمام لوگ اس دن جمع ہو جائیں۔

(آیت نمبر ۳۹) اور لوگوں سے بھی پوچھ لیا گیا کہ کیا تم جمع ہو گے یا نہیں۔ یہ استفہام اس لئے نہیں تھا کہ فرعون ان کو اکٹھا ہونے کا اختیار دے رہا تھا۔ بلکہ جلد از جلد جمع ہونے اور ہر حال میں وہاں پہنچنے کا حکم دے رہا تھا کہ جادو گر بھی آئیں اور تم بھی آ جانا۔

(آیت نمبر ۴۰) تاکہ ہم سب اتفاق کر کے جادو گروں کی اتباع کریں اگر وہ موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ جائیں۔

فائدہ: جادو گروں کی اتباع کا یہ مقصد نہیں تھا کہ ان کے دین پر آ جائیں گے بلکہ ان کی مراد یہ تھی کہ اس طرح وہ دین موسیٰ قبول کرنے سے بچ جائیں گے چونکہ انہیں یقین تھا کہ اتنے جادو گر مغلوب نہیں ہوں گے۔ موسیٰ علیہ السلام ان پر غلبہ نہیں حاصل کر سکیں گے۔ اور ہماری بلے بلے ہو جائے گی۔ (افسوس جادو گروں کی تابعداری کیلئے تیار ہو گئے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام کی تابعداری کیلئے تیار نہیں ہوئے)۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤١﴾

پھر جب آ گئے جادوگر تو انہوں نے کہا فرعون سے۔ کیا ضرور ہمیں ملے گا اجر اگر ہو گئے ہم غالب۔

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٢﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا

تو بولا ہاں اور بے شک تم تو پھر مقرب ہو گے۔ فرمایا ان کو موسیٰ نے ڈالو

مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٤٣﴾

جوتم ڈالنے والے ہو۔

(آیت نمبر۴۱) جب جادوگر فرعون کے پاس آ گئے فرعون نے بھی ان کی خوب خاطر و مدارات کی اور انہیں اپنا قرب خاص دیا تو انہوں نے فرعون سے یہ پوچھا کہ اگر ہم غالب آ جائیں تو کیا ہمیں کوئی انعام ملے گا۔ فتح تو ہماری یقینی ہے لیکن انعام کیا ملے گا۔ چونکہ وہ آئے ہی انعام کی لالچ میں تھے۔ لیکن انعام ایسا پایا کہ جو کسی کسی کو مل سکتا ہے۔

(آیت نمبر۴۲) فرعون نے کہا کہ تمہیں بہت بڑا انعام ملنے والا ہے اور اس انعام کے ساتھ ساتھ جب تم غالب آ جاؤ گے تو تم میرے مقربین خاص میں سے ہو جاؤ گے جو میری بارگاہ میں سب سے زیادہ اور قریب بیٹھتے ہیں۔ یہ فرعون کے ہاں سب سے بڑا مرتبہ تھا۔ آج بھی دنیاداروں کا یہی طریقہ ہے جو حب دنیا میں غرق ہوتے ہیں۔ وہ دنیاداروں کے انتہائی قریب ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ والوں کے نزدیک سب سے بڑی مصیبت ہی دنیاداروں کا قرب ہے۔ اللہ والے تو دنیاداروں سے دور بھاگتے ہیں۔

(آیت نمبر۴۳) جب تمام جادوگر میدان میں آ گئے اور موسیٰ علیہ السلام کے بالمقابل صف بستہ کھڑے ہو گئے تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ آپ پہلے جادو چھوڑیں گے یا ہم۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تم نے جو بھی ڈالنا ہے ڈال لو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام انہیں جادو کرنے کی اجازت دے رہے تھے۔ بلکہ اس سے حق کا اظہار ہونے والا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں تھا۔ چونکہ فرعونی اس کے علاوہ کوئی بات سننے ماننے کیلئے تیار بھی نہ تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ بھی چاہتے تھے کہ سب لوگوں کے سامنے باطل رسوا ہو اور حق واضح ہو۔

فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾

پھر ڈالیں انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں اور بولے عزت فرعون کی قسم بے شک ہم ہی غالب ہیں۔

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿٤٥﴾

پھر ڈالا موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا تو اسی وقت وہ نگلنے لگا ان کی بناوٹوں کو۔

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿٤٦﴾

پھر گر گئے جادوگر سجدے میں۔

(آیت نمبر۴۴) تو انہوں نے رسیاں اور لاٹھیاں جو ستر ہزار سے زیادہ تھیں بہت بڑے کھلے میدان میں ڈالیں چونکہ رسیاں اور ڈنڈے سیماب سے تیار کر کے لائے تھے۔ جب انہیں سخت گرم دھوپ پڑ ڈالا تو سورج کی تپش سے وہ حرکت کرنے لگ گئیں تو لوگوں میں شور مچ گیا اور جادوگروں نے بھی کہا۔ فرعون کی عزت کی قسم۔ بے شک ہم موسیٰ وہارون پر غالب آ گئے۔

مسئلہ: غیر اللہ کی قسم کھانا یہ جاہلیت کا طریقہ ہے۔ مسلمان صرف اللہ کی قسم کھاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ قسم صرف اللہ کی کھاؤ اور اس وقت قسم کھاؤ جب تمہیں سچائی کا یقین ہو۔ (ابوداؤد والنسائی)

(آیت نمبر۴۵) اللہ تعالیٰ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام نے جب لاٹھی ڈالی تو اسی وقت وہ لاٹھی تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو نگلنے لگی جو بھی وہ جھوٹ گھڑ کے لائے اسے موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی (پلک جھپکنے میں) نگل گئی۔

لطیفہ: جادوگر اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کی کثرت پر بہت اترائے۔ دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام اکیلے ہاتھ میں عصا لئے کھڑے تھے۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو حقارت سے دیکھا کہ یہ اکیلا اب کیا کرے گا لیکن انہیں کیا معلوم کہ حق اکیلا ہو کر بھی کثرت پر غالب آ جاتا ہے۔ جیسے نور تھوڑا سا بھی ہو کر ظلمت کو مٹا دیتا ہے۔

(آیت نمبر۴۶) تو جادوگر موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر جان گئے کہ یہ جادو نہیں ہے۔ اس میں انہیں کسی قسم کا شک یا تردد نہ رہا۔ لہذا وہ فوراً سجدہ میں گر گئے۔ گویا انہیں کسی اور طاقت نے سجدے پر مجبور کر دیا۔ اس لئے کہ وہ جان گئے کہ یہ کام امر الٰہی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے وہ فوراً موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ لیکن فرعون بدنصیب اس بات کو نہ سمجھ سکا۔ کہ یہ جادو نہیں۔ یہ معجزہ ہے۔

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ

کہاانہوں نے ہم ایمان لائے رب العالمین پر۔ جورب ہے موسیٰ وہارون کا فرعون بولا کیاتم ایمان لے آئے

لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ

اس پر پہلے اس کے کہ میں اجازت دوں تمہیں بے شک یہ تمہارا بڑا ہے جس نے سکھایا تمہیں جادو

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ

تو جلد تم جان لوگے۔ ضرور میں کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور پاؤں برعکس

وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ۚ ﴿۴۹﴾

اور ضرور سولی دونگا تم سب کو۔

(آیت نمبر۴۷) جادوگروں کے کمال فن نے انہیں بتایا کہ امر فنی نہیں بلکہ یہ امر ربی ہے۔ لہذا انہوں نے اپنے صدق دل سے کہا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے۔ **سبق:** مقام غور ہے کہ (ہارنے والے اکثر جیتنے والے کے مخالف بلکہ دشمن ہوجاتے ہیں) لیکن یہاں ان خوش نصیبوں کی قسمت کیسی نکلی۔ کہ صبح کو کافر تھے۔ شام کو مومن ہو گئے۔ جس نے سالہا سال گھر میں رکھا وہ محروم رہا جو مخالف مقابلہ کیلئے آئے اور ابھی چند گھڑیاں بھی نہ گذریں کہ انہیں دولت ایمان مل گئی۔ ذالك فضل الله یوتیه من یشاء

(آیت نمبر۴۸) جادوگروں نے اپنی کلام میں کہا ہم رب العالمین پر ایمان لائے چونکہ فرعون بھی اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہلواتا تھا اور اس کی قوم پرلے درجے کی جاہل تھی تو فرعون نے لوگوں کو کہا یہ مجھے رب العالمین کہہ رہے ہیں تو انہوں نے فوراً کہا ہم تو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لائے۔ یعنی ہم فرعون پر ایمان نہیں لائے۔ ہم تو اس رب پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا رب ہے۔ ہم اس رب پر ایمان لائے۔

(آیت نمبر۴۹) (فرعون تو یہ دیکھ سن کر جل بھن گیا) تو وہ ان سے کہنے لگا کہ تم موسیٰ پر ایمان لے آئے اس سے پہلے کہ میں تمہیں ان پر ایمان لانے کی اجازت دیتا یعنی تم میری اجازت کے بغیر موسیٰ پر ایمان کیوں لائے ہو۔ **فائدہ:** اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر اس سے اجازت لی جاتی تو وہ ایمان لانے کی اجازت دے دیتا۔ (ڈکٹیٹر قسم کے لوگ اسی طرح گفتگو کرتے ہیں۔ فرعون بھی بہت بڑا ظالم ڈکٹیٹر تھا۔)

قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۡ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۚ ﴿٥٠﴾

وہ بولے نہیں کوئی حرج بے شک ہم طرف اپنے رب کے لوٹنے والے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۴۹) اس سے تو نہ یہ ممکن تھا۔ نہ توقع تھی۔ اس کیلئے یہ ذلت کیا کم تھی کہ ستر ہزار جادوگر مقابلے کیلئے لایا۔ وہ سارے موسیٰ علیہ السلام سے ہار گئے۔ پھر دوسری اس پر ذلت یہ کہ وہ سب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو گئے۔ فرعون کیلئے تو ڈوب مرنے کا مقام تھا۔ تو اب اسے اور کوئی بات نہ سوجھی تو کہنے لگا کہ یہ ہی تمہارا بڑا (استاد) ہے۔ جس نے تمہیں یہ جادو کرنا سکھایا۔ اسی لئے تم نے اسکی موافقت کر لی۔ تم سب مل کر میرے ملک پر قبضہ کرنا چاہتے ہو۔ بلکہ یہ بھی کہا کہ یہ تمہارا مکروفریب تھا جو تم نے شہر میں پھیلایا۔ (بے ایمان آدمی کی سوچ ہی گھٹیا ہوتی ہے۔)

فائدہ: اصل میں فرعون لوگوں کے سامنے یہ بات صرف طفل تسلی کے طور پر کر گیا۔ ورنہ وہ جانتا تھا کہ ان کی نہ کوئی پہلے ملاقات تھی نہ اب ایسی کوئی بات ہے وہ تو صرف جادوگروں کے ایمان لانے سے حواس باختہ ہو گیا تھا۔ اور ان کو ڈرانے دھمکانے لگا کہ عنقریب تم جان لو گے یعنی یہ جو ایمان لانے والا کام کیا ہے اس کا مزہ چکھ لو گے۔ وہ اس طرح کہ میں تمہارے ہاتھ پاؤں برعکس کاٹ دونگا پھر تم سب کو صولی دے دونگا۔

یعنی ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری جانب کی ٹانگ۔ تاکہ تمہارا سارا بدن بے کار ہو جائے۔ اس ڈرانے دھمکانے میں اس کا اصل مقصد یہ تھا۔ ایک یہ کہ میری ذلت کم ہو۔ دوسرا یہ کہ شاید یہ ایمان سے پھر جائیں۔

فائدہ: یہ ظلم انسانیت پر سب سے پہلے اسی ظالم فرعون نے کیا تھا۔ "من خلاف" کا کلمہ اس نے اس لئے کہا کہ تم نے میرے حکم کے خلاف کیا۔ اس لئے تمہارے ہاتھ پاؤں بھی برخلاف ہی کاٹوں گا۔ اسی لئے بعض بزرگوں نے اس "مِنْ" کو تعلیلیہ کہا ہے اور یہ اس کی حماقت ہے کہ ایک معمولی بات پر اتنی بڑی سزا دینا کوئی عقل مندی کی بات نہیں اور اسی پر بس نہیں بلکہ آگے یوں کہا کہ میں تم سب کو دریا کے کنارے صولی پر بھی لٹکاؤں گا۔ جہاں پر تم تڑپ تڑپ کر مر جاؤ گے۔ پھر اس نے اسی طرح کیا جیسے اس نے کہا تھا۔ تو انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں۔ ہم نے بالآخر لوٹ کر جانا تو پھر بھی اپنے رب تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔ لہٰذا وہ موت کتنی اچھی ہوگی جو اس کی راہ میں ہوگی۔

(آیت نمبر ۵۰) تو انہوں نے فرعون کو جواب میں کہا کہ تیری ان دھمکیوں کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں۔ اور نہ ہم موت سے ڈرنے والے ہیں۔ بے شک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جانے والے ہیں۔ وہ ہمیں اس صبر اور توحید پر ثابت قدم رہنے کا بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔ معلوم ہوا کہ مرد مومن کو حق ظاہر کرنا چاہئے خواہ اس میں موت آ جائے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ سب سے افضل جہاد ظالم بادشاہ کے منہ پر حق بات کہنا۔

اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥١﴾

بے شک ہمیں طمع ہے کہ بخش دے گا ہمارا رب ہماری خطائیں تاکہ ہوں ہم اول نمبر مسلمان۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٥٢﴾

اور ہم نے وحی کی طرف موسیٰ کے کہ لے چلو میرے بندے بے شک تمہارا پیچھا کیا جائیگا۔

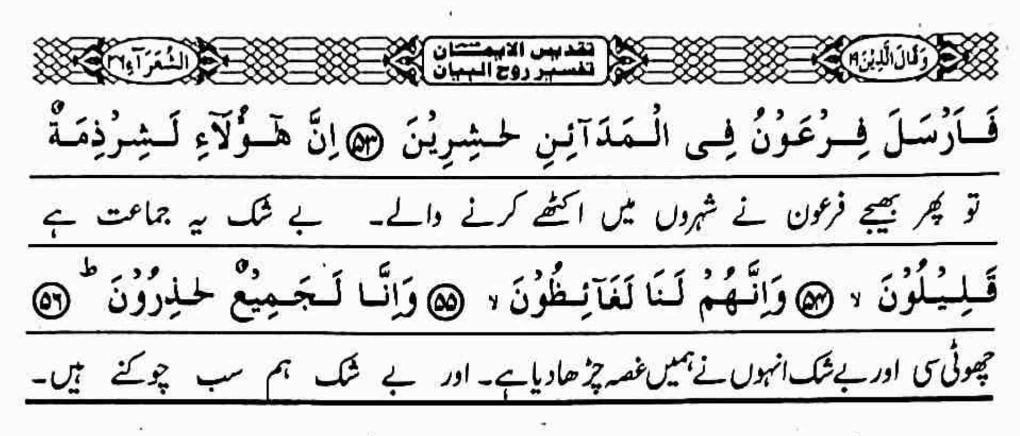
(آیت نمبر ۵۱) ہمیں اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ ہمارے سابقہ گناہ شرک وغیرہ بخش دیگا۔ یا جو ہم نے فرعون کے کہنے پر موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کر کے گناہ کیا وہ بھی اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔ اس طرح کے ہم سب سے پہلے مومن یعنی درجہ اول کے مومن ہوں گے۔ کہ ہم نے ظالم جابر بادشاہ کے منہ پر حق بات کر کے بڑا جہاد کیا۔

فائدہ: روایات میں آتا ہے کہ فرعون نے حکم دے دیا کہ ان نئے مسلمان ہونے والوں گرفتار کیا جائے ان کے ہاتھ پاؤں الٹ کاٹ کر انہیں صولی پر لٹکا دیا جائے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام اس ظلم کو دیکھ کر از حد پریشان ہوئے اور بہت روئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی آنکھوں سے منازل قرب کے تمام پردے ہٹا دیئے۔ انہوں نے وہ جنت کے محلات اور حوران بہشتی کے جلوے دیکھے اور بہت خوش ہوئے۔

سبق: راہ مولا میں آنے والی ہر مصیبت پر مسلمان کو خوش ہونا چاہیئے کہ اسے آزمائش کے بعد اعلیٰ انعام ملنے والا ہے۔ جادوگروں پر امتحان تو بڑا آیا۔ لیکن مشاہدۂ حق ان کی قسمت میں تھا۔ اس لئے انہوں نے مصیبت کو اپنے لئے راحت ورحمت سمجھا۔ (جتنا بڑا ایمان اتنا بڑا امتحان۔ اور جتنا بڑا امتحان اتنا ہی بڑا انعام)۔

(آیت نمبر ۵۲) ہم نے بذریعہ وحی موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ بنی اسرائیل کو رات کے وقت لیکر نکل جائیں۔

فائدہ: جب فرعونیوں کے مسلمان ہونے کی کوئی امید نہ رہی اور بنی اسرائیل پر بھی ظلم وستم کی انتہاء ہوگئی اور فرعون کے غرق ہونے کا وقت بھی قریب آ گیا۔ تو موسیٰ علیہ السلام کو فرمان الٰہی ہوا کہ رات کے وقت سب کو لیکر بحر قلزم کے کنارے پہنچ جاؤ۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ بے شک تمہارا پیچھا کیا جائیگا۔ یعنی فرعون اور اس کا لشکر تمہارا تعاقب کریں گے لیکن وہ آپ تک نہیں پہنچ پائیں گے تم نے دریا کو عبور کر جانا ہے تمہارے پیچھے جب وہ داخل ہوں گے تو فرعون بمعہ لشکر ڈوب مرگا۔



فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿٥٣﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ

تو پھر بھیجے فرعون نے شہروں میں اکٹھے کرنے والے۔ بے شک یہ جماعت ہے

قَلِيْلُوْنَ ﴿٥٤﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿٥٦﴾

چھوٹی سی اور بے شک انہوں نے ہمیں غصہ چڑھادیا ہے۔ اور بے شک ہم سب چوکنے ہیں۔

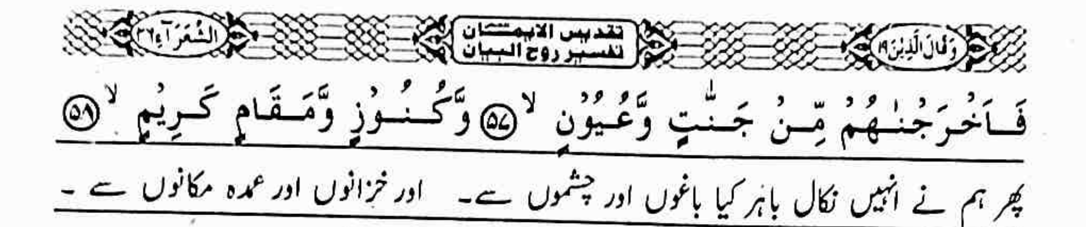
(آیت نمبر۵۳) فرعون نے تمام شہروں سے فوج جمع کر لی تا کہ سب ملکر موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کریں۔

فائدہ : کاشفی لکھتے ہیں کہ قبطیوں کو اگلی شام کو پتہ چلا کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کولیکر چلے گئے ہیں۔دن کے وقت وہ سمجھے کہ بنی اسرائیل عید منا کر شام تک واپس آ جائیں گے۔شام کو ان کے واپس نہ آنے پر انہیں یقین ہو گیا کہ وہ واپس نہیں آئیں گے چنانچہ اگلے دن بروز سوموار وہ موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو پکڑنے کیلئے اجلاس بلایا گیا۔

(آیت نمبر۵۴) فرعون نے خطاب میں کہا کہ یہ بنی اسرائیل تو گنتی کے چند افراد ہیں۔یعنی نہایت کم ہیں تعداد کے لحاظ سے چونکہ اس کا اپنا لشکر دس لاکھ سے بھی زیادہ تھا۔اس لئے اسے بنی اسرائیل اپنے لشکر کے مقابلے میں بہت کم نظر آئے۔یا یہ مطلب ہے۔کہ یہ ہمارے کمی ہیں۔ان کی کیا جرات ہے۔

(آیت نمبر۵۴) مزید کہا کہ بے شک ان لوگوں (بنی اسرائیل نے) ہمیں بہت غصہ چڑھایا ہے انہوں نے ہمارے دین کی بھی مخالفت کی۔ہمارے زیورات بھی لے گئے۔اس لئے ان پر ہمارا خون کھول رہا ہے وہ جہاں بھی ملے ہم انہیں نہیں چھوڑیں گے۔انہیں بدترین سزائیں دیتے ہوئے واپس لائیں گے۔بنی اسرائیل چونکہ انتہائی مفلس ونادار تھے۔جب وہ شادی یا عید کی خوشی منانے جاتے تو قبطیوں سے ادھار زیورات اور پیسے لے جاتے تو اس موقع پر بھی بنی اسرائیل کی عورتوں نے قبطی عورتوں سے سنگار کیلئے زیورات اور نقدی بھی لی لیکن وہ تو دریائے قلزم تک پہنچ گئے اور سب کچھ ساتھ لے گئے چونکہ پہلے وہ اجازت لے کر جاتے تھے۔اس دفعہ وہ اجازت لئے بغیر ہی چلے گئے اور ان کی نقدی اور زیورات بھی لے گئے اس لئے انہیں بنی اسرائیل پر بہت زیادہ غصہ چڑھا ہوا تھا۔

(آیت نمبر۵۶) اور کہا کہ ہم اب ان کیلئے انتہائی خطرناک جماعت ہیں کہ جن سے وہ پہلے بھی بہت ڈرتے تھے چونکہ وہ بہت تھوڑے تھے اور قبطی تعداد میں بہت زیادہ تھے۔اس لئے وہ انہیں انتہائی حقارت سے دیکھتے تھے اور انہیں کسی شمار میں نہیں رکھتے تھے اور یہ تو ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ بنی اسرائیل بھی کبھی اقتدار میں آ جائیں گے اور قبطیوں کو ان کے غلبے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔



فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۵۸﴾

پھر ہم نے انہیں نکال باہر کیا باغوں اور چشموں سے۔ اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے۔

كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾

ایسا ہی کرتے ہیں اور وارث بنایا ہم نے ان کا بنی اسرائیل کو۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۶) اس لئے اس عمل پر انہیں غصہ تو چڑھنا ہی تھا اور وہ کہتے تھے کہ ہم عظیم قوم ہیں۔ غیظ وغضب تو ہمارا شیوہ ہے لیکن ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ کہ ہم شکار کرنے جارہے ہیں۔ یا شکار ہونے جارہے ہیں۔ کسی کو مارنے جارہے ہیں یا خود مرنے جارہے ہیں۔

(آیت نمبر ۵۷) ہم نے انہیں بنی اسرائیل کو عذاب میں پکڑنے کے ارادے میں گھر سے نکالا وہ دریائے نیل کے دونوں کناروں پر پھیلے ہوئے باغات اور چشمے اور مال ودولت سونے اور چاندی کے خزانے اور عالی شان منزلیں سب چھوڑ گئے۔ اور ذلت کی موت مرنے کیلئے خود بخود گھروں سے نکل گئے۔

(آیت نمبر ۵۸) یعنی سونے اور چاندی کے خزانے اور شاندار محل سب کچھ چھوڑ کر وہ نکل گئے۔

فائدہ: کنز اس خزانے کو کہا جاتا ہے۔ جس میں سے اللہ تعالیٰ کا حق نہ ادا کیا جائے اور جس مال سے زکوٰۃ وغیرہ ادا کی جائے۔ اس پر کنز کا لفظ نہیں بولا جاتا۔ اگرچہ وہ ساتوں زمینوں تک پہنچتا ہو۔ تو مصر کے شہر میں بے شمار خزانے سونے اور چاندی کے تھے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ پوری دنیا کا سونا مصر کے خزانوں میں ہے اور عمدہ مکانوں سے مراد شاہی محلات ہیں۔ جو یوسف علیہ السلام نے بنائے تھے۔ وہ خوبصورت مکانات فرعون کے زمانے تک موجود رہے۔ تین سو ساٹھ شہر انتہائی خوبصورت اور آباد تھے۔ گویا ان کے اپنے محل تھے۔ جن پر غیروں کا قبضہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر انہیں واپس دے دیئے۔

(آیت نمبر ۵۹) اور ہم نے ان باغات اور چشموں اور خزانوں اور محلات کا مالک بنی اسرائیل کو بنا دیا۔ جیسے وارث اپنے مورث کی جائیداد کا مکمل طور پر مالک ہوتا ہے ایسے ہی بنی اسرائیل فرعون کی املاک کے مالک ہو گئے۔

فائدہ: مروی ہے کہ قبطیوں کی تباہی کے بعد بنی اسرائیل مصر میں آ کر ان کی تمام جائیدادوں پر قابض ہو گئے۔ اگرچہ انہیں صحیح قبضہ داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ملا۔ جیسا طبری نے لکھا ہے۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰى

تو فرعونیوں نے پیچھا کیا ان کا دن چڑھے۔ پھر جب سامنے ہوئیں دونوں جماعتیں تو کہا اصحاب موسیٰ نے

اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿٦٢﴾

بے شک ہمیں پالیا گیا۔فرمایا ہرگز نہیں بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے ابھی راہ دیگا۔

(آیت نمبر ٦٠) پھر وہ قبطی اور فرعونی تلاش کرتے بنی اسرائیلوں کو صبح کے وقت جا ملے۔ اس وقت بنی اسرائیل دریائے قلزم کے کنارے تک پہنچ چکے تھے۔ دریائے قلزم عبور کرنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے۔ عین اس وقت ان کے پیچھے فرعون بھی اپنے لشکر کے ساتھ دریائے قلزم تک پہنچ گیا۔ فرعون نے لشکر کو آراستہ پیراستہ کیا ہوا تھا۔ ساٹھ ہزار جوان آگے۔ ساٹھ ہزار پیچھے۔ ساٹھ ہزار دائیں اور ساٹھ ہزار بائیں تھے۔ خود ان کے درمیان تھا اور پورا لشکر لوہے کے لباس سے ملبوس تھا۔ دریا کی موج کی طرح تیز رفتار تھا۔ ان کا خیال تھا کہ بنی اسرائیل کے خون سے ہولی کھیلیں گے۔

(آیت نمبر ٦١) جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے اتنے قریب ہوگئے کہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں یعنی بنی اسرائیل اور قبطی آمنے سامنے آگئے تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی پکار اٹھے کہ ہمارا دشمن ہمارے قریب آچکا ہے اگر وہ آگئے تو وہ ہمیں سخت تکالیف دیں گے۔ ہم میں ان کا مقابلہ کرنے کی بالکل ہمت نہیں ہے۔ نہ ہم بھاگ کر کسی طرف اب جا سکتے ہیں کیونکہ پیچھے فرعون کی فوج آگے دریا کی موج ہے۔ ہم تو اب مارے گئے۔

(آیت نمبر ٦٢) تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ ایسی باتیں مت کرو۔ اب دشمن تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس لئے کہ میرے رب کا وعدہ ہے۔ وہ ہمیں ان سے بچائے گا۔ بے شک میرا رب میرے ساتھ ہے۔ یعنی مدد کرنے میں اور ہمیں دشمن سے بچانے میں وہ میرے ساتھ ہے۔ میری عنقریب نجات کے راستہ کی طرف راہنمائی فرمائے گا۔

نکتہ: موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ لاکھوں کا لشکر ہونے کے باوجود فرمایا۔ "ان معی ربی" کہ رب میرے ساتھ ہے اور غار ثور میں حضور ﷺ نے فرمایا "الله معنا" اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ قوم اندر سے میرے ساتھ نہیں ہے۔ اسی لئے کنارے لگتے ہی بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ (جہاد کیلئے کہا گیا تو کہنے لگے تو اور تیرا خدا جہاد کرو) اس لئے موسیٰ علیہ السلام گویا اکیلے تھے۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ

تو ہم وحی کی طرف موسیٰ کے کہ مار لاٹھی اپنی دریا پر۔ تو پھٹ پڑا دریا پھر ہوگیا ہر

فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ ۚ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ ۚ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى

حصہ جیسے پہاڑ ہے بڑا۔ اور قریب لائے ہم پھر دوسروں کو۔ اور بچایا ہم نے موسیٰ کو

وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ۚ

اور جو ان کے ساتھ تھے سب کو۔

(بقیہ آیت نمبر۶۲) اور غار ثور میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہر تکلیف اپنے اوپر سہنے کیلئے پہلے غار میں گئے اس لئے حضور ﷺ جانتے تھے کہ ابوبکر اندر باہر سے میرے ساتھ ہے۔ اس لئے فرمایا "ان اللہ معنا" اللہ ہمارے ساتھ ہے

(آیت نمبر۶۳) موسیٰ علیہ السلام نے دشمن سے بچاؤ کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اپنی لاٹھی دریا پر مارو۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام دریا کے کنارے پر جا کر اپنا عصا مارا اور فرمایا کہ اے اللہ ہمیں راستہ دے تو اسی وقت دریا اس طرح پھٹ گیا کہ اس میں بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے برابر بارہ راستے بن گئے۔ درمیان میں ہر ٹکڑا پورے پہاڑ کے برابر ہوگیا۔ پھر وہاں سے ہر قبیلہ نے اپنے لئے ایک راستہ منتخب کر لیا اور اسی میں چل پڑے۔ **فائدہ**: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ان راستوں پر فوراً ایک آندھی چلی جس نے راستے خشک کر دیئے۔ جس پر بنی اسرائیل آسانی کے ساتھ چل کر دوسرے کنارے پہنچ گئے۔

(آیت نمبر۶۴) اور ہم نے بنی اسرائیل کے ساتھ پچھلوں کو بہت قریب کر دیا۔ یعنی جہاں سے دریا پھٹا اور بنی اسرائیل گذرے اسی کنارے پر فرعونی بھی آ پہنچے۔ جب فرعون اور اس کی قوم نے دیکھا کہ بنی اسرائیل یہاں سے پار ہو گئے تو وہ بھی وہیں سے داخل ہو پڑے کیونکہ راستہ ابھی خشک ہی تھا۔

(آیت نمبر۶۵) اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھ والوں کو نجات دی کہ وہ تمام دریا میں غرق ہونے سے بچ گئے جیسے ایک طرف سے داخل ہوئے اسی طرح دوسری جانب سے صحیح سلامت نکل گئے کسی کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ چونکہ نجات دینے والی اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔ نقصان کیسے ہوتا۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

پھر ڈبو دیا ہم نے دوسروں کو۔ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے۔ اور نہیں تھے زیادہ تر ان میں

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ؏ ﴿٦٨﴾

مسلمان۔ اور بے شک تیرا رب وہی عزت والا رحمت والا ہے۔

(آیت نمبر ٦٦) پھر ہم نے دریا کو جاری کر کے پچھلوں کو غرق کر دیا یہ سب معاملہ موسیٰ علیہ السلام کی چاہت پہ چھوڑ دیا گیا تمام بنی اسرائیل گذرتے رہے چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ وہ مکمل طور پر گذر جائیں جب فرعونی آئے تو موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ اب دریا اپنی اصلی حالت پر آ جائے ادھر سے حکم الٰہی بھی یہی تھا کہ اب دریا کو اس کی حالت پر چھوڑ دے تا کہ فرعون اور اس کی ساری قوم غرق ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ **فائدہ:** مروی ہے کہ اس دن محرم کی دس تاریخ تھی اور دن بھی سوموار تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کے شکرانے میں اس دن کا روزہ رکھا۔

(آیت نمبر ٦٧) بے شک اس میں نشانی ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کے نجات پانے میں اور فرعون کا بمعہ اپنی قوم کے غرق ہو جانے میں بہت بڑی عبرت ہے۔ عبرت حاصل کرنے والون کیلئے اور مصر کے رہنے والوں میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ یعنی فرعون اور اس کی قوم میں سے سوائے چند حضرات۔ بی بی آسیہ۔ مومن آل فرعون۔ خزبیل جس کی شان قرآن میں بیان ہوئی۔ ایک دو اور حضرات کے سوا اور کوئی بھی ایمان نہ لایا۔

(آیت نمبر ٦٨) اور بے شک آپ کا پروردگار غالب ہے یعنی دشمنوں سے بدلہ لینے پر غالب ہے۔ جیسے فرعون اور اس کی قوم سے خوب بدلہ لیا اور رحیم ہے یعنی اپنے دوستوں پر مہربان بھی ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل پر مہربانی کی اور انہیں غرق ہونے سے بچالیا۔

فائدہ: چونکہ سات انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر کر کے فرمایا کہ اے قریش ان واقعات میں تمہارے لئے عبرت کا نشان موجود ہے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں بھی پڑھنے گئے نہیں اور جھوٹ کبھی بولا نہیں لہذا جو کچھ بتا رہے ہیں وہ بالکل برحق ہے اور وہ وحی ہے۔ یہ سوائے نبی کے اور کوئی نہیں بیان کر سکتا۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ **فائدہ:** مزید ان واقعات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ کفار کی تکذیب پر غمزدہ نہ ہوں۔ سابقہ انبیائے کرام کے ساتھ بھی ایسا ہوا انہوں نے صبر کیا آپ بھی ان کی اقتداء میں صبر کریں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾

اور پڑھ کر انہیں سنائیں خبر ابراہیم کی۔ جب کہا اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو کیا پوجتے ہو۔

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ

بولے ہم پوجتے ہیں بتوں کو پھر ان کے سامنے چوپھڑ مار کر بیٹھے ہیں۔ فرمایا کیا سنتے ہیں تمہارا

اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾

جب بلاؤ۔ یا تمہارا کوئی فائدہ یا نقصان کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ٦٩) اے میری محبوب ان مشرکین مکہ کو ابراہیم علیہ السلام کی عظیم الشان خبر پڑھ کر سنائیں چونکہ اہل مکہ ان کی اولاد ہونے کی وجہ سے ان کی بات خوشی سے سنتے تھے بلکہ اس بات پر فخر کرتے تھے۔

(آیت نمبر ٧٠) جب آپ نے باپ آزر اور اس کی قوم کو فرمایا۔ کس کی تم پوجا کرتے ہو۔ اصل میں انہیں تنبیہ کرنا چاہتے تھے کہ جن کو تم پوجتے ہو وہ تو عبادت کے لائق بالکل ہی نہیں ہیں۔ وہ تو محض پتھر ہیں۔

(آیت نمبر ٧١) انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں یہ پیتل، سونے، چاندی، پتھر اور لکڑی یعنی ہر دھات کے ہیں۔ عموماً صنم ان بتوں کو کہا جاتا ہے جو سونے یا پیتل کے بنا کر پوجے جائیں اور جو بت پتھر کے بنائے جاتے انہیں وثن کہا جاتا ہے۔ آگے کہا کہ ہم ان کے سامنے بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ بات انہوں بڑے ناز وفخر سے کہی اور ہم اس عمل سے نہایت خوش وخرم ہیں گویا واضح کیا کہ ہم اس کام کو ہمیشہ کریں گے۔

(آیت نمبر ٧٢) اب آپ نے بتوں کے عیب بیان کرنا شروع کردیئے۔ فرمایا کہ تمہاری کوئی بات یا دعا وغیرہ کیا وہ سنتے ہیں چونکہ بت پرستوں کا عقیدہ تھا کہ وہ ذوالعقول میں سے ہیں۔ لہذا وہ سنتے ہیں یعنی تم انہیں بلاؤ یا پکار دیا اپنی ضروریات میں ان کو پکارو تو کیا وہ تمہاری پکار سنتے اور تمہاری ضروریات پوری کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ٧٣) یا تمہاری عبادت کے بدلے میں کوئی تمہیں نفع پہنچاتے ہیں یا تم ان کی عبادت نہ کرو تو کیا وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچاتے ہیں کہ خدا تو وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے۔ اور فرعون کی طرح نافرمانی کرے۔ اسے نقصان پہنچاتا ہے۔

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ

بولے بلکہ پایا ہم نے اپنے آباء کو وہ یوں ہی کرتے۔ فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کس کو

مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ ﴿٧٥﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۙ ﴿٧٦﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ

تم پوجتے ہو۔ تم بھی اور تمہارا باپ دادا بھی جو پہلے ہو گذرے۔ تو بے شک وہ دشمن ہیں

لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ ﴿٧٧﴾

میرے سوائے رب العالمین کے۔

(آیت نمبر۷۴) تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم نے نہ ان سے کبھی کوئی جواب سنا نہ نفع دیکھا نہ نقصان۔ البتہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے ہی کرتے پایا کہ وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ان کی اقتداء کرتے ہوئے ہم بھی وہی کچھ کرنے لگ گئے یعنی بت پرستی کی کوئی اور دلیل نہیں صرف اپنے باپ دادا کی تقلید ہی ہے۔ (یہ تقلید گمراہی ہے بعض لوگوں نے ہر قسم کی تقلید کو اسی کھاتے میں ڈال دیا جو بہت بڑی زیادتی ہے)۔ تقلید اچھی بھی ہے اور بری بھی۔

(آیت نمبر۷۵) تو ابراہیم علیہ السلام نے بتوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کبھی غور کیا ہے کہ تم سب کس کی پوجا کر رہے ہو کبھی اپنی جگہ اچھی طرح غور کر کے سوچو کہ تم کس کی پوجا کر رہے ہو یا کون تم سے پوجا کروا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ شیطن نے تمہیں اس غلط راستے پر ڈال کر وہ اپنی پوجا کروا رہا ہے۔

(آیت نمبر۷۶) تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی جو پہلے گذر گئے کبھی تم نے سوچا اور سمجھا کہ تم باطل پر ہو حق پر نہیں ہو اور کبھی باطل بھی حق ہو سکتا ہے خواہ باطل کے پوجنے والے تعداد میں بہت زیادہ ہوں خواہ کتنے زمانے سے پوجا پاٹ کی جا رہی ہو۔ اور یہ جو کچھ تم کر رہے ہو۔ یہ تو سراسر گمراہی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دشمنی ہے۔

فائدہ: جب ابراہیم علیہ السلام نے انہیں متنبہ کیا کہ جن کی تم پوجا کر رہے ہو یہ تو بے جان پتھر ہیں وہ نہ نفع دیتے ہیں نہ نقصان پھر بھی ان کے سامنے عبادت کرتے ہو۔ بات تو انہیں سمجھ آئی لیکن بدبختی ان پر سوار تھی۔

(آیت نمبر۷۷) بے شک میرے تو وہ دشمن ہیں یعنی اگر تم ان کی حقیقت نہیں جانتے اور نہ اس پر کبھی غور و فکر کرتے ہو تو یہ بات یقین سے جان لو کہ وہ نہ صرف میرے دشمن ہیں بلکہ وہ تو اپنے پوجنے والوں کے بھی دشمن ہیں کیونکہ بروز قیامت ان کی وجہ سے پوجنے والے جہنم میں جائیں گے۔

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾

جس نے مجھے پیدا کیا پھر مجھے راہ دکھاتا ہے۔ اور جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾

اور جب میں بیمار ہو جاؤں تو وہ شفا دیتا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۷) اس سے بڑھ کر اور کیا نقصان ہوگا اور اس سے بڑا دشمن کون ہوگا کہ جو جہنم میں جانے کا سبب بنے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ آگے فرمایا۔ مگر رب العالمین میرا انتہائی مہربان ہے جو ہر لمحہ مجھ پر فضل وکرم فرمارہا ہے۔ لہذا عقل سے کام لو۔ اوران کی پوجاپاٹ سے باز آجاؤ۔

سبق : یہ ابراہیم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کمال محبت کی دلیل ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے بھی محبت نہ کرے۔ **فائدہ**: چونکہ اس وقت ابراہیم علیہ السلام مقام خلت سے دیکھ رہے تھے۔ یہ وہ مقام ہے کہ خلیل تمام مخلوق سے کٹ کر صرف اپنے محبوب پر نظریں جمار کھتا ہے۔ اس کے مدمقابل کو اپنا دشمن تصور کرتا ہے۔

(آیت نمبر ۷۸) اللہ تعالیٰ کا مزید تعارف کراتے ہوئے فرمایا وہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ بلکہ ساری مخلوق کو بنایا۔ یہ رب العالمین کی صفت ہے اور فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کہ وہ صلاح دارین کی طرف اپنی خاص ہدایت سے راہنمائی فرماتا ہے۔ **فائدہ**: انسان کی ہدایت کا مبدا پیدائش کے ساتھ ہی یوں جاری ہوا کہ اس نے ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی ماں کے دودھ کو تلاش کرلیا۔ اوراس کی انتہاء جنت کا راستہ ہے اوراس کی نعمتیں حاصل کرنا ہے۔

(آیت نمبر ۷۹) اور وہ ذات ہے جو مجھے کھانا بھی کھلاتا ہے۔ یعنی وہ غذا جو بدن کو نفع دینے والی ہے وہ مجھے میرا رب کھلاتا ہے اور وہی پلاتا ہے۔ یعنی وہ چیز مجھے پلاتا ہے کہ جو میری پیاس بجھائے اور تربیت اعضا کا سبب بنے۔ اور وہ ایسا رزاق ہے کہ میرے کھانے اور پینے کے تمام اسباب اس نے اپنے ذمہ کرم پر لے رکھے ہیں۔

(آیت نمبر ۸۰) اور جب میں بیمار ہو جاؤں تو وہی مجھے بیماری سے شفا دیتا ہے۔

فائدہ : یہ اس لئے فرمایا کہ لوگوں کا عقیدہ تھا کہ بیماری اوقات کے اثرات سے آتی ہے۔ یا مختلف غذائیں کھانے سے اور پھر شفاء یا دواؤں سے ملتی ہے۔ یا ڈاکٹروں سے ملتی ہے۔ لہذا ابراہیم علیہ السلام نے انہیں سمجھایا کہ بیماری آتی بھی اسی کی طرف سے ہے۔ شفا بھی اسی کی جانب سے ملتی ہے۔

وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۙ ﴿٨١﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ

اور جو مجھے وفات دے کر پھر زندہ کریگا۔ اور جس پر مجھے امید ہے کہ بخشے گا مجھے

خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ؕ ﴿٨٢﴾

میری خطائیں بروز قیامت۔

(بقیہ آیت نمبر ٨٠) **ادب**: ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں بلکہ شفاء کی نسبت اس کی طرف کی (یہ انتہائے ادب ہے)۔ چونکہ بیماری ناقص چیز ہے اور ناقص اشیاء کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف مناسب نہیں۔ **نکتہ**: بیماری کو کھانے پینے کے ساتھ اس لئے جوڑا کہ اکثر بیماری زیادہ کھانے کی وجہ سے آتی ہے۔ مشہور قاعدہ ہے کہ بہت زیادہ کھانا بیماری لاتا ہے اور بھوک راحت لاتی ہے۔

(آیت نمبر ٨١) وہی میرا دنیا کا وقت ختم ہونے پر مجھے موت دیگا۔ پھر قیامت کے دن میرے اعمال کا بدلہ دینے کیلئے مجھے زندہ فرمائے گا۔ چونکہ وہ دوبارہ زندہ ہونے کے قائل نہیں تھے۔ اس لئے ان پر یہ بات بھی واضح کردی۔ **فائدہ**: چونکہ موت بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ایک نعمت ہے اس لئے موت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا کہ اس سے اہل کمال لوگوں کو وصال یار ہوتا ہے اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ موت پل ہے جو یار کو یار سے ملاتا ہے۔ اور اعلیٰ پاکیزہ حیات ابدی ملتی ہے۔ دنیا کی مصیبتوں سے نجات ملتی ہے۔ **فائدہ**: ثعلبی فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بندوں کو موت دینا عدل اور زندگی دینا فضل ہے۔

(آیت نمبر ٨٢) اور اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے کہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بروز قیامت میری سب خطائیں بخش دے گا۔ **سبق**: انسان پر لازم ہے کہ وہ تمام کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے اور خوف وامید کے درمیان زندگی بسر کرے اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ وہ بہت بڑا کریم ہے جب اس سے امید کی جائے تو وہ کرم کردیتا ہے۔ خطاء کو ابراہیم علیہ السلام نے اپنی طرف اس لئے منسوب کیا کہ یہ آپ کی تواضع اور کسر نفسی ہے اور امت کیلئے تعلیم ہے کہ وہ گناہوں سے بچیں اور اگر خطا ہوجائے تو یوں دعا کیا کریں۔ ورنہ نبی تو گناہوں سے معصوم ہوتا ہے۔

نکتہ: ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم پر حجت قائم کی اور ان پر واضح فرمایا کہ جو مذکورہ کام نہیں کرسکتا۔ وہ خدا کہلانے کا بھی حقدار نہیں ہے۔

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ

میرے رب عطا فرما مجھے حکم اور ملا مجھے صالح لوگوں کے ساتھ۔ اور کر میری زبان

صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾

سچائی کے ساتھ پچھلے لوگوں میں جاری

(آیت نمبر۸۳) ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے مذکورہ الطاف وانعامات ذکر کرنے کے بعد اپنے خالق ومالک کے حضور یہ مناجات کی کہ اے میرے رب مجھے حکمت عطا فرمایا۔ جس میں علم وعمل کا کمال ہو کیونکہ حکمت کیلئے علم وعمل کا ہونا ضروری ہے۔ اگر علم وعمل سے خالی ہے تو اسے حکیم نہیں کہا جائیگا۔ آگے فرمایا کہ اے اللہ مجھے صالحین کے ساتھ ملا دے۔ یعنی علم وعمل اور اخلاق کی وہ دولت عطا فرما کہ میں کاملین وراسخین فی العلم کی جماعت میں شامل ہو جاؤں۔ یا یہ معنی ہے کہ مجھے جنت میں ان کی معیت نصیب فرما تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یوں مژدہ سنایا کہ بے شک وہ آخرت میں صالحین سے ہوں گے۔

(آیت نمبر۸۴) اور پیچھے آنے والے لوگوں میں میری سچی شہرت کر دے یعنی میرا چرچا قیامت تک جاری رہے۔

دعا قبول ہوگئی: اس وجہ سے ہر آسمانی کتاب والا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر بڑے احترام سے کرتا ہے۔ کہ آپ کے بعد ہر نبی کا ہر امتی ان کا محب اور ثنا خوان رہا اور قیامت تک ان کا ذکر اسی طرح جاری رہے گا۔

نکتہ : مرنے کے بعد کسی کا اچھا چرچا اللہ تعالیٰ کی عظیم دولت ہے۔ یہ رضاء الٰہی اور عنداللہ قبولیت کی دلیل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس سے محبت فرماتا ہے۔ زمین وآسمان کی ہر چیز کے دل میں اس کی محبت ڈال دیتا ہے۔ پھر اس بندۂ خدا سے مخلوق پیار کرنے لگ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ پانی میں مچھلیاں اور ہوا میں اڑنے والے پرندے بھی اس سے پیار کرتے ہیں۔

فائدہ: ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خصوصیت سے اللہ تعالیٰ نے اس امت کی نماز کے اندر سلام سے پہلے نماز میں رکھ دیا کہ ہر مسلمان ان پر درود پڑھتا رہے۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول ہونے کی گویا نشانی ہے۔

وَاجْعَلْنِىْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِىْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ

اور کر مجھے وارث جنت کی نعمتوں کا۔ اور بخش میرے باپ کو بے شک وہ ہے

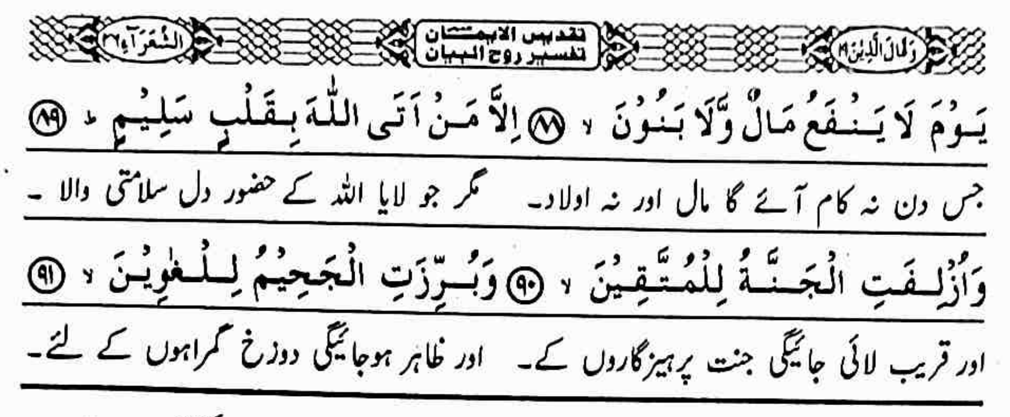
الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِىْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾

گمراہوں سے ۔ اور نہ رسوا کرنا اس روز جب اٹھائے جائیں۔

(آیت نمبر۸۵) اور اے اللہ مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں سے بنا۔ **نکتہ**: جنت کو وراثت کا مال اس لئے کہا کہ جس طرح مورث کے مرنے کے بعد مال وارث کو ملتا ہے پھر اس سے کوئی لے نہیں سکتا۔ اسی طرح عامل کو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے جنت کا مستحق بناتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ مجھے جنت کے مستحقین میں سے بنا۔ جیسے وارث مورث کے مال کا مالک بن کر اس سے نفع حاصل کرتا ہے۔ **فائدہ**: معلوم ہوا جنت مانگنا طلب حق کے منافی نہیں۔ وہ خاص الخاص لوگ ہیں۔ جو صرف رب کے طلبگار ہیں۔

(آیت نمبر۸۶) اور میرے باپ آزر کو بھی بخش۔ اس سے مراد توفیق ایمان اور ہدایت کی طلب ہے۔ اس لئے کہ بخشش کیلئے ایمان شرط ہے۔ آگے فرمایا کہ اس لئے کہ بے شک وہ گمراہوں میں سے ہے۔ یہ دعا ابتداء میں کی ہے۔ جب یہ یقین ہوگیا کہ وہ دشمن خدا ہے تو پھر ابراہیم علیہ السلام یہ دعا مانگنے سے رک گئے۔ یعنی پھر کبھی اس کی بخشش کیلئے دعا نہیں مانگی۔

(آیت نمبر۸۷) اور اے میرے اللہ مجھے رسوا نہ کرنا۔ یعنی میری پردہ دری نہ ہو۔ نہ میری کسی کوتاہی پر عقاب ہو۔ **فائدہ**: اصل میں انبیاء کرام علیہم السلام اپنی عبودیت کے اظہار کیلئے اور اپنی عجز وانکساری ظاہر کرتے ہوئے ایسی دعائیں مانگتے ہیں۔ یہ امت کو اصل میں تعلیم دی گئی۔ ورنہ انبیاء کرام علیہم السلام کی عزت افزائی کا تو کوئی اندازا ہی نہیں کیا جاتا۔ بعض بدبخت جو انبیاء کرام علیہم السلام کی ایسی باتیں دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ انبیاء سے بھی غلطیاں ہوئیں۔ اسی لئے وہ اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرتے تھے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام برے خاتمہ سے محفوظ ہوتے ہیں (اس لئے انبیاء واولیاء کے بارے میں احتیاط ضروری ہے ورنہ ایمان ضائع ہونے کا خطرہ ہے) تو ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ جب قبروں سے اٹھائے جائیں تو ہمیں رسوا نہ کرنا۔ (اسی دعا کا اثر ہے کہ قیامت کے دن اٹھتے ہی سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو جنت کا لباس پہنایا جائیگا۔ یا لباس پہنے ہوئے نکلیں گے۔ کیونکہ نمرودیوں نے آگ میں ڈالتے وقت ان کا لباس اتارا تھا۔ اس لئے بروز قیامت سب سے پہلے لباس ان ہی کو دیا جائیگا۔

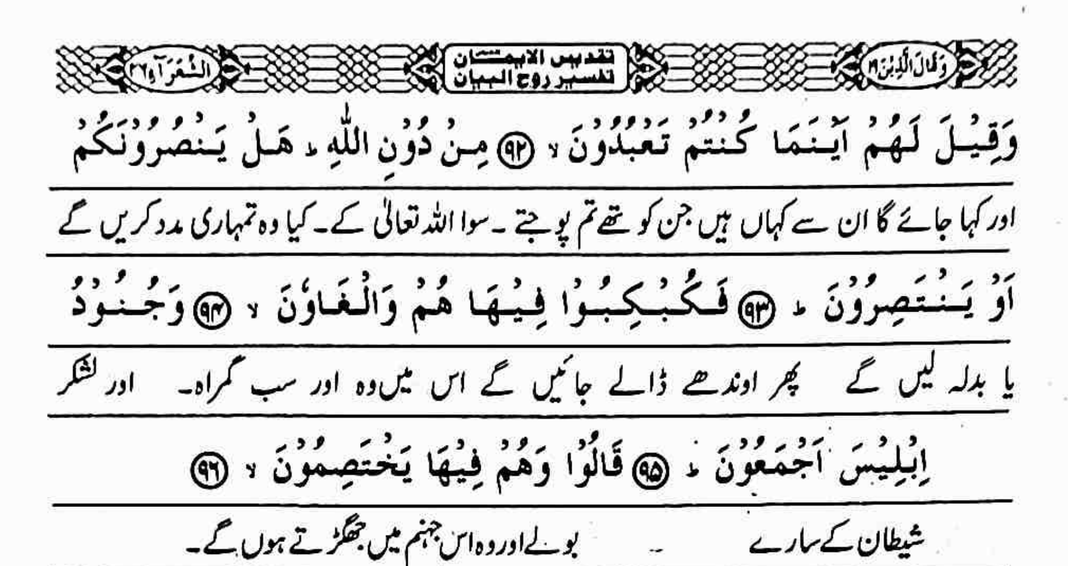


(آیت نمبر۸۸) جس دن نہ مال فائدہ دے گا نہ اولا۔ یادرہے یہ کفار کے لئے ہے وہ کتنی بھی نیکیاں کریں یا خیر کی جگہ مال خرچ کریں۔ قیامت کے دن انہیں جس طرح مال فائدہ نہیں دے گا۔ اسی طرح اولاد بھی کام نہیں دے گی۔ مسلمان کا مال بھی کام دے گا اور اولاد بھی۔ اسی لئے اگلی آیت میں استثناء فرمادیا کہ کچھ وہ لوگ ہوں گے جنہیں مال اور اولاد نفع دیں گے۔

(آیت نمبر۸۹) مگر جو قلب سلیم لے کر آئیگا یعنی جن کے دل میں کفر، نفاق ہوگا ان کے دل قلب مریض ہیں۔ اور قلب سلیم والے وہ ہیں جن کے دل ہر قسم کی کدورتوں سے پاک ہیں۔ کیونکہ آخرت میں ہر نفع مشروط ہے ایمان کے ساتھ۔ صاحب کشف الاسرار نے قلب بمعنی نفس کہا ہے۔ لہذا جو صاحب ایمان لوگ ہیں۔ انہوں نے جو مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیا۔ یا اولاد کو دین سکھایا وہ مال اور اولاد ماں باپ کو نفع دیں گے۔

(آیت نمبر۹۰) جنت متقین کے قریب لائی جائیگی یعنی جو لوگ کفر وشرک اور گناہوں سے دنیا میں بچتے رہے وہ محشر کے میدان سے ہی جنت کو دیکھتے رہیں گے۔ اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے اور اس سے خوش ہوں گے کہ ابھی ہم جنت جانے والے ہیں۔ ان کے قریب کردی جائے گی۔ یا جہاں وہ ہوں گے جنت وہاں آجائے گی۔

(آیت نمبر۹۱) اور جہنم گمراہوں کے سامنے لائی جائے گی تا کہ وہ دوزخ اور اس کے عذاب سے خوف زدہ ہوتے رہیں۔ کہ ابھی اس میں پڑنے والے ہیں جس سے ہمارا بچنا بہت مشکل ہے۔ اس سے ان کا غم لحہ بہ لحہ بڑھتا رہے گا۔ چونکہ دنیا میں وہ شہوات میں گھر کر گناہوں اور نافرمانیوں میں لگے رہے اور جہنم کو شہوات نے گھیرا ہوا ہے جو بھی دنیا کی شہوات میں پڑتا ہے وہ آخرت میں سیدھا جہنم میں پڑے گا۔



وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٩٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿٩٤﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿٩٥﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٩٦﴾

اور کہا جائے گا ان سے کہاں ہیں جن کو تھے تم پوجتے ۔ سوا اللہ تعالیٰ کے۔ کیا وہ تمہاری مدد کریں گے یا بدلہ لیں گے پھر اوندھے ڈالے جائیں گے اس میں وہ اور سب گمراہ۔ اور لشکر شیطان کے سارے ۔ بولے اور وہ اس جہنم میں جھگڑتے ہوں گے۔

(آیت نمبر۹۲) بروز قیامت زجر وتوبیخ کرتے ہوئے ان سے پوچھا جائیگا۔ یعنی حکم الٰہی سے فرشتے انہیں کہیں گے کہ دنیا میں تم کس کی عبادت کرتے رہے۔ کون تمہارا معبود تھا۔ جن کو تم پوجتے رہے وہ اب کہاں ہیں۔

(آیت نمبر۹۳) اللہ تعالیٰ کو تو تم نے چھوڑا تو اس کے سوا جن کو تم پوجتے رہے۔ اب وہ کدھر ہیں۔ کیا اب وہ آئیں گے تاکہ تمہاری سفارش کر سکیں یا وہ آ کر تمہیں اللہ کا قرب عطا کریں۔ جیسے تم دنیا میں دعویٰ کرتے تھے کہ ہم ان کی پوجا اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کریں گے کیا اب وہ عذاب ٹالنے میں کوئی تمہاری مدد کریں گے۔ یا وہ تمہارے عذاب کو تم سے دور کریں گے۔ اگر کر سکتے ہیں تو بلاؤ ان کو۔

(آیت نمبر۹۴) وہ جہنم میں بار بار اوندھے سر کے بل گرائے جائیں گے یہاں تک کہ وہ جہنم کے نچلے حصے میں چلے جائیں گے تمام گمراہ بھی اور وہ تمام بھی جن کی پوجا کرتے رہے۔ خواہ بت ہوں یا کوئی اور منکرین خدا انتہائی ذلیل کر کے جہنم میں گرائے جائیں گے۔

(آیت نمبر۹۵) اور شیطان بمعہ اولاد اور جنہیں انہوں نے گمراہ کیا اور ان سے بت پرستی کروائی یا جتنے بھی گمراہی کے اسباب جرائم یا گناہ کروائے۔ سب جہنم میں اکٹھے جائیں گے۔ جیسے دنیا میں گناہ اکٹھے کرتے تھے۔ اسی طرح جہنم میں جائیں گے۔ اور اس جہنم میں عذاب پر عذاب جھیلیں گے۔

(آیت نمبر۹۶) جب بت پرستوں کو مذکورہ سزا دی جائے گی تو وہ جہنم میں ایک دوسرے سے خوب جھگڑا کریں گے اور ایک دوسرے کو ملامت کریں گے اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہیں گے۔ ایک کہے گا تم نے ہمیں گمراہ کیا۔ دوسرا کہے گا۔ تم پہلے ہی گمراہ تھے اور دنیا میں خواہشات پر چلتے تھے۔ اللہ تعالیٰ بتوں کو بھی قوت گویائی اور سمجھ عطا فرمائے گا۔ وہ ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿٩٧﴾ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٩٨﴾ وَمَآ

قسم بہ خدا بے شک ہم تھے گمراہی کھلی میں۔ جب ہم برابر ٹھہراتے رب العالمین کے ساتھ

اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ ﴿١٠١﴾

اور نہیں گمراہ کیا ہمیں مگر مجرموں نے۔ پھر اب نہیں کوئی ہمارا سفارشی اور نہ کوئی دوست غم خوار ہے

(آیت نمبر ۹۷) کہیں گے خدا کی قسم ہم تو کھلی گمراہی میں تھے۔ ایسی واضح کہ ہم بچنا چاہتے تو بچ سکتے تھے کیونکہ اس گمراہی کو چھوڑنا چاہتے تو ہم چھوڑ سکتے تھے۔ یعنی گمراہی بالکل عیاں تھی۔ مگر شومئی قسمت کہ ہم گناہ کفر وشرک اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے کس قدر رذیل ہو گئے۔ کہ ہم جہنم میں پہنچ گئے۔

(آیت نمبر ۹۸) ایسی فاحش گمراہی میں تھے کہ ہم بتوں کو خداوند کریم کے برابر سمجھتے رہے پھر بتوں کو وہ برا بھلا کہیں گے کہ تم انتہائی گھٹیا، ذلیل اور عاجز تھے۔ ہم نے تمہیں خدا بنالیا۔ (لیکن یہ عقل انہیں قیامت کے دن آئے گی)۔

(آیت نمبر ۹۹) یعنی ہمیں نہیں گمراہ کیا مگر ان بڑے بڑے مجرموں نے جو ہمارے پاس آ کر ہمیں ڈراتے دھمکاتے ان بڑے سرداروں اور نمبرداروں نے ہمیں گمراہ کیا کہ ہمیں سیدھی راہ کی طرف نہیں آنے دیا اور کہتے تھے کہ نبی کی بات نہ ماننا ورنہ مار کھاؤ گے۔ اور جو لوگ نبی کے پاس جاتے۔ ان کو وہ بری سزائیں دیتے تھے۔

(آیت نمبر ۱۰۰) اب کوئی بھی نہیں ہے ہماری سفارش کرنے والا۔ جیسے اہل ایمان کی سفارش فرشتے بھی کر رہے ہیں۔ انبیاء بھی اور نیک لوگ بھی ہیں۔ حتیٰ کہ ان کی چھوٹی اولادیں بھی ان کی سفارش کر رہی ہیں۔

(آیت نمبر ۱۰۱) نہ کوئی ہم پر شفقت کرنے والا ہے جو دوست ہماری عذاب سے جان چھڑائے جیسے ایمان والوں کے دوستوں نے آ کر اپنے دوستوں کو بچالیا۔ مروی ہے کہ بروز قیامت ایک آدمی کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا۔ جا کہیں سے ایک نیکی لے آ۔ تا کہ تجھے بخش دوں۔ ایک نیکی کی خاطر وہ تمام صفوں میں گھوم کر ماں باپ کو تلاش کرے گا۔ بہن بھائیوں، عزیزوں دوستوں سب سے ایک نیکی مانگے گا مگر کوئی بھی اسے نیکی نہیں دے گا۔ مایوس ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیگا کیا میرے ولیوں میں سے تیرا دوست تھا تو وہ کہے گا ہاں ایک تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کے پاس جا جب اس کے پاس جائیگا۔ تو وہ اسے ایک نیکی عطا کر دے گا۔ واپس جب آئیگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا جا تجھے بھی بخشا اور جس نے تجھے نیکی دی اسے بھی بخش دیا۔ **فائدہ:** معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی دوستی کے بے شمار فائدے ہیں۔ اللہ والوں کی دوستی دنیا اور آخرت میں کام دیتی ہے۔

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٢﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا

پس اگر بے شک ہو لوٹنا تو ہو جائیں مسلمانوں سے۔ بے شک اس میں نشانی ہے۔ اور نہیں

كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ؏ ﴿١٠٤﴾

تھے ان میں زیادہ تر مسلمان۔ اور بے شک تیرا رب ہی ضرور عزت والا مہربان ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ۚۖ ﴿١٠٥﴾

جھٹلایا قوم نوح نے رسولوں کو۔

(آیت نمبر۱۰۲) کاش ہمیں دوبارہ دنیا کی طرف لوٹ کر جانا ہوتا۔ تو ہم پکے مومن ہو جاتے۔ لیکن یہ ان کی بات ہی ہے دوسرے مقام پر فرمایا۔ اگر بالفرض دنیا میں بھیج بھی دیا جائے تو انہوں نے وہی کام کرنے تھے۔ جن سے انہیں روکا گیا تھا۔ اس لئے کہ انہیں دنیا میں کئی دفعہ مصائب نے گھیرا۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی کہ اب ہم اللہ وحدہ لاشریک کو مانیں گے۔ لیکن جوں ہی کام ٹھیک ہوا یہ بدل گئے اور یاد الٰہی سے غافل ہو گئے۔

(آیت نمبر۱۰۳) بے شک ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے مذکورہ قصے میں عبرت ہے۔ ان کیلئے جو اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کی پرستش کرتے ہیں۔ اللہ کے سوا کی پرستش کبھی کوئی نفع نہیں دے گی اور ان کی اکثر قوم ایمان لانے والی نہیں تھی۔ کیونکہ وہ بت پرست بھی تھے اور بت فروش بھی تھے۔

(آیت نمبر۱۰۴) بے شک آپ کا رب کریم مشرکوں پر غالب ہے اور بندہ اگر توبہ کرے تو وہ مہربان بھی بہت زیادہ ہے اور بلاوجہ کسی کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ وہ مہلت دیتا ہے اس لئے کہ اس کی رحمت واسعہ کا یہی تقاضا ہے البتہ وہ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزاء ضرور دے گا نیک کام کیا تو اچھی جزاء ورنہ سزا دے گا۔

(آیت نمبر۱۰۵) نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی عمر بھر ان کی تکذیب کی۔ جب نوح علیہ السلام نے انہیں رب کا پیغام سنایا تو انہوں نے تکذیب کی۔ جمع کا صیغہ اس لئے لائے کہ ایک رسول کو جھٹلانا سب کو جھٹلانا ہے۔ اس لئے کہ سب سچے رسولوں کا نقطہ نظر ایک ہی تھا۔ وہ نقطہ نظر توحید اور اصول شرائع کا تھا۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ ﴿١٠٦﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۙ ﴿١٠٧﴾

جب فرمایا ان کو ان کے قومی بھائی نوح نے کیا تم نہیں ڈرتے بے شک میں تمہارے لئے بھیجا ہوا امانت دار ہوں

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿١٠٨﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ

تو ڈرو اللہ سے اور میری بات مانو اور نہیں میں مانگتا تم سے اس پر کوئی مزدوری نہیں ہے میرا اجر

اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۚ ﴿١٠٩﴾

مگر اوپر رب العالمین کے

(آیت نمبر ١٠٦) کہ جب انہیں ان کے قومی بھائی نوح علیہ السلام نے فرمایا چونکہ نوح علیہ السلام نسبا ان کے بھائی تھے لہذا ان کا معاملہ کوئی ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ ان کی صداقت و دیانت میں بھی انہیں کوئی شک و شبہ نہیں تھا اور ان کی بولی بھی اچھی طرح جانتے تھے تا کہ ان کی بات کو اچھی طرح سمجھ سکیں تو نوح علیہ السلام نے قوم سے فرمایا کہ کیا تم خدا سے ڈرتے نہیں کہ اس کو چھوڑ کر ان بتوں کی پرستش کر رہے ہو جو کسی کام کے نہیں۔

(آیت نمبر ١٠٧) بے شک میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں۔ امانت و دیانت میں بھی میں تمہارے اندر مشہور ہوں تو جو دنیوی معاملات میں امانت و دیانت میں خیانت نہیں کرتا وہ وحی و رسالت کے کام میں کس طرح بد دیانتی کر سکتا۔

(آیت نمبر ١٠٨) لہذا اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو کہ میں تمہیں توحید اور اطاعت خداوندی کا کہتا ہوں۔ میں اللہ کے حکم میں کوئی خیانت نہیں کرتا۔ نہ میرا کوئی اور تم سے ارادہ ہے۔

(آیت نمبر ١٠٩) اور میں یہ اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچانے کا صلہ بھی تم سے نہیں مانگتا۔ تم سے کسی طرح کے انعام یا مزدوری کی کوئی امید نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ میرے عمل کی اجر و مزدوری نہیں مگر رب العالمین کے ذمہ کرم پر جو محض رضاء الٰہی کیلئے کام کرتا ہے۔ وہ کسی غیر سے کچھ نہیں لیتا۔

علماء کرام کو بھی چاہئے کہ وہ بھی اپنے عمل میں رضاء الٰہی کو مدنظر رکھیں کیونکہ وہ انبیاء کے وارث ہیں۔ اس لئے ان کا طریقہ اپنائیں جس عالم دین کی نیت ہی وعظ و نصیحت پر لوگوں سے مال و دولت لینا ہے۔ ان کے مال و دولت میں برکت بھی نہیں ہوتی نہ ان کے وعظ و نصیحت میں تاثیر ہوتی ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ؕ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ؕ ﴿۱۱۱﴾

تو ڈروتم اللہ سے اور میرا حکم مانو۔ بولے کیا ایمان لائیں تجھ پر حالانکہ تیرے تابع ہیں کمینے لوگ۔

قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۚ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ

فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ وہ کیا کام کرتے ہیں۔ نہیں ہے ان کا حساب مگر میرے رب پر

لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۚ ﴿۱۱۳﴾

اگر تم سمجھو

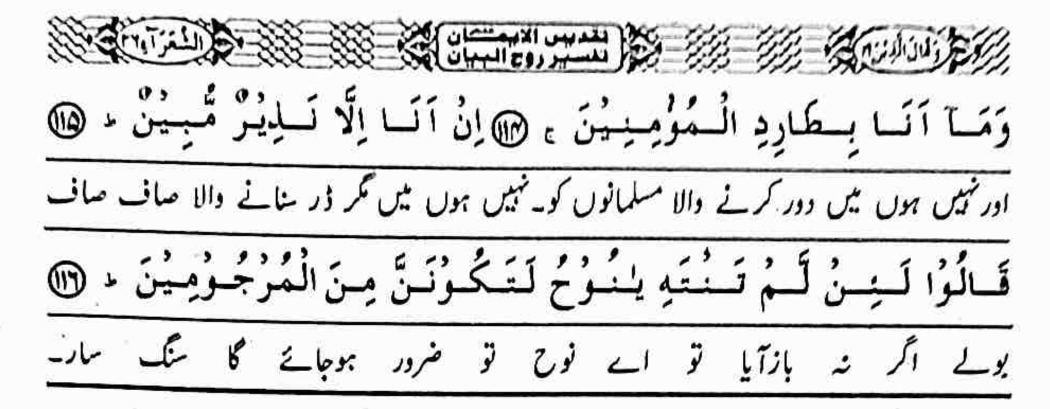
(بقیہ آیت نمبر۱۰۹) اور انہیں آخرت میں اس پر کوئی اجر وثواب بھی نہیں ہوگا۔ البتہ وعظ ونصیحت للہ فی اللہ کیا جائے اور اگر لوگ خود بخود خوشی سے کوئی نظرانہ یا ماہانہ وغیرہ دیتے ہیں تو اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں۔

(آیت نمبر۱۱۰) اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری بات مانو یہ جملہ دوبارہ تاکید کیلئے لایا اور اس میں تنبیہ کی ہے کہ دونوں عمل امانت میں دیانت اور غیر اللہ سے ناامیدی اور لالچ سے دوری تقویٰ اور طاعت کے لوازمات سے ہے یہ دونوں جب جمع ہو جائیں تو اس وقت بندے کو فوقیت حاصل ہوتی ہے۔

(آیت نمبر۱۱۱) قوم نے جواب میں انہیں کہا۔ کیا ہم آپ پر ایمان لائیں حالانکہ آپ کے پیروکار تو نہایت ہی کم مرتبہ لوگ ہیں۔ نہ ان کے پاس مال ودولت ہے نہ عوام میں ان کی کوئی قدر ومنزلت نہ عزت۔ یعنی جب تک تمہارے پاس یہ گھٹیا لوگ ہوں گے۔ ہم نہیں آئیں گے۔ اس لئے کہ نہ وہ اتنے عقل مند ہیں نہ سوچ سمجھ والے۔ یہ گھٹیا قسم کے لوگ ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ گھٹیا آدمی کو سب لوگ گھٹیا ہی نظر آتے ہیں۔ ان بے وقوفوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی کوئی قدر وقیمت نہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے اکثر متبعین غریب ومسکین لوگ ہوئے ہیں۔

(آیت نمبر۱۱۲) اور وہ میرے ساتھی جو بھی عمل کرتے ہیں مجھے اس کا کوئی علم نہیں ہے کہ وہ اخلاص سے کر رہے ہیں یا منافقت سے۔ میں تو صرف ظاہر کو ہی دیکھتا ہوں اور باطن اپنے اللہ کے سپرد کرتا ہوں ان کا دل چیر کر دیکھنا یہ میری ڈیوٹی نہیں ہے۔ اور میں انہیں اپنے سے دور بھی نہیں کر سکتا۔ تمہاری مرضی ہے۔ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔

(آیت نمبر۱۱۳) ان کے باطن کا معاملہ میرے رب کے پاس۔ کیونکہ اس کو وہی بہتر جانتا ہے۔ تمہیں اس کو سمجھ ہوتی تو تم یہ باتیں نہ کہتے۔



وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٤﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٥﴾

اور نہیں ہوں میں دور کرنے والا مسلمانوں کو۔ نہیں ہوں میں مگر ڈر سنانے والا صاف صاف

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿١١٦﴾

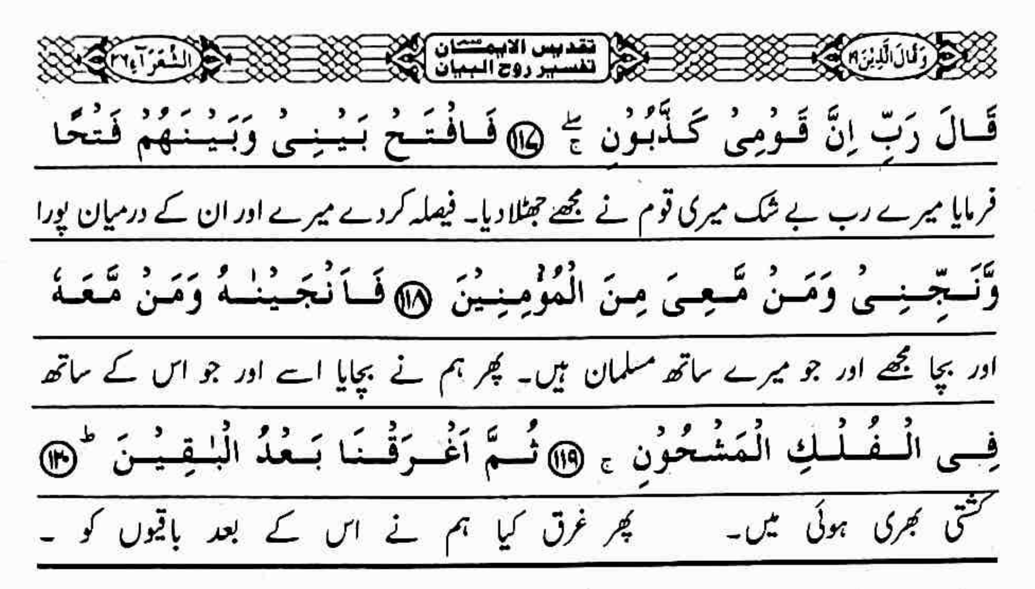
بولے اگر نہ بازآیا تو اے نوح تو ضرور ہوجائے گا سنگ سار۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۱۳) **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب وہ ''لا الہ الا اللہ'' کی گواہی دیں تو ان کے مال اور خون بچ گئے۔ سوائے حق اسلام کے باقی ان کا معاملہ اور حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔ وہ جیسے چاہے کرے۔ اس کا حساب مجھ پر نہیں۔ (بخاری ومسلم)

(آیت نمبر ۱۱۴) اور نہیں ہوں میں اپنے پاس سے ہٹانے والا ایمان والوں کو۔ گویا یہ کفار کے قول کا جواب ہے کہ اے کافرو تم آ ؤ یا نہ آ ؤ۔ میں ان ایمان والوں کو اپنے پاس سے دور نہیں کرسکتا۔ غریب ہیں۔ تو کیا ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اسلام کی ابتداء بھی غریبوں سے ہوئی انتہاء بھی غریبوں پر ہوگی۔ (مشکوٰۃ شریف)۔ **فائدہ**: ابن عطا فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ان سے منہ کیسے پھیروں جو اپنی عبادت کے وقت رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں۔

(آیت نمبر ۱۱۵) نہیں ہوں میں مگر واضح طور پر ڈر سنانے والا یعنی میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ میرا تو صرف یہ کام ہے کہ میں لوگوں کو کفر سے اور گناہوں سے روکوں اور انہیں اس کے برے انجام سے ڈراؤں۔ خواہ وہ دنیادار ہوں یا مالدار یا غریب ہوں۔ زیادہ عزت والے ہوں یا کم عزت والے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میں دنیاداروں کی تابعداری کے خیال سے غریب لوگوں کی تابعداری کو اپنے سے دور کردوں۔

(آیت نمبر ۱۱۶) کفار نے کہا اے نوح اب اگر تم اس تبلیغ سے باز نہ آئے۔ یعنی یہ توحید کی جو دعوت دیتے ہو اور نہ ماننے والوں کو عذاب سے ڈراتے ہو یہ کام نہ چھوڑا تو یاد رکھو۔ تم سنگسار ہونے والوں سے ہوجاؤ گے یعنی ایسے مقتول کی طرح جسے بری طرح قتل کیا جائے۔ یا پتھر مار مار کر ہلاک کیا جائے۔ **فائدہ**: جب نوح علیہ السلام کو یہ دھمکی دی تو گویا انہوں نے غضب الٰہی کو دعوت دے دی تو جب غضب الٰہی جوش میں آیا تو وہ ذلیل وخوار ہوگئے۔ اور تباہ وبرباد ہوگئے۔



قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا

فرمایا میرے رب بے شک میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا۔ فیصلہ کردے میرے اور ان کے درمیان پورا

وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ

اور بچا مجھے اور جو میرے ساتھ مسلمان ہیں۔ پھر ہم نے بچایا اسے اور جو اس کے ساتھ

فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿١٢٠﴾

کشتی بھری ہوئی میں۔ پھر غرق کیا ہم نے اس کے بعد باقیوں کو۔

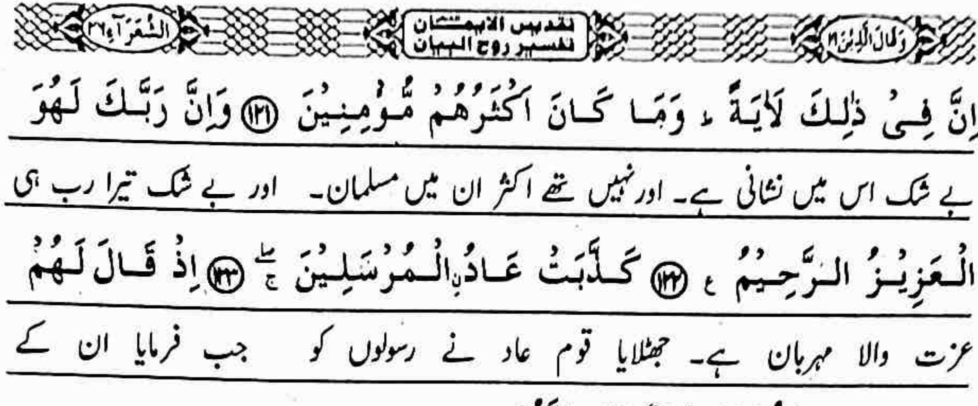
(آیت نمبر ۱۱۷) نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے میرے رب کریم۔ اس میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا۔ میں انہیں اتنا لمبا عرصہ (ساڑھے نو سو سال) حق کی طرف بلاتا رہا اور یہ اتنے ہی مجھ سے دور بھاگتے رہے اور اب میری تکذیب کردی۔ اور میرے قتل کے درپے ہو گئے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۱۸) لہذا اے میرے رب میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمادے جس کے یہ مستحق ہیں انہیں وہ دے اور جس کا میں مستحق ہوں مجھے عطا فرما۔ **فائدہ**: ابن شیخ فرماتے ہیں الحکم سے مراد ہے کہ ان پر عذاب نازل فرما جیسا کہ اگلی آیات سے واضح ہو رہا ہے۔ اور اے اللہ مجھے اور میرے ساتھ ان مومنوں کو بھی نجات عطا فرما۔ یعنی کافر ہمیں ایذا دینے کا پکا ارادہ کر چکے تو ان کے شر سے ہمیں بچا۔

(آیت نمبر ۱۱۹) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے انہیں نجات دی اور ان کے ساتھیوں کو بھی ان کی مانگی ہوئی دعا کے مطابق ہم نے انہیں بھری ہوئی کشتی میں جس میں وہ اور ان کے ساتھی تھے اور دیگر حیوانات تھے اور ضروری کھانے پینے کی اشیاء تھیں جن سے کشتی بھری ہوئی تھی۔ سب کو طوفان سے بچا لیا۔

(آیت نمبر ۱۲۰) اور کشتی کے علاوہ جتنے کفار تھے انہیں بمعہ ان کے اموال و مکانات کے تباہ کر دیا۔

فائدہ: معلوم ہوا نوح علیہ السلام بھی تمام روئے زمین کے لوگوں کیلئے مبعوث ہوئے۔ یہ بات الباقین سے معلوم ہوئی کہ مسلمان صرف وہی تھے جو کشتی میں بیٹھ گئے۔ یا وہ بوڑھی تھی جو طوفان کے اندر بھی طوفان سے بچ نکلی۔ جب طوفان ختم ہوا۔ نوح علیہ السلام اس کو دیکھنے گئے تو اس کی جھونپڑی دیکھ کر معلوم ہو رہا تھا کہ پانی اس جھونپڑی کے قریب بھی نہیں آیا۔ (ایک روایت میں ہے۔ کہ بوڑھی نے پوچھا طوفان آ گیا میں تیاری کروں۔ فرمایا وہ گذر بھی گیا)



إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٢١﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

بے شک اس میں نشانی ہے۔ اور نہیں تھے اکثر ان میں مسلمان۔ اور بے شک تیرا رب ہی

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٢﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ

عزت والا مہربان ہے۔ جھٹلایا قوم عاد نے رسولوں کو جب فرمایا ان کے

أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٢٤﴾

قومی بھائی ہود نے کیا نہیں تم ڈرتے۔

(آیت نمبر۱۲۱) بے شک اس نوح علیہ السلام کے واقعہ میں آنے والے لوگوں کیلئے عبرت ہے یعنی نوح علیہ السلام کی قوم کا حق کو قبول نہ کرنا اور غریب وفقیر مسلمانوں کی تحقیر کرنے والے لوگ اس سے عبرت حاصل کریں کہ نوح علیہ السلام کی قوم میں اکثر لوگ اس وجہ سے ایمان نہیں لائے کہ ایمان والے نہایت غریب تھے۔ یعنی بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے جن کی تعداد اسی (۸۰) تھی۔

(آیت نمبر۱۲۲) اور بے شک آپ کا رب قادر اور غالب ہے جن کو عذاب دینے کا ارادہ کرلے۔ وہ کرگذرتا ہے اور مہربان بھی اتنا ہے کہ جو گناہوں سے سچی توبہ کرلے۔ اس کی پوری زندگی کے گناہ معاف کردیتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں فرماتا۔ **سبق**: اس میں شک نہیں کہ کمینے لوگوں کی تعداد ہر زمانے زیادہ ہی رہی اور خالص مخلص لوگ ہمیشہ تعداد میں کم ہی رہے۔

(آیت نمبر۱۲۳) قوم عاد نے بھی رسولوں کی تکذیب کی۔ **فائدہ**: مقاتل لکھتے ہیں کہ قوم عاد اور قوم ثمود ایک دوسرے کے چچا زاد بھائی تھے۔ قوم عاد ھود علیہ السلام کی قوم تھی اور قوم ثمود صالح علیہ السلام کی قوم تھی۔ البتہ ان کی ہلاکتوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ تھا۔ یہ دونوں قبیلے نوح علیہ السلام کے پوتے ارم کی اولاد سے تھے۔ قوم عاد یمن کے باشندے تھے اور ثمود حجاز اور شام کے درمیان رہتے تھے۔

(آیت نمبر۱۲۴) جب ان کے قومی اور نسبی بھائی حضرت ھود نے ان کو فرمایا۔ **تعارف**: جناب ھود علیہ السلام کا اصلی نام عابر تھا۔ انتہائی باوقار بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ اس لئے ان کا نام ھود مشہور ہوا۔ آپ نے ایک سو پچاس سال عمر پائی۔ جب آپ کو قوم عاد کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تو اس وقت عمر مبارک چالیس سال تھی۔ تو آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم کفر وشرک کرکے خدا سے نہیں ڈرتے۔

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۙ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۚ ﴿١٢٦﴾ وَمَآ اَسْئَلُکُمْ

بے شک میں تمہارا رسول ہوں امانت دار۔ پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو۔ اور نہیں میں مانگتا تم سے

عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ ﴿١٢٧﴾ اَتَبْنُوْنَ

اس پر کوئی اجر نہیں۔ ہے میرا اجر مگر اوپر رب العالمین کے۔ کیا بناتے ہو

بِکُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ ۙ ﴿١٢٨﴾

ہر بلندی پر نشانی کہ راہ گیروں کو تم کھیل تماشہ بناؤ۔

(آیت نمبر ١٢٥) بے شک میں تمہارے پروردگار کی طرف سے خاص تمہارے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میں امین ہوں تم میری امانت ودیانت کو اچھی طرح جانتے ہو۔ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی امانت کو تم تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ میری ڈیوٹی صرف یہ ہے۔ کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچا دوں۔

(آیت نمبر ١٢٦) لہذا تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو اور جو جو حق باتیں میں تمہیں بتاتا ہوں ان میں تم میری پیروی کرو میری باتیں مانو۔ اسی میں تمہارا فائدہ ہے اور تمہارے جھٹلانے سے تمہارا ہی نقصان ہوگا۔

(آیت نمبر ١٢٧) اور جو میں نے تمہیں حق کا پیغام پہنچایا ہے اس کے اجر یا انعام کا تم سے کوئی مطالبہ بھی نہیں کرتا۔ جیسے قصہ گو قصے سنانے کے بعد اجر یا انعام کا مطالبہ کرتے ہیں۔ نہیں ہے میرا اجر مگر اللہ رب العالمین پر۔ اس لئے کہ اسی نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ لہذا میرے کام کا اجر اور انعام بھی مجھے وہی عطا فرمائے گا۔ گویا ھود علیہ السلام یہ وضاحت فرما رہے ہیں کہ کہ میرا تم تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا کسی دنیوی غرض یا لالچ کیلئے نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک ماننے میں صرف تمہارا فائدہ ہے۔

(آیت نمبر ١٢٨) کیا تم اونچی جگہ مکانات بنا کر کھیل تماشہ کرتے ہو جو عمارت بلاضرورت بنائی جائے وہ عبث ہے۔

صحابی کا ایمان: ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف کی ایک گلی سے گذرے تو ایک مکان ڈبل منزل بنتا ہوا دیکھ کر پوچھا یہ کس کا ہے عرض کی گئی یہ فلاں انصاری کا مکان ہے۔ آپ کچھ کبیدہ خاطر ہو کر واپس تشریف لے آئے۔ انصاری صحابی اس وقت وہاں موجود نہ تھے۔ بعد میں گھر آئے تو انہیں معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈبل منزل بنانے کو پسند نہیں فرمایا۔ تو اس انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے فوراً اس پوری منزل کو گرا دیا۔

وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ع ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ

اور بناتے ہو مضبوط محل شاید کہ تم ان میں ہمیشہ رہو گے۔ اور جب گرفت کرو تو گرفت کرتے ہو

جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ع ﴿۱۳۱﴾

بے دردی سے۔ تو ڈرو اللہ سے اور میرا حکم مانو۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۲۸) پھر ایک دن حضور ﷺ نے اس منزل کو گرا ہوا دیکھا تو فرمایا ہر بلاضرورت والی تعمیر قیامت کے دن بنانیوالے کیلئے وبال ہوگی تو ہود علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی قوم کئی منزلہ مکان بنا کر ان پر کبوتر بازی اور دیگر کھیل تماشے کرتے تھے۔

فائدہ : دوسرا معنی یہ ہے کہ اونچی جگہ بیٹھ کر راستہ گذرنے والوں سے ٹھٹھہ مذاق کرتے تھے۔

(آیت نمبر ۱۲۹) اور فرمایا کہ اعلیٰ جگہیں بناتے ہو۔ اس خیال سے کہ تم ہمیشہ یہاں رہو گے۔

فائدہ: پہلے ان کی مذمت فرمائی کہ بلا فائدہ کیوں مال ضائع کرتے ہو۔ پھر فرمایا کہ مضبوط بلڈنگیں بنا کر اس امید میں ہو کہ ہمیشہ یہاں ہی رہو گے۔ نہ تم سے پہلے کوئی رہا اور نہ تم رہو گے۔

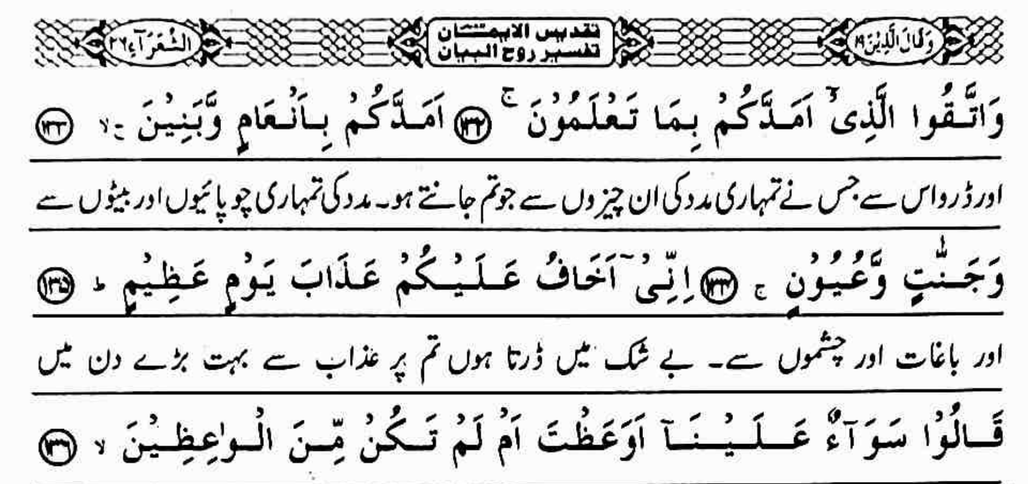
ع: جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے یہ عبرت کی جا تماشا نہیں ہے

(آیت نمبر ۱۳۰) اور جب تم کسی کی پکڑ کرتے ہو۔ ڈنڈے یا تلوار سے تو جابر اور ظالم اور سرکش لوگوں کی طرح پکڑ کرتے ہو یعنی کسی پر رحم کرنے کا تمہارا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ نہ تمہاری اپنے انجام پر نظر ہوتی ہے کہ ایک دن تم بھی کسی کی گرفت میں آ ؤ گے۔ اور نہ ہی تم حق یا عدل پر نظر رکھتے ہو۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ پکڑ کسی کی اسے ادب سکھانے کیلئے ہو تو پھر جائز ہے اس کی بھی ایک حد ہے۔

فائدہ: جبار یعنی جابر وہ ہوتا ہے جو کسی کو سزا دیتے وقت قتل کر دے یا جسم اعضاء کاٹ دے اور اسے بالکل کسی پر رحم نہ آئے۔ **فائدہ**: لیکن جب جبار کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو پھر اس کا معنی عادل ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۳۱) اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حکموں کو مانو۔ مجھے اس نے رسول بنا کر بھیجا تم میری اطاعت کرو تا کہ میں تمہیں سیدھی راہ دکھاؤں۔



وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۚ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ ۙ ﴿۱۳۳﴾

اور ڈرواس سے جس نے تمہاری مدد کی ان چیزوں سے جوتم جانتے ہو۔ مدد کی تمہاری چوپائیوں اور بیٹوں سے

وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۚ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ؕ ﴿۱۳۵﴾

اور باغات اور چشموں سے۔ بے شک میں ڈرتا ہوں تم پر عذاب سے بہت بڑے دن میں

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِیْنَ ۙ ﴿۱۳۶﴾

بولے برابر ہے ہم پر خواہ نصیحت کرو یا نہ ہو ناصحوں میں سے۔

(آیت نمبر۱۳۲) اور اس ذات سے ڈرو جس نے تمہاری مدد کی۔ مدد اور امداد کے معنی لمبا کرنے کے بھی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت بڑی نعمتیں دیں۔ جنہیں تم جانتے بھی ہو کہ وہ کیسے کیسے اعلیٰ انعام ہیں۔ اس آیت میں اجمال ہے۔ اگلی آیات میں اس کی تفصیل ہے۔ اور ایک معنی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں لمبی لمبی عمریں دیں۔

(آیت نمبر۱۳۳) جانوروں سے تمہاری مدد کی۔ جیسے اونٹ۔ گائے اور بکریاں وغیرہ تمہیں عطا کیں تا کہ تم ان سے بے حساب نفع حاصل کرتے ہو اور بیٹے دیئے جو کاموں میں تمہارے مددگار ہیں۔ ان سے تم خوش ہوتے ہو۔

(آیت نمبر۱۳۴) اور باغات دیئے تا کہ تم ان کے میوہ جات سے فائدہ مند ہو اور پیاس بجھانے کیلئے چشمے جاری فرمائے کہ تم ان چشموں کے ٹھنڈے پانی خود بھی پیو اور جانوروں کو بھی پلاؤ اور اس کے علاوہ تم کھیتوں کیلئے پانی کی ضرورت پڑتی ہے جس سے غلہ اور پھل تیار ہوتے ہیں۔ یہ اس لئے تا کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔

(آیت نمبر۱۳۵) ان نعمتوں کو استعمال کرنے کے بعد تمہارا حق ہے کہ تم ان کا حق ادا کرو ورنہ مجھے تم پر عذاب کا خوف ہے جو بہت بڑے دن میں اترے گا۔ یعنی دنیا و آخرت میں کسی وقت بھی اتر سکتا ہے لہذا مجھے تمہارے عذاب میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے کیونکہ نعمتوں پر ناشکری ہونیکی وجہ سے عذاب آ جاتا ہے اور شکر کرنے سے انعامات میں اضافہ ہوتا ہے۔ بہت بڑے دن سے مراد قیامت کا دن ہے۔ جو پچاس ہزار سال کا ہے۔

(آیت نمبر۱۳۶) تو ہود علیہ السلام کی قوم نے جواب میں کہا۔ اے ہود ہمارے لئے برابر ہے کہ تم ہمیں وعظ کر دیا نہ کریں۔ ہم نے ہرگز ماننا نہیں ہے۔ ہم جن کاموں میں لگے ہوئے ہیں ان سے باز نہیں آئیں آگے۔

فائدہ: وعظ وہ بیان ہے جو دل کو نرم کر دے اس میں وعدے وعید ہوں یا ان میں خوف دلانے والی کوئی چیز ہو۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٣٧ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝١٣٨ فَكَذَّبُوْهُ

نہیں ہے یہ مگر طریقہ پہلوں کا۔ کہ نہیں ہم عذاب میں جانوالے۔ پھر جھٹلایا انہوں نے اسے

فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٣٩

تو ہم نے انہیں ہلاک کیا۔ بے شک اس میں نشانی ہے۔ اور نہیں تھے اکثر ان میں مومن۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝١٤٠

اور بے شک تیرا رب ہی عزت والا مہربان ہے۔

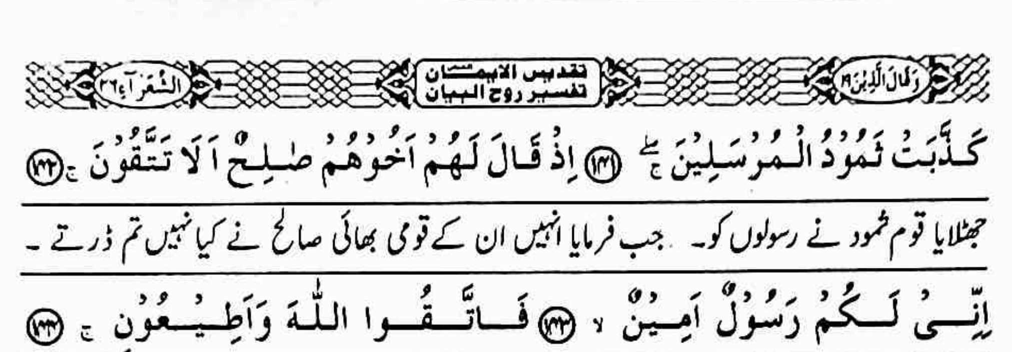
(آیت نمبر ١٣٧) یہ جوتم لے کر آئے ہو یہ نہیں ہیں مگر عادات پہلے لوگوں کی۔ کہ وہ بھی لوگوں کو یہی باتیں کہتے تھے کہ ہم پیغمبر ہیں ہماری باتیں مانو وہ بھی تمہارے طرح (معاذ اللہ) جھوٹ ہی بولتے رہے اور ہم بھی پہلے لوگوں کی طرح زندگی گذار رہے ہیں۔ وہ بھی کھاپی کر بالآخر دنیا سے چلے گئے۔ ہم بھی اسی طرح ایک دن باری باری مرجائیں گے۔

(آیت نمبر ١٣٨) مرنے کے بعد اٹھنے والا معاملہ کوئی نہیں نہ کوئی حساب و کتاب ہے نہ ہمیں عذاب ہونا ہے یہ صرف باتیں ہیں ہمارا خیال ہے۔ کہ ہم جو بھی برے اعمال کر رہے ہیں ان پر کوئی عذاب وغیرہ نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر ١٣٩) انہوں نے بھی ہود علیہ السلام کی تکذیب پر اصرار کیا۔ اس وجہ سے ہم نے قوم عاد کو تباہ کر دیا۔ ان پر سخت سرد آندھی کا عذاب آیا۔ یعنی ہود علیہ السلام کے وعظ و نصیحت کو انہوں نے نہیں مانا تو پھر ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ جس قوم نے بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اپنے پیغمبر کو جھٹلایا ان پر عذاب آیا۔ اگر پیغمبر کی بات مان لیتے تو کبھی تباہ و برباد نہ ہوتے اور قوم عاد میں اکثر لوگ ایمان نہ لائے یعنی ان میں بھی تھوڑے ہی لوگ تھے جو ایمان لائے تھے۔

(آیت نمبر ١٤٠) بے شک آپ کا رب ان سے بدلہ لینے میں سب پر غالب ہے جو اپنے آپ کو ہی بڑا سمجھتے تھے۔ اور وعظ و نصیحت کو بھی قبول نہیں کرتے تھے اور وہ رحیم بھی ہے یعنی ایمان والوں کو تباہی سے بچاتا ہے۔

فائدہ :اس میں بھی امت کو ڈرایا گیا ہے کہ تم قوم عاد کے طریقے پر نہ چلنا۔ **فائدہ**: دانا کہتے ہیں کہ انسان کو سب سے اعلیٰ چیز عقل چاہئے تاکہ وہ برائیوں سے بچے یہ نہ ہو تو پھر حیا چاہئے۔ یہ بھی نہ ہو تو اس میں خوف خدا ہو۔ یہ بھی نہ ہو تو مال ہوتا کہ اس کے عیب چھپے رہیں۔ یہ بھی نہ ہو تو پھر آگ ہو جو اسے جلا دے تاکہ لوگوں کو اس کے شر سے آرام ملے۔ **سبق** :دانا پر لازم ہے کہ وہ عذاب الٰہی سے ڈرتا رہے۔



كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۚ ﴿١٤١﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ ﴿١٤٢﴾

جھٹلایا قوم ثمود نے رسولوں کو۔ جب فرمایا انہیں ان کے قومی بھائی صالح نے کیا نہیں تم ڈرتے۔

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۚ ﴿١٤٤﴾

بے شک میں تمہاری طرف رسول امانت دار ہوں۔ تو ڈرو اللہ سے اور میری پیروی کرو۔

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۭ ﴿١٤٥﴾

اور نہیں مانگتا میں اس پر کوئی اجر نہیں ہے میرا اجر مگر اوپر رب العالمین کے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۴۰) عادات وشہوات سے دور رہے اور پہلے لوگوں سے عبرت حاصل کرے۔

(آیت نمبر ۱۴۱) قوم ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلا دیا۔ یعنی صالح علیہ السلام اور ان سے پہلے رسولوں کو یا صرف انہیں جھٹلایا ایک رسول کی تکذیب گویا سب رسولوں کی تکذیب ہے۔ یعنی سچے ایک رسول کو نہ ماننا سب کا انکار ہے۔

(آیت نمبر ۱۴۲) ان کے قومی اور نسبی بھائی یعنی صالح علیہ السلام جو ان کے قبیلے سے تھے اور ہم زبان بھی تھے تا کہ اچھی طرح انہیں دین کے بارے میں آگاہ کر سکیں تا کہ بروز قیامت وہ یہ عذر نہ کر سکیں کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا یا ان کی باتیں سمجھ نہ آئی تھیں تو صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کیا تم یہ کفر وشرک کر کے خدا کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

(آیت نمبر ۱۴۳) بے شک میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میری تکذیب نہ کرنا ورنہ عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے میری باتیں مان جاؤ اور میں امانت ودیانت کے لحاظ سے تم میں مشہور بھی ہوں لہذا مجھ پر اعتبار کرو کہ واقعی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

(آیت نمبر ۱۴۴) میں تمہیں پھر یہی کہتا ہوں کہ تم خوف خدا کو دل میں جگہ دو اور میری فرمانبرداری کرو جن جن کاموں کی میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں ان میں میری اطاعت کرو۔ کیونکہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا حکم سناتا ہوں۔

(آیت نمبر ۱۴۵) یاد رکھو میں اس وعظ ونصیحت اور دعوت وارشاد پر کسی قسم کا اجر مزدوری یا انعام کا تم سے کوئی سوال نہیں کرتا۔ اس چیز سے شریف آدمی کی پاکدامنی مجروح ہوتی ہے اور میرا اجر رب العالمین کے ذمہ کرم پر ہے۔ اس لئے کہ اسی نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اس لئے اس میرے عمل کی مزدوری بھی وہی دے گا کیونکہ وہ اپنے بندوں کو سب سے بہتر اجر سے نوازتا ہے۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِیْنَ ۙ ﴿۱۴۶﴾ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۙ ﴿۱۴۷﴾

کیا تم چھوڑ دیئے جاؤ گے یہاں والی نعمتوں میں پرامن طور پر۔ ان باغات اور چشموں میں۔

وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ۚ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا

اور کھیت اور کھجوریں کہ ان کے شگوفے نرم ہیں۔ اور نکالتے ہو پہاڑوں میں گھر

فٰرِهِیْنَ ۚ ﴿۱۴۹﴾

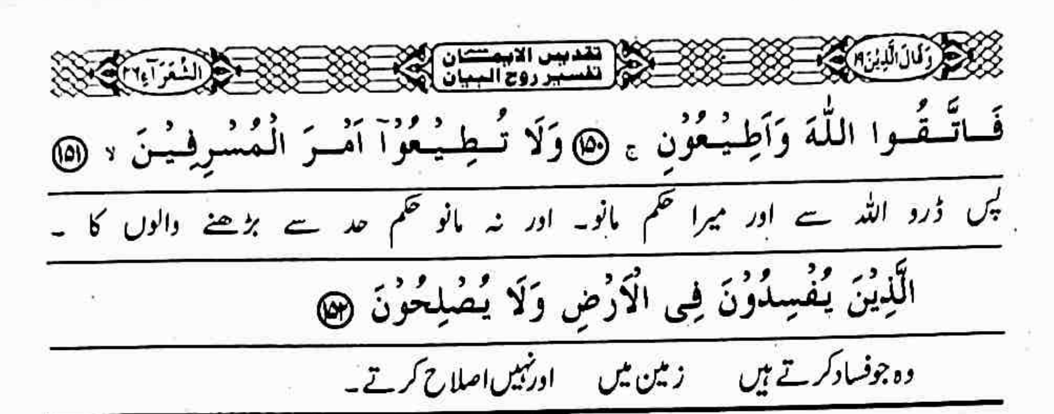
بڑی استادی سے۔

(آیت نمبر ۱۴۶) تمہارا کیا خیال ہے کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے یعنی یہ نعمتیں یوں ہی دنیا میں تمہیں ملتی رہیں گی اور تم آفات سے اور نعمتوں کے چھن جانے سے بے خوف اور سکون میں ہی ہو گئے۔

(آیت نمبر ۱۴۷) یہ جو باغات اور چشمے ملے ہیں۔ یہاں چشموں سے مراد نہریں ہیں چونکہ وہ محلات اور باغات میں مزے کرتے تھے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ ان کے ہاں نہریں نہیں تھیں کنوؤں سے کام چلاتے تھے۔

(آیت نمبر ۱۴۸) یہ ہرے بھرے کھیت اور کھجوریں۔ کھجوروں کا ذکر الگ پھر کیا کیونکہ انہیں باقی پھلوں پر فضیلت حاصل ہے اور اسے یہ شرف بھی حاصل ہے کہ یہ آدم کے جسم مبارک سے بچی ہوئی مٹی سے بنائی گئی ہے (اسی لئے حضور ﷺ نے اسے ہماری پھوپھی قرار دیا ہے) طلع کھجور کا گچھا ہے۔ یعنی اس کھجور کا خوشہ نرم و نازک ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں۔ ھضیم کھجور کے وہ گچھے جو بوجھ کی وجہ سے لٹکے ہوئے ہوں اور کھانے میں نرم و نازک ہوں۔ **فائدہ**: اہل عرب برنی اور عجوہ کھجوروں کے سوا سب کھجوروں کو لونی کہتے ہیں۔ جب تک وہ غلاف میں رہیں۔ اسی نام سے موصوف کرتے ہیں کیونکہ ان کے بعض حصے بعض میں داخل ہو کر ایک دوسرے سے چمٹے ہوتے ہیں اور جب وہ غلاف سے باہر آ جائیں پھر انہیں ھضیم نہیں کہتے۔

(آیت نمبر ۱۴۹) اور تم پہاڑوں میں سے پتھر گھڑ کر اپنے مکانات بناتے ہو۔ **فائدہ**: روایات میں نقل ہے کہ ان لوگوں نے پہاڑوں میں پتھروں کو توڑ کر دو ہزار ستر مکانات بنائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کاری گری کی صنعت میں ماہر کہا کہ تم سنگ تراشی میں بڑے ماہر ہو اور فرا کے معنی خوش ہونا بھی ہے۔ یعنی وہ اپنی سنگتراشی کی مہارت پر خوش ہوتے تھے۔



فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

پس ڈرو اللہ سے اور میرا حکم مانو۔ اور نہ مانو حکم حد سے بڑھنے والوں کا۔

الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

وہ جو فساد کرتے ہیں زمین میں اور نہیں اصلاح کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر۱۴۹) **فائدہ:** ان آیات سے معلوم ہوا کہ ہود علیہ السلام کی قوم خیالی لذتوں کے خوگر تھے۔ یعنی اپنی بڑھائی اور ہمیشہ دنیا میں رہنے اور اپنے آپ کو سب کچھ سمجھنا اور جبر و زیادتی کے طالب تھے اور قوم ثمود حسی لذتوں میں منہمک رہتے تھے۔ یعنی کھانے پینے کے عاشق اور تعمیرات میں دیگر دنیوی معاملات میں لگے رہتے جو غافل لوگوں کا طریقہ ہے۔ **فائدہ:** حالانکہ آخرت کی لذات کے مقابلے میں یہ دنیا کی معمولی لذتیں کیا ہیں لیکن وہ بیدار دل لوگوں کا کام ہے کہ وہ آخرت کی فکر کرتے ہیں۔

(آیت نمبر۱۵۰) اللہ تعالیٰ سے ڈرو یعنی یہ کفر و شرک بالکل چھوڑ دو۔ اور سچے دل سے میری اطاعت کرو تا کہ میں تمہیں سیدھی راہ دکھاؤں کیوں کہ کفر و شرک گمراہی ہے اور توحید اور ایمان صراط مستقیم ہے لیکن یہ بات نبی کے علاوہ کوئی نہیں بتا سکتا۔ میری اطاعت اس لئے کہ میں نبی ہوں اور نبی کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

(آیت نمبر۱۵۱) اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی کسی معاملے میں بھی اطاعت نہ کرو۔

فائدہ: یعنی حد سے بڑھنے والوں کی بات نہ مانو۔ درمیان میں لفظ امر زائد آ گیا ہے اسلئے کہ اطاعت آمر کی ہوتی ہے اور امتثال امر کا ہوتا ہے لیکن یہاں پر امتثال کو امر سے تشبیہ دے دی گئی۔ اس لئے کہ اطاعت و امر دونوں امر وجود اور مامور بہ کو چاہتے ہیں۔ لہذا یہاں طاعت بول کر امتثال مراد لیا گیا ہے۔ اب اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے حکم کی فرمانبرداری نہ کرو (جن کا ذکر اگلی آیت میں ہے)۔

(آیت نمبر۱۵۲) وہ لوگ جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں یعنی وہ کفر و شرک کرتے ہیں اور لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ایمان لا کر اور عدل و انصاف کر کے اصلاح نہیں کرتے۔ بلکہ فساد کرتے ہیں۔

فائدہ: ان میں چند لوگ انتہائی فسادی تھے۔ جنہوں نے صالح علیہ السلام کو بھی شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے سے پہلے ہی انہیں تباہ کر دیا جس کا ذکر آگے آئیگا۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ

کہتے کہ بے شک تو ہے جادو کیا ہوا۔ نہیں ہے تو مگر آدمی ہم جیسا ۔

فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ

تو لے آ کوئی نشانی اگر ہے تو سچوں سے۔ فرمایا یہ اونٹنی ہے اس کے پینے کی باری ۔

وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾

اور تمہارے لئے پینا ایک دن مقرر ہے۔

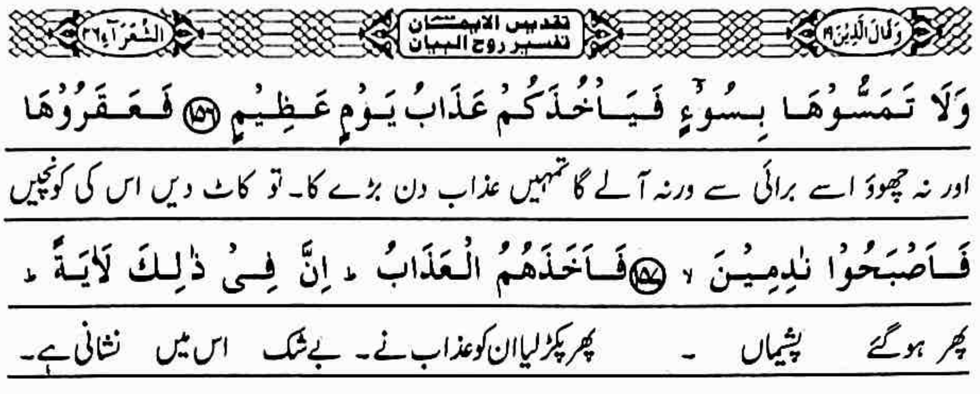
(آیت نمبر ۱۵۳) قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کے وعظ ونصیحت کے جواب میں کہا کہ بے شک آپ تو ان لوگوں سے ہیں جو بار بار جادو کئے گئے ہوں۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے عقل میں خلل واقع ہوگیا ہے اور تمہاری سوچ اور انداز فکر بھی خراب ہوگیا ہے۔ (کیونکہ تم ہر وقت ایک بات کہتے رہتے ہو کہ ایک اللہ کو مانو۔)

(آیت نمبر ۱۵۴) تم تو محض ہماری طرح کے انسان ہو یعنی ہماری ہی طرح کھاتے پیتے ہو فرشتہ نہیں ہو۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفار نے صالح علیہ السلام کو ظاہر شکل بشری میں دیکھا۔ ان کی حقیقت ان سے پوشیدہ تھی۔ اس لئے انہیں معلوم نہ ہو سکا کہ انسان اس ظاہری صورت کے ساتھ باطن منور رکھتا ہے۔ بہرحال انہوں نے مطالبہ کردیا کہ اگر آپ اپنے دعوی نبوت پر مصر ہیں تو پھر اس دعوے پر کوئی دلیل لائیے۔ یعنی کوئی ایسا کارنامہ دکھائیں۔ جو عام عادت کے خلاف ہو۔ اگر آپ واقعی دعویٰ نبوت میں سچے ہیں۔

تو صالح علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تم بتاؤ کیا چاہتے ہو انہوں نے کہا کہ اس سامنے والے پتھر سے اس شکل اور رنگ کی اونٹنی نکال دیں تو صالح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسی پتھر سے اسی شکل کی اونٹنی عطا فرما دی (تمام تفصیلات سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں گذر چکیں)۔

(آیت نمبر ۱۵۵) صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہاری فرمائش کے مطابق اللہ تعالیٰ نے تمہیں اونٹنی عطا فرمادی ہے یہ وہی ہے جو تم نے مانگی تھی اللہ تعالیٰ نے عطا کردی ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ ایک دن پانی پینے کی اس کی باری ہوگی اور ایک مقررہ دن میں تمہاری باری ہوگی یعنی تم اپنے اس کنویں کا پانی ایک دن مکمل اونٹنی کیلئے چھوڑ دو اور ایک دن تم پانی نکال لیا کرو لیکن اونٹنی کی باری پر اسے نہ روکنا۔



وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوْهَا

اور نہ چھوؤ اسے برائی سے ورنہ آلے گا تمہیں عذاب دن بڑے کا۔ تو کاٹ دیں اس کی کونچیں

فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿١٥٧﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ط

پھر ہوگئے پشیماں ۔ پھر پکڑلیاان کوعذاب نے۔ بے شک اس میں نشانی ہے۔

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٨﴾

اور نہیں تھے زیادہ ان میں مومن۔

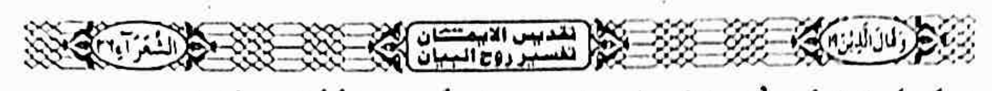
(بقیہ آیت نمبر ۱۵۵) **فائدہ**: اللہ تعالیٰ کی شان اونٹنی جس دن کنویں کا سارا پانی پیتی تھی۔ اس دن وہ اتنا ہی دودھ بھی دیتی تھی اور لوگوں کے گھروں میں تمام برتن دودھ سے بھر جاتے۔ لیکن اس کا دودھ ختم نہ ہوتا تھا۔

(آیت نمبر ۱۵۶) اور تم اس اونٹنی کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا یعنی نہ اسے مارنا اور نہ قتل کرنا اگر تم نے ایسا کیا تو تمہیں بہت بڑے دن کا عذاب بھگتنا پڑے گا۔ بہت بڑا دن اس لئے کہا کہ (وہ پچاس ہزار سال کے برابر ایک دن ہے) یا اس دن کا عذاب جو انتہائی سخت ہے وہ ان پر نازل ہوگا یا دنیا میں جو ان پر عذاب آیا کہ ان کی شکلیں سیاہ ہوئیں پھر جبریل علیہ السلام کی آواز سے سب تباہ و برباد ہوگئے۔ وہ دن مراد ہے۔

(آیت نمبر ۱۵۷) تو انہوں نے اونٹنی کو ذبح کر ڈالا۔ العقر کا معنی ہے تلوار سے پنڈلی کاٹ دینا تو ان کافروں نے اونٹنی کو پکڑ کر اسے قتل کر دیا جس سے اونٹنی اسی وقت مرگئی اگرچہ اونٹنی کو ایک شخص نے ہی مارا تھا۔ جمع کا صیغہ اس لئے لائے کہ باقی سب کافر اس کے مارنے پر راضی تھے۔ اسی لئے وہ سب اس عذاب میں مبتلا ہوئے وہ بدھ کا دن تھا۔

فائدہ: ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اونٹنی کے رہنے والی جگہ دیکھی تو وہ ساٹھ ضرب ساٹھ گز تھی۔ تو کفار اونٹنی کو مارنے کے بعد سخت پشیمان ہوئے کیونکہ انہیں عذاب کے آنے کا مکمل یقین ہوگیا تھا کہ اب عذاب یقینی ہے اور توبہ بھی قبول نہیں ہوگی۔ اسی لئے انہیں اس ندامت کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جیسے فرعون نے غرق ہوتے وقت توبہ کی مگر اس کا اسے کوئی فائدہ نہ ہوا۔

(آیت نمبر ۱۵۸) تو ان کو پکڑ لیا عذاب نے جس عذاب کے متعلق انہیں پہلے بتا دیا گیا تھا۔ اسی میں وہ ہلاک ہوگئے بے شک اس واقع میں یا اس عذاب میں جو ان پر نازل ہوا۔ بہت بڑی عبرت ناک نشانی ہے۔



وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ﹰالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾

اور بے شک تیرا رب ہی عزت والا مہربان ہے۔ جھٹلایا قوم لوط نے رسولوں کو ۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

جب فرمایا انہیں ان کے قومی بھائی لوط نے کیا تم نہیں ڈرتے ۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۵۸) جو دلالت کرتی ہے کہ نشانی آنے کے بعد اس کا انکار کرنا نزول عذاب کا سبب بنتا ہے۔
سبق: اس میں سب کیلئے عبرت ہے خصوصاً قریش مکہ کیلئے عبرت ہے۔ آگے فرمایا کہ نہیں تھے ان میں سے اکثر قوم ثمود سے یا قریش مکہ میں سے ایمان لانے والے۔

فائدہ: قوم ثمود میں سے صرف چار ہزار حضرات نے ایمان لایا۔ (بعض روایات میں چار سو کا ذکر ہے)۔

(آیت نمبر ۱۵۹) بے شک تیرا رب کریم عزیز یعنی غالب ہے۔ قوم ثمود سے بدلہ لینے اور ان پر عذاب بھیجنے میں اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ کہ جب انہوں نے صالح علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جڑ ہی کاٹ دی۔ یعنی بالکل نابود ہو گئے اور وہ بڑا مہربان بھی ہے یعنی کسی پر بلا وجہ عذاب نہیں اتارتا۔

سبق: چونکہ اونٹنی صالح علیہ السلام کی نبوت پر واضح دلیل تھی اسے قتل کرنا بہت بڑا غلط اقدام تھا۔ اسی لئے ان کی ندامت انہیں بچا نہ سکی۔

فائدہ: اسی طرح قرآن مجید بھی ہمارے نبی پاک ﷺ کی نبوت پر دلیل ہے جو اس کو نہیں مانے گا۔ وہ بھی قیامت کے دن سخت پشیمان ہوگا۔ جب اس پر عذاب مسلط ہو جائے گا۔ لہذا نبی پاک ﷺ کی اطاعت کے ساتھ قرآن پاک پر عمل کیا جائے۔ اس لئے کہ زبانی طور پر ماننا اور اس پر عمل نہ کرنا اس ماننے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(آیت نمبر ۱۶۰) قوم لوط یعنی سدوم والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔ یعنی جب انہیں لوط علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے احکام بتائے اور انہیں لواطت جیسے برے عمل سے منع کیا تو انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا اور انہیں دھمکی دی کہ اگر تم نے پھر ہمیں یہ بات کہی تو ہم تمہیں یہاں سے نکال دیں گے۔

(آیت نمبر ۱۶۱) کہ جب انہیں ان کے شفیق نبی جناب لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا رسول بن کر آیا ہوں اور میں امانت دار بھی ہوں۔

اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۚ ﴿١٦٣﴾

بے شک میں تمہارے پاس رسول امین ہوں۔ پس ڈرو اللہ سے اور میرا حکم مانو۔

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۗ ﴿١٦٤﴾

اور نہیں میں مانگتا تم سے اس پر کوئی اجر نہیں ہے میرا اجر مگر اوپر رب العالمین کے۔

(بقیہ آیت نمبر۱۶۱) **فائدہ**: کاشفی مرحوم فرماتے ہیں کہ یہاں نسبی یا قومی اخوت مراد نہیں ہے کیونکہ لوط علیہ السلام کے ان کے ساتھ یہ دونوں رشتے نہیں تھے۔ یہاں اخوت بمعنی شفقت ہے۔ کیونکہ لوط علیہ السلام وہاں پر اجنبی تھے وہ اپنے چچا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ رہتے تھے۔ یہاں سدوم میں انہیں ابراہیم علیہ السلام نے ہی بھیجا تھا تو لوط علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ کیا تم کفر وشرک اور اتنے بڑے گناہ کر کے خدا سے نہیں ڈرتے۔

(آیت نمبر۱۶۲) بے شک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور امین ہوں یعنی تم میری امانت و دیانت کو جانتے ہی ہو تم سب کو مجھ پر اعتماد ہے۔ لہذا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری بات مان لو۔

(آیت نمبر۱۶۳) لہذا تم اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جس طرح ڈرنا چاہئے اور میری اطاعت کرو۔ اس لئے کہ معتمد پر ہر طرح اعتماد ہوتا ہے۔ اور میری اطاعت سے تم اللہ تعالیٰ کے مطیع بن جاؤ گے۔

(آیت نمبر۱۶۴) اور میں تم سے اس وعظ و تبلیغ کے بدے میں کوئی مزدوری وغیرہ بھی نہیں مانگتا۔ نہ تم سے انعام کا سوال ہے۔ نہ دنیوی بدلہ۔ اس لئے کہ احکام الٰہی پہنچانے والے کو کسی سے اجر یا بدلہ لینا بری بات ہے۔ میرا اجر اور وعظ و نصیحت پر ثواب صرف اور صرف اللہ رب العالمین کے ذمہ کرم پر ہے اور میرے اس مانگنے کا تعلق بھی خدا تعالیٰ سے ہے۔ کہ میں صرف اسی کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہوں۔ اور اسی کے در کا سوالی ہوں۔

(**فائدہ**: تمام اولیاء کرام کا بھی یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتے تھے۔ آج کل جو ہر ایک سے مانگتے پھر رہے۔ نہ یہ اولیاء ہیں۔ نہ پیر۔ یہ منگتے ہیں۔ اولیاء کرام تو لوگوں کے دلوں پر نظر رکھتے تھے اور آج کل کے پیر لوگوں کی جیبوں پر نظر رکھتے ہیں۔ ان لوگوں نے اولیاء اللہ کو بھی بدنام کیا۔ اور مسلک اہل سنت کو بھی بدنام کیا۔)

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۙ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ

کیا کرتے ہو برا فعل مردوں سے جہاں والوں میں۔ اور چھوڑتے ہو جو بنایا تمہارے رب نے تمہاری

مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ

عورتوں کو۔ بلکہ تم قوم ہو حد سے بڑھنے والے۔ بولے اگر تو باز نہ آیا اے لوط

لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿١٦٧﴾

تو ضرور ہوگا تو نکالے ہوؤں سے۔

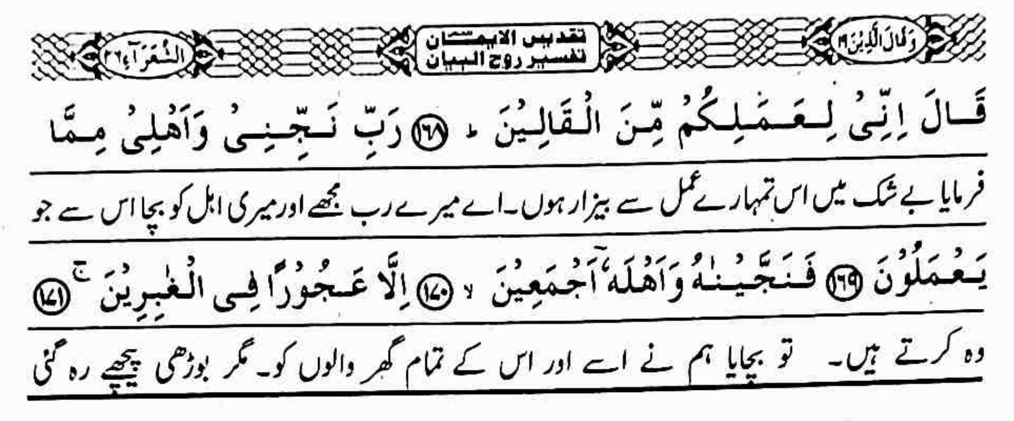
(آیت نمبر ١٦٥) کیا تم مردوں یا لونڈوں کے پاس بے حیائی کرنے آتے ہو یعنی پوری دنیا میں تم نے جماع کا انتہائی برا طریقہ نکالا ہے۔ ایسا عمل تو پورے جہان میں اور کسی نے بھی نہیں کیا اور اس کے جواز کا تمہارے پاس نہ کوئی عذر ہے نہ دلیل۔ یعنی اولاد آدم میں تم لڑکوں سے یہ بدفعلی کرتے ہو جبکہ تمہارے پاس عورتوں کی بھی کثرت ہے۔ گویا تم نے عورتوں کو تو معدوم سمجھا ہوا ہے۔ کہ وہ بے مقصد پیدا ہوئیں۔

(آیت نمبر ١٦٦) اور جو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ جوڑے پیدا فرمائے یعنی تمہاری بیویاں ہیں تم ان کے ساتھ مجامعت کرو یہ جو تم انتہائی برا فعل کر رہے ہو یہ تو پاگلوں والا عمل ہے دبر سے لواطت تو اپنی بیوی اور لونڈی سے بھی حرام ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے جو اپنی بیوی سے لواطت دبر کے راستے کرے گا وہ اس سے بیزار ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ پر اتارا۔ بروز قیامت اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ (رواہ ابوداؤد)

مسئلہ: بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیوی کے ساتھ لواطت کو کفر کے قریب قرار دیا ہے یعنی یہ عمل سخت برا ہے۔ آگے فرمایا کہ بلکہ تم لوگ تو تمام گناہوں میں حد سے بڑھے ہوئے ہو۔

فائدہ: یعنی گناہ تو تمہارے اور بھی بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سر فہرست لواطت ہے۔ تمام ائمہ کے نزدیک لوطی پر حد زنا کے برابر لگتی ہے۔ امام اعظم کے نزدیک سخت تعزیر ہے۔ حد نہیں ہے۔ سب تفصیلات پیچھے گذر گئیں۔

(آیت نمبر ١٦٧) ان لوطیوں نے لوط علیہ السلام سے اس کے جواب میں کہا۔ تم ہماری برائیاں بیان کرنا چھوڑ دو۔ اگر تم ہماری ان برائیاں بیان کرنے سے باز نہ آئے۔ تو ضرور یہاں نکالے جانے والے لوگوں میں سے ہوگے۔ یعنی ہم تمہیں نہایت ذلیل کر کے اپنے شہر سے نکال دیں گے۔ (معاذ اللہ)



قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ ؕ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا

فرمایا بے شک میں اس تمہارے عمل سے بیزار ہوں۔ اے میرے رب مجھے اور میری اہل کو بچا اس سے جو

یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ۙ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ۚ ﴿۱۷۱﴾

وہ کرتے ہیں۔ تو بچایا ہم نے اسے اور اس کے تمام گھر والوں کو۔ مگر بوڑھی پیچھے رہ گئی

(آیت نمبر۱۶۸) لوط علیہ السلام نے فرمایا بے شک میں تمہارے برے عمل یعنی لواطت سے سخت بیزار ہوں۔ یعنی میں ان لوگوں سے ہوں جو ایسے برے فعل کا ارتکاب کرنے والوں سے بغض وعداوت رکھتے ہیں اور وہ اس گندے فعل سے اندر ہی اندر غیظ وغضب سے جلتے رہتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو میں تمہاری ان دھمکیوں سے ڈرنے والا نہیں اور نہ مجھے ہراساں کرنے سے تم مرعوب کر سکتے ہو اور نہ میں اس برے فعل سے تمہیں منع کرنے میں باز آ ؤ نگا۔ **فائدہ:** غالبًا اس کے بعد جو لوط علیہ السلام نے ان کے ساتھ رہنے میں کراہت کا اظہار فرمایا ہے اور واضح کہا کہ خداوند کریم مجھے تم سے چھٹکارا عطا فرمادے۔ اسی لئے آپ ان سے گفتگو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے اور عرض کیا۔

(آیت نمبر۱۶۹) لوط علیہ السلام نے عرض کی اے میرے پروردگار مجھے بھی نجات عطا فرما۔ اور میرے گھر والوں کو بھی ان کے اس برے عمل اور ان کے خبیث عمل سے کہ کہیں ان کی شامت سے ہم پر بھی عذاب نہ آ جائے۔ کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام ہر برے عمل سے دور بھاگتے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہتے ہیں۔

(آیت نمبر۱۷۰) پھر ہم نے ان کو اور ان کے سارے خویش قبیلے کو نجات عطا کی۔ یعنی لوط علیہ السلام کے رشتہ داروں کے علاوہ ان کے تابعداروں کو بھی نجات دی وہ اس طرح کہ پہلے ہم نے انہیں بستی سے باہر نکل جانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد اس بستی پر عذاب نازل کیا۔ تا کہ لوط اور ان کی اہل عذاب سے بچ جائیں۔

(آیت نمبر۱۷۱) مگر وہ بوڑھیا جو لوط علیہ السلام کی بیوی تھی والھہ کے نام سے موسوم تھی اور کافرہ تھی۔ اس نے کافروں کے ساتھ ساز باز رکھی ہوئی تھی۔ لوط علیہ السلام کے گھر میں آنے والے مہمانوں کی چغلی اسی نے کھائی تھی۔

وہم کا ازالہ: نبی کی بیوی کے کافرہ ہونے میں حرج نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس وقت کافرہ عورتوں سے نکاح جائز تھا۔ عذاب آنے سے پہلے وہ کنبہ میں داخل تھی۔ پھر اسے کفر کی وجہ سے لوط علیہ السلام کے کنبہ سے الگ کر دیا گیا۔ اس لئے آگے فرمایا کہ وہ غابرین یعنی پیچھے رہنے والوں میں سے ہے۔

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾

پھر ہلاک کیا ہم نے پچھلوں کو۔اور برسائی ہم نے ان پر بارش تو کتنی بری برسی ڈرائے ہوؤں پر۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ

بے شک اس میں نشانی ہے اور نہیں تھے اکثر ان میں مومن۔ اور بے شک تیرا رب

لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾

ہی بڑی عزت والا مہربان ہے۔

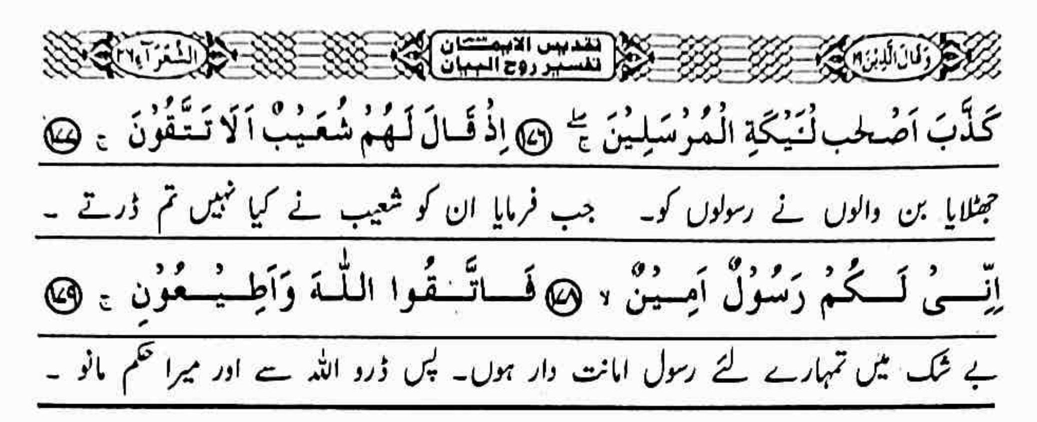
(بقیہ آیت نمبر ۱۷۱) کیونکہ لوط علیہ السلام کی بیوی غلط کار لوگوں میں شامل تھی۔ پہلے وہ لوط علیہ السلام کے ساتھ گھر سے نکل گئی اور حکم الٰہی یہ تھا کہ پیچھے مڑ کر کوئی نہ دیکھے۔سب آگے دیکھ رہے تھے۔اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ پورا شہر اونچا اٹھالیا گیا ہے تو اس نے ہائے کی کہ ہائے میری رشتے دار۔اتنے میں اسے ایک پتھر لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہوگئی۔

(آیت نمبر ۱۷۲) لوط علیہ السلام بمعہ بقایا خویش واقارب تشریف لے گئے اور پچھلوں کو ہم نے پوری شدت سے تباہ وبرباد کردیا کہ ان کے شہروں کو الٹ دیا۔اور سب کو تباہ کردیا اور کوئی بھی ان سے نہ بچ سکا۔

(آیت نمبر ۱۷۳) اور ہم نے ان پر ایسی بارش برسائی کہ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا یعنی پتھروں کی بارش برسائی تو وہ کتنی ہی بری بارش تھی۔ان کیلئے جنہیں ڈرایا گیا چونکہ وہ دولت ایمان سے محروم رہے۔اور کرتوتوں سے باز نہ آئے۔

(آیت نمبر ۱۷۴) بے شک لوط علیہ السلام کا واقعہ بھی عبرت کا نشان ہے۔آنے والے لوگوں کیلئے لہٰذا آئندہ آنے والے لوگوں کو چاہئے کہ وہ ایسے برے افعال سے بچ کر رہیں تاکہ کہیں ان پر قوم لوط کی طرح عذاب نازل نہ ہوجائے۔آگے فرمایا کہ اس قوم میں بھی زیادہ تر ایمان والے نہیں ہیں۔**فائدہ:** مروی ہے کہ لوط علیہ السلام پر ان کی دو بچیاں اور دو داماد ہی ایمان لائے تھے۔

(آیت نمبر ۱۷۵) بے شک آپ کا پروردگار ضرور دشمنوں پر غالب ہے اور اپنے دوستوں پر مہربان ہے کہ ان کی مدد فرماتا ہے یا یہ معنی ہے کہ تبلیغ وارشاد سے پہلے وہ کسی پر عذاب نہیں بھیجتا اور جس طرح مستحق ثواب کو ثواب دینا رحمت ہے اسی طرح مستحق عذاب کو عذاب دینا بھی رحمت ہے تاکہ باقی لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔



كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧٦﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾

جھٹلایا بن والوں نے رسولوں کو۔ جب فرمایا ان کو شعیب نے کیا نہیں تم ڈرتے۔

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿١٧٩﴾

بے شک میں تمہارے لئے رسول امانت دار ہوں۔ پس ڈرو اللہ سے اور میرا حکم مانو۔

(بقیہ آیت نمبر۱۷۵) جیسے آ کلہ کا مرض لگ جائے تو اس عضو کو کاٹ دیا جاتا ہے تا کہ باقی جسم بچ جائے اسی طرح فسادی لوگ بھی آ کلہ مرض کی طرح ہیں۔ان کے تباہ ہونے سے اہل صلاح کو راحت وفرحت نصیب ہوتی ہے۔

(آیت نمبر۱۷۶) ایکہ والوں نے بھی رسولان عظام کی تکذیب کی یعنی شعیب علیہ السلام اور ان سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی انہوں نے تکذیب کی۔ایکہ سے مراد وہ جگہ جہاں جھاڑیوں کی طرح چھوٹے چھوٹے درخت ہوں۔ پہلے آپ کو مدین شہر میں بھیجا گیا (جہاں موسیٰ بھی تشریف لائے) اور یہ ایکہ یعنی جھاڑیوں والی وہ جگہ ہے جہاں اس وقت بھی جھاڑیاں عام ہیں (اور وہیں شعیب علیہ السلام کا مزار مبارک بھی ہے) حضرت شعیب علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے مدین کے پوتے ہیں اور لوط علیہ السلام کے نواسے ہیں۔(الحمدللہ آپ کے مزار مبارک کی زیارت کر کے ہم نے سعادت حاصل کی)۔

(آیت نمبر۱۷۷) جب شعیب علیہ السلام نے ایکہ والوں سے فرمایا کہ تم شرک کرتے ہو کیا خداوند کریم سے نہیں ڈرتے یعنی اس کے عذاب سے تم ڈرو۔اور شرک چھوڑ دو اور دوسرا تمہارا گناہ یہ ہے کہ تم ماپ تول میں بھی لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہو کہ لینے اور دینے کے الگ الگ پیمانے ہیں۔لہذا تم اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ جاؤ ورنہ تم پر عذاب آ جائے گا۔

(آیت نمبر۱۷۸) بے شک مجھے رسول بنا کر تمہاری طرف ہی بھیجا گیا ہے کہ میں تمہیں کفر وشرک سے بچاؤں یعنی تمہیں شرک کے نقصانات سے آگاہ کروں تا کہ تم عذاب سے بچ جاؤ اور یہ بھی بتا دوں کہ میں امین بھی ہوں کہ تمہارے معاملات میں کسی طرح خرابی نہ آنے دوں۔یا اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچانے میں امین ہوں اور میں صرف تمہاری اصلاح چاہتا ہوں کہ تم سیدھی راہ پر آ جاؤ۔

(آیت نمبر۱۷۹) پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اس لئے کہ میری اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے میرا حکم اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے میں تو اللہ تعالیٰ کا حکم تم تک پہنچانے والا ہوں۔میری ڈیوٹی یہی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچاؤں۔وہ کام میں نے کر دیا۔

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۟ ﴿١٨٠﴾

اور نہیں میں مانگتا تم سے اس پر کوئی اجر۔ نہیں ہے میرا اجر مگر اوپر رب العالمین کے۔

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۚ ﴿١٨١﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۚ ﴿١٨٢﴾

پورا کرو ماپ اور نہ ہو تم گھٹانے والوں سے۔ وزن کرو ترازو سیدھی سے۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿١٨٣﴾

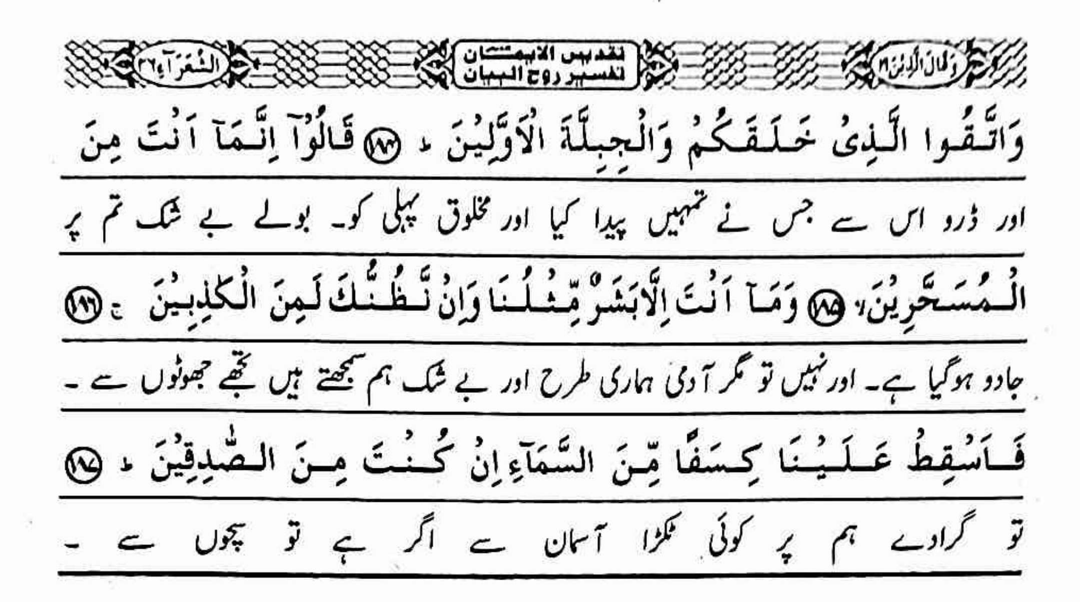
اور نہ کم کر کے دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھروزمین میں فساد کرنے والے۔

(آیت نمبر ۱۸۰) اور میں تم سے اس وعظ وتبلیغ پر کسی قسم کا اجر یا مزدوری یا انعام کا کوئی سوال نہیں کرتا کہ تم اس پیغام رسانی پر مجھے اس کا کوئی عوض یا بدلہ دو کہ میں نے تم تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا ہے اور نہ ہی دین کی تعلیم دے کر میں تم سے کوئی مال دنیا لینا چاہتا ہوں میرے اس عمل کی مزدوری یا اس پر اجر یا انعام اور کسی پر نہیں ہے مگر رب العالمین نے یہ اجر اپنے ذمہ کرم پر لے لیا ہے۔ اس لئے کہ اس تربیت کا فیضان بھی ادھر سے ہے اور تعلیم دین پر ثواب اور انعام بھی اسی کی جانب سے ہے۔

(آیت نمبر ۱۸۱) اور اے ایکہ والو پیمانہ پورا کر کے دیا کرو اور نہ کرو لوگوں کے حقوق میں کمی یعنی لوگوں کا نقصان کرنے والے نہ بنو اور تم لین دین میں پیمانہ ایک ہی رکھو۔ جس طرح لیتے وقت پورا لیتے ہو اسی طرح دیتے وقت بھی پورا پورا دو۔ لینے کا اور پیمانہ اور دینے کا دوسرا پیمانہ نہ رکھو۔ اس سے لوگوں کو خسارہ دنیا میں ہوگا۔ لیکن تمہارا خسارہ آخرت میں ہوگا۔ تو پھر تم وہاں پچھتاؤ گے۔ لہذا اس گناہ سے بھی باز آ جاؤ۔

(آیت نمبر ۱۸۲) اور وزن کر کے دیتے وقت بھی وزن پورے انصاف سے صحیح تول کر دو یعنی ماپ تول دونوں میں انصاف لازمی ہے۔ اور ترازو کے دونوں پلڑے صحیح رکھو اور تولتے وقت انصاف کو قائم رکھو۔

(آیت نمبر ۱۸۳) ان کی چیزوں میں اور لوگوں کے حقوق میں کمی نہ کرو "بخس" کسی کا حق کم کرنے کو کہتے ہیں یعنی لوگوں کے حقوق میں کسی قسم کی کمی نہ کرو۔ نہ گنتی میں نہ دیگر کسی معاملے میں نقصان یا کھرے کے بجائے کھوٹے سکے دینا۔ وغیرہ۔ غصب۔ چوری۔ مالک کی اجازت کے بغیر تصرف سب اس میں داخل ہے۔ آگے فرمایا کہ زمین میں قتل وغارت کر کے یا چوری ڈاکے کر کے زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اور نہ حد سے تجاوز کرو۔


وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ

اور ڈرو اس سے جس نے تمہیں پیدا کیا اور مخلوق پہلی کو۔ بولے بے شک تم پر

الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۱۸۶﴾

جادو ہوگیا ہے۔ اور نہیں تو مگر آدمی ہماری طرح اور بے شک ہم سمجھتے ہیں تجھے جھوٹوں سے ۔

فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۷﴾

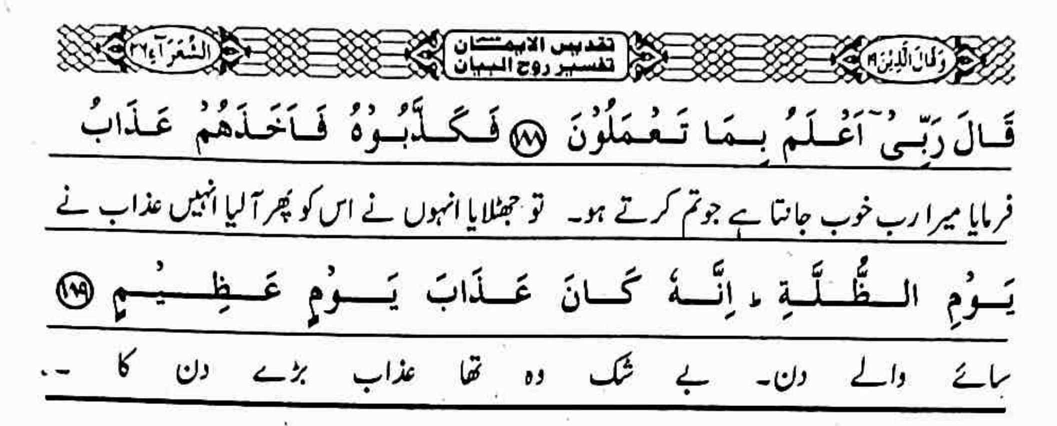
تو گرادے ہم پر کوئی ٹکڑا آسمان سے اگر ہے تو سچوں سے ۔

(آیت نمبر۱۸۴) اوراللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھووہ اللہ تعالیٰ جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تم سے پہلی مخلوق یعنی تمہارے آباءواجداد کو بھی پیدا کیا۔لہذا اس پیدا کرنے والے سے ڈرو کہ وہ تمہیں بھی دیکھ رہا ہے اور تمہارے تمام اعمال کو بھی دیکھ رہا ہے۔

(آیت نمبر۱۸۵) تو انہوں نے کہا کہ تو تو ان لوگوں سے ہے جن پر بار بار جادو کیا گیا ہو اس وجہ سے تمہارا عقل اپنی حد سے خارج ہوگیا ہے کیونکہ وہ تجارت میں ڈنڈی مارنے اور ہیری پھیری کو ہی اصل تجارت سمجھتے تھے اور جو اس کام سے منع کرے۔وہ تو ان کا دشمن ہوتا ہے تو پھر جو بھی ان کے منہ میں آئے وہ کہہ دیتے ہیں۔

(آیت نمبر۱۸۶) اور نہیں ہے تو مگر بشر ہماری طرح یعنی جس طرح صفات بشریہ ہمارے ساتھ ہیں۔اسی طرح تمہارے ساتھ ہر زمانے کے کفار نے اپنے نبی پر یہ فتوی لگایا۔تمہیں ہم پر کوئی فوقیت نہیں تو تیرا دعوی رسالت کیسا اور بے شک ہم تو تجھے جھوٹوں میں شمار کرتے ہیں۔(معاذ اللہ)۔(کیونکہ نبی نے حق بات کہی ہے۔اور حق بات کڑوی ہوتی ہے)۔

(آیت نمبر۱۸۷) تو گرادے ہم پر یا اپنے خدا سے کہہ دے کہ وہ ہم پر گرادے آسمان سے ٹکڑا جس میں عذاب ہو اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو کہ نہیں مانو گے تو عذاب آئیگا یہ جملہ انہوں ٹھٹھہ مزاق سے کہا۔عذاب اگرچہ نبی کے پاس نہیں ہوتا۔مگر جب نبی بددعا کردے تو پھر عذاب آنے میں دیر بھی نہیں لگتی۔ہر زمانے کے کفار کی سوچ ایک ہی جیسی ہوتی رہی۔نوح علیہ السلام سے لیکر حضور ﷺ تک ہر نبی کو جادوگر اور اپنے جیسا ہی کہتے رہے۔



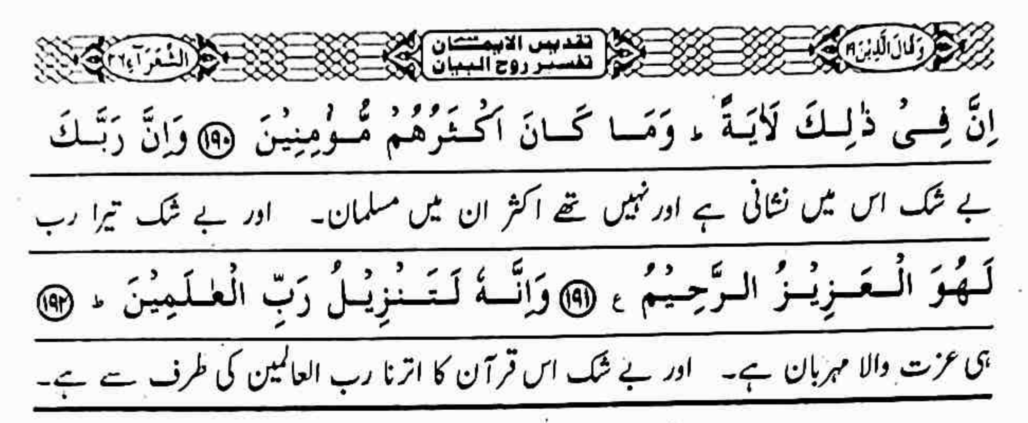
(آیت نمبر ۱۸۸) تو شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب خوب جانتا ہے جو جو تم عمل کر رہے ہو۔ کفر اور گناہ یا دیگر تمہاری بداعمالیاں جن کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق بن رہے ہو یاد رکھو وقت مقررہ پر عذاب ضرور نازل ہوگا۔

قوم شعیب پر عذاب: جب آپ کی قوم حد سے گذر گئی اور کسی طرح کفر و شرک اور اپنے برے کرتوت چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سات دن تک سخت گرمی مسلط کر دی یہاں تک چشموں اور کنوؤں کا پانی بھی سخت گرم ہو گیا اور گرمی سے وہ جان بلب ہو گئے۔ گھروں سے باہر نکل گئے تو وہاں اور زیادہ گرمی تھی جنگلوں میں جا کر درختوں سے چمٹ گئے۔ اچانک ایک سیاہ بادل اُن کے سروں پر آ گیا۔ وہ دیکھتے ہی خوش ہو گئے کہ شاید بارش آ گئی ہے لیکن وہ تو عذاب تھا۔ انہوں نے سب کو اس بادل والی جگہ پر بلا لیا کہ سب جلد یہاں آ جاؤ جوں ہی سب اس بادل کے نیچے جمع ہوئے تو اچانک اس سے آگ کا شعلہ نکلا جس نے سب کو جلا کر بھسم کر دیا۔

(آیت نمبر ۱۸۹) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلانے پر اصرار کیا۔ حالانکہ ان پر حجت واضح کر دی گئی تھی اور تمام شبہات بھی دور کر دیئے گئے تھے لیکن انہوں نے نہ مانا تو پھر پکڑ لیا ان کو اس سائے والے عذاب نے جیسا کہ انہوں نے خود مانگا تھا۔ کہ آسمان سے ہم پر ٹکڑا عذاب کا گرا دے۔

فائدہ: بادل چھتری کی شکل میں آیا۔ اس لئے اسے ظلہ کہا گیا۔ اور عذاب کو یوم کی طرف مضاف کرنے میں اشارہ ہے کہ ان کے عذاب کے ایام ان کے عذاب مانگنے کے دن سے ہی شروع ہو گئے تھے۔ اسی دن سے حرارت گرمی کی سخت ہو گئی تھی۔ آگے فرمایا کہ بے شک وہ عذاب کا دن بہت بڑا سخت تھا۔

فائدہ: مروی ہے کہ شعیب علیہ السلام دو امتوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ پہلے مدین والوں کی طرف۔ پھر ایکہ والوں کی طرف۔ مدین والے صیحہ اور رجفہ سے مارے گئے اور ایکہ والے ظلہ سے یعنی سائے سے۔ **فائدہ:** چونکہ شعیب علیہ السلام کے قصہ میں دو قسم کے عذابوں کا قرآن میں آتا ہے۔ تو عام آدمی کنفیوژن میں ہو جاتا ہے۔ کہ ان پر صیحہ کا عذاب یا رجفہ کا یا ظلہ کا آیا اس لئے اس بات کو واضح کر دیا۔



إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٩٠﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ

بے شک اس میں نشانی ہے اور نہیں تھے اکثر ان میں مسلمان۔ اور بے شک تیرا رب

لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٩١﴾ وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٢﴾

ہی عزت والا مہربان ہے۔ اور بے شک اس قرآن کا اترنا رب العالمین کی طرف سے ہے۔

(آیت نمبر۱۹۰) اور بے شک شعیب علیہ السلام کے اس قصے میں جو بھی بیان ہوا۔ عقل والوں کیلئے عبرت ہے اور اصحاب ایکہ میں سے اکثر لوگ ایمان والے نہیں تھے۔ بلکہ ان میں سے کوئی بھی ایمان نہیں لائے کیونکہ ان میں سے کسی کا ایمان لانا کسی جگہ مذکور نہیں ہوا۔ اسی لئے ان پر یہ سخت عذاب آیا۔

(آیت نمبر۱۹۱) اور بے شک تیرا رب ہر چیز پر قادر ہے اور اس پر غالب بھی ہے اس کی قدرت اور غلبہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے دشمنوں کو ملیا میٹ کرتا ہے اور دوستوں کو ان پر غلبہ دیتا ہے اور مہربان بھی ہے اس لحاظ سے کہ وہ جلد عذاب نہیں بھیجتا۔ کافی عرصہ تک مہلت دیتا رہتا ہے۔

فائدہ: پچھلے چند رکوعوں میں سات انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات بیان ہوئے اور ان تمام واقعات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ اگر آپ کو اگر قریش مکہ ستاتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ سابقہ قومیں بھی اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو ستاتی اور پریشان کرتی تھیں تو جن جن قوموں نے انبیاء کو ستایا وہ بچ نہیں سکے ان کا انجام برا ہوا اگر قریش آپ کو ستاتے ہیں تو ان کا انجام بھی برا ہی ہوگا۔

فائدہ: یہ ہمیشہ سے دستور چلا آ رہا ہے کہ جس قوم نے بھی اپنے نبی علیہ السلام کی تکذیب کی وہ لازماً عذاب میں مبتلا ہوئی۔ یعنی عذاب کا سبب صرف انبیاء کرام کی تکذیب تھا اور کوئی وجہ نہ تھی۔

(آیت نمبر۱۹۲) اور بے شک اس قرآن کا اترنا رب العالمین کی طرف سے ہے۔ چونکہ کفار یہ کہتے تھے کہ اس قرآن کو اس نبی نے خود تیار کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ کتاب میری طرف سے ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ جتنے بھی پیچھے واقعات ذکر ہوئے تمام کے تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی نازل ہوئے۔ اور ایسے سچے واقعات بذریعہ وحی ہی معلوم ہو سکتے ہیں۔ اپنی طرف سے کوئی نہیں بیان کر سکتا۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۙ ﴿١٩٣﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۙ ﴿١٩٤﴾

اترا اس کے ساتھ امن والا روح۔ اوپر آپ کے دل کے تاکہ آپ ہوں ڈر سنانے والوں سے

(آیت نمبر۱۹۳) اس قرآن کو لے کر آنے والے جبریل علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ وحی کے امین اور رسولان عظام تک وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والے ہیں۔ تمام انبیاء کرام علیہ السلام سے ان کا خصوصی تعلق تھا۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ جبریل علیہ السلام کو روح اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کا جسم روح کی طرح لطیف ہے اسی طرح روحانی فرشتے بھی روح سے بنائے گئے۔

فائدہ: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بے شک تمام فرشتے اجسام لطیفہ رکھتے ہیں ان کی اس لطافت کی وجہ سے ان پر روحانی احکام غالب رہتے ہیں۔

فائدہ: قرآن مجید بے شک کلام الٰہی ہے۔ اسے عربی میں ڈھال کر پہلے جبریل امین پر اتارا۔ پھر انہیں امین بنا کر اسے حضور ﷺ کے قلب پر نازل فرمایا۔ اور وہ قرآن پاک ڈائرکٹ حضور ﷺ کے دل مبارک پہ اتارتے۔

(آیت نمبر۱۹۴) اسی لئے فرمایا کہ آپ کے دل پر نازل فرمایا یعنی حضور ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے سن کر اسے دل میں حفظ کر لیا چونکہ وحی کی صحیح حفاظت تثبیت اور الہام کا محل و معدن قلب ہے اور انسانی وجود میں قلب کے سوا اور کوئی چیز وصول فیض الٰہی کیلئے قابل نہیں ہے۔ اور حضور ﷺ ہی اس مرتبہ عالی اور کرامت قدسیہ کے اہل ہیں۔ اسی لئے باقی انبیاء کرام علیہم السلام کی کتابیں اور الواح صحیفوں کی شکل میں ایک ہی دفعہ میں دے دی گئیں اور قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا تاکہ آسانی سے دل میں بیٹھتا جائے اس سے حضور ﷺ اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان فرق سمجھ لیا جائے۔ اکٹھی کتاب دینے اور تھوڑا تھوڑا نازل کرنے میں بہت بڑا فرق ہے۔

فائدہ: **قرآنی نزول کے وقت جبریل کی شکل**: کبھی بصورت ملک۔ کبھی بصورت بشر۔ اگر احکام شرعیہ حلال و حرام کے متعلقہ آیات ہوتیں تو جبریل بصورت بشر ہوتے اور جب حدیث عشق و محبت ہوتی اور عارفانہ اسرار و رموز کا بیان ہوتا تو بصورت ملک حاضر ہوتے۔ جبریل امین کے چلے جانے کے بعد حضور ﷺ فرماتے کہ میں نے ان کا لایا ہوا مضمون حفظ کر لیا ہے۔

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٩٦﴾

ایسی زبان کے ساتھ جو عربی ہے صاف۔ اور بے شک وہ پہلے صحیفوں میں ہے۔

(آیت نمبر ۱۹۵) قرآن مجید واضح عربی زبان میں نازل فرمایا گیا تا کہ اظہار معنی میں کوئی بات چھپی نہ رہ جائے اور واضح طور پر مقصد پر دلالت بھی کرے اور کفار کو بھی بروز قیامت کسی قسم کا عذر نہ ہو کہ ہم اس قرآن کو سمجھ نہ سکے۔ چونکہ کفار مکہ بھی عربی بولتے تھے۔ اور فصاحت و بلاغت میں اپنے آپ کو یکتائے زمانہ سمجھتے تھے۔ لیکن جب قرآن پاک کا نزول ہوا۔ تو انہوں نے اس کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دیئے اور وہ اس بات کو ماننے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔ بلکہ اپنے اپنے اشعار جو خانہ کعبہ کے ساتھ لٹکا رکھے تھے۔ قرآن کے اترنے پر لوگوں نے وہ اشعار اتار لئے۔

عربی لغت کی فضیلت: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عربی زبان کو باقی زبانوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اس لئے کہ قرآن عربی زبان میں آیا۔ اگر کوئی اور زبان بہتر ہوتی تو قرآن اس زبان میں آتا۔ دوسری بات یہ کہ عربی جنتی لوگوں کی بولی ہے اسی لئے عربی کا سیکھنا بھی ثواب ہے۔ قبر اور حشر میں بھی سوال و جواب عربی میں ہوں گے۔

عربی زبان سے محبت: حضور ﷺ نے فرمایا کہ عربی زبان سے تین وجہ سے محبت کرو: (۱) میں عربی ہوں۔ (۲) قرآن عربی۔ (۳) اہل جنت کی بولی بھی عربی ہے۔ (المستدرک والبیہقی)

(آیت نمبر ۱۹۶) پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی کتابوں میں بھی یہ مذکور تھا یعنی ان کتابوں میں قرآن مجید کے نزول کا ذکر تھا کہ یہ قرآن نبی آخر زمان پر عربی زبان میں نازل ہوگا۔ تو کیا ان لوگوں کیلئے یہ نشانی نہیں ہے۔ یا کیا یہ اتنے غافل ہیں کہ ان کے پاس کوئی ایسی دلیل ہی نہیں جو انہیں بتائے کہ یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ حالانکہ یہ تو پہلی تمام کتابوں میں مذکور ہے اسے بنی اسرائیل کے علماء جیسے عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ جانتے ہیں کہ پہلی آسمانی کتابوں میں قرآن مجید کے اوصاف ذکر کئے گئے ہیں۔ ان میں یہ صاف لکھا ہوا ہے کہ یہ قرآن مجید محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوگا۔ اور یہود و نصاریٰ کے علماء قرآن مجید کے نزول اور نبی آخر زمان ﷺ کی تشریف آوری کو اچھی طرح جانتے تھے۔ چونکہ علماء کی شہادت عوام کیلئے باعث تسکین ہوتی ہے۔ باقی ایمان لانا ان کے مقدر میں ہی نہ تھا۔ اگر نصیب میں ہوتا۔ تو ضرور وہ ایمان لے آتے۔

اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٩٧﴾ وَلَوْ

کیا نہیں ہے ان کیلئے یہ نشانی کہ جانتے ہیں اس نبی کو علماء بنی اسرائیل۔ اور اگر

نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿١٩٨﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

ہم اتارتے قرآن اوپر کسی عجمی شخص کے۔ پھر وہ پڑھتا اسے ان پر تو بھی نہیں تھے اس پر

مُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٩﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٢٠٠﴾

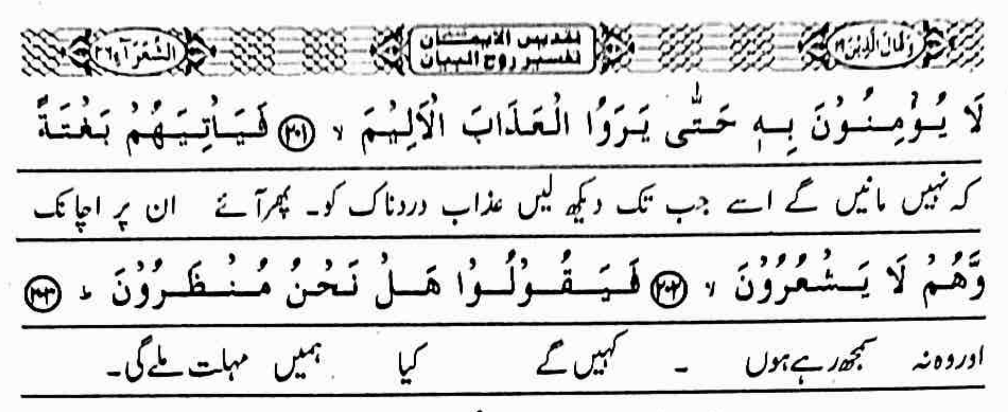
ایمان لانے والے۔ اسی طرح یہ چلایا ہم نے ان کے دلوں میں جو مجرم ہیں ۔

(آیت نمبر ۱۹۷) **فائدہ**: مروی ہے کہ اہل مکہ نے نبی کریم ﷺ کی نبوت ورسالت کی حقانیت کے بارے میں یہود کے علماء سے معلومات حاصل کیں تو انہوں نے ان کو جواب دیا کہ ہم نے اپنی کتابوں میں جو ان کی صفات دیکھی ہیں ۔ان کے مطابق ان کے ظہور کا وقت ہے۔ یقیناً وہ تشریف لے آئے ہیں انہیں مان لو۔

(آیت نمبر ۱۹۸) اور اگر ہم اس قرآن مجید کو کسی عجمی زبان بولنے والے پر نازل فرما دیتے جو عربی جانتے ہی نہیں جو نہ عربی پڑھ سکیں نہ عربی بول سکیں۔ اعجم سے مراد جو عربی نہیں جانتے۔ تو پھر انہوں نے یہ کہنا تھا۔ کہ ایسا شخص کیوں نہیں آیا جو عربی ہو۔ **فائدہ**: عجم کا معنی گنگا ہے۔ عربی عجمیوں کو اپنے مقابلے میں گنگا سمجھتے ہیں تو اگر اس قرآن کو کسی عجمی شخص پر نازل کیا جاتا تو وہ خود کیا سمجھتا اور دوسروں کو کیا سمجھاتا۔

(آیت نمبر ۱۹۹) تو عجمی ان کے ہاں اگر صحیح قرات کے ساتھ پڑھتے تو یہ خرق عادت کے طور پر ہوتا۔ یعنی جب وہ سمجھتے ہوں کہ یہ عجمی ہونے کے باوجود بالکل صحیح عربی پڑھ رہا ہے وہ بالکل عربی نہ جاننے کے باوجود صحیح پڑھ رہا ہے تو یہ اس کا معجزہ ہوتا اور معجزہ صادر ہی نبی سے ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ لوگ ایمان لانے والے نہ ہوتے۔ حالانکہ وہ یقین سے جانتے ہیں کہ پڑھنے والا عربی کو بالکل نہیں جانتا یہ معجزہ کے طور پر پڑھ رہا ہے لیکن ان لوگوں میں اتنا سخت عناد ہے اور ضد اور ہٹ دھرمی ہے کہ وہ اسے بالکل ماننے کیلئے تیار نہ ہوتے۔

(آیت نمبر ۲۰۰) اسی عجیب طریقے سے ہم نے ایسی باتوں کو ان مجرموں کے دلوں تک پہنچایا تو انہوں نے قرآن کے معانی اور اس کے معجزے کو بھی اچھی طرح سے جان لیا یعنی ان کے دل بھی گواہی دیتے ہیں کہ نبی برحق ہے اور کتاب بھی برحق ہے۔ لیکن بدقسمتی ان کی کہ وہ سب کچھ جاننے کے باوجود اس پر ایمان نہیں لائے۔



لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً

کہ نہیں مانیں گے اسے جب تک دیکھ لیں عذاب دردناک کو۔ پھر آئے ان پر اچانک

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور وہ نہ سمجھ رہے ہوں ۔ کہیں گے کیا ہمیں مہلت ملے گی۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

تو کیا ہمارے عذاب کو جلدی مانگتے ہیں۔

(آیت نمبر۲۰۱) لیکن وہ اس وقت تک ایمان نہیں لاتے یہاں تک وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں جو انہیں ایمان لانے پر مجبور کرے۔ لیکن عذاب دیکھ کر ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ وہ ایمان اضطراری ہے۔ یعنی موت دیکھ کر ایمان قبول کرنا۔ جیسے فرعون نے ڈوبتے وقت ایمان لایا لیکن وہ قبول نہ ہوا۔

(آیت نمبر۲۰۲) تو ان پر عذاب اچانک ہی آئے یعنی دنیا و آخرت میں ان پر عذاب اچانک ہی آئیگا اور یہ لوگ اچانک عذاب کے آنے کو سمجھ ہی نہیں سکیں گے اس لئے کہ انہیں شعور ہی نہیں ہوگا اور وہ سنبھل بھی نہ سکیں گے۔

(آیت نمبر۲۰۳) عذاب دیکھ کر تو وہ حسرت سے کہیں گے کہ افسوس ہے ہم پر کہ ہم کیوں بروقت ایمان نہ لائے۔ تو کیا اب ہمیں کچھ مہلت مل جائے گی۔ تا کہ جو ہم سے بھول ہوئی اس کی تلافی کریں اور ایمان لے آئیں۔ لیکن افسوس ہی کریں مہلت وغیرہ تو ہرگز انہیں نہیں ملے گی۔ جلد ہی انہیں عذاب میں ڈال دیا جائیگا۔

(آیت نمبر۲۰۴) تو جب انہیں دنیا میں اللہ کے رسول ﷺ عذاب الٰہی سے ڈراتے تھے۔ اس وقت یہ کہتے تھے کہ وہ عذاب جس سے ڈرا رہے ہو وہ کب آئیگا۔ کب سے ہمیں ڈرا رہے ہو ابھی تک عذاب کیوں نہیں آیا تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ وہ ہمارے عذاب کو جلدی مانگ رہے ہیں۔ یعنی جب مہلت ملی ہوئی تھی اس وقت عذاب مانگتے تھے۔ جب عذاب آ گیا اب مہلت چاہتے ہیں۔ اب بات یہی ہے کہ یہ عذاب جو آیا ہے یہ وہی ہے جو وہ دنیا میں مانگتے تھے۔ وہ انہیں مل گیا۔ انہوں نے جو مانگا وہ انہیں مل گیا۔ جیسے مسلمان جنت مانگتے تھے انہیں جنت مل گئی۔

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۙ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۙ ﴿٢٠٦﴾

بھلا دیکھ تو اگر ہم انہیں نفع دیں کچھ سال۔ پھر وہ آیا ان پر جس کا تھے وہ وعدہ دیئے گئے

مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۗ ﴿٢٠٧﴾

نہ کام آیا انہیں جو تھے وہ نفع اٹھاتے

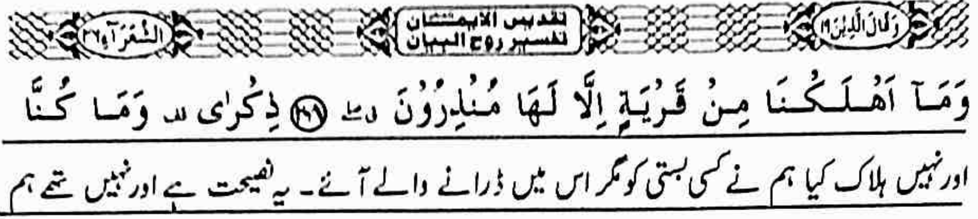
(آیت نمبر۲۰۵) کیا تم نے دیکھ لیا یہاں انہیں گویا زجر و توبیخ کی گئی جیسے وہ اس کے مستحق تھے۔اس وجہ سے انہیں یہ ڈانٹ دی گئی یہاں رویت بمعنی خبر دینے کے ہے یعنی کوئی بتائے اگر ہم ان مشرکین کو سالہا سال تک ان کے نفع والی چیزیں دیتے رہیں اور عرصہ دراز تک وہ عیش کرتے رہیں اور انہیں لمبی مہلت دے دیں۔

(آیت نمبر۲۰۶) پھر اس کے بعد ان کے پاس وہ چیز آ جائے۔جس کا وہ وعدہ دیئے گئے یعنی عذاب آ جائے جس سے وہ ڈرائے گئے تو یہ کیا کریں گے یعنی ساری عمر عیش وعشرت میں گذاری تو یہ عیش وعشرت تو انہیں عذاب سے نہیں بچا سکتی۔اس لئے کہ نجات کیلئے ایمان کا ہونا ضروری ہے۔

(آیت نمبر۲۰۷) تو نہ کام آئیں انہیں وہ چیزیں جن سے نفع اٹھاتے رہے یعنی دنیوی مال اسباب اور عیش وعشرت آخرت کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔

فائدہ: دنیا میں ایسی کون سی چیز ہے جو عیش وعشرت میں زندگی گذارنے والوں کو عذاب سے بچا سکے؟۔وہ ایمان اور عمل صالح ہے اور دنیا کا کوئی انسان بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ دنیا کا مال و دولت عذاب الٰہی سے بچا سکتا ہے۔البتہ وہ مال جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیا۔وہ عذاب سے بچا سکتا ہے۔دنیوی منافع دنیا میں ہی نفع دے سکتے ہیں۔آخرت میں کام آنے والی چیز ایمان اور عمل صالح ہے۔

میمون بن مہران کی دوران طواف حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوگئی تو عرض کیا۔مجھے کوئی نصیحت فرمائیں انہوں نے یہی آیت کریمہ تلاوت کی تو انہوں نے کہا کیا خوب وصیت ہے۔**فائدہ**: حضرت عمر بن عبد العزیز تخت پر بیٹھتے وقت اسی آیت کی تلاوت فرماتے تھے۔**سبق**: حضرت یحیٰی بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔جو شخص اس حیات فانی کے دھوکے میں ہے وہ سخت غفلت میں ہے اور اپنی عیش وعشرت کی لذتوں میں پھنسا ہوا ہے۔



وَمَآ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنۡذِرُوۡنَ ٢٠٨ ذِكۡرٰى وَمَا كُنَّا

اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر اس میں ڈرانے والے آئے۔ یہ نصیحت ہے اور نہیں تھے ہم

ظٰلِمِيۡنَ ٢٠٩ وَمَا تَنَزَّلَتۡ بِهِ الشَّيٰطِيۡنُ ٢١٠

ظلم کرنے والے۔ اور نہیں اترتے قرآن کے ساتھ شیطان۔

(آیت نمبر ۲۰۸) اور ان تباہ ہونے والے شہروں میں سے ہم نے کسی شہر کو تباہ نہیں کیا۔ مگر ہم نے اس عذاب کے آنے سے پہلے وہاں عذاب سے ڈرانے والے بھیجے (انبیاء کرام علیہم السلام)۔ جنہوں نے ان کو تباہ کن عذاب سے ڈرایا۔ یعنی نبی اور ان کے معاونین نے لوگوں کو جب آنے والے عذاب سے آگاہ کیا۔ کہ اگر تم نے اللہ اور رسول کی بات نہ مانی تو عذاب آئیگا۔ تو وہ نہیں مانے۔ الٹا انہوں نے طرح طرح کی حجتیں کیں۔

(آیت نمبر ۲۰۹) اتمام حجت کیلئے انہیں پہلے نصیحت کی عذاب سے ڈرایا۔ جب نہیں مانے تو پھر عذاب آیا۔ اور ہم ظالم نہیں تھے یعنی ان پر عذاب ان کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے آیا۔ **فائدہ**: یہاں انذار یعنی ڈرسنانے سے پہلے انہیں بار بار نصیحت کی گئی۔ کہ بلاوجہ عذاب نہیں آتا۔ نہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم کرتا ہے۔ اگرچہ عدل کے تقاضے سے عذاب دے سکتا ہے۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرتا۔ جیسا کہ اہل سنت کا مذہب ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات بابرکات سے تو ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ وہ تو سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔

(آیت نمبر ۲۱۰) اس قرآن کو شیطان لے کر نہیں آتے۔

شان نزول: مقاتل کہتے ہیں کہ مشرکین مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کاہن کہتے تھے اور کبھی کہتے تھے کہ ان کے پاس جن آتا ہے اور جس قرآن کے یہ مدعی ہیں۔ یہ اسی جن کا بنایا ہوا کلام ہے جو انہیں آکر سنا جاتا ہے جیسے کاہنوں کے پاس جن آتے ہیں اور انہیں خبریں بتاتے ہیں۔ یعنی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہر کاہن کے پاس جن ہوتا اور وہ اسے آسمان سے آئی ہوئی طرح طرح کی خبریں بتاتا تھا۔ مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ شاید قرآن مجید بھی اسی قسم کی چیز ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس غلط بلکہ جھوٹے تصور کارد کرتے ہوئے فرمایا کہ اس قرآن کو شیاطین نہیں بلکہ اسے جبریل امین لے کر آئے ہیں۔

وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٢١١﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿٢١٢﴾

اور نہ مناسب ہے ان کیلئے اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ بے شک وہ اس کے سننے سے دور کر دیئے گئے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿٢١٣﴾

تو نہ پوج ساتھ اللہ کے خدا دوسرے کو ورنہ ہوگا عذاب دیا ہوا۔

(آیت نمبر ۲۱۱) ان جنوں کو تو مناسب ہی نہیں کہ وہ اس قرآن کو لاسکیں اور نہ انہیں اس کے لانے کی ہمت ہے۔ نہ وہ اس قسم کی طاقت یا قدرت رکھتے ہیں۔ بلکہ وہ تو قرآن سے دور بھاگتے ہیں۔ سوائے مسلمان جنوں کے۔

(آیت نمبر ۲۱۲) بے شک وہ تو حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد ملائکہ کی کلام سننے سے ہی معزول کر دیئے گئے ہیں یعنی اب انہیں آسمانوں کی طرف جانے سے روک دیا گیا ہے اب تو اگر وہاں پر جائیں تو انہیں چنگاریاں ماری جاتی ہیں۔ **فائدہ**: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جن فرشتوں کی طرح انوار حق کے فیضان کو قبول نہیں کر سکتے اس لئے کہ ان کے نفوس خبیثہ ظلمانیہ شریرہ بالذات ہیں۔ وہ فیضان حق کو کیسے قبول کر سکتے ہیں۔ ان میں تو شر ہی شر ہے۔ خیر کا تو ان میں نام ونشان ہی نہیں۔

فائدہ: تو جب ان میں قرآن اٹھانے اور سننے کی استعداد ہی نہیں تو پھر وہ اسے نازل کیسے کر سکتے ہیں۔ اگر وہ کچھ کسی طرح سن بھی لیں تو ان میں ادراک اور فہم ہی نہیں۔ کہ وہ اسے دل میں جمع کریں۔

(آیت نمبر ۲۱۳) اللہ تعالیٰ کے ساتھ تم کسی دوسرے کو معبود سمجھ کر اس کی عبادت نہ کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو پھر عذاب دی ہوئی قوم کی طرح تم بھی ہو جاؤ گے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے مکلفین پر لطف وکرم فرماتے ہوئے انہیں نصیحت فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کو غیر اللہ کی عبادت سے روک دیا۔ جبکہ ان سے ایسا قبیح کام اس سے پہلے بھی محال تھا تو اور کون ہے۔ جسے اس کی اجازت دی جائے۔

فائدہ: مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارمیا علیہ السلام کو وحی کی کہ وہ اپنی قوم کو کہہ دیں کہ وہ گناہوں سے باز آئیں۔ ورنہ میرا عذاب آ جائیگا تو انہوں نے عرض کی۔ یا اللہ یہ تو تیرے پیغمبروں کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کوئی نبی بھی میری نافرمانی کرے تو میں اسے بھی عذاب میں مبتلا کر دوں۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۙ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ

اور ڈراؤ اپنے رشتے دار قریبیوں کو۔اور بچھا دو اپنی رحمت کے بازو اپنے پیروکار

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ ﴿۲۱۵﴾

مسلمانوں کیلئے۔

(آیت نمبر۲۱۴) اے محبوب اپنے قریبی رشتہ داروں کواس عذاب سے ڈرائیں جوکفروشرک کی وجہ سے ہوگا۔

فائدہ:انہیں ڈرسنانے کاحکم اس لئے ہوا کہ معاشرہ میں یہی لوگ اس کے مہتم بالشان ہیں تو جیسے مروت واحسان اورصلہ رحمی وغیرہ میں یہ اول ہیں اسی طرح انذار میں بھی ان کا پہلاحق بنتا ہے۔**فائدہ** : اگر چہ آپ نذیرتو سب کیلئے بن کرآئے لیکن اس کی ابتداء اپنے ہی گھر سے کرائی گئی۔

فائدہ:جب قریبیوں کووعظ وانذارضروری ہےتو دوروالوں کے لئےتو اوربھی زیادہ ضروری ہے۔

مروی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر ہرقوم اور قبیلے کے بڑے فردکا نام لیکرپکارا۔جب سب آ گئے تو فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے لشکرتم پرحملہ کیلئے آرہا ہےتو کیامانو گے تو سب نے کہاہاں مانیں گےتو فرمایا کہ میں تمہیں آنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں۔(۲)دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایااے بنی ہاشم۔اے بنی عبدمناف جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ وہاں میں تمہارے کام نہیں آؤنگا(بخاری ومسلم)۔**سبق** :اہل ایمان کیلئے نصیحت ہے کہ کوئی نسب کی وجہ سے دھوکہ نہ کھائے۔اس لئے کہ ایمان کے بغیرنسب کوئی فائدہ نہیں دے گا۔جہنم سے چھٹکاراپانے کیلئے ایمان اورعمل صالح ازحدضروری ہیں)۔

(آیت نمبر۲۱۵) اے محبوب اپنے تابعدارمومنوں کیلئے رحمت کے بازو پست کردیں۔یعنی ان پرنرمی فرمائیں ان کی غلطیوں سے درگذرفرمائیں۔ان کے ناپسندیدہ احوال سے چشم پوشی کریں ان سے اچھے اخلاق کابرتاؤ کریں ان سے کوتاہی ہوجائے تو معاف فرمادیں۔اگر چہ نبی پاک ﷺ پہلے ہی سے مومنوں پرمہربان تھے۔

فائدہ:یہ حکم صرف مومنوں کیلئے ہے۔فاسقوں منافقوں سے نرمی یاتواضع کی ضرورت نہیں۔

سبق :عقلمند پرلازم ہے کہ وہ بزرگوں کی صحبت اختیار کرے اعمال وافعال میں ان کی اتباع کرے۔بزرگوں کی صحبت سے کتاجنتی بن گیا۔انسان ان کی صحبت سے کیوں جنتی نہیں ہوگا۔مگر سچے دل سے ان کی صحبت اختیار کرے۔

فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢١٦﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى

تو اگر وہ نافرمانی کریں آپ کی تو کہہ دیں کہ میں بری ہوں اس سے جو تم کرتے ہو۔ اور بھروسہ کریں اوپر

الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿٢١٧﴾ الَّذِیْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿٢١٨﴾

عزت والے مہربان کے۔ وہ دیکھتا ہے تمہیں جب تم کھڑے ہوتے ہو۔

(آیت نمبر ٢١٦) اے محبوب اگر وہ تیری نافرمانی کریں۔ یعنی آپ کی برادری والے اطاعت سے نکل جائیں اور آپ سے عداوت ومخالفت کریں اور آپ کی اتباع نہ کریں۔ تو آپ ان سے فرمادیں کہ بے شک میں بری ہوں اس سے جو تم عمل کرتے ہو۔ یعنی تمہاری بت پرستی جیسے برے عمل سے سخت بیزار ہوں۔ البتہ آپ انہیں وعظ ونصیحت کرتے رہیں اور امید رکھیں کہ شاید وہ اطاعت کی طرف آجائیں اور آپ کی دعوت کو قبول کرلیں۔

(آیت نمبر ٢١٧) ہر حال میں بھروسہ اس غالب ذات پر کریں جو نہ کسی سے کمزور ہے اور نہ کسی کی دشمنی سے مغلوب ہوسکتا ہے۔ نہ اسے کوئی کمی واقع ہوتی ہے بلکہ وہ اپنے دشمنوں پر قہر وجبر کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور وہ رحیم بھی ہے ان لوگوں پر جو اس پر توکل کرتے ہیں۔ یعنی اپنے تمام امور اسی کے سپرد کرتے ہیں اور وہ انہیں فتح ونصرت عطا فرماتا ہے اس لئے کہ وہ ہمیشہ اپنے اولیاء کی مدد فرماتا ہے۔ اس جیسی کسی کو قدرت حاصل نہیں۔ اس لئے سب معاملات میں صرف اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

آپ کا پروردگار آپ کو اس وقت بھی دیکھتا ہے جب آپ سجدہ کرنے والوں میں چل پھر رہے ہوتے ہیں۔ تاکہ معلوم کریں کہ کس نے تہجد کی نماز ادا کی۔ ابتداء میں نماز تہجد ہی مسلمانوں پر پڑھنا فرض تھی۔ شب معراج تک صرف یہی نماز تھی۔ پھر پانچ نمازیں فرض ہونے کے بعد یہ نماز نفل ہوگئی۔

(آیت نمبر ٢١٨) وہ آپ کو دیکھتا ہے کیونکہ اس کا دیکھنا رحمت ہے۔ یعنی اس پر بھروسہ کریں جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ آدھی رات کے وقت تہجد کیلئے اٹھتے ہیں۔ یا نماز میں قیام کرتے ہیں تو وہ خصوصی طور پر نظر کرم فرماتا ہے۔

تہجد کی فضیلت: حضور ﷺ نے فرمایا۔ فرض نماز کے بعد افضل نماز تہجد کی نماز ہے۔ (٢) جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے کبھی بھی تہجد کی نماز قضا نہیں فرمائی۔ (٣) اگر تہجد کی نماز کسی وجہ سے رہ جاتی تو آپ دن کے وقت اس کی قضاء کرلیتے۔

وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿٢١٩﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٢٢٠﴾ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ

گھومتے ہو نمازیوں میں۔ بے شک وہ ہی سننے جاننے والا ہے۔ کیا بتاؤ تمہیں

عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ط ﴿٢٢١﴾

کہ کس پر اترتے ہیں شیطان۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۱۸) **نکتہ**: ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تہجد کی نماز انبیاء کرام علیہم السلام پر فرض تھی۔

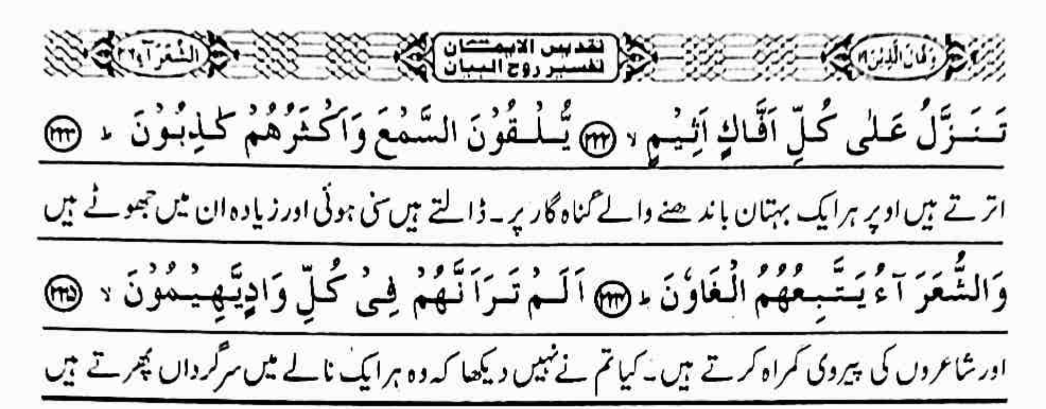
(آیت نمبر ۲۱۹) تقلب کا معنی یہ ہے کہ اے محبوب آپ جب رات کے وقت اپنے غلاموں کو دیکھنے کیلئے ان میں چل پھر رہے ہوتے ہیں۔ یعنی جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات کو نماز پڑھتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں چل پھر کر اور انہیں نماز میں دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ساجدین سے مراد وہ بزرگ ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جن کی پشتوں میں آتے رہے۔ چنانچہ آپ آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عبداللہ تک جن پشتوں میں منتقل ہوتے رہے۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ کرنے والے تھے۔ ان میں اکثر انبیاء کرام علیہم السلام تھے۔ **حدیث شریف**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں پاک صلبوں سے منتقل ہو کر پاک رحموں میں آتا رہا۔ یعنی ان میں کوئی بدکار نہیں ہوا۔ (خصائص کبریٰ، مواہب اللدنیہ)

تنبیہ: مسلمان پر فرض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف میں کسی قسم کی تنقیص نہ بیان کرے۔ ورنہ ایمان ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ (اس کے متعلق تفصیلات درکار ہوں تو فیوض الرحمان میں دیکھ لیں)۔

(آیت نمبر ۲۲۰) یعنی اللہ تعالیٰ سننے والا ہے۔ سب کی باتوں کو۔ یا اپنے بندوں کی دعاؤں کو سننے والا ہے۔ یا وہ خفیہ مناجات کو سننے والا ہے اور علیم یعنی وہ بندوں کے احوال کو یا ان کی مصلحتوں کو یا ان کے دلی ارادوں کو جاننے والا ہے۔

(آیت نمبر ۲۲۱) کیا تمہیں بتاؤں کہ شیطان کہاں آتے ہیں۔

فائدہ: یہ خطاب کفار مکہ کو ہے جو یہ کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں شیاطین حاضر ہوتے ہیں۔ اس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ شیاطین کس پر نازل ہوتے ہیں۔



تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۙ ﴿٢٢٢﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۭ ﴿٢٢٣﴾

اترتے ہیں اوپر ہر ایک بہتان باندھنے والے گناہ گار پر۔ ڈالتے ہیں سنی ہوئی اور زیادہ ان میں جھوٹے ہیں

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۭ ﴿٢٢٤﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۙ ﴿٢٢٥﴾

اور شاعروں کی پیروی گمراہ کرتے ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر ایک نالے میں سرگرداں پھرتے ہیں

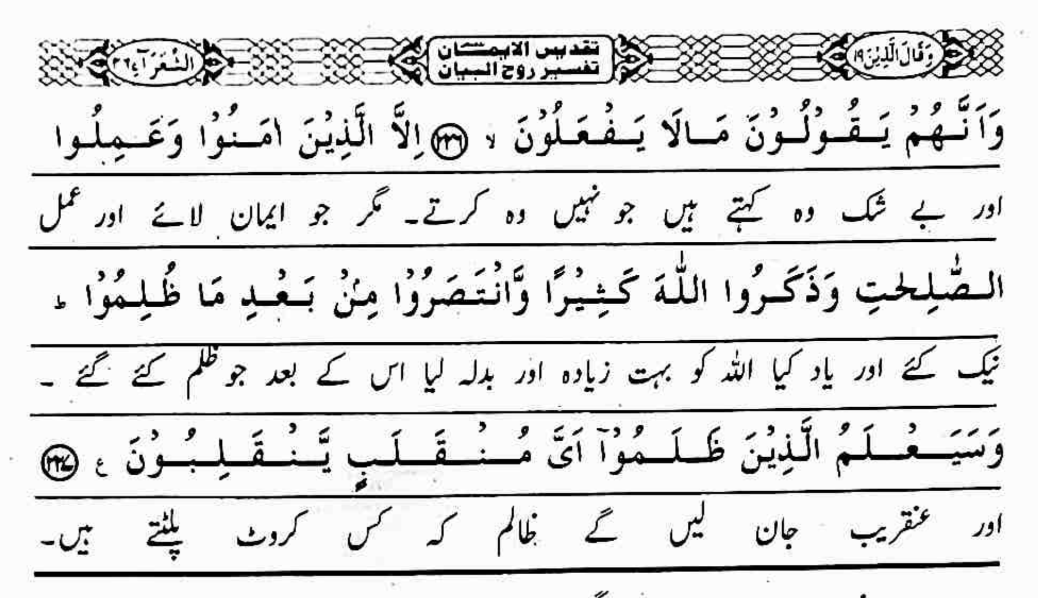
(آیت نمبر ۲۲۲) شیاطین ان لوگوں پر اترتے ہیں جو بہت بڑے بہتان لگانے والے۔ جھوٹے اور بہت زیادہ گناہ گار ہوں جیسے کاہن اور جھوٹی نبوت کے دعوے دار جیسے مسیلمہ کذاب وغیرہ یہ شیاطین کے خصوصی چیلے کذب وافتراء میں ماہر اور گمراہ گر ہیں۔

(آیت نمبر ۲۲۳) یہ بہتان لگانے والے گناہ گار شیطان کی طرف ہر وقت کان لگاتے ہیں۔ ان سے کچھ سن کر باقی کئی جھوٹ اس میں ملاتے ہیں اور ان کی اکثریت جھوٹوں کی ہے اور حضور ﷺ تو ایسے سچے ہیں جن کی سچائی غیروں میں بھی مسلمہ تھی۔ شیطانوں کا ادھر کہاں گذر ہوتا ہے۔ وہ اپنے مکار اشرار اور باطل لوگوں کے پاس جاتے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۲۴) اور شاعروں کی اتباع گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ **فائدہ:** چونکہ گمراہ لوگ گانے وغیرہ سننے کے عادی ہوتے ہیں۔ انہیں نہ قرآن حدیث سننا پسند نہ وعظ کو اچھا سمجھتے ہیں وہ شعروشاعری کے گرویدہ ہیں۔ **فائدہ:** یعنی نہ قرآن شعروں کی کتاب ہے۔ نہ حضور ﷺ شاعر ہیں نہ آپ کے غلاموں میں کوئی ہیں وہ تو دانائے زمانہ ہیں۔

شان نزول: کفار کے چند شعراء حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں اور اسلام کے خلاف شعروں میں ہرزہ سرائی کرتے تھے اور ان کے ساتھ کچھ بے وقوف جاہل اور پاگل لگے ہوئے تھے وہ مختلف جگہوں پر جاکر بک بک کرتے تھے۔ اور شعروں میں حضور ﷺ کی ہجو بیان کرتے۔ **فائدہ: شان حسان:** حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کیلئے مسجد نبوی میں ممبر رکھا جاتا۔ وہ اس پر بیٹھ کر مشرکوں کی ہجو کا ان کو خوب جواب دیتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہماری شعر گوئی انہیں تیروں کی طرح لگتی ہے۔ آگے فرمایا عنقریب ظالموں کو پتہ چل جائیگا کہ وہ کس کروٹ بدلتے ہیں۔ یعنی جب وہ جہنم کی وادی میں جائیں گے تو اس وقت انہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ عاقل پر لازم ہے کہ وہ ظلم وستم سے باز آئے ورنہ آخرت میں اس کا بہت برا انجام ہوگا۔

(آیت نمبر ۲۲۵) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک وہ جاہل و پاگل قسم کے شاعر ادھر ادھر کی وادیوں میں سرگرداں ہیں۔ ان کے شعروں میں مدح وذم، ہجو، جھوٹ، فحش، گالیاں، لعن وافتراء، جھوٹے دعوے اور فخر وغرور، حسد وریاکاری، بخل ولالچ یعنی گھٹیا اخلاق۔ نسب پر طعن یعنی گند ہی گند ہوتا ہے۔



وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ ۙ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اور بے شک وہ کہتے ہیں جو نہیں وہ کرتے۔ مگر جو ایمان لائے اور عمل

الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ

نیک کئے اور یاد کیا اللہ کو بہت زیادہ اور بدلہ لیا اس کے بعد جو ظلم کئے گئے ۔

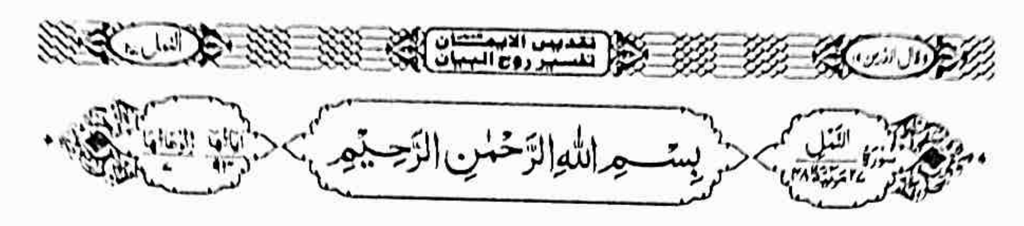
وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۠ ﴿۲۲۷﴾

اور عنقریب جان لیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹتے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۲۶) وہ اپنے اشعار میں ڈینگیں مارتے ہیں اور غلط سلط دعوے کرتے ہیں ایسی ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں جیسے اپنے آپ کو سخاوت میں حاتم طائی ظاہر کرتے ہیں حالانکہ وہ بخیل پرلے درجے کے ہیں اور حضور ﷺ کی گفتگو ان باتوں سے پاک صاف ہے۔

(آیت نمبر ۲۲۷) مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کیا۔ یعنی ایسے لوگ اگر شعر کہتے بھی ہیں تو ان میں توحید کا بیان ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی ثناء اور اس کی اطاعت کی ترغیب بیان ہوتی ہے اور ان میں حکمت و نصیحت ہوتی ہے۔ اور زہد فی الدنیا اور ترغیب الی الآخرۃ کا بیان ہوتا ہے اور انہوں نے بدلہ لیا مشرکین سے اس کے بعد کہ جب ان پر ظلم ہوا۔ یعنی مشرکین جب شعروں میں حضور ﷺ کی یا مسلمانوں کی ہجو بیان کرتے تو اس کی جوابی کارروائی میں حضرت حسان بن ثابت۔ کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ ان کی ہجو کا منہ توڑ جواب دیتے تھے۔ اور ان کے اعتراضات کے خوب جواب دیتے تھے۔ تو گویا وہ بدلہ لیتے ہیں مشرکین سے ورنہ انہیں کوئی شعروں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ بھی گویا مشرکوں سے زبان کے ساتھ جہاد کرتے تھے۔ آگے فرمایا کہ عنقریب ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس کروٹ لیٹتے ہیں۔ یاد رہے ظلم عدالت کی ضد ہے۔ یعنی حق سے تجاوز کرنا۔ ظلم تین قسم ہے: (۱) ظلم عظیم: یعنی وہ کام کیا جائے جو شریعت کے خلاف ہو۔ (۲) ظلم اوسط: جو بادشاہ کے حکم کو ضروری نہ سمجھے۔ (۳) جو لوگوں سے فائدہ حاصل کرے اور انہیں فائدہ نہ پہنچائے۔ سبق عقل مند پر لازم ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وعید پر کان لگا کر غور سے سنے اور ظلم و زیادتی سے باز آئے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ظلم و زیادتی سے پناہ مانگتے ہیں۔

اختتام سورۃ ۲۶ مئی ۲۰۱۶ء بمطابق ۱۹ شعبان بروز جمعرات



طٰسٓ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ ① هُدًى وَّبُشْرٰى

یہ آیتیں ہیں قرآن اور کتاب کی جو واضح ہیں۔ ہدایت اور بشارت ہے

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ ② الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ

مسلمانوں کیلئے ۔ جو قائم کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ

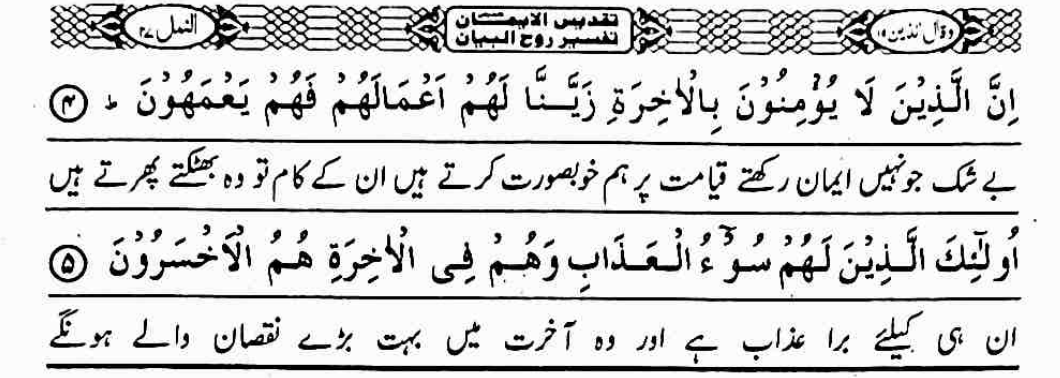
بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ③

آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔

(آیت نمبر۱) طٰسٓ حروف مقطعات سے ہے۔اس کی حقیقی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا اس نے جسے سکھایا ہو وہ جانتا ہے۔اس عظیم الشان سورۃ میں قرآنی آیات ہیں اور کتاب بڑی شان والی جو حکمتوں اور حکموں اور آخرت کے امور کو بیان کرنے والی ہے۔یعنی یہ کتاب باقی آسمانی کتابوں سے ممتاز ہے۔ بلکہ ان سب کی جامع ہے۔

(آیت نمبر۲) ان آیات میں اہل ایمان کیلئے راہنمائی اور خوشخبری ہے۔یعنی ایمان والوں کے ایمان میں تقویت پیدا کرتی ہے۔(یا ہدایت کے اعلیٰ درجات کی طرف راہنمائی کرتی ہے) اور اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت ملنے کی بشارت دیتی ہے۔نیز ان آیات سے صحیح مفید اہل ایمان ہی ہوئے ہیں۔ جو ان کی تلاوت کر کے ان پر عمل کرتے ہیں

(آیت نمبر۳) اور وہ اہل ایمان نماز ادا کرتے ہیں اس کی شرائط اور ارکان کے ساتھ اور زکوٰۃ جو صدقہ فریضہ ہے وہ مستحقین کو دیتے ہیں۔ **فائدہ:** اسلام کے یہ دو اہم شعبے ہیں بلکہ تمام عبادات ان ہی کے تابع ہیں۔آگے فرمایا کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔یعنی وہ یقین رکھتے ہیں کہ قیامت ضرور قائم ہوگی۔اس پر انہیں کامل یقین ہے۔اسی وجہ سے وہ زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرتے ہیں۔کہ آخرت کے ڈر کی وجہ سے وہ مشکل سے مشکل عبادات بھی کر لیتے ہیں۔ کیونکہ جب بندے کو یہ یقین ہو جائے کہ ایک دن میرا حساب ہونے والا ہے۔تو پھر وہ نماز روزے میں سستی نہیں کرتا۔



اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۴﴾

بے شک جو نہیں ایمان رکھتے قیامت پر ہم خوبصورت کرتے ہیں ان کے کام تو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۵﴾

ان ہی کیلئے برا عذاب ہے اور وہ آخرت میں بہت بڑے نقصان والے ہونگے

(آیت نمبر۴) بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی تصدیق نہیں کرتے۔ تو شیطان ان کے کرتوتوں کو خوبصورت بنادیتے ہیں یعنی ان کے برے اعمال شہوت وغیرہ کو ان کے لئے بہترین بنا کر دکھاتے ہیں تو وہ انہیں بہت اچھے لگتے ہیں۔ بلکہ گمراہ عقائد بھی خوبصورت بنا کر دکھاتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہنم کو شہوات وخواہشات نے گھیرا ہوا ہے (بخاری کتاب الرقاق)۔ یعنی جو ان خواہشات وشہوات کا پجاری ہے وہ سیدھا جہنم میں جانے والا ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ ان برے کاموں میں سرگرداں ہیں۔ انہیں اچھے اعمال کی طرف سوچ بھی نہیں آتی۔ وہ ہر وقت برے اعمال میں لگے رہتے ہیں۔ یا برے اعمال کی نحوست انہیں اچھے اعمال کی طرف آنے ہی نہیں دیتی۔

(آیت نمبر۵) ان ہی لوگوں کیلئے برا عذاب تیار کیا گیا ہے اور وہ آخرت میں بہت بڑے خسارے والے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے ہدایت دے کر گمراہی خریدی لہذا وہ جنت اور اس کی نعمتوں سے محروم ہو گئے۔ بلکہ جہنم سے نجات بھی ان کی نہیں ہوگی۔ یعنی وہ کبھی بھی اس سے نہیں نکل سکیں گے۔ **فائدہ:** دنیا سے محبت آخرت میں خسارے کا سبب ہے اور صرف جنت کا محبّ دیدار سے محروم اور جو دونوں جہانوں کی طرف نہ دیکھے وہ مولیٰ کے دیدار سے مشرف ہوگا۔ **سبق:** عاقل پر لازم ہے وہ برے اعمال سے بچ کر رہے۔ یعنی وہ اعمال جو دل کو سیاہ کرنے والے اور آخرت میں ہلاک کرنے والے ہیں۔ ان سے دور رہے۔ اور گھٹیا اخلاق سے بھی کنارہ کش رہے اور قرآن پاک پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرے۔ اور اچھے اخلاق اپنائے۔

عارفین کا حال: ایک عارف فرماتے ہیں۔ کہ مجھے عبادت کے دوران چالیس حوریں دکھائی گئیں۔ جو ہوا میں جا رہی تھیں۔ جو حسن وجمال کی پیکر سونے اور چاندی اور لعل وجواہر سے لدی ہوئی تھیں۔ اور مجھے کہا گیا کہ ان کی طرف دیکھیں۔ فرماتے ہیں میں سجدے میں پڑ گیا۔ اور عرض کی۔ یا اللہ میں صرف تجھے ہی چاہتا ہوں۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴿٦﴾ اِذْ قَالَ مُوْسٰى

اور بے شک آپ کو القا ہوا قرآن اس کی طرف سے جو حکمت والا علم والا ہے۔ جب کہا موسیٰ نے

لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ

اپنے گھر والوں سے مجھے محسوس ہوئی آگ۔ جلد لاؤں گا تمہارے پاس وہاں سے خبر یا لے آتا ہوں چنگاری

قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿٧﴾

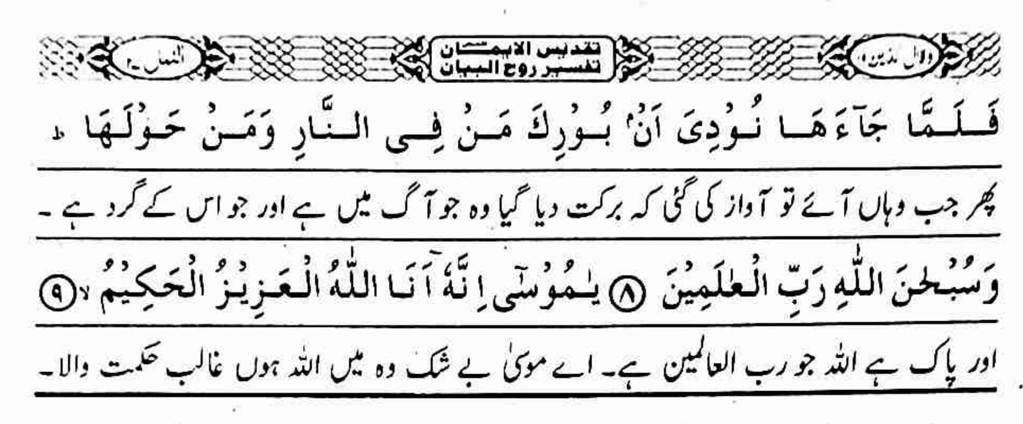
چمکتی ۔ تاکہ تم تاپ لو۔

(آیت نمبر ٦) اے محبوب بے شک آپ نے قرآن حاصل کیا۔ اس ذات کی طرف سے جو حکیم بھی ہے اور علیم بھی یعنی وہ بہت بڑی حکمت والا اور بہت بڑے علم والا ہے۔ **فائدہ**: حضور ﷺ نے ہی قرآن پاک کو پورے طور پر سمجھا اور اس کے علوم کو مکمل طور پر احاطہ میں لیا۔ اس قرآن پاک کے دقیقہ دان بھی حضور ہی ہیں۔ اس لئے کہ آپ نے یہ علوم قرآنی اس علیم وحکیم ذات سے براہ راست حاصل کئے۔ جس کے علم وحکمت کا کوئی کنارہ نہیں۔

حضور ﷺ کی شان: امام نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اشارہ ہے کہ اے پیارے حبیب ﷺ آپ میں تمام رسولوں کے کمالات ہیں اور آپ کمالات میں ہر کمال سے آگے نکل گئے اس لئے کہ پہلے رسول جبریل کے ہاتھ سے کتاب وصول کرتے تھے اور آپ کے متعلق ارشاد ربانی ہوا کہ ہم قرآن پاک آپ کے دل میں جمع کرتے ہیں۔ یعنی آپ کے قلب مبارک پر اللہ تعالیٰ براہ راست تجلی ڈالتا ہے جس سے آپ کا قلب مبارک قرآنی حکمتوں سے لبریز ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا واسطہ فیض قرآن کے قبول کرنے کی استعداد بخشی ہے۔ اسی کو علم لدنی کہا جاتا ہے۔ (اگرچہ جبریل علیہ السلام وحی لاتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس وحی کو حضور ﷺ کے دل میں مضبوط فرما دیتا ہے)۔

(آیت نمبر ۷) اے محبوب وہ وقت یاد کریں کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ اور دیگر ساتھ والوں سے فرمایا۔

واقعہ: حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس دس سال گذارنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے واپس مصر جانے کا پروگرام بنایا تو اپنی اہلیہ جو شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں انہیں اور ایک بچہ ساتھ لیکر روانہ ہوئے تاکہ مصر میں اپنی والدہ ماجدہ اور دیگر خاندان سے ملاقات کرآئیں۔ راستے میں رات آگئی۔ سردی بھی سخت اور اندھیرا بھی سخت تھا۔ اس وقت آپ کو طور پر کچھ روشنی دکھائی دی تو آپ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا۔



فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ

پھر جب وہاں آئے تو آواز کی گئی کہ برکت دیا گیا وہ جو آگ میں ہے اور جو اس کے گرد ہے۔

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸﴾ یٰمُوْسٰۤی اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۹﴾

اور پاک ہے اللہ جو رب العالمین ہے۔ اے موسیٰ بے شک وہ میں اللہ ہوں غالب حکمت والا۔

(بقیہ آیت نمبر ۷) تم یہاں ٹھہرو میں نے آگ محسوس کی ہے۔ مقاتل کہتے ہیں۔ وہ نور الٰہی تھا۔ جو نار کی صورت میں نظر آیا۔ فرمایا میں وہاں سے راستہ کے بارے میں تحقیق کر آؤنگا کہ ہم ٹھیک جارہے ہیں۔ یا نہیں۔ یا پھر آگ کی چنگاری لے آؤنگا تا کہ تم سردی سے گرم ہو جاؤ یعنی اگر کوئی وہاں ہوا تو اس سے راستہ کے بارے میں معلوم کروں گا اگر کوئی نہ ہوا تو آگ تو وہاں سے لیتا آؤں گا۔ تا کہ اس سخت سردی میں کچھ گرم ہولیں۔

(آیت نمبر ۸) پس جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ والی جگہ پر آئے تو وہاں پر ہر طرف نور ہی نور تھا۔ جو ایک درخت سے نکل رہا تھا۔ وہاں سے آواز آرہی تھی کہ برکت دی گئی اسے جو آگ میں ہے۔ یعنی وہ مقام بھی بابرکت اور اس کا ماحول بھی بابرکت ہے۔

فائدہ: یہاں اردگرد سے مراد شام کے علاقے ہیں جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے مقامات اور مراکز ہیں۔

فائدہ: اصل میں یہ موسیٰ علیہ السلام کیلئے بشارت تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے ذمہ بہت بڑا کام لگایا جارہا تھا جس کی برکات زمین کی چاروں طرف پھیلیں گی۔ یاد رہے جس جگہ مشاہدہ حق اور کلام الٰہی نصیب ہو وہ جگہ یقیناً سب سے زیادہ بابرکت ہوتی ہے۔ **فائدہ**: اللہ والے جہاں بھی قدم رکھیں وہ جنگل ہو یا پہاڑ وہ جگہ بابرکت ہو جاتی ہے۔ **فائدہ**: عارفین کہتے ہیں وہاں نور الٰہی ہر طرف جگمگا رہا تھا اور مفسرین کا خیال ہے اس سے مراد فرشتوں کا نور ہے اگر اللہ تعالیٰ کا نور بھی ہو تو وہ بادشاہ ہے جس رنگ میں چاہے آسکتا ہے۔ آگے فرمایا۔ پاک ہے وہ ذات جو رب العالمین ہے۔

(آیت نمبر ۹) منقول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے پہلی آواز سنی تو آپ حیران ہوئے کہ یہ آواز کہاں سے آرہی ہے۔ اس کے بعد دوسری آواز آئی۔ اے موسیٰ بے شک شان یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں۔ جو غالب بھی اور حکمت والا بھی ہوں اپنی قدرتوں کا مالک ہوں جو کام کسی سے کرنا ناممکن ہوں وہ میں کر دکھاتا ہوں بڑی حکمت اور تدبیر سے کام کو سرانجام دیتا ہوں بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے وہ کلام ایک درخت سے سنا لیکن یہ جہت برائے سماع موسیٰ علیہ السلام ہے نہ کہ کلام الٰہی کیلئے۔

وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا

اور ڈال دے اپنی لاٹھی۔ پھر جب دیکھا تو وہ حرکت میں ہے گویا کہ وہ سانپ ہے مڑے پیٹھ پھیر کر

وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَىَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۖ (۱۰)

اور مڑ کر بھی نہ دیکھا اے موسیٰ نہ ڈر۔ بے شک نہیں ڈرتے میرے ہاں رسول ۔

(بقیہ آیت نمبر۹) **فائدہ**: یہ بات کہ موسیٰ علیہ السلام کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کلام فرما رہا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے موسیٰ علیہ السلام میں علم ضروری پیدا فرمایا۔جس کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے جان لیا کہ یہ جو کچھ میں سن رہا ہوں یہ کلام الٰہی ہے اور وہ ازلی اور قدیم ہے۔اس کا کلام حروف اور اصوات کے بغیر ہے اور اس کیلئے کوئی جہت بھی مخصوص نہیں ہے۔موسیٰ علیہ السلام نے وہ کلام جہات ستہ یعنی سب طرفوں سے سنا اور آپ کا تمام جسم بمنزلہ کان کے ہو گیا اور ان شاء اللہ آخرت میں بھی یوں ہی ہوگا۔

(آیت نمبر۱۰) فرمایا اے موسیٰ اپنی عصا کو نیچے ڈال دے تو موسیٰ علیہ السلام نے فوراً اپنی لاٹھی نیچے ڈال دی۔اس لاٹھی کا زمین پر گرنا تھا کہ وہ اچانک سانپ بن گئی تو جب جناب موسیٰ علیہ السلام نے اس کی طرف دیکھا کہ وہ بہت تیزی سے حرکت کر رہا ہے اور ادھر ادھر دوڑ رہا ہے گویا کہ وہ سانپ ہے۔

فائدہ: جان سانپوں کی وہ قسم ہے جو جنگلوں میں رہتے ہیں اور کسی کو تکلیف نہیں دیتے۔

فائدہ: ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ طور پر جان کی شکل بنا اور فرعون کے پاس ثعبان یعنی اژدھا کی شکل میں بنا۔ **فائدہ**: صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ تھا کہ سہارا صرف رب کی ذات پر کیا جائے۔اس کے سوا سب سہاروں کو پھینک دیا جائے چنانچہ سانپ دیکھتے ہی موسیٰ علیہ السلام پیچھے کی طرف مڑ گئے۔یا پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹ گئے اور ادھر مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

فائدہ: چونکہ موسیٰ علیہ السلام پر بہ تقاضا بشریت خوف طاری ہو گیا (لاٹھی سے یہ کیفیت پہلی مرتبہ دیکھی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی اے موسیٰ خوف نہ کر۔میرے ہوتے کس کا ڈر ہے۔میرے پیغمبر کسی چیز سے ہرگز نہیں ڈرتے کیونکہ میرے ہاں وہ میری ذات میں مستغرق ہوتے ہیں۔ماسوی اللہ کی طرف ان کا کوئی دھیان نہیں ہوتا۔اس لئے جب وہ اپنے دل میں خوف خدا رکھتے ہیں۔پھر ان کے دل سے باقی سب خوف نکل جاتے ہیں۔

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًاۢ بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱﴾

مگر جس نے گناہ کیا پھر بدل دیا بھلائی سے برائی کو تو بے شک میں بخشنے والا مہربان ہوں۔

وَاَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ فِیْ تِسْعِ

اور ڈالیں اپنا ہاتھ گریبان میں نکلے گا سفید ہو کر بے عیب۔

اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۱۲﴾

نو نشانیاں طرف فرعون اور اس کی قوم کے۔ بے شک ہیں وہ قوم فاسقوں کی۔

(آیت نمبر۱۱) مگر جس سے کوئی لغزش ہوئی جیسے آدم علیہ السلام نے دانہ کھالیا پھر پڑھا: "ربنا ظلمنا انفسنا" پھر اس لغزش کے بعد نیکی کی یعنی توبہ کر لی تو بے شک میں بخشنے والا مہربان ہوں یعنی توبہ کرنے والوں کو بخش دیتا ہوں پھر ان پر خصوصی شفقت و رحمت بھی کرتا ہوں۔

عصمت انبیاء : اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہ ہوتا ہے یا نہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مختار مذہب اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ ان سے بحالت نبوت گناہ کا صدور نہیں ہوتا۔ نہ صغیرہ نہ کبیرہ۔ البتہ ان کا اعلیٰ کام کو چھوڑنا بھی صغیرہ گناہ کی طرح ہے جیسے بزرگوں کا مقولہ ہے کہ ابرار کی حسنات بھی مقربین کی سیئات ہوتی ہیں۔

انوکھا استدلال : مجتہد جب اجتہاد کرتا ہے تو اس کا اعتقاد عصیان کی طرف نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا مقصد اظہار حق ہوتا ہے خواہ اس کے اجتہاد میں خطا بھی ہو جائے تب بھی وہ گنہگار نہیں ٹھہرتا۔ اس لئے کہ وہ اپنے اجتہاد میں مشروع کام کا مرتکب ہوا۔ جب اسے اپنے اجتہاد کی خطا معلوم ہوئی تو وہ اس خطا پر توبہ کرے تو گناہ گار نہیں ہو رہا۔

(آیت نمبر۱۲) اور داخل کریں اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں چونکہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام پیراہن پہنے ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھ کھلے ہوئے تھے۔ اس لئے فرمان الٰہی ہوا کہ اپنے پیراہن میں ہاتھ ڈالیں تو وہ سفید نورانی ہو کر نکلے گا سورج کی طرح روشن ہوگا۔ برص وغیرہ کی بیماری وغیرہ سے مبرا ہوگا۔ مزید معجزات جن کی تعداد نو ہے۔ وہ لیکر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جائیں۔ بے شک وہ فاسقوں کی قوم ہیں۔ یعنی فرعون اور اس کی قوم کفر و سرکشی میں حد سے بہت تجاوز کر گئے ہیں۔ (فسق کا لفظ بعض دفعہ کفر کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے)۔

فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ اٰيٰتُنَا مُبۡصِرَةً قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۳﴾

تو جب آئیں فرعونیوں کے پاس نشانیاں صاف نظر آنے والیں تو بولے یہ جادو ہے کھلا۔

وَجَحَدُوۡا بِهَا وَاسۡتَيۡقَنَتۡهَاۤ اَنۡفُسُهُمۡ ظُلۡمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانۡظُرۡ

اور انکار کیا انہوں نے اس کا حالانکہ یقین تھا ان کے دلوں میں پھر بھی انکار ظلم اور سرکشی سے کیا۔ پھر دیکھ

كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۱۴﴾

کیسا ہوا انجام فسادیوں کا۔

(بقیہ آیت نمبر۱۲) **نو معجزے**: (۱) عصا۔ (۲) ید بیضاء۔ (۳) جنگلوں میں سبزی وشادابی۔ (۴) کفار کے لئے قحط۔ (۵) طوفان۔ (۶) ٹڈی۔ (۷) جوئیں۔ (۸) مینڈک۔ (۹) خون۔

(آیت نمبر۱۳) تو پھر جب ہماری آیات ان کے پاس آگئیں وہ نو معجزات جو موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر قوم فرعون کے پاس آئے۔ اور وہ معجزات موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ظاہر ہوئے۔ اس حال میں کہ وہ ظاہر باہر نظر آنے والے تھے۔ یعنی وہ نشانیاں اتنی واضح اور روشن تھیں کہ دیکھنے والے کو کوئی اشتباہ نہیں رہتا لیکن فرعونیوں نے معجزات کو دیکھ کر کہا کہ یہ جادو ہے ظاہر باہر۔ یعنی اسے تمام فرعونیوں نے ہٹ دھرمی سے جادو کہہ دیا۔ حالانکہ وہ معجزہ تھا۔

(آیت نمبر۱۴) تو انہوں نے بجائے ماننے کے الٹا اس کی تکذیب کی اور ان کا معجزہ ہونے سے انکار کر دیا ہے یعنی جانتے تھے کہ یہ معجزہ ہے لیکن سرکشی کے ساتھ انکار کیا کیونکہ ان کے دل یقیناً گواہی دیتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام واقعی نبی ہیں اور جو کچھ دکھا رہے ہیں وہ معجزہ ہے اللہ کی نشانیاں ہیں یہ جادو نہیں ہے۔

فائدہ: ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بھی کسی مصیبت میں پھنس جاتے تو فوراً موسیٰ علیہ السلام سے آ کر فریاد کرتے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے یہ مصیبت دور کرا دیں۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جانتے تھے کہ واقعی موسیٰ علیہ السلام نبی ہیں اور جو کچھ دکھاتے ہیں یہ معجزہ ہے) لہٰذا ان کا انکار کرنا ظلم اور تکبر سے تھا۔ اے محبوب دیکھ پھر فسادیوں کا کیسا انجام ہوا کہ دریا میں غرق ہو کر مرے اور آخرت میں جہنم کے اندر جائیں گے۔ یعنی دنیا بھی برباد اور آخرت میں بھی ہمیشہ کی ذلت ورسوائی۔ صاحب فضیلت وہ انسان ہے جو عالی ہمت ہو۔ حق پر چلنے والا ادب وعقل والا۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع کردہ باتوں اور برے انجام سے بچے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا

اور تحقیق دیا ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم۔ اور دونوں نے کہا ہر تعریف اللہ کیلئے جس نے ہمیں فضیلت دی

عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾

اوپر بہت سارے اپنے مسلمان بندوں کے۔

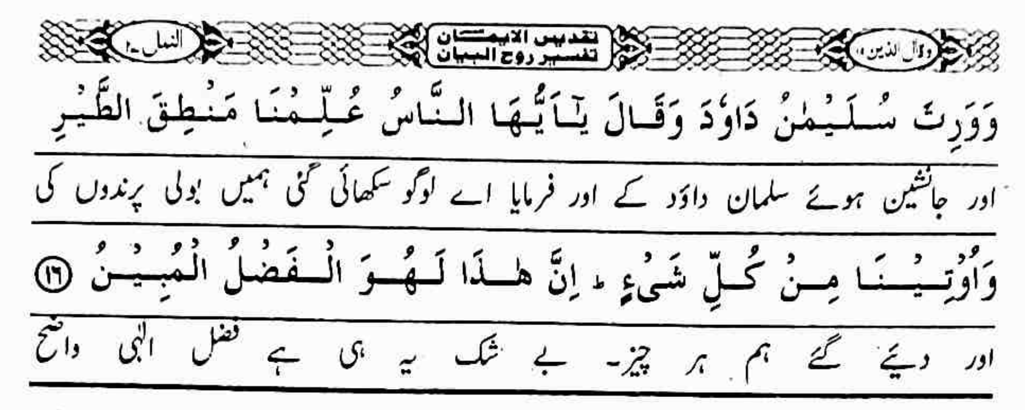
(آیت نمبر ۱۵) اور البتہ تحقیق ہم نے داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو علم کا بڑا حصہ عطا کیا۔ جس میں شرعی احکام ملکی احکام اور وہ جو ان کے لائق تھے انہیں عطا کئے۔

فائدہ: حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس صاحبزادے تھے۔ ان میں چھوٹے اور سب سے لائق فائق جناب سلیمان علیہ السلام تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے علم وحکومت کا وارث بنایا۔

سات انبیاء علیہم السلام کے بے مثال علوم:

آدم علیہ السلام کو اسماء کا علم دے کر فرشتوں سے ان کو تعظیمی سجدہ کرایا گیا۔ (۲) جناب خضر علیہ السلام کو علم لدنی دے کر موسیٰ علیہ السلام کو ان کی خدمت میں بھیجا گیا۔ (۳) یوسف علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر کا علم دے کر مصر کی شاہی عطا کی۔ (۴) داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانے کا علم دے کر ریاست عطا کی۔ (۵) سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولی کا علم دے کر ملکہ بلقیس کا تخت قدموں میں لا کر رکھ دیا۔ (۶) جناب عیسیٰ علیہ السلام کو توراۃ وانجیل اور حکمت کے علوم عطا فرما کر آسمانوں تک بلندی عطا فرمائی۔ (۷) اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (علوم اولین وآخرین) کے ساتھ علم توحید علم شرائع دیئے اور امت کی شفاعت کا حق عطا کیا۔

داؤد علیہ السلام: یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے یہودا کی اولاد سے ہوئے۔ طالوت کے بعد تمام بنی اسرائیل نے متفقہ طور پر انہیں بادشاہ مقرر کیا۔ انتہائی پرسکون ماحول میں سلطنت کی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر زبور کتاب نازل ہوئی۔ لیکن اکثر اعمال کی ادائیگی توراۃ کے مطابق کرتے تھے۔ اس لئے کہ زبور میں صرف عقائد ومواعظ تھے اور اوامر ونواہی نہیں تھے۔ باپ بیٹے دونوں نے کہا۔ الحمد للہ یعنی اللہ کے دیئے ہوئے علم پر اس کا شکریہ ادا کیا کہ سب تعریفیں اس اللہ کیلئے جس نے ہمیں یہ فضیلت عطا کی۔ ان بہت سارے بندوں پر جو مومن ہیں۔



وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ

اور جانشین ہوئے سلمان داؤد کے اور فرمایا اے لوگو سکھائی گئی ہمیں بولی پرندوں کی

وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

اور دیئے گئے ہم ہر چیز۔ بے شک یہ ہی ہے فضل الٰہی واضح

(بقیہ آیت نمبر ۱۵) **فائدہ:** علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ واؤ عاطفہ لانے میں اشارہ ہے کہ عطاء الٰہی کے مقابلے میں دونوں حضرات کا حمد وشکر کرنا ایک دوسرے سے بڑھا ہوا شکرانہ تھا۔ اس لئے کہ اس کی کسی ایک نعمت کا شکرانہ بھی ہمارے لاکھوں بار حمد وشکر کرنے سے بھی پورا ادا نہیں ہو سکتا۔ **فائدہ:** اور الکثیر سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس طرح کے علوم سے نوازے گئے۔ اس سے دولتمند لوگ مراد نہیں۔ غیر مومنین تو ویسے ہی اس سے نکل گئے۔

علم اور علماء کی فضیلت : یہ آیت علم وعلماء کی فضیلت اور برتری پر واضح دلیل ہے کہ دونوں نبیوں نے علم کے ملنے پر شکریہ ادا کیا۔ ورنہ مال ودولت کا تو ان کے ہاں حساب ہی نہیں تھا۔ اس میں علماء کو بھی تحریض ہے کہ وہ علمی دولت پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا کریں۔

علم عمل سے افضل ہے : حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ سب سے افضل عمل کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور دین میں فقاہت۔ اس نے پھر عمل کے متعلق پوچھا تو آپ نے پھر یہی جواب دیا۔ کئی بار کہنے کے بعد اس نے کہا میں عمل کے بارے پوچھتا ہوں آپ علم کی بات کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا۔ علم کے ساتھ تھوڑا سا بھی عمل فائدہ دے گا۔ اور زیادہ عمل جہالت کے ساتھ ہوا تو وہ تجھے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

(آیت نمبر ۱۶) داؤد علیہ السلام کے وصال مبارک کے بعد علم ونبوت اور ملک صرف سلیمان علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا۔ سلیمان علیہ السلام کے باقی بھائیوں کو یہ وراثت نہیں ملی۔ انبیاء کی وراثت کا علم ہے۔ **فائدہ:** یہاں وراثت کا لفظ مجازاً بولا گیا۔ اس سے شیعہ حضرات کا اعتراض جو باغ فدک کے بارے میں ہے وہ اٹھ گیا۔

داؤد علیہ السلام کی اولاد: کاشفی مرحوم فرماتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کے انیس صاحبزادے تھے۔ سب شاہی کے خواہاں تھے تو آسمان سے داؤد علیہ السلام کے پاس ایک مکتوب آیا جس میں چند سوال تھے اور اس پر لکھا تھا کہ آپ کی اولاد میں سے جو ان سوالات کا صحیح جواب دے۔ وہی تمہارا جانشین ہوگا۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور جمع کئے گئے سلیمان کیلئے لشکر ان کے جنوں اور انسانوں اور پرندوں سے پھر وہ روکے گئے

(بقیہ آیت نمبر ۱۶) داؤد علیہ السلام نے سب بیٹوں کو بلا کر علماء ومشائخ کی موجودگی میں وہ سوالات کئے تو سب نے جواب دینے سے معذرت کر لی اور سلیمان علیہ السلام نے ان سب کا صحیح صحیح جواب دیا تو اس وقت تمام اکابر علماء ومشائخ کی موجودگی داؤد علیہ السلام نے شاہی تاج سلیمان علیہ السلام کے سپرد کر دیا۔ اور دوسرے ہی دن داؤد علیہ السلام کا وصال ہو گیا تو جناب سلیمان علیہ السلام نے تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کہ اے لوگو مجھے پرندوں کی بولیاں سکھائی گئیں۔

فائدہ: سلیمان علیہ السلام صرف پرندوں کی نہیں بلکہ دیگر جانوروں کی بولیاں بھی جانتے تھے۔ جیسے آپ چیونٹی کی بات سن اور سمجھ کر ہنس پڑے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ نے فرمایا جب پرندے بولتے ہیں تو ہم ان کی مراد کو سمجھ جاتے ہیں اور پرندوں کی بھی ہر جماعت کی الگ الگ بولی ہے (پرندوں کی بولیاں جاننے کیلئے فیوض الرحمان کا مطالعہ کر لیں)۔

آگے فرمایا کہ ہمیں ہر چیز دی گئی۔ ہر چیز سے مراد کثرت اشیاء ہے۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہماری ہر ضرورت کی چیز ہمیں دی گئی اور کشف الاسرار میں ہے۔ کل شیء سے مراد ملک ونبوت اور کتاب۔ ہواؤں کا مسخر ہونا اور جن وشیاطین پر تسلط جانوروں پرندوں وغیرہ کی بولیاں سمجھنا۔ دنیا کا سارا ساز وسامان۔ آگے فرمایا۔ بے شک یہ مذکورہ اشیاء اور عطاء الٰہی کا یہ کھلا مکھلا واضح ثبوت اور اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے۔

(آیت نمبر ۱۷) اور سلیمان علیہ السلام کیلئے لشکر اکٹھے کئے گئے جس میں جن۔ انسان اور پرندے بھی شریک تھے۔ یہ اس وقت ہوتا جب آپ کسی جنگ وغیرہ کی مہم کیلئے نکلتے تو تمام اجناس کی جماعتیں ترتیب دینے کیلئے انہیں اپنے اپنے درجے پر تیار کیا جاتا تھا۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے۔ فارس کے شہروں میں سے اصطخر ایک شہر ہے جو آپ کا دارالخلافہ تھا۔ وہاں ہی جن وانس اور پرندا کٹھے کئے جاتے تھے۔ پھر ان کی جماعتیں بنانے کیلئے انہیں روکا جاتا تاکہ تمام لشکر اکٹھے ہو کر روانہ ہوں اور انتشار سے بچیں کیونکہ بہت بڑے لشکر انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں۔

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا

یہاں تک کہ جب آئے اوپر چیونٹیوں کی وادی کے تو کہا ایک چیونٹی نے اے چیونٹیو داخل ہو جاؤ

مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾

اپنے بلوں میں۔ کہیں کچل نہ دیں تمہیں سلیمان اور ان کا لشکر اور انہیں خبر نہ ہو۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۷) **فائدہ:** جناب سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں ہر جنس کو علیحدہ علیحدہ ایک افسر روکنے والا مقرر تھا جو انہیں منتشر ہونے سے روکے۔ جناب سلیمان علیہ السلام کا لشکر لاکھوں کی تعداد میں ہوتا۔ مگر کیا مجال ہے کہ کوئی ایک چیز بھی آگے پیچھے یا بے ترتیب ہو سب نظم و ضبط میں تسبیح کے دانوں کی طرح ایک دوسرے سے منسلک رہتے۔

(آیت نمبر ۱۸) یہاں تک کہ چیونٹوں کی وادی پر آئے۔ یعنی لشکر چلتے چلتے چیونٹیوں کی مقام کے قریب پہنچا تو ایک چیونٹی نے باقیوں سے کہا او چیونٹیو اپنے بلوں میں جا کر گھس جاؤ چونکہ وہ چیونٹیوں کی سردار تھی۔ اس نے اپنے لشکر سے کہا کہ سلیمان علیہ السلام کا لشکر آ رہا ہے کہیں وہ تمہیں پاؤں کے نیچے روند نہ ڈالیں۔ اس لئے جلدی اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہ کہیں وہ لاشعوری طور پر تمہیں نیست و نابود نہ کر دیں۔

چیونٹی کا فہم: باقی حیوانوں سے یہ زیادہ سمجھدار ہے وہ سردی کا موسم آنے سے پہلے اپنا اناج اکٹھا کر لیتی ہے وہ اناج کو ٹکڑے کر دیتی ہے ورنہ وہ اُگ آتا ہے اگر دانے گیلے ہو جائیں تو دھوپ میں لے جاتی ہے تاکہ خشک ہو جائیں۔

امام اعظم کی بچپن میں ذہانت: حضرت امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کی جامع مسجد میں تشریف لائے۔ تو کثیر تعداد مسلمانوں کی ملنے آئی۔ تو انہوں نے دوران گفتگو فرمایا۔ آج جو چاہو تم پوچھو۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بچپنے کا دور تھا۔ آپ بھی وہاں موجود تھے۔ ادب کی وجہ سے خود نہیں بولے ایک بزرگ سے کہا۔ ان سے پوچھو۔ سلیمان علیہ السلام والی چیونٹی نر تھی یا مادہ۔ انہوں نے پوچھا تو حضرت قتادہ خاموش ہو گئے۔ کچھ سمجھ نہ آیا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا وہ مادہ تھی۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (قالت نملة) اگر نر ہوتا تو (قال نملة) کہا جاتا۔ اور آگے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام ہنس پڑے (من قولها) اس کی بات سے۔ اگر نر ہوتا تو (قوله) ہوتا۔

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ

تو مسکرا کر ہنس دیئے اس کی بات سے اور فرمایا میرے رب مجھے ہمت دے کہ میں شکر کروں تیری اس نعمت پر

الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ

جو تو نے انعام کی مجھ پر اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ میں وہ کام اچھا کروں کہ تو اس سے راضی ہو۔

وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾

اور داخل فرما مجھے اپنی رحمت سے اپنے ان بندوں میں جو نیک ہیں۔

(آیت نمبر ۱۹) جناب سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی بات سن کر ہنس پڑے۔ تبسم اس ہنسی کو کہتے ہیں۔ جس میں آواز نہ ہو۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا ہنسنا اسی قدر ہوتا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کبھی قہقہہ مار کر نہیں ہنسے۔ یہ ان کی شان کے ہی خلاف ہے

سلیمان علیہ السلام کی سماعت: مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی یہ بات تین میل اوپر سے سن لی اور آپ اس کی ہوشیاری پر ہنسے کہ کس طرح وہ اپنی برادری کو نصیحت کر کے ڈرا رہی ہے اور آنے والی تکلیف سے بچا رہی ہے تو اسی وقت سلیمان علیہ السلام نے لشکر کو رکنے کا حکم دے دیا کہ جب تک تمام چیونٹیاں بلوں میں گھس نہ جائیں۔ سب اپنی اپنی جگہ کھڑے رہیں۔

فائدہ :سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس چیونٹی کو میرے پاس لاؤ۔ جب وہ حاضر ہوئی تو آپ نے پوچھا کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا لشکر کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اس نے کہا مجھے معلوم تھا۔ لیکن میں سردار تھی۔ یہ میرا فرض تھا کہ میں انہیں ہر خطرے سے آگاہ کروں تو اس کی باتیں سن سلیمان علیہ السلام نے دعا مانگی کہا اے میرے پروردگار مجھے ہمت و توفیق عطا فرما کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکریہ ادا کروں جو تو نے مجھ پر کیں۔ یعنی علم و نبوت ملک و عدالت اور پرندوں کی بولیاں وغیرہ عطا کیں اور میرے والدین پر انعام کیں کہ جناب داؤد کو نبوت و حکمت دی۔ اور پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ تسبیح کہتے لوہے کو موم کیا جس پر وہ زرہیں بناتے اور میری والدہ کو عابدہ زاہدہ طیبہ طاہرہ بنایا۔ درمیان میں والدین کا ذکر اس لئے کیا کہ اولاد پر انعامات ماں باپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اس لئے اولاد کو چاہئے کہ وہ دعاؤں میں ماں باپ کو یاد رکھے۔ آگے فرمایا کہ مجھے ایسے عمل صالح کی توفیق عطا فرما۔ جو تیری رحمت کے ساتھ مجھے نیک لوگوں میں شامل کر دے۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ ۖ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور گم پایا ایک پرندے کو تو فرمایا کیا ہوا مجھے کہ میں نہیں دیکھتا ھدھد کو یا ہے واقعی وہ غیر حاضر۔

لَأُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾

ضرور میں اسے سخت ترین عذاب دوں گا یا اسے ضرور ذبح کروں گا یا وہ لائے گا میرے پاس دلیل واضح۔

(آیت نمبر ۲۰) سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا معائنہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے ہدہد نظر نہیں آ رہا چونکہ وہ تمام پرندوں کا سردار تھا۔ اسے پرندوں کی جماعت میں نہ دیکھ کر فرمایا کہ وہ میری آنکھ سے اوجھل ہے یا اپنی جماعت سے غیر حاضر ہے۔ **فائدہ**: بادشاہوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی رعایا کی خبر گیری رکھیں اور رعایا پر کڑی نظر رکھیں۔ خواہ کوئی بڑا ہو یا چھوٹا سب کے حالات سے آگاہ ہو۔ جناب سلیمان علیہ السلام چھوٹے چھوٹے پرندوں کے حال سے بھی باخبر رہتے تھے۔

ہدہد کے کمالات: اس کے گوشت کی دھونی سونگنے سے دیوانگی ختم ہو جاتی ہے۔ (۲) جماع پر قادر نہ ہونے والے کو سنگھانے سے اس کی بندش ختم ہو جاتی ہے۔ (۳) کسی پر جادو ہو۔ اسے سونگھانے سے جادو ختم۔ (۴) اس کا گوشت حلال ہے۔ ھدھد کو پنجابی میں چڑی ترکھان کہتے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۱) سلیمان علیہ السلام نے بلا اجازت غیر حاضری کی وجہ سے تہدید سنائی کہ میں اسے سخت ترین سزا دونگا۔ مثلاً میں اسے اپنے سے دور کر دونگا یا قید میں ڈال دونگا۔ یا ہم جماعت کی خدمت پر لگا دونگا وغیرہ۔ آگے فرمایا اسے میں ضرور ذبح کر دونگا تاکہ اس کی نسل بھی ختم ہو جائے یا پھر وہ میرے پاس ضرور اپنی گمشدگی پر قابل قبول دلیل لائے گا۔ جس کی وجہ سے وہ میری سزا سے بچ جائے۔

ملک چلانے کا گر: ملک چلانے کیلئے سیاست آتی ہو عدل وانصاف کا دامن نہ چھوڑے۔ مجرموں کو حد سے زیادہ سزا نہ دے وغیرہ۔ ہدہد کا بڑا کمال یہ تھا کہ وہ زمین کے اندر پانی جہاں قریب ہوتا وہ بتا دیتا اور جن اس جگہ کو منٹوں میں کھود کر پانی نکال لیتے ایک دن بلایا تو وہ غیر حاضر تھا۔

ہدہد بلقیس کے محل میں: ہدہد نے دیکھا جناب سلیمان علیہ السلام آرام میں ہیں وہ اڑا اور ایک اور ہدہد سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے ملکہ بلقیس کے حالات محلات بتائے تو یہ دیکھنے وہیں پہنچ گیا۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍم

تو زیادہ دیر نہ گذری کہ اس نے آ کر کہا میں نے وہ دیکھا جو نہیں دیکھا آپ نے اور میں لایا آپ تک ملک سبا سے

بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّىْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ

خبر یقینی۔ بے شک میں نے پایا ایک عورت کو جو ان کی بادشاہ ہے اور دی گئی ہر چیز

وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾

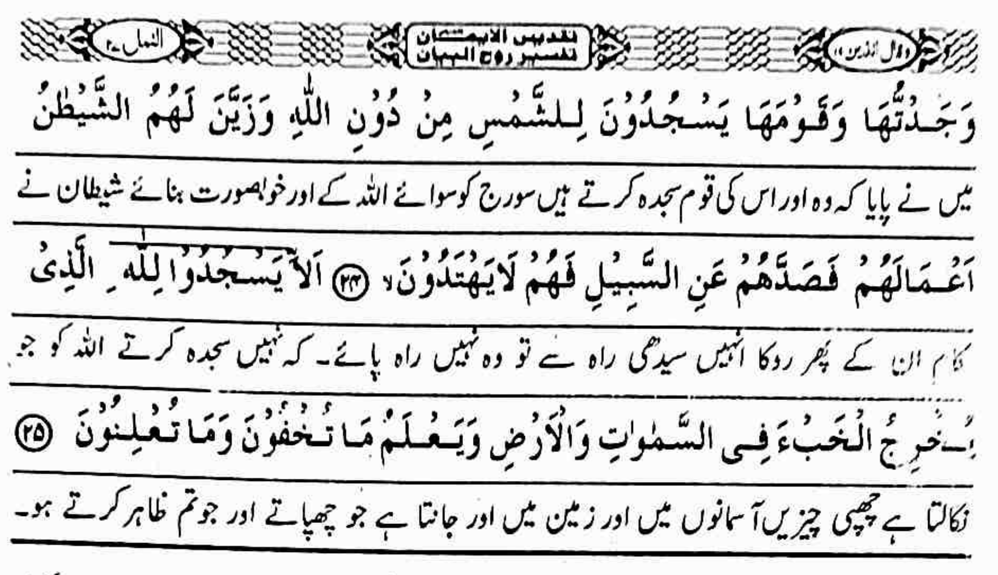
اور اس کا تخت ہے بہت بڑا

(بقیہ آیت نمبر۲۱) وہاں کے مقامات دیکھنے میں دیر ہوئی لیکن جناب سلیمان علیہ السلام کی باز پرس کے فوراً ہی بعد وہ آ گیا۔ اس کی پہلی ملاقات عقاب سے ہوئی تو اس نے سلیمان علیہ السلام کی قسم اور سخت سزا دینے کا بتایا۔ اس نے پوچھا کوئی استثناء بھی کی ہے یا نہیں تو عقاب نے بتایا کہ آپ نے معقول عذر کا استثناء فرمایا ہے تو اس نے کہا کہ بس اب خیر ہے خبر بڑی ہے معقول بھی ہے۔

(آیت نمبر۲۲) ہدہد اپنے پر پھیلائے گردن جھکائے نہایت عجز وانکساری کے ساتھ جناب سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور معافی کا خواستگار ہوا تو آپ نے معاف فرما کر پوچھا کہ اتنا وقت تم کہاں رہے تو اس نے بتایا کہ میں نے وہ کچھ دیکھا جو نہ آپ نے اس کا مشاہدہ کیا۔ نہ جنوں نے آپ کو اس کے متعلق بتایا۔

فائدہ: یہ شان خداوندی ہے کہ ایک پرندے کو وہ علم دے جو ابھی پیغمبر کو نہیں دیا۔ یہ بات شان نبوت کے خلاف بھی نہیں۔ لیکن اس سے یہ وہم بھی نہ ہو کہ شاید ہدہد کی شان پیغمبر سے زیادہ ہوگئی۔ یا سلیمان علیہ السلام کو علم نہ ہونا ان کی شان میں کمی واقع ہوئی۔ **فائدہ**: اصل میں ہدہد نے غیر حاضری کی حقیقت کو واضح اس انداز میں کیا اور مزید کہا کہ میں ملک سبا سے آپ کے لئے ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ جو بہت بڑی خبر ہے۔

(آیت نمبر۲۳) ہدہد نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ بے شک میں نے ایک عورت کو بادشاہی کرتے ہوئے دیکھا۔ دراصل وہ سلیمان علیہ السلام کو یقین دلانا چاہتا ہے کہ میری غیر حاضری بے مقصد نہیں ہے تو اس نے بتایا کہ سبا میں شاہی کرنے والی عورت یعرب بن قحطان کی اولاد سے ہے۔ چالیس سال سے پشت در پشت شاہی اس کے خاندان میں چلی آ رہی ہے۔ بلقیس باپ کی وراثت پر یمن کی ملکہ بنی اور سب لوگ اس کے زیر فرمان ہیں۔



وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

میں نے پایا کہ وہ اور اس کی قوم سجدہ کرتے ہیں سورج کو سوائے اللہ کے اور خوبصورت بنائے شیطان نے

اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ

کام ان کے پھر روکا انہیں سیدھی راہ سے تو وہ نہیں راہ پائے۔ کہ نہیں سجدہ کرتے اللہ کو جو

يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾

نکالتا ہے چھپی چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو چھپاتے اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔

(بقیہ آیت نمبر۲۳) **بلقیس کی ماں جنیہ تھی:** بلقیس کے باپ کو شاہان وقت نے نکاح کیلئے پیش کشیں کیں مگر وہ کہتا تھا کہ تم میں کوئی اس کے کفو کا نہیں ہے (بعض نے اس کا انکار کیا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے) آگے فرمایا کہ وہ ملکہ دی گئی ہر وہ چیز جس کی بادشاہوں کو ضرورت ہوتی ہے جیسے سیاست، ذہانت، لشکر، ہیبت، حشمت، مال ونعمت وغیرہ اور آگے کہا کہ اس کا تحت بہت بڑا ہے جیسے بادشاہوں کے بڑے بڑے تخت ہوتے ہیں۔ بلقیس کا تخت باقی بادشاہوں کے تختوں سے بڑا تھا۔ اس لئے اسے عرش عظیم کہا جو اسی گز چوڑا اور اسی گز لمبا تھا۔ جس کے سامنے والا حصہ سونے کا تھا۔ ہر قسم اور ہر رنگ کے اعلیٰ موتی اس پر جڑے ہوئے تھے۔ پچھلا حصہ چاندی کا تھا۔ اس پر بھی مختلف جواہر تھے اور اس کے نیچے چار پائے تھے تمام کناروں پر سونا لگا ہوا تھا۔ سات کوٹھڑیوں میں بند تھا اور سب کوٹھڑیوں پر تالے لگے ہوئے تھے۔

(آیت نمبر۲۴) میں نے اس کو اور اس کی قوم کو پایا کہ وہ سورج کی پوجا کرتے ہیں اور اللہ کی عبادت نہیں کرتے اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لئے خوبصورت بنا رکھا ہے یعنی شیطان نے انہیں سکھا رکھا ہے کہ تم جیسے اچھے کام کر رہے ہو ایسے کوئی بھی نہیں کر رہا ہے یعنی ان کے کفر اور گناہ بھی انہیں اچھے نظر آتے تھے اور شیطان نے انہیں صراط مستقیم کی طرف آنے سے روک رکھا ہے کہ وہ سیدھی راہ پر چلیں اس لئے وہ ہدایت نہیں پا سکتے۔

(آیت نمبر۲۵) اس آیت میں ان کی مذمت بیان ہوئی ہدہد کا مطلب یہ تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ کرنا چاہئے تھا لیکن انہوں نے برحق ذات یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دیا جو نکالتا ہے چھپی چیزیں زمینوں آسمانوں سے یعنی چھپے ہوئے خزانے زمین کے ظاہر فرماتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ظاہر نہیں کر سکتا۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (السجدۃ) ﴿۲۶﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ

اللہ وہ ہے کہ نہیں کوئی معبود مگر وہ جو مالک ہے عرش بڑے کا فرمایا جلد ہم دیکھیں گے

اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾

کہ تو سچا ہے یا ہے تو جھوٹوں سے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۵) اور وہ ان باتوں کو بھی جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں مخفی ہیں اور ان کو بھی جانتا ہے جن کا تم اظہار کرتے ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے کوئی بات اور کوئی چیز چھپی نہیں ہے۔

نکتہ: یعنی اس کے دائرہ علم کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ چھپی اور ظاہر تمام باتوں کا علم اس کے لئے برابر ہے۔

(آیت نمبر ۲۶) اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور اس کا عرش سب سے بڑا ہے اللہ تعالیٰ کا عرش عظیم اتنا بڑا ہے کہ اس نے کل کائنات کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔

فائدہ: بلقیس کا تخت دنیوی بادشاہوں کے مقابلے میں بڑا تھا اور اللہ تعالیٰ کے عرش پاک کی عظمت کا یہ حال ہے کہ چودہ طبق اس عرش الٰہی کے سامنے ایک ذرہ ہیں۔

عرش الٰہی کی حقیقت کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ وہاں بیٹھتا یا وہاں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے۔ اپنی شان کے مطابق۔ اس کی حقیقت کو کوئی انسان بھی نہیں سمجھ سکتا اس حقیقت کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے عوام تو صرف اس کے نام کو جانتے ہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ کے مقام کو بھی عام انسان نہیں سمجھ سکتا۔ ان کے مقام عظیم کو بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

مسئلہ: ہدہد کو قتل کرنے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ مذکورہ آیت کے خاتمہ پر یعنی لفظ العظیم پر سجدہ تلاوت کرنا چاہئے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ آٹھواں سجدہ ہے۔

(آیت نمبر ۲۷) سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ جس بات کی تو نے اطلاع دی ہے، ہم اس پر غور کریں گے کہ آیا تو نے ہم سے عذر بیان کرتے وقت سچ کہا یا تو جھوٹے لوگوں سے ہے۔

اصولی قاعدہ: یہی ہے کہ خبر واحد یا وہ خبر جو درجہ شہرت یا تواتر کو نہ پہنچے وہ یقین کا فائدہ نہیں دیتی۔ اس میں غور وفکر ضروری ہے۔ اگر دل مطمئن ہو جائے تو اس پر عمل کرنا چاہئے۔

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ

لے جا میرا خط یہ پھر ڈال ان پر پھر پیچھے ہٹ کر ان کو دیکھ

مَا ذَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۷) **پیغمبرانہ سوچ:** ہدہد نے جب بلقیس کے مال و دولت کا ذکر کیا تو جناب سلیمان علیہ السلام نے کوئی توجہ نہ دی۔ لیکن جب اس نے اس کے شرکیہ عمل سورج پرستی کا ذکر کیا تو آپ متوجہ ہوئے اور کاغذ قلم منگوا کر اسے دین حق کی دعوت دی۔

ملکہ کیطرف لکھا: اللہ کے بندے سلیمان بن داؤد کی طرف سے ملکہ بلقیس کے نام۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن اور رحیم ہے جو ہدایت پر چلے اسے سلام ہو۔ اس کے بعد اے بلقیس میرے سامنے تکبر نہ کرو اور مسلمان بن کر میرے پاس آ جاؤ یہ خط ہدہد کو دیا۔ اور فرمایا۔

(آیت نمبر ۲۸) یہ میرا خط لے جا اور یہ بلقیس اور اس کی قوم تک پہنچا دے۔

فائدہ: یہاں جمع کی ضمیر اس لئے لائی گئی کہ وہ لوگ بلقیس کے ہی مذہب پر تھے۔ آگے فرمایا کہ تم ان کے پاس خط ڈال کر خود علیحدہ ہو کر کسی جگہ چھپ کر سارے معاملے کو دیکھنا اور ان کی ساری گفتگو غور سے سننا کہ وہ کیا کہتے ہیں اور کیا جواب لوٹاتے ہیں۔ چنانچہ ہدہد خط لیکر گیا اور روشن دان سے گھر میں داخل ہوا۔ ملکہ بلقیس اس وقت سو رہی تھی۔ ہدہد نے وہ خط اس کے سینے پر رکھ کر خود روشن دان میں جا کر تماشہ دیکھنے لگا۔ ملکہ جب بیدار ہوئی اور مکتوب کو پڑھا۔ پھر اراکین سلطنت کو اس کے متعلق آگاہ کیا تو مکتوب سلیمانی سے ایوان بلقیس میں کھلبلی مچ گئی بلقیس کی عادت تھی کہ اپنے آرام کے وقت وہ تمام دروازے مقفل کر کے چابیاں اپنے سرہانے کے نیچے رکھ کر آرام کرتی۔ ہدہد شاہی محل کے روشن دان سے داخل ہوا اور خط ملکہ کے سینے پر رکھ کر ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ ملکہ چونکہ پڑھی لکھی عربی النسل تبع حمیری کی نسل سے تھی۔ جاگ کر خط دیکھا۔ اور سلیمان علیہ السلام کی مہر دیکھ کر کانپ گئی۔ سمجھ گئی کہ یہ کسی عظیم بادشاہ کا خط ہے۔

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ

ملکہ بولی اے سردارو بے شک ڈالا گیا میری طرف خط عزت والا۔ بے شک یہ سلیمان کی طرف سے

وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٣٠﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣١﴾

اور بیشک وہ اللہ کے نام سے جونہایت مہربان رحم والا ہے۔ یہ کہ نہ بلند ہو مجھ پر اور آؤ میرے پاس فرمانبردار بن کر

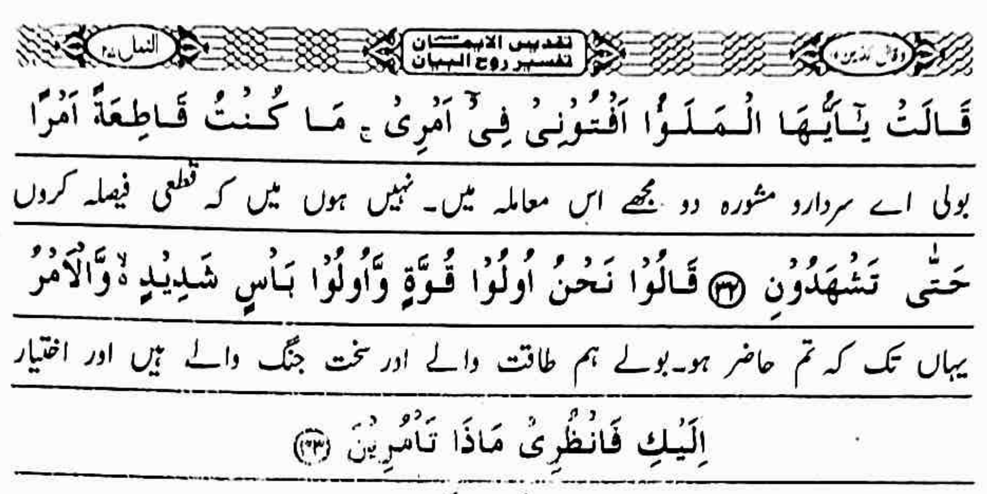
(آیت نمبر۲۹) تو فوراً مجلس شوریٰ طلب کی۔ جن کی تعداد تین سو سے اوپر تھی۔ ان سے ملکہ نے کہا کہ اے میری مجلس کے ممبران جو قوم کے لیڈر بھی تھے۔ میرے پاس ایک مکرم و معظم خط ڈالا گیا نہ اس جیسا خط کبھی دیکھا نہ اس پر لگی مہر جیسی کبھی کوئی مہر دیکھی۔ لگتا ہے کہ یہ کسی عظیم بادشاہ کا خط ہے گویا سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ بلقیس مرعوب ہوگئی۔ یا اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں پیغمبر کا ایسا رعب ڈالا کہ وہ خط دیکھتے ہی سر تسلیم خم ہوگئی۔

حضور ﷺ کی مہر پر محمد رسول اللہ (ﷺ) لکھا ہوتا تھا۔ معلوم ہوا کہ مہر کے بغیر خط کی کوئی ویلیو نہیں ہوتی۔

(آیت نمبر۳۰) خط کا مضمون تمام درباریوں کو پڑھ کر سنایا کہ بے شک یہ سلیمان نبی کی طرف سے ہے اور بے شک شان یہ ہے کہ اللہ کے پاک نام سے شروع جو انتہائی مہربان رحم والا ہے۔

ادب والا خوش نصیب ہوتا ہے: بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے خط کا ملکہ نے ادب کیا اور اسے کریم کہا تو اللہ تعالیٰ نے اسے نبوت کا ادب کرنے کی وجہ سے دولت ایمان سے نوازا۔ بے ادب بدنصیب کسریٰ خبیث نے حضور ﷺ کے خط مبارک کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بے ادبی کی تو اس کا انجام بھی بہت برا ہوا۔

(آیت نمبر۳۱) متکبر بادشاہوں کی طرح مجھ پر اپنی بڑھائی نہ کرو اور سیدھے مسلمان ہو کر میری خدمت میں آجاؤ۔ وعظ کا ایک انداز یہ بھی ہے۔ کہ رعب ڈال کر مسلمان بنانا۔ اور ایک انداز یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ کہ فرعون کے ساتھ نرمی سے بات کرنا۔ **نکتہ**: انبیاء کرام علیہم السلام کا یہ طریقہ رہا کہ ان کے مکتوبات طوالت میں نہیں ہوتے۔ انتہائی مختصر تحریر میں وہ سب کچھ کہہ جاتے ہیں جو کچھ اگلے کو کہنا ہوتا ہے۔ وہ چند حرفوں میں کہہ دیتے ہیں۔ ملکہ انتہائی ذہین تھی اس نے سات کوٹھڑیوں کے اندر غیبی طور پر خط آنے کو یہ تصور نہیں کیا کہ کوئی جن لایا ہوگا۔ بلکہ وہ خط کے مضمون سے سمجھ گئی کہ ضرور کوئی غیبی طاقت اس کے پیچھے کارفرما ہے۔ اسے سلیمان علیہ السلام کی نبوت ورسالت پر پورا یقین ہوگیا تھا۔



قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا

بولی اے سردارو مشورہ دو مجھے اس معاملہ میں۔ نہیں ہوں میں کہ قطعی فیصلہ کروں

حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ

یہاں تک کہ تم حاضر ہو۔ بولے ہم طاقت والے اور سخت جنگ والے ہیں اور اختیار

اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾

تیرے پاس ہے پھر دیکھ کیا تو حکم دیتی ہے۔

(آیت نمبر۳۲) ملکہ نے کہا۔ اے میرے مشیرو۔ غور کرو اور سوچ کر میری اس بات کا جواب دو۔ یعنی میرے اس مشکل مسئلے کے حل کرنے میں بہت زیادہ غور وخوض کی ضرورت ہے۔

نکتہ: مشیروں کی گفتگو کو فتوی اس لئے کہا کہ جیسے مفتی فتوئی کا جواب اپنے فیصلے سے پہلے سائل کے سوال کو دلائل سے پختہ اور مضبوط کر کے جواب دیتا ہے۔ ایسے ہی وہ ان سے جواب چاہتی تھی۔ آگے کہنے لگی کہ میں کسی معاملہ میں قطعی فیصلہ نہیں کرتی اور نہ کوئی حکم نافذ کرتی ہوں۔ جب تک کہ تم موجود نہ ہو۔ یعنی ہر فیصلہ تمہارے مشورے سے کرتی ہوں اور کوئی حکم نافذ نہیں کرتی جب تک کہ تم موجود نہ ہو۔ اور تمہاری موجودگی میں فیصلہ کرتی ہوں۔ **سبق**: اس میں اشارہ ہے کہ ہر حاکم اپنی من مانی نہ کرے بلکہ اپنے رفقاء سے مشورہ کرے اور جائز مشوروں کو مانے۔ خصوصاً جو کام سلطنت سے متعلق ہوں نیز بادشاہ کو چاہئے کہ وہ مشیر ایسے لوگوں کو بنائے جو صاحب رائے اور صاحب بصیرت ہوں اور امور مملکت کا علم بھی رکھتے ہوں۔

(آیت نمبر۳۳) ملکہ کو مشیروں نے کہا۔ ہم بہت طاقتور ہیں ساز وسامان کی بھی کمی نہیں ہتھیار بھی پورے ہیں۔ بلکہ ضرورت سے زائد ہیں۔ جنگجو تو ہم ویسے بھی مشہور ہیں۔ ہماری بہادری کا سکہ پورے عالم میں ہے۔ یعنی وہ ملکہ کو تسلی دے رہے ہیں۔ جنگ سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تیرا حکم ہو تو ہم بالکل تیار ہیں اب سارا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے جو چاہے فیصلہ کر۔ جو بھی حکم ہوگا۔ عمل کیلئے ہم تیار ہیں۔

فائدہ: معلوم ہوا۔ مشیر کا کام صرف مشورہ دینا ہے وہ اپنی درست رائے کا اظہار کر دے۔ بادشاہ کا کام ہے۔ کہ وہ بہتر مشورے پر عمل کرے اور لوگوں سے عمل کرائے۔

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ

بولی بے شک بادشاہ جب داخل ہوں کسی بستی میں تو اسے تباہ کرتے ہیں اور کرتے ہیں اس میں عزت

اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ

والوں کو ذلیل اور اسی طرح وہ کرتے ہیں۔ اور میں بھیجتی ہوں ان کی طرف ایک تحفہ

فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

پھر دیکھوں گی کیا جواب لاتے ہیں بھیجے ہوئے۔

(آیت نمبر ۳۴) جب بلقیس نے محسوس کیا کہ مشیر حضرات تو جنگ پر تلے ہوئے ہیں تو اس نے انہیں بتایا کہ سلیمان علیہ السلام سے مقابلہ آسان نہیں ایک تو وہ نبی ہیں۔ دوسرا جن ان کے تابع ہیں۔ دیگر سلیمان علیہ السلام کے کئی کمالات جب ان کو بتائے اور مزید کہا کہ جنگ میں فتح بھی ممکن ہے اور شکست بھی تو ملکہ نے کہا کہ بادشاہ لوگ جب فتح یاب ہو کر کسی آبادی میں داخل ہوتے ہیں تو اس میں عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور بستیوں کو ویران کر دیتے ہیں۔ اس میں شریف لوگوں کو ذلت سے قتل قید یا جلاوطنی کی سزا بھگتنی پڑتی ہے ہاں یقیناً وہ ایسا کرتے ہیں یہ بات تجربہ سے ثابت ہے۔ لہٰذا میرا تو مشورہ یہ ہے کہ ان سے صلح کر لی جائے تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔

فائدہ: عقلمند وہ ہے جسے مخالف سے بچاؤ میں آسانی نظر آئے تو پھر وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہیں ڈالتا۔

فائدہ: صلح سے مسئلہ حل ہو سکتا ہو تو فوج کو جنگ میں دھکیلنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(آیت نمبر ۳۵) پہلی کارروائی یہ کہ بے شک میں ان کی طرف ہدیے اور تحفے بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد وہاں سے کیا جواب لیکر آتے ہیں۔ **فائدہ:** مروی ہے کہ ملکہ نے ہدیہ میں پانچ سو غلاموں کو لونڈیوں والا لباس پہنا کر ہاتھوں پاؤں میں زیور اور کنگن پہنائے اور ان کے ہاتھ مہندی سے رنگ کر ایسے گھوڑوں پر سوار کیا جن پر ریشم کے کپڑے آراستہ تھے۔ جن کے لگاموں میں سونا اور موتی لگے ہوئے تھے اور پانچ سو لونڈیاں بھیجیں جن کے ہاتھوں میں تیر تھے لباس مردانہ پہنا ہوا تھا۔ مزید ایک ہزار سونے اور چاندی کی اینٹیں بھیجیں۔ کل تحفے چالیس اونٹوں پر لادے گئے اور لڑکیوں کے سروں پر بہترین موتیوں سے جڑے تاج سر پر رکھے ان کا سالار منذر بن عمرو تھا اس کے ساتھ ایک خط بھی لکھا جس میں تمام اشیاء کی تفصیل تھی۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ

تو جب وہ آیا سلیمان کے پاس تو آپ نے فرمایا کیا میری مدد کرتے ہو مال سے پس جو دیا مجھے اللہ نے بہتر ہے

مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾

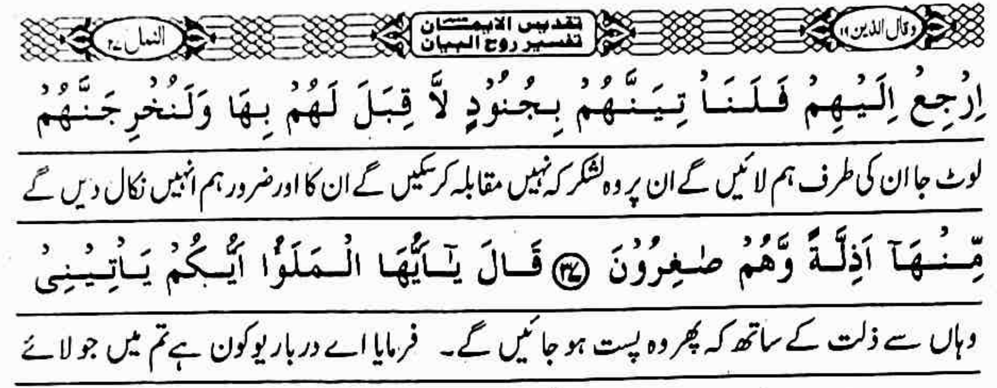
اس سے جو تمہیں دیا۔ بلکہ تم اپنے تحفوں پر خوش ہوتے ہو۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۵) **سلیمان علیہ السلام کی کارروائی:** ہدہد نے جا کر سلیمان علیہ السلام کو پوری کارروائی سے آگاہ کر دیا تو آپ نے حکم دیا کہ ایک میدان میلوں تک کھلا تیار کیا جائے۔ جس میں حد نگاہ تک سونے کی اینٹوں کا عالی شان فرش اور اس کے ارد گرد دیوار بھی سونے اور چاندی کی مختلف اینٹوں سے بنائی جائے۔ اس میں مختلف رنگوں کے اعلیٰ قسم کی قالینیں اور ان پر چار ہزار کرسیاں رکھی جائیں۔ میلوں تک جنات صف در صف کھڑے ہوں اوپر پرندے سائیہ کناں ہوں۔ الغرض یہ سب کچھ بننے کے بعد ملکہ کے نمائندے جب آئے تو دیکھ کر حیران ہی رہ گئے کہ ہم سونے چاندی کو بہت بڑی چیز سمجھتے ہیں۔ یہاں تو سونے اور چاندی کے فرش پر جانور پیشاب کر رہے ہیں۔

فائدہ: اس شان و شوکت کو دیکھ کر انہوں نے دل میں خیال کیا کہ اتنے بڑے خزانے کے مالک کے سامنے ہماری پونجی کی کیا حیثیت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہم اس معمولی پونجی کو واپس لے جائیں۔ بہر حال جب وہ سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچے تو آپ نے ان کا پرتپاک استقبال کیا۔ منذر نے آگے بڑھ کر ملکہ کا پیغام سنایا جب اس کا خط پڑھا گیا تو فرمایا موتیوں کا بکس لاؤ۔ اس میں بیش بہا اور قیمتی موتی تھے۔

(آیت نمبر ۳۶) پس جب ملکہ کے نمائندے سلیمان علیہ السلام کے پاس آ گئے اور ہدیئے پیش کئے چونکہ بلقیس نے کہا تھا کہ اگر بادشاہ ہوگا تو ہدیئے قبول کرے گا اگر اس نے ہدیئے قبول کر لئے تو پھر ہمیں اس سے کوئی خطرہ نہیں اور اگر نبی ہوئے تو وہ قبول نہیں کریں گے چنانچہ سلیمان علیہ السلام نے تمام تحفے واپس کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم میری مدد کرتے ہو مال سے۔ مال کو اس لئے مال کہا جاتا ہے کہ انسان کا طبعی اور دلی میلان اس کی طرف ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ نے ہدایا واپس کرتے ہوئے فرمایا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا۔ یہ مال و دولت اور ٹھاٹھ باٹھ یا جو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ یہ سب اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا تم ہدیہ کے طور پر دے رہے ہو۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ انبیاء و اولیاء کے نزدیک دنیا کے مال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ وہ مال آنے سے خوش نہیں ہوتے اور چلے جانے سے غم نہیں کرتے۔



اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ

لوٹ جا ان کی طرف ہم لائیں گے ان پر وہ لشکر کہ نہیں مقابلہ کر سکیں گے ان کا اور ضرور ہم انہیں نکال دیں گے

مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ

وہاں سے ذلت کے ساتھ کہ پھر وہ پست ہو جائیں گے۔ فرمایا اے درباریو کون ہے تم میں جو لائے

بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾

اس کا تخت اس سے پہلے کہ وہ آئیں میرے پاس مطیع ہو کر۔

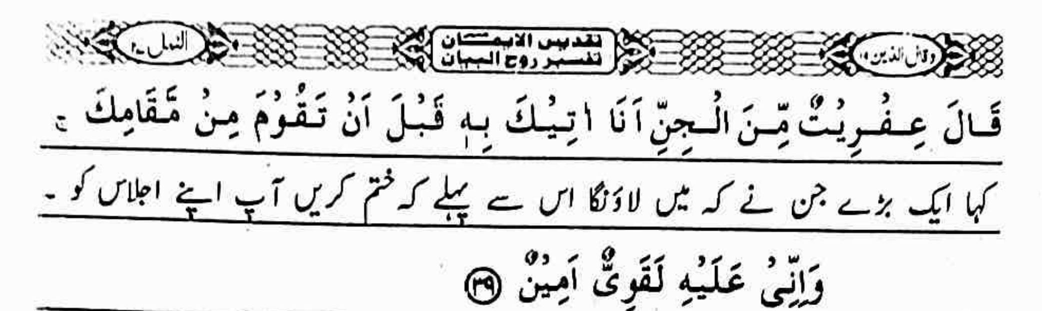
(بقیہ آیت نمبر ۳۶) **سبق:** علماء اور عقل والوں پر لازم ہے کہ دنیا کی کسی چیز پر خوش نہ ہوں۔ اس کی آخرت میں کوئی قدر و قیمت نہیں۔

(آیت نمبر ۳۷) اے قاصد و تم واپس جاؤ بلقیس کے پاس اور اس کی قوم کے ہدیے تحفے بھی واپس لے جا تا کہ انہیں پتہ چلے کہ دین کے عاشق دنیوی لالچ کے پھندے میں نہیں پھنستے اور ان کو جا کر بتاؤ۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ تم دین اسلام قبول کر لو اور ایمان لے آؤ۔ ورنہ ہم تمہارے پاس ایسا لشکر لے کر آ رہے ہیں یعنی جنوں اور انسانوں کا عظیم لشکر جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ اور پھر ہم انہیں ذلیل و خوار کر کے ان کے علاقے سبا سے نکال دیں گے۔ جس عزت و شان و شوکت کے مالک بنے پھرتے ہیں وہ سب ختم ہو جائیگی۔

فائدہ: ان کے لشکر کتنے ہی زیادہ ہوں سلیمان علیہ السلام کی نظر میں مٹھی بھر ہی ہیں۔

جب نمائندے واپس ملکہ بلقیس کے پاس پہنچے اور اسے سلیمان علیہ السلام کے حالات سے اور جو کچھ دیکھا اس سے ملکہ کو آگاہ کیا تو وہ سمجھ گئی۔ آپ نبی ہیں بادشاہ نہیں۔ فوراً دوسرے قاصد کو بھیجا کہ میں جلد آپ کے پاس حاضر ہو رہی ہوں اور تیاری شروع کر دی تخت سات کوٹھڑیوں میں بند کر کے چابی اپنے ساتھ لی اور سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ کی طرف چل پڑی۔

(آیت نمبر ۳۸) سلیمان علیہ السلام اپنے تخت پر ایک دن جلوہ افروز تھے کہ دور ایک گرد و غبار نظر آیا پوچھا یہ کیا ہے۔ بتایا گیا کہ بلقیس بمع اپنے درباری وزیروں کے آ رہی ہے تو آپ نے مشیروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے مشیرو کوئی تم میں ایسا ہے کہ ان کے مسلمان ہو کر آنے سے پہلے بلقیس کا تخت یہاں لے آئے۔



قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ج

کہا ایک بڑے جن نے کہ میں لاؤنگا اس سے پہلے کہ ختم کریں آپ اپنے اجلاس کو۔

وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾

اور میں اس پر قوت والا امانت دار ہوں۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۸) چونکہ آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ ملکہ مسلمان ہو کر آ رہی ہے اور وہ آپ کے پاس معجزہ کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کچھ عجائبات دیکھنا چاہتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمائے۔

ملکہ کا تخت نبی کے قدموں میں: سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ کون ہے تم میں جو بلقیس کے آنے سے پہلے پہلے اس کا وہ تخت لے آئے۔ جو کئی کوٹھڑیوں میں بند کر کے تالے لگا کر آ رہی ہے اور اس تخت کی حفاظت کیلئے بڑی وصیتیں کر کے آئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے آنے سے پہلے اس کا تخت یہاں پہنچ جائے۔

فائدہ: چونکہ سلیمان علیہ السلام جانتے تھے کہ میری امت میں بعض ایسے بھی اہل کرامت لوگ ہیں۔ جو یہ کام کر سکتے ہیں اس لئے چاہا کہ ان کی کرامت کا اس وقت ظہور ہو جائے۔ اور ولی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ ہوتا ہے۔ تو ملکہ نے ایک ہی وقت میں ولی کی کرامت بھی دیکھ لی اور نبی کا معجزہ بھی دیکھ لیا۔

کرامات اولیاء حق ہیں: ہر نبی کی امت میں صاحب کرامت لوگ ہوئے ہیں لہذا کوئی مسلمان اولیاء اللہ کی کرامت کا منکر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اولیاء کرام کی کرامات کا ثبوت قرآن مجید میں متعدد مقامات پر موجود ہے۔

(آیت نمبر ۳۹) تو جنوں میں سے ایک سرکش جن نے کہا۔ عفریت سرکش اور خبیث جن کو کہا جاتا ہے۔ اس کا نام اصطخر تھا۔ پہاڑ کی طرح اس کا قد تھا۔ تو اس نے عرض کی کہ میں آپ کی مجلس برخاست ہونے سے پہلے لے آؤنگا اور بے شک میں اس کو لانے میں بہت طاقت ور ہوں کہ اتنا بڑا بوجھ اٹھانا میرے لئے مشکل نہیں ہے اور امانت دار بھی ہوں کہ اس میں سے ہیرے و جواہر نہ چراؤں گا نہ بدلاؤنگا۔ (غالباً سلیمان علیہ السلام نے فرمایا ہوگا کہ مجھے اس سے پہلے چاہئے)۔

قَالَ الَّذِیۡ عِنۡدَہٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡکِتٰبِ اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ

عرض کی اس نے جس کے پاس علم تھا کتاب کا میں آپ کے پاس اسے لاؤں گا اس سے پہلے

اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡکَ طَرۡفُکَ ؕ فَلَمَّا رَاٰہُ مُسۡتَقِرًّا عِنۡدَہٗ قَالَ ہٰذَا مِنۡ فَضۡلِ

کہ آپ کی پلک جھپکے پھر جب دیکھا اسے رکھا ہوا اپنے پاس تو فرمایا یہ ہے فضل

رَبِّیۡ ۟ۖ لِیَبۡلُوَنِیۡۤ ءَاَشۡکُرُ اَمۡ اَکۡفُرُ ؕ وَمَنۡ شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشۡکُرُ

میرے رب کا۔ تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ کیا میں شکر کرتا ہو یا ناشکری۔ اور جو شکر کرے وہ شکر کرتا ہے

لِنَفۡسِہٖ ۚ وَمَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیۡ غَنِیٌّ کَرِیۡمٌ ﴿۴۰﴾

اپنی ذات کیلئے اور جو ناشکری کرے تو بے شک میرا رب بے پرواہ عزت والا ہے۔

(آیت نمبر ۴۰) تو اس شخص نے کہا کہ جس کے پاس کتاب میں سے کچھ علم تھا۔ جس کا اسم گرامی آصف بن برخیا تھا۔ آصف بن برخیا سلیمان علیہ السلام کا خالہ زاد اور آپ کا کاتب بھی تھا۔ اور آپ سے ہی تربیت یافتہ بھی یعنی اسی گھرانے کا فرد تھا اور تعلیم یافتہ بھی تھا۔ کتب سماویہ کا حافظ بھی تھا۔ اسم اعظم بھی جانتا تھا۔ جو بھی دعا کرتا وہ قبول ہو جاتی تھی تو آصف نے کہا میں لاؤنگا آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے تو اس نے سلیمان علیہ السلام سے اجازت لی اور سجدہ میں سر رکھ کر کہا۔ یا حی یا قیوم۔ اتنی سی دیر میں بلکہ آنکھ جھپکنے سے پہلے واقعی بلقیس کا تخت سلیمان علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا۔ **دلیل عجیب**: اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں ہے کہ ولی کی دعا قبول کر کے تخت بلقیس وہاں پر مٹا دیا ہو اور یہاں پر بنا دیا ہوتا کہ ولی کی کرامت ہو اور نبی کا معجزہ ہو جائے۔ **فائدہ**: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی خیال ہے۔ اس لئے کہ معجزہ اور کرامت ہوتا ہی وہ ہے جو عقل میں نہ آئے۔ آگے فرمایا کہ جب تخت بلقیس کو سلیمان علیہ السلام نے اپنے سامنے موجود پایا۔ تو آپ نے حصول نعمت پر شکر کے طور پر فرمایا۔ یہ میرے رب کا فضل ہے کہ جو اس نے مجھ پر فرمایا کہ اتنا بڑا تخت بغیر کسی کم دکاس کے اور بغیر کسی ٹوٹ پھوٹ کے آنکھ جھپکنے سے پہلے میرے سامنے آ گیا۔ یہ بھی آزمائش ہے۔ میرے رب کی طرف سے کہ کیا میں شکر کرتا ہوں یا نہیں اور میں سمجھوں کہ یہ صرف اس کا فضل ہے۔ اس میں میری کسی تدبیر یا طاقت کو کوئی دخل نہیں۔ **فائدہ**: انبیاء و اولیاء کا یہی طریقہ ہے۔ کہ قصور کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں اور فضیلت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ

فرمایا تبدیلی کرو اس کے تخت میں ہم دیکھتے ہیں کہ کیا ہدایت پاتی ہے یا ہوتی ہے ان لوگوں سے جو

لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾

نہیں ہدایت پاتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۰) یا ناشکری کر کے میں سمجھوں کہ یہ میرا ہی کمال ہے اور شکر میں کوتاہی کروں۔

فائدہ: چونکہ ولی کی کرامت سلیمان علیہ السلام کے معجزہ کی تائید تھی۔ یعنی ولی کی کرامت تھی نبی کا معجزہ تھا اور اوپر سے اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال تھا۔ آگے فرمایا کہ جو بھی شکر کرے وہ اپنی ذات کے فائدے کیلئے کرتا ہے۔ یعنی اسے شکر کرنے پر اللہ تعالیٰ اور زیادہ عطا فرماتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر شکر نہیں کرتا۔ نہ اس عطا کا حق ادا کرتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ رب تعالیٰ تو کسی کے شکر کرنے کا محتاج نہیں۔ وہ تو لوگوں کے شکر سے بے پرواہ اور کریم ہے کہ کوئی اس کا شکر نہ بھی کرے تو بھی وہ اپنی نعمت اس پر بند نہیں کرتا۔

(آیت نمبر ۴۱) جب تخت بلقیس پہنچ گیا تو سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس تخت بلقیس کی ہیئت کو بدل دو۔ ایسے طریقے سے کہ پہچانا نہ جا سکے تو سلیمان علیہ السلام کے حکم پر انہوں نے اس تخت کو الٹا دیا۔ اور اس کے اوپر عجب قسم کے قبے بنا دیئے۔ سبز موتیوں کی جگہ سرخ اور سرخ کی جگہ سبز لگا دیئے مقصد یہ تھا دیکھیں کہ اس کی عقل کتنی وسیع ہے اس کو پہچاننے میں صحیح راہ پاتی ہے یا وہ ان لوگوں سے ہے جو عقل کی کمزوری سے صحیح راہ نہیں پاتے۔

جنوں کی سوچ: جنوں کو خیال آیا کہ بلقیس سلیمان علیہ السلام کو ہمارے پوشیدہ اسرار سے کہیں آگاہ نہ کر دے۔ اس لئے کہ اس کی ماں جنیہ تھی اور اگر سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کر لی اور اس سے لڑکا پیدا ہو گیا پھر تو قیامت تک ان کے پنجے سے نہیں چھوٹ سکیں گے اور ہم ہمیشہ کیلئے ذلت وخواری میں ہو جائیں۔ اس لئے ایک جن نے سلیمان علیہ السلام کو اس سے متنفر کرنے کیلئے کہا کہ جناب وہ اتنے عقل والی نہیں ہے اور اس کے پاؤں گدھے کے کھروں جیسے ہیں اور اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مراد یہ تھی کہ کہیں آپ اس سے شادی نہ کر لیں۔ تو جنوں کے کہنے پر سلیمان علیہ السلام نے اس کے تخت کو منگوا کر اس میں تبدیلی کرا دی۔ تا کہ اس کے عقل کا امتحان لیا جائے۔

فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا

پھر جب آ گئی تو کہا گیا کیا ایسا ہی ہے تیرا تخت۔ بولی گویا یہ وہی ہے اور دیئے گئے ہم

الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ

علم اس سے پہلے ہی اور ہوئے ہم فرمانبردار۔ اور روکا اسے جو تھی پوجتی

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾

سوا اللہ کے۔ بے شک وہ ہے اس قوم سے جو کافر ہیں۔

(آیت نمبر۴۲) اتنے میں جب بلقیس سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہوگئی۔ آگے اس کا تخت تھا۔ بطور امتحان اس سے کہا گیا غالباً سلیمان علیہ السلام نے خود پوچھا تا کہ اس کے عقل کا اندازا ہو جائے کہ کیا تیرا تخت بھی ایسا ہی ہے۔ بلقیس چونکہ بلا کی ذہین تھی۔ سارے معاملے کو سمجھ گئی نہ یہ کہا کہ یہ وہی ہے نہ یہ کہا کہ یہ وہ نہیں۔ چونکہ اس کی شکل تبدیل کر کے اسے شبے میں ڈالا گیا اس نے جواب بھی اسی کے مطابق دیا کہ یہ گویا وہی ہے یعنی اس کی صفات تبدیل ہو گئیں لیکن ذاتی طور پر یہ میرا ہی تخت ہے۔ اس طرح اس کے عقل وفراست کی انتہاء بھی معلوم ہوگئی اور وہ بھی سمجھ گئی کہ میرے عقل کا اس میں امتحان بھی لیا گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سلیمان علیہ السلام نبی ہیں اور یہ ان کا معجزہ ہے مزید کہا کہ ہمیں اس سے پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ آپ نبی ہیں اس لئے ہم اسی وقت سے مسلمان ہو گئے تھے۔

(آیت نمبر۴۳) اور روک رکھا اس کو اس چیز نے جو وہ پوجتی رہی اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو **فائدہ**: یہ ارشاد گرامی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ سورج پرستی کی نحوست نے اسے اسلام کی طرف آنے سے روک رکھا تھا۔ بے شک یہ کافر قوم کے افراد سے تھی۔ یعنی یہ کافروں میں رہتی تھی۔ اب یہ سلیمان علیہ السلام سے مل کر دائرہ ایمان میں آ گئی ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کسی چیز کی محبت تجھے اندھا اور بہرا کر دے گی۔ (ابوداؤد) چونکہ بت پرست بتوں سے ایسی محبت کرتا ہے۔ کہ پھر وہ نہ کسی اور کی طرف دیکھتا ہے۔ نہ ان کے خلاف کوئی بات سنتا ہے۔

عجیب محل: مروی ہے کہ بلقیس کے پہنچنے سے پہلے ہی سلیمان علیہ السلام نے ایسا محل تیار کرایا جس کے صحن میں نیچے پانی جاری کرایا اور اس میں مچھلیاں بھی ڈال دیں اس سے گذر کر سلیمان علیہ السلام کا محل آتا تھا۔ آپ تخت پر جلوہ افروز ہوتے تو آپ کے اردگرد جن وانس کے علاوہ پرندے بھی کناروں پر ہوتے تھے۔

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ

کہا گیا اسے داخل ہو صحن میں تو جب دیکھا تو اسے سمجھی گہرا پانی ہے اور ننگی کیں

عَنْ سَاقَيْهَا ۚ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ۬ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ

اپنی پنڈلیاں سلیمان نے فرمایا بے شک وہ صحن چکنا ہے شیشوں سے۔ بولی میرے رب میں نے

ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾

ظلم کیا اپنی جان پر اور فرمانبردار ہوں ساتھ سلیمان کے واسطے اللہ رب العالمین کے

(آیت نمبر۴۴) بلقیس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جا تو اس سے پہلے صحن میں ایسی جگہ بنائی کہ اس نے سمجھا شاید یہ پانی ہے جس میں مچھلیاں بھی تیر رہی ہیں تو اس نے گہرا پانی سمجھ کر اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اٹھا کر انہیں ننگا کر لیا کہ پانی میں کپڑے بھیگ نہ جائیں تو سب نے دیکھ لیا کہ اس کی پنڈلیاں نہایت خوبصورت ہیں بالوں کا نام ونشان بھی نہیں تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کپڑا اونچا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بے شک یہ پانی صاف ستھرا شیشہ ہے تو اس وقت بلقیس نے کہا کہ واقعی سلیمان علیہ السلام صاحب معجزہ نبی ہیں اور کہا اے میرے پروردگار بے شک میں نے سورج کی پوجا کر کے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اب میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اسلام لائی خالص اللہ کیلئے جو رب العالمین ہے یعنی اب مجھے سمجھ آئی ہے کہ عبادت کا مستحق صرف وہی ہے کیوں کہ وہ کل کائنات کا پروردگار ہے لہذا توحید خالص کا اقرار کرتی ہوں اور سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کرتی ہوں۔

نکاح بلقیس کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے اس کا نکاح تبع ہمدانی سے کر دیا۔ بلقیس کی اپنی مرضی یہی تھی۔ آپ نے یمن کی شاہی بھی تبع کے حوالے کر دی اور جنوں کے امیر ذوبعہ کو بھی اس کے تابع کر دیا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے خود اس سے نکاح کر لیا اور بلقیس کو واپس اس کے ملک میں روانہ کر دیا۔ سلیمان علیہ السلام ایک مہینے میں دو دفعہ اس کے پاس جاتے اس سے ایک لڑکا ہوا۔ جس کا نام داؤد رکھا لیکن وہ آپ کی زندگی میں ہی فوت ہو گیا۔

مدت شاہی سلیمان علیہ السلام تیرہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوئے۔ ترپن سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس لحاظ سے آپ نے چالیس سال سلطنت کی۔ آپ کی قبر مبارک بیت المقدس میں جیسمانیہ کے نزدیک ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ

اور تحقیق بھیجا ہم نے طرف ثمود کے ان کے قومی بھائی صالح کو کہ کریں عبادت صرف اللہ کی تو اس وقت وہ

فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ

دوگروہ ہو کر جھگڑنے لگے۔ فرمایا اے میری قوم کیوں جلدی مانگتے ہو برائی پہلے

الْحَسَنَةِ ج لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

بھلائی کے۔ کیوں نہیں بخشش مانگتے اللہ سے تاکہ تم پر رحم ہو

(بقیہ آیت نمبر۴۴) آپ کے والد ماجد کا مزار بھی وہیں ہے۔ سلیمان علیہ السلام کے وصال پاک کے صرف ایک ماہ بعد بلقیس بھی وفات پا گئیں۔

(آیت نمبر۴۵) اور البتہ تحقیق ہم نے قوم ثمود کی طرف بھی رسول بھیجے۔ ثمود عرب میں بت پرست قبیلہ تھا۔ ان کی طرف ان کے نسبی اور قومی بھائی جو صدق وامانت میں معروف تھے یعنی صالح علیہ السلام جن کا تفصیلی ذکر پیچھے بیان ہوگیا انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا۔ کہ عبادت صرف اللہ کی کرو۔ اس لئے کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہے تو اس پر دوگروہ جھگڑنے لگے۔ یعنی سخت مخالفت ایک دوسرے کے دست وگریبان پکڑ لئے۔ ایک گروہ کفر پر ڈٹا رہا۔ یعنی صالح علیہ السلام کے اعلان نبوت پر ثمود کے دوگروہ ہوگئے۔ ایک مسلمان اور دوسرے کافر۔ **فائدہ**: ان کے جھگڑے کی تمام تفصیلات سورۂ اعراف میں بیان ہوچکی ہیں۔

(آیت نمبر۴۶) جب صالح علیہ السلام نے کفار سے فرمایا اے میری قوم تم کیوں اپنے کرتوتوں کی سزا جلدی مانگتے ہو یعنی کفار کہتے تھے کہ جس عذاب سے ڈراتے ہو۔ وہ جلد لے آؤ تو فرمایا کہ تم اچھائی سے پہلے برائی مانگ رہے ہو یعنی کہتے ہو کہ عذاب لے آ پھر ہم توبہ کرلیں گے۔ جب عذاب آ گیا تو توبہ کا موقع تمہیں کب ملے گا۔ یہ تو تمہاری جہالت اور بے وقوفی ہے تم یوں کیوں نہیں کرتے کہ عذاب آنے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں سے توبہ کرکے بخشش کیوں نہیں مانگ لیتے یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچے دل سے توبہ ہی کیوں نہیں کرلیتے تاکہ تم پر رحم کردیا جائے کہ تمہاری توبہ قبول کرلی جائے اور تم عذاب سے بھی بچ جاؤ کیونکہ نزول عذاب کے وقت قبول توبہ کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ

بولے ہم نے بدفالی لی تجھ سے اور جو تیرے ساتھ ہیں فرمایا یہ بدشگونی تو تمہاری اپنی ہے اللہ کے ہاں بلکہ تم

قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾

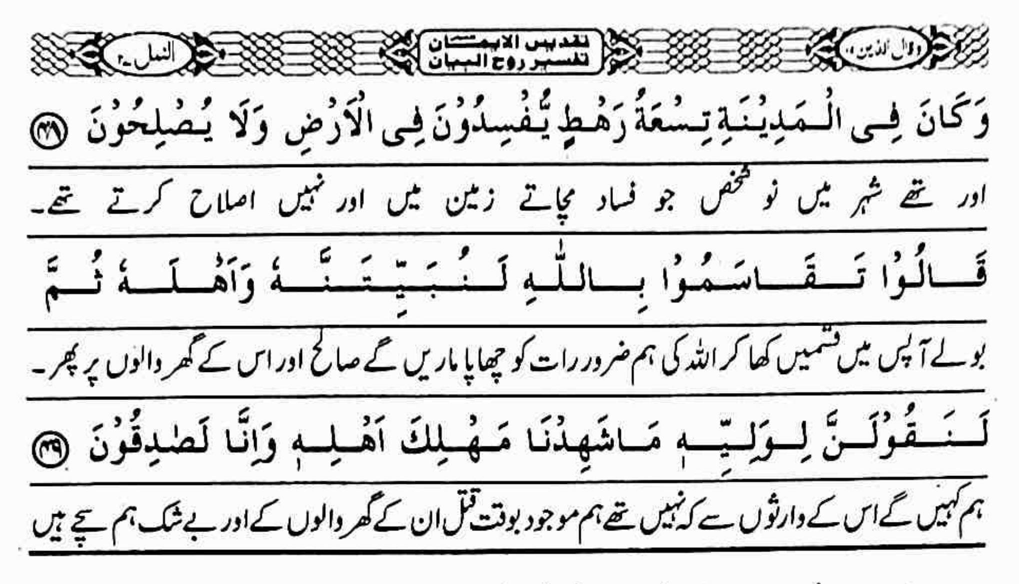
قوم فتنے باز ہو۔

(آیت نمبر ۴۷) تو انہوں نے کہا کہ ہم بری فال لیتے ہیں۔

بدفالی کا طریقہ: ان کا طریقہ یہ تھا کہ سفر کو جاتے وقت اگر کسی پرندے کو دائیں طرف اڑتا دیکھ لیتے تو سمجھتے کہ ان کا سفر فائدہ مند ہے اور اگر بائیں طرف اڑتا دیکھتے تو سمجھتے کہ انہیں اس سفر میں نقصان ہوگا۔ اس طرح انہوں نے نفع ونقصان کا دارومدار تقدیر ربانی کے بجائے پرندوں سے سمجھ رکھا تھا۔ اسی طرح جو فعل کسی چیز کی وجہ سے ہوتا یا کسی انسان سے ہوتا تو وہ اس سے اچھی یا بری فال لے لیتے۔ **فائدہ:** کشف الاسرار میں ہے کہ یہ عرب کے اعتقادات بھی تقریباً یہی تھے کہ وہ بعض وحشی جانوروں اور پرندوں سے ایسی فالیں لیتے تھے۔ (پاکستان میں بھی لوگ دیکھتے ہیں۔ کہ اگر کوا گھر کے منڈیر پر آ جائے تو کہتے ہیں۔ کہ یہ کوئی اچھی خبر نہیں لایا۔) **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے ایسی باتوں سے منع فرمایا ہے اور آپ کا ارشاد ہے کہ پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں ہی رہنے دو (سنن ابوداؤد باب الضحایا)۔ یعنی ان کے متعلق جو لوگوں کے وہم ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد: عکرمہ کہتے ہیں کہ ہم ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک پرندہ بولا تو ایک شخص نے کہا خیر ہو تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان کے بولنے میں نہ خیر ہے نہ شر۔ **حدیث شریف:** میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فال کو پسند فرماتا ہے اور بدفالی کو ناپسند فرماتا ہے (رواہ ابن ماجہ ۳۵۳۶) تو ثمودیوں نے کہا کہ ہم تمہیں اور تمہارے ماننے والوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ تمہاری وجہ سے ہم پر مسلسل تکالیف ومصائب آ رہے ہیں۔ کہ جب سے تم آئے ہو۔ نہ بارشیں ہو رہی ہیں۔ نہ فصل ہوتے ہیں۔ نہ بیماریاں جان چھوڑتی ہیں۔

فائدہ: جب بھی ان پر قحط آتا تو کہتے اے صالح یہ تیری اور تیرے ساتھیوں کی نحوست ہے۔ (معاذ اللہ)۔ اسی طرح باقی قوموں نے بھی اپنے نبیوں سے کہا تھا تو قوم کے جواب میں صالح علیہ السلام نے فرمایا۔ تمہیں جو شر پہنچا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور وہ تمہارے اپنے اعمال کی شامت ہے برے اعمال والوں کو برائی ہی پیش آتی ہے۔



وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور تھے شہر میں نو شخص جو فساد مچاتے زمین میں اور نہیں اصلاح کرتے تھے۔

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ

بولے آپس میں قسمیں کھا کر اللہ کی ہم ضرور رات کو چھاپا ماریں گے صالح اور اس کے گھر والوں پر پھر۔

لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

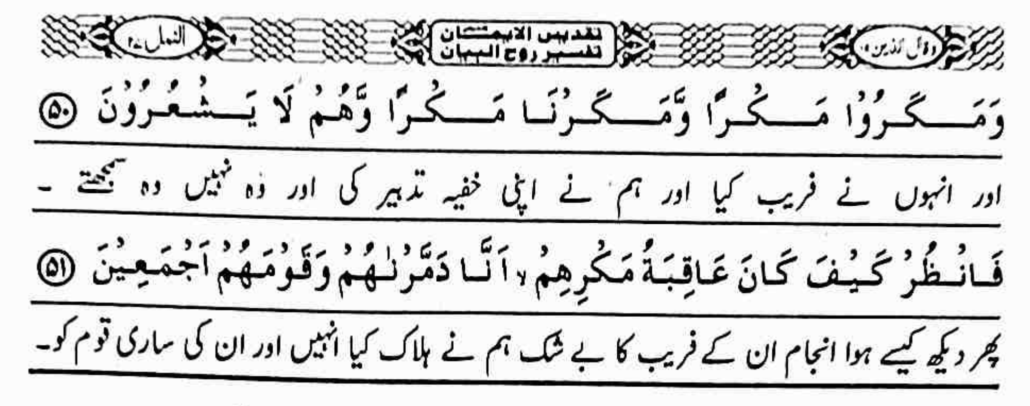
ہم کہیں گے اس کے وارثوں سے کہ نہیں تھے ہم موجود بوقت قتل ان کے گھر والوں کے اور بے شک ہم سچے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۴۷) جو اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھا یعنی خیر وشر سب من جانب اللہ ہے اور مصائب وآلام کا سبب تمہارے گناہ ہیں آگے فرمایا بلکہ تم خیر وشر کے ذریعے آزمائے جا رہے ہو اور آزمائش کھرا کھوٹا پہچاننے کیلئے ہوتی ہے۔ انبیاء واولیاء تو کھرے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں آزمایا جا چکا ہے۔

(آیت نمبر ۴۸) اس شہر میں نو شخص رہتے تھے یعنی وہ بد بخت جنہوں نے اونٹنی کو مارا تھا۔ جو بہت بڑے سرکش تھے۔ حجر کے علاقے میں انہوں نے فساد مچا رکھا تھا۔ یعنی ان کا شر صرف ایک شہر تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ پورے علاقے میں وہ فسادی مشہور تھے کسی قسم کی اصلاح کے وہ کوئی روادار نہیں تھے۔ یعنی ان کا فساد اتنا بڑا تھا کہ اس میں اصلاح کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ وہ جدھر جاتے فساد ہی کرتے جاتے۔

ان فسادیوں کے نام: حضرت وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان نو فسادیوں بدمعاشوں کے نام یہ تھے: (۱) ہذیل۔ (۲) غنم۔ (۳) یاب۔ (۴) مصدع۔ (۵) عمیر۔ (۶) عاصم۔ (۷) سبیط۔ (۸) سمعان۔ (۹) قدار۔ یہ آخری خبیث ان کا سرغنہ تھا۔ انتہائی بد بخت تھا۔

(آیت نمبر ۴۹) جب انہوں نے اونٹنی کو مار دیا تو صالح علیہ السلام نے انہیں عذاب آنے کی اطلاع دی کہ آئندہ تین دنوں کے اندر تم پر عذاب الٰہی آئیگا۔ پہلے تمہاری شکلیں بدلیں گی۔ پھر عذاب آ جائیگا۔ تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں کہ ہم صالح اور ان کے گھر والوں پر رات کے وقت اچانک ہی شبخون مار کر یعنی حملہ کر کے ان کو اور ان کے گھر والوں کو اور ان کے ماننے والوں کو قتل کر دیں گے۔ پھر ہم صالح علیہ السلام کے ولی وارثوں سے کہہ دیں گے۔



وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور انہوں نے فریب کیا اور ہم نے اپنی خفیہ تدبیر کی اور وہ نہیں وہ سمجھتے ۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾

پھر دیکھ کیسے ہوا انجام ان کے فریب کا بے شک ہم نے ہلاک کیا انہیں اور ان کی ساری قوم کو۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۹) یعنی اگر انہوں نے ہم سے پوچھا کہ انہیں کس نے مارا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ جناب ہم تو ان کی ہلاکت کے وقت اس شہر میں موجود ہی نہ تھے۔ اور بے شک ہم سچے ہیں۔ جیسے یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے کہا تھا۔ آپ ہماری بات نہیں مانیں گے خواہ ہم سچے ہوں۔ حالانکہ سارا کیا کرا ان کا ہی تھا۔

(آیت نمبر ۵۰) انہوں نے بھی اپنے طور پر مکر کیا۔ یعنی حیلہ کیا جس میں مکر و فریب تھا۔ پھر ہم نے بھی ان کے مکر پر اپنی خفیہ تدبیر کی کہ انہیں ایسے طریقے سے تباہ کیا کہ انہیں سمجھ ہی نہ آئی۔

فسادیوں کی تباہی: صالح علیہ السلام نے شہر سے باہر دور ایک مقام پر اپنی مسجد بنائی ہوئی تھی۔ آپ فارغ اوقات میں وہیں پر نماز ادا فرماتے اور ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔

(آیت نمبر ۵۱) ان نو شیطانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ رات کے وقت جا کر صالح علیہ السلام کو قتل کر دیں گے۔ اس کے بعد ان کے گھر والوں اور تمام ماننے والوں کو بھی قتل کر دیں گے کیونکہ انہوں نے ہمیں کہا ہے کہ تم تین دنوں میں ہلاک ہو جاؤ گے۔ ہم انہیں اس سے پہلے ہی ہلاک کر دیں تا کہ ہم بتائیں کہ ہم میں سے پہلے کون ہلاک ہوا۔ چنانچہ یہ منصوبہ بنا کر وہ رات کے وقت صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کیلئے چل پڑے کیونکہ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ رات کے وقت وہ عبادت میں مشغول ہوتے ہیں۔ یہ موقع مناسب ہے۔ راستے میں ایک غار تھی اس میں کچھ دیر کیلئے بیٹھے تو اوپر سے ایک پتھر آیا اور غار کا منہ بند ہو گیا۔ وہ وہیں پر فی النار ہو گئے۔ پچھلے انتظار ہی کرتے رہ گئے کہ وہ ابھی صالح اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر کے واپس آ رہے ہیں اور پچھلے بھی تین دنوں میں تباہ ہو گئے انہیں ایک گرج نے تباہ کر دیا۔ یعنی پہلے ان کی شکلیں بدلیں۔ پھر ان پر ایسی گرج دار آواز آئی۔ کہ وہ وہیں پر ہی ڈھیر ہو گئے۔ ایک روایت یہ ہے۔ کہ راستے میں تھک کر ایک ٹیلے کے نیچے بیٹھے۔ تو وہ ان کے اوپر گر پڑا اور وہ ہلاک ہو گئے۔

فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً ۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ

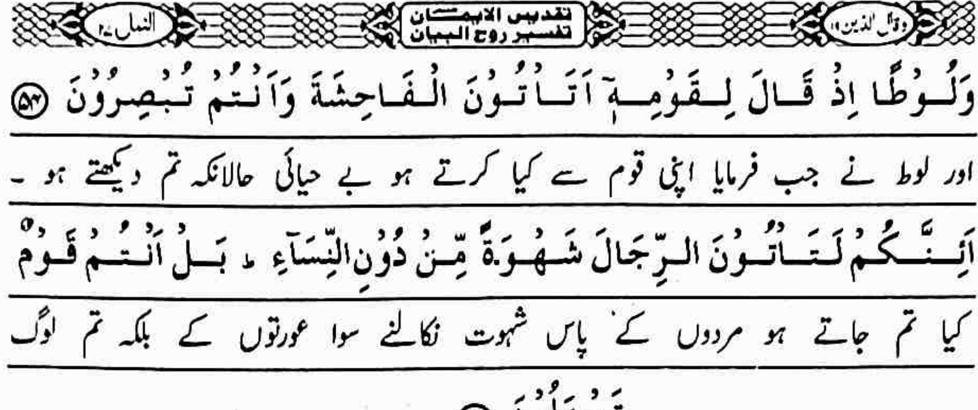
پھر یہ ان کے گھر گرے پڑے ان کے ظلم کے سبب۔ بے شک اس میں عبرت کی نشانی ہے اس قوم کیلئے

يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾

جو جانتے ہیں۔ اور بچایا ہم نے انہیں جو ایمان لائے اور تھے ڈرتے ۔

(آیت نمبر۵۲) پس اے محبوب دیکھ لیں پھر ان کے مکر کا انجام کیسا ہوا یعنی ان کا بہت برا انجام ہوا کہ ہم نے انہیں بھی اور ان کی باقی قوم کو بھی تباہ و برباد کر دیا۔ وہ جو رات کے وقت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کے ارادے سے گئے تھے۔ ان سب کو ہلاک کر دیا گیا کہ ان کا ایک فرد بھی نہیں بچا کہ جس پر عذاب نہ آیا ہو۔ **فائدہ:** علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کی تباہی و بربادی کے معاملے میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ صالح علیہ السلام کو تباہ و برباد کر دیں اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ ان فسادیوں کو پہلے تباہ و برباد کیا جائے تو قتل کرنے کے ارادے سے جانے والے مٹی کے تودہ کے نیچے دب گئے اور دم گھٹ کر مر گئے اور باقی قوم چنگھاڑ سے تباہ ہوگئی۔ اس لئے کہ وہ فساد کرتے وقت کرخت آوازیں نکالتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں ایسی سخت سزا میں مبتلا کیا۔ یہ ان کے گھر ہیں جو گرے پڑے ہیں اور اپنے مکینوں سے خالی پڑے ہیں اور خراب خستہ حال ہیں۔ اس لئے کہ ان کے مکینوں نے ظلم کئے۔ گندے اور برے اعمال کئے۔ اس قصے میں یا ان کی اس عجیب وغریب تباہی میں بھی عبرت کا نشان موجود ہے ایسے لوگوں کیلئے جو علم والے ہیں اور اس قسم کے واقعات سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میں تیری قوم سے بھی ایسا ہی کر سکتا ہوں لیکن ان کیلئے ایک وقت مقرر ہے جب وہ وقت آ گیا تو پھر ان کی بھی خیر نہیں ہوگی۔

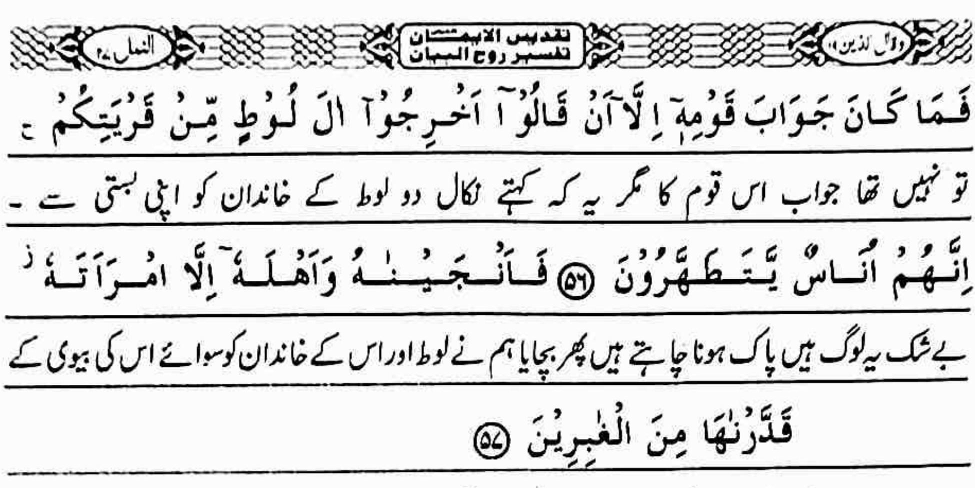
(آیت نمبر۵۳) اور نجات دی ہم نے ایمان والوں کو یعنی صالح علیہ السلام کو بھی اور ان پر ایمان لانے والے دیگر مومنوں کو بھی نجات دی کیونکہ وہ لوگ متقی تھے۔ یعنی وہ کفر و شرک سے بھی بچتے اور ہر قسم کے گناہوں سے بھی ہمیشہ بچتے رہتے تھے (کتنے خوش نصیب تھے جن کے تقوے کی گواہی اللہ تعالیٰ دے رہا ہے)۔ **فائدہ:** یمن میں ایک شہر حضر موت ہے یہ نام اسکا اس وجہ سے پڑا کہ جناب صالح علیہ السلام اس شہر میں پہنچے تو وہاں ہی موت ان کی خدمت میں حاضر ہوگئی۔ اور ان کا وہیں انتقال ہوگیا۔ اس مناسبت سے اس کا نام حضر موت پڑ گیا۔ یہاں ایک بات واضح کروں۔ کہ مئی ۲۰۱۸ء میں ہم جب بغداد شریف گئے۔ وہاں کربلا معلی اور پھر نجف اشرف میں گئے تو وہاں حضور مولد علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مزار اقدس سے تقریباً میل بھر دور ایک بہت بڑا قبرستان تھا۔ اس قبرستان میں دو اکٹھی قبریں تھیں۔ ایک ہود علیہ السلام کی اور دوسری صالح علیہ السلام کی مشہور تھی نام اوپر یہی لکھے تھے۔ (واللہ اعلم بالصواب)



(بقیہ آیت نمبر ۵۳) **فائدہ:** اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ظلم والے علاقے سے نکل جانا چاہئے اور اس علاقے میں جانا واجب ہے۔ جہاں عدل قائم ہو۔ خصوصاً ایسے ظالموں سے دامن بچا کر نکل جانا ضروری ہے۔ جہاں بلاوجہ شر وفساد ہو۔ اس لئے کہ جہاں ظلم ہو وہاں تاریکی ہی رہتی ہے۔ وہاں عبادت کو بھی نور نصیب نہیں ہوتا۔ اس لئے عقل مند لوگوں کو چاہئے کہ جہاں ظلم وستم ہو رہا ہے۔ وہاں سے نکل کر ایسی جگہ جانا چاہئے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہوتی ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں نفس وشیطان کے مکر وفریب سے بچائے۔ بلکہ ہر دشمن کے تمام حوادث سے وتکالیف سے نجات بخشے۔

(آیت نمبر ۵۴) اور ہم نے لوط علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا۔ یعنی پیارے حبیب ﷺ یاد کریں وہ وقت کہ جب لوط علیہ السلام نے قوم سے فرمایا کہ کیا تم بے حیائی کا فعل کرتے ہو۔ مراد یہ ہے کہ اے لوگو تم انتہائی برا فعل کرتے ہو۔ حالانکہ سمجھتے بھی ہو کہ یہ برا فعل ہے پھر بھی تم جان بوجھ کر اس برے فعل کا ارتکاب کرتے ہو یہ تو ڈبل برا کام ہے اور ناقابل معافی جرم ہے کبھی بصر بمعنی علم ہوتا ہے اور وہ قوت قلب کو حاصل ہو تو اسے بصیرت سے تعبیر کرتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ یہ فعل لاعلمی سے کرنا بھی برا ہے تو علم ہوتے ہوئے اور بھی زیادہ برا ہے۔

(آیت نمبر ۵۵) کیا تم شہوت پوری کرنے مردوں کے پاس آتے ہو۔ جماع کا مقصد اولاد پیدا کرنا ہوتا ہے نہ کہ شہوت کی آگ بجھانا اور تم عورتوں کو چھوڑ کر لڑکوں سے بے حیائی کرتے ہو اور جو اس کا اصل محل ہے اس سے تجاوز کرتے ہو بلکہ تم تو نرے جاہل لوگ ہو جو بھی اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کر رہے وہ پڑھے لکھے جاھل ہیں۔ اس لئے کہ جو اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرے اس میں اور جاہل میں کیا فرق ہے۔



فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ

تو نہیں تھا جواب اس قوم کا مگر یہ کہ کہتے نکال دو لوط کے خاندان کو اپنی بستی سے۔

اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٥٦﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ

بے شک یہ لوگ ہیں پاک ہونا چاہتے ہیں پھر بچایا ہم نے لوط اور اس کے خاندان کو سوائے اس کی بیوی کے

قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٥٧﴾

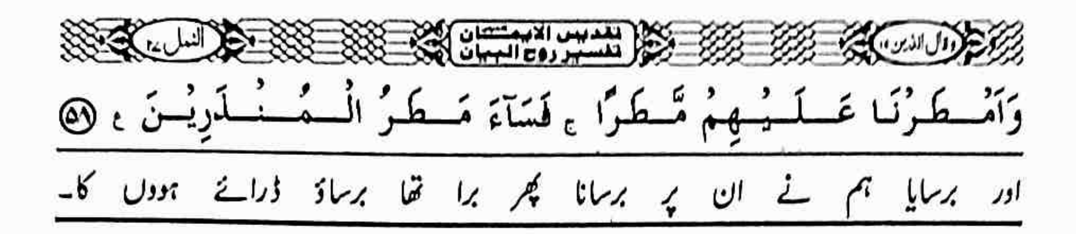
ہم نے اس کا مقدر پیچھے رہنے والوں کے ساتھ کر دیا۔

(آیت نمبر ۵۶) پس نہیں تھا کوئی جواب ان کی قوم کا مگر یہ کہ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ نکالو لوط اور اس کے ماننے والوں کو اپنے شہر سے۔ (اس سے شہر سدوم مراد ہے)۔ یہ لوگ ہیں جو پاک بنے پھرتے ہیں۔ یعنی ہمارے جیسے عمل کو نہیں اپناتے یا یہ ہمارے فعل کو پلیدیوں سے تعبیر کرتے ہیں۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ بات انہوں نے بطور استہزاء یعنی ٹھٹھہ مخول کرنے کیلئے کہی اور یہ ان کا آخری جواب ہے اس کے بعد لوط علیہ السلام نے انہیں کوئی وعظ و نصیحت نہیں کی۔ یعنی پھر ان کی تباہی و بربادی ہوگئی۔

(آیت نمبر ۵۷) پھر ہم نے لوط اور ان کے گھر والوں کو نجات دی یعنی جو ان کے قریبی تھے اور ان کے ماننے والے بھی اس طرح کہ عذاب آنے سے پہلے ہی ہم نے انہیں سدوم شہر چھوڑنے کا حکم دے دیا کہ تم سب یہاں سے ہجرت کر جاؤ مگر آپ کی بیوی جو واہلہ نامی کافرہ تھی۔ اسے نجات نہ دی گئی۔ اس لئے کہ اس کا مقدر پیچھے رہنے والوں کے ساتھ کر دیا۔ تاکہ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ عذاب میں مبتلا ہو۔ اسی لئے وہ وہاں ہی دوسرے کافروں کے ساتھ تباہ ہوگئی اگرچہ کچھ لوط علیہ السلام کے ساتھ تھوڑا سا باہر نکلی ہی تھی کہ اسے اپنے رشتہ دار یاد آگئے۔ تو انہیں یاد کرتے ہی ایک پتھر سر پر لگا اور وہیں ڈھیر ہوگئی۔

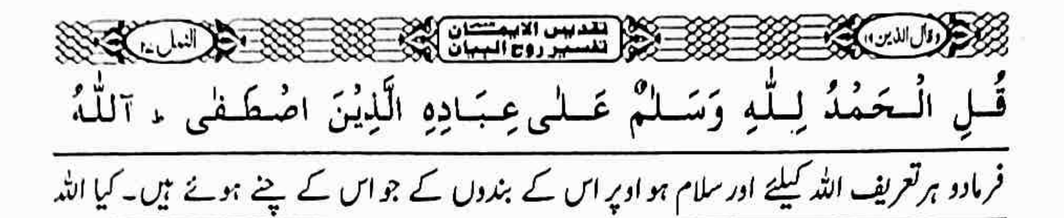
فائدہ: معلوم ہوا کہ برے عمل انسان کو سیدھی راہ سے بھٹکا دیتے ہیں۔ سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے انسان کی ظاہر علامت یہ ہے کہ وہ وہی کام کرنے لگ جاتا ہے۔ کہ جس سے شرع نے منع کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں لذات دنیا اور شہوات حاصل کرنے کا مرض ہو جاتا ہے۔



(آیت نمبر ۵۸) ہم نے ان کے شہروں کو الٹنے کے بعد ان پر پتھروں کی بارش برسائی پھر وہ کتنی ہی بری بارش تھی۔ جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا۔

مسئلہ: ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ بعض فقہاء نے اس آیت سے لواطت کرنے والے کی سزا سنگسار کرنا نکالی ہے یعنی لواطت کو انہوں نے زنا کے برابر قرار دیا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس برے فعل کی سزا خود بھی یہی دی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ لواطت کرنے اور کرانے والے دونوں کو سنگسار کیا جائے خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے کہ لواطت کا حکم زنا جیسا ہے شادی شدہ ہوں تو سنگسار کیا جائے ورنہ کوڑے مارے جائیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ان پر حد نہ لگائی جائے البتہ ان کو تعزیر لگائی جائے۔ صاحبین نے اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ والا حکم دیا ہے۔ صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ قوم لوط کو تو پتھروں کی سزا اس لئے دی گئی تھی کہ انہوں نے ڈائریکٹ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کی سخت مخالفت کی اور جان بوجھ کر اس برے فعل کا ارتکاب کیا تھا۔ لہذا اب سنگسار کے بجائے سخت ترین سزا سے ان کو ایسا ڈرایا جائے کہ آئندہ وہ یہ کام نہ کریں۔ بے ریش لڑکے عظیم فتنہ ہیں کہ ان سے نہ نکاح ہو اور نہ جماع۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ بے ریش لڑکے کو دیکھنے سے بھی بچے چہ جائیکہ اس سے بدفعلی کرے اس میں اللہ تعالیٰ کی سخت پکڑ ہے۔



قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ؕ آٰللّٰهُ

فرمادو ہر تعریف اللہ کیلئے اور سلام ہو اوپر اس کے بندوں کے جو اس کے چنے ہوئے ہیں۔ کیا اللہ

خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ ﴿۵۹﴾

بہتر ہے یا ان کے شریک خودساختہ۔

(آیت نمبر۵۹) اے محبوب فرمادیں۔تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ان سب نعمتوں پر جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائیں۔خصوصاً انبیاء واولیاء کے دشمنوں کو تباہ کیا اور سلامتی اور نجات ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے پرہیزگار بندوں پر جنہیں اس نے برگزیدہ بنایا۔انہیں ہدایت بخشی اور نبوت وولایت کے لئے منتخب فرمایا۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ اللہ والوں کے دشمن ضرور تباہ وبرباد ہوتے ہیں اگرچہ دیر کے بعد۔لیکن انہیں بقا نہیں مل سکتی اور انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں کو سلامتی اور نجات ملتی ہے۔اسی طرح انبیاء کے وارثین کو بھی جو اولیاء کاملین ہوتے ہیں۔یہی طریقہ جاری ہے بلکہ ہر زمانے میں یہ ہوا۔اور ہوتا رہے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو سلامتی عطا فرمائے گا۔آگے فرمایا کہ کیا خدائے بزرگ وبرتر کافی نہیں بہت ہے اپنے بندوں کو نفع پہچانے کیلئے یا وہ جن کو یہ مشرک اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں تو کیا ان کے بت اپنے پوجنے والوں کو کوئی نفع پہنچاتے ہیں۔ظاہر ہے بتوں نے کسی کو کیا نفع پہنچانا ہے۔نفع پہنچانے والی ذات تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے جو ہر ایک کو نفع پہنچا رہا ہے خواہ کوئی ساتویں زمین میں ہے۔ہمارا دعویٰ یہی ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر ذات ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔

مسئلہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ آیت ختم فرماتے تو یہ کلمات ادا فرماتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

وہم کا ازالہ: اس کا یہ مطلب نہیں کہ بت بھی بہتر ہیں۔بلکہ یہاں مشرکین پر الزام۔اور ان پر تہدید شدید اور تہکم مراد ہے یا یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے اپنے بتوں سے بھلائی کا ارادہ رکھا ہوا ہے۔ان سے کہا گیا ہے کہ بھلائی مانگنی ہے اور خیر کا اگر سوال کرنا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ سے کریں۔

پارہ نمبر ۱۹ ختم مورخہ یکم مئی بروز بدھ

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ

یا جس پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور اتارا تمہارے لئے آسمان سے پانی ۔

فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ

پھر اگائے ہم نے اس سے باغات رونق والے۔ نہیں تھی تمہاری طاقت کہ تم اگاتے ایک درخت بھی

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۗ ﴿۶۰﴾ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ

کیا کوئی خدا ہے ساتھ اللہ کے۔ بلکہ وہ لوگ راہ سے ہٹتے ہیں۔یا وہ جس نے بنایا زمین کو

قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ

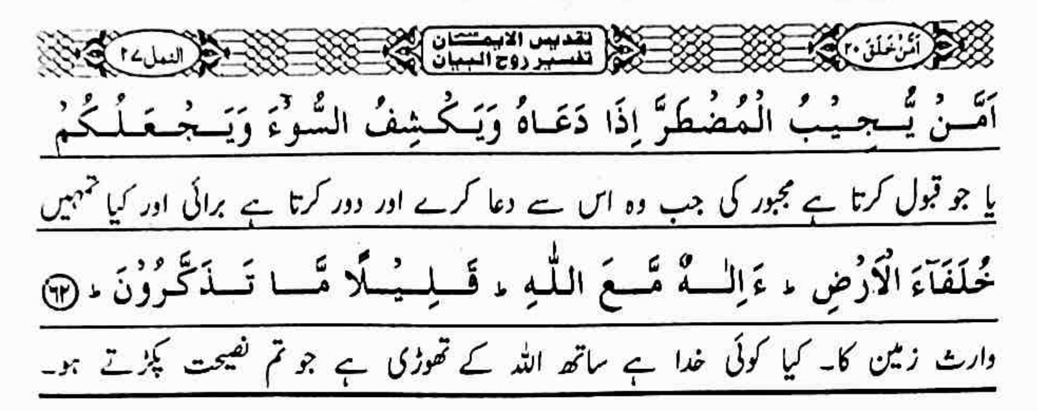
ٹھہرا ہوا اور بنائیں اس کے اندر نہریں اور بنائے اس کے لئے پہاڑ اور بنایا درمیان

الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۗ ﴿۶۱﴾

دوسمندروں کے پردہ۔ کیا کوئی ہے خدا ساتھ اللہ کے۔ بلکہ اکثر ان میں سے نہیں جانتے۔

(آیت نمبر۶۰) کیا وہ جس نے زمین وآسمان بنائے جو کائنات کی اصل اور بنیاد ہیں وہ بہتر ہے یا ان کے بت جنہوں نے کچھ نہیں بنایا۔ بلکہ وہ خود بنائے گئے ہیں۔ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہر حال میں بہتر ہے۔جس نے آسمانوں سے بارش نازل فرمائی۔تمہارے فائدے کیلئے یہ کام اس کے علاوہ کوئی بھی نہیں کرسکتا۔آگے فرمایا کہ ہم نے اس پانی کے ذریعے خوبصورت گھنے باغات اگائے۔جن کے اردگرد اونچی لمبی دیواریں ہیں تم سے تو ممکن ہی نہ تھا۔کہ تم ان باغات جیسا کوئی ایک درخت بھی اگا سکو چہ جائیکہ ان کے تم پھل پیدا کرو۔تو پھر بتاؤ کیا کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی صفات والا اور خدا ہے۔ ہرگز نہیں نہ کسی کے لائق ہے نہ اتنی کسی کی قدرت ہے۔پھر اس کا کوئی شریک کیسے ہوسکتا ہے۔ بلکہ ان مشرکوں کا کام ہی حق سے الگ ہوجانا ہے۔مفردات میں اس کا معنی ظالمین کیا ہے کہ شرک کر کے وہ ظالم ہوگئے۔یا اس معنی سے ظلم ہے کہ انہوں نے کفر کو ایمان کی جگہ اور شرک کو توحید کی جگہ رکھا۔

(آیت نمبر۶۱) یا یہ بتاؤ وہ کون ہے کہ جس نے زمین ایسی بنائی کہ جس پر انسان حیوان بلکہ ہر چیز کو اس پر ٹھہراؤ ملا۔وہ ذات بہتر ہے جس نے یہ انعامات کئے یا وہ نکمے بت جن کی وہ پرستش کرتے ہیں۔جو کسی کام کے نہیں۔



اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ

یا جو قبول کرتا ہے مجبور کی جب وہ اس سے دعا کرے اور دور کرتا ہے برائی اور کیا تمہیں

خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ ﴿٦٢﴾

وارث زمین کا۔ کیا کوئی خدا ہے ساتھ اللہ کے تھوڑی ہے جو تم نصیحت پکڑتے ہو۔

(بقیہ آیت نمبر ۶۱) حالانکہ اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جس نے ان کے درمیان نہریں جاری کیں اور اسی نے اس زمین میں مضبوط پہاڑ رکھے۔ جن میں ہر قسم کی کانیں اور چشمے رکھے۔ یہ سب لوگوں کے نفع کیلئے ہیں۔ جن سے ان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ اور اس ذات نے دو دریاؤں میں ایک پردہ رکھ دیا کہ ایک طرف میٹھا پانی ہے۔ دوسری طرف کڑوا ہے۔ نہ میٹھا پانی کڑوے سے ملتا ہے نہ کڑوا میٹھے سے۔ بھلا بتاؤ کہ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے۔ یعنی ایسا واجب الوجود ہے یا ایسی عجیب وغریب مصنوعات والا۔ اور کوئی ہے۔ ہرگز نہیں اس جیسا کوئی نہیں۔ بلکہ اکثر لوگ نہیں جانتے۔ وہ شرک کے بطلان کو نہیں سمجھتے۔ حالانکہ شرک کا باطل ہونا تو سورج سے زیادہ واضح ہے۔

(آیت نمبر ۶۲) یا وہ کون ہے جو کسی مجبور کی اس کی تنگی کے وقت مشکل کشائی کرے اور کوئی پریشان حال اسے پکارے تو وہ اس کی تکلیف کو دور کر دے۔ تو جو تکالیف دور کرے وہ بہتر ہے۔ یا وہ بت جو کسی کام نہ آئیں اور تم نے خواہ مخواہ انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے۔

حکایت: حضرت داؤد یمانی رحمۃ اللہ علیہ کسی بیمار کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے۔ بیمار نے عرض کی دعا فرمائیں۔ مجھے صحت ہو جائے تو فرمایا کہ اس وقت تم مضطر ہو اور مضطر کی دعا جلد قبول ہوتی ہے۔ بہ نسبت تندرست کی دعا کے۔ اس لئے کہ پریشان حال زیادہ عجز وانکساری کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو عجز وانکساری ہی زیادہ پسند ہے۔

فائدہ: مجبور اور مظلوم کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔ ان کی دعا سیدھی اللہ تعالیٰ تک پہنچتی ہے۔

قبول دعا کی شرائط:

(۱) دعا میں خلوص ہو۔ (۲) شکوک وشبہات سے پاک ہو۔ (۳) توسل الی اللہ۔ (۴) توبہ خالص۔ (۵) اعضاء کا پاک وصاف ہونا۔ (یعنی حرام کھانا اور پینا یا لباس نہ ہو)۔

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ

یا کون ہے جو تمہیں راہ دکھاتا ہے اندھیروں میں خشکی اور سمندر کے اور کون بھیجتا ہے ہوائیں بطور خوشخبری کے۔

بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ؕ ﴿٦٣﴾

پہلے اپنی رحمت کے۔ کیا کوئی خدا ہے ساتھ اللہ کے۔ برتر ہے اللہ اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر٦٢) دعا سے پہلے مسواک سے وضو کرنا اور خوشبو لگانا۔ دعا کے وقت منہ قبلہ کی طرف ہونا۔ دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ثناء۔ حضور ﷺ پر درود وسلام۔ ہاتھ دونوں سینے تک اٹھانا۔ عجز و نیاز آہ وزاری سے دعا کرنا۔

بایزید بستامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ دعا میں صرف ایک ہاتھ اٹھایا۔ سردی کی وجہ سے دوسرا ہاتھ نہیں اٹھایا۔ خواب میں دیکھا کہ وہ ہاتھ جو اٹھا رکھا تھا وہ نور سے بھرا ہوا ہے اور دوسرا خالی تھا۔ عرض کی یا اللہ دوسرا ہاتھ خالی کیوں۔ آواز آئی کہ مجھ سے مانگتے وقت تو نے ایک ہی ہاتھ اٹھایا۔ ہم نے اسے بھر دیا۔ دوسرا نہیں اٹھایا۔ اس لئے اسے خالی رکھا۔ آگے فرمایا کہ اس اللہ نے تمہیں زمین میں اپنا جانشین بنایا۔ یعنی پچھلے لوگوں کا وارث بنایا تاکہ اس زمین پر رہ کر تصرف کرو۔ یہی سلسلہ قرن بعد قرن چلتا رہا اور قیامت تک چلتا رہے گا تو کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی بھی دوسرا خدا ہے کہ جو لوگوں کو اس طرح نعمتوں سے نوازے (ہرگز نہیں) بہت ہی تھوڑا ہے جو تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھا کر اس کو یاد کرتے ہو۔ یہ تھوڑا بھی نہ ہونے کے برابر ہے یا اس طرح کہ لاپرواہی سے یاد کرتے ہو۔

(آیت نمبر٦٣) یا کون ہے وہ جو تمہارے مقاصد کی طرف تمہاری راہنمائی کرتا ہے جب تم خشکی کے اندھیروں یعنی جنگلوں پہاڑوں میں ہوتے ہو یا تری کے اندھیروں یعنی سمندر یا دریاؤں میں ہوتے ہو وہی ذات تمہیں سلامتی سے مقاصد تک پہنچاتی ہے اور یہ بتاؤ وہ کون ذات ہے جو ہواؤں کو چلاتی ہے جو لوگوں کو بارش آنے سے پہلے خوشخبری دیتی ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود ہے جو ایسی قدرتیں رکھتا ہے اللہ تعالیٰ ہی بزرگ و برتر ہے۔ بلند و بالا ہے۔ ان سے جن کو وہ اس کا شریک بناتے ہیں۔ وہ خالق اور قادر ہے۔ وہ ایسا بلند مقام رکھتا ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ اس کے آگے سب عاجز ہیں اور اسی کی مخلوق ہیں۔

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ

یا جس نے ابتداء کی مخلوق کی پھر اسے دوبارہ بنائے گا اور جو تمہیں رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ لَّا يَعْلَمُ

کیا کوئی خدا ہے ساتھ اللہ کے۔ فرمادو لاؤ اپنی دلیل اگر ہو تم سچے۔ فرمادو نہیں کوئی جانتا

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں چھپا ہے سوائے اللہ کے۔ اور نہیں وہ جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

(آیت نمبر ۶۴) یا یہ بتاؤ کون ہے جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے۔ پھر مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے گا۔ **فائدہ:** کفار ابتدائی تخلیق کے بارے میں تو قائل تھے۔ اس کے باوجود انہیں قیامت کے دن اٹھنے سے انکار تھا۔ اس لئے انہیں واضح دلائل سے سمجھایا گیا کہ پانی سے پودے نکلتے ہیں۔ بڑے ہوتے ہیں پھر خشک ہو کر زمین میں ملتے ہیں۔ پھر ان سے ہی سبزا بن جاتا ہے اور عقل بھی مانتا ہے کہ مرنے کے بعد اٹھنا حق ہے کیونکہ یہ تو یقینی بات ہے کہ ہم نہیں تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا فرمایا۔ پھر اس کا لوٹانا تو اس سے زیادہ آسان ہے۔ آگے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ کون ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے۔ یعنی رزق کیلئے کچھ سماوی اسباب ہیں اسی طرح کچھ زمینی اسباب ہیں۔ یہ اسباب کس نے پیدا فرمائے کیا ہے کوئی معبود جو اللہ تعالیٰ کی طرح یہ کام کر سکے۔ اے میرے محبوب (ﷺ) ان کو فرمادو کوئی تمہارے پاس عقلی یا نقلی دلیل ہے جو دلالت کرے کہ واقعی اور بھی کوئی معبود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ۔ برہان اس دلیل کو کہا جاتا ہے جو بہت ہی زیادہ پختہ ہو کہ اس میں سچائی ہی سچائی ہو۔ اس لئے آگے فرمایا اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔

(آیت نمبر ۶۵) اے میرے محبوب آپ فرمادیں نہیں جانتے غیب جو آسمانوں میں ہیں۔ یعنی فرشتے وغیرہ اور جو زمین میں ہیں یعنی جن اور انسان۔ ان میں سے کوئی بھی خود بخود غیب نہیں جانتے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ یعنی عالم الغیب ہونا یہ خاصہ ہے اللہ تعالیٰ کا وہ اس صفت میں اس طرح اکیلا ہے۔ جس طرح باقی صفات میں وہ منفرد ہے۔ غیب سے مراد وہ اشیاء جو بندوں کی نظروں سے غیب ہیں ان کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتے کہ وہ کب قبروں سے نکال کر اٹھائے جائیں گے۔ (**فائدہ:** اللہ تعالیٰ کسی کو علوم غیبیہ عطا کرے تو کر سکتا ہے۔ اس کا ثبوت قرآن میں موجود ہے)۔

غیب کا علم تعلیم حق کے بغیر ناممکن ہے: جیسے اسماء جن کی تعلیم آدم علیہ السلام کو دی گئی۔ فرشتوں کو بھی وہ نام بتائے گئے۔ مگر وہ نہ سنا سکے اس سے معلوم ہوا۔ جو بزرگی آدم علیہ السلام کو دی گئی۔ وہ ملائکہ کو نصیب نہ ہوئی۔

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْهَا ۚ بَلْ هُمْ مِّنْهَا

بلکہ پہنچ گیا ان کا علم آخرت تک۔ بلکہ وہ تو شک میں ہیں اس کے۔ بلکہ وہ اس سے

عَمُوْنَ ۚ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾

اندھے ہیں۔ اور کہا کافروں نے کیا جب ہم ہوں گے مٹی اور ہمارے آباء بھی تو کیا ہم نکالے جائیں گے

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾

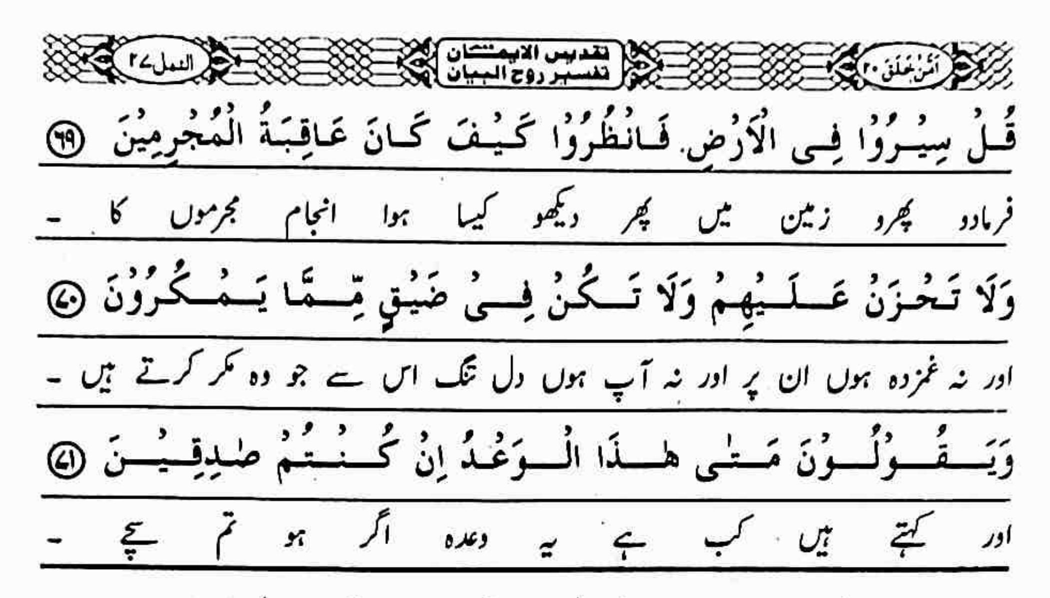
البتہ تحقیق وعدہ دیئے گئے یہ ہم اور ہمارے باپ دادا اس سے پہلے نہیں ہے یہ مگر قصے اگلے لوگوں کے

(بقیہ آیت نمبر ٦٥) یعنی وہ مغیبات جن پر فرشتے آگاہ نہ ہو سکے۔ یہی علم غیب ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم ہوتا ہے۔ (٢) ایک وہ غیب ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اس پر اطلاع نہ آسمان والوں کو ہے۔ نہ زمین والوں کو۔ البتہ جن رسولوں کو اللہ تعالیٰ خود علم غیب دینے کیلئے منتخب کر لیتا ہے۔ جیسا کہ سورہ جن میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنا غیب کسی پر بھی ظاہر نہیں فرماتا۔ مگر اپنے رسولوں میں سے جس کو پسند کر لے۔ یعنی اسے غیب کا علم عطا فرما دیتا ہے۔ (٣) ایک وہ علم غیب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص فرمایا ہے۔ جیسے قیامت کا تفصیلی علم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی بھی نہیں جانتا۔ اسی لئے فرمایا کوئی نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ (اس مسئلے پر مزید تفصیلات دیکھنی ہوں تو فیوض الرحمان کا مطالعہ فرمائیں)۔

(آیت نمبر ٦٦) تو کیا ان کا علم اس انتہاء کو پہنچ گیا۔ کہ اب وہ بالکل ختم ہی ہو گیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ انہیں اس بات کا کوئی علم نہیں ہے۔ بلکہ یہ لوگ آخرت کے علم سے بالکل کورے ہین۔ جیسے کوئی کسی بات پر دلیل نہ پائے تو وہ حیرت میں ہوتا ہے۔ خصوصاً وہ باتیں جن کا تعلق قیامت سے ہے۔ آگے فرمایا بلکہ یہ لوگ شکوک وشبہات میں اندھے ہو گئے ہیں اور وہ اندھے بھی وہ دل کے ہو گئے ہیں۔ کہ نہ دیکھ سکیں نہ سمجھ سکیں۔

(آیت نمبر ٦٧) کفار نے یعنی مشرکین مکہ نے کہا کہ جب ہم مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا جو پہلے ہی مر کر مٹی ہو چکے ہیں تو کیا واقعی ہم قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے یہ استفہام انکاری ہے اور ہمزہ کا تکرار بھی انکار کی تاکید ہے اور مبالغہ کیلئے ہے یعنی ہر گز نہیں ہو سکتا کہ دوبارہ زندہ کئے جائیں۔ اصل میں وہ دوبارہ زندہ ہونے والی زندگی کے ہی منکر تھے خواہ مٹی ہوں یا نہ ہوں۔

(آیت نمبر ٦٨) البتہ تحقیق یہ جو اٹھائے جانے کا وعدہ ہمیں دیا جا رہا ہے یہ تو اس سے پہلے ہمارے باپ داداؤں کو بھی مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے وعدے دیئے گئے لیکن ابھی تک وہ نہیں اٹھے۔



قُلْ سِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾

فرمادو پھرو زمین میں پھر دیکھو کیسا ہوا انجام مجرموں کا ۔

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

اور نہ غمزدہ ہوں ان پر اور نہ آپ ہوں دل تنگ اس سے جو وہ مکر کرتے ہیں ۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٧١﴾

اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر ہو تم سچے ۔

(بقیہ آیت نمبر ٦٨) اور نہ وہ قیامت کو بھی اٹھیں گے۔نہیں ہے یہ وعدہ مگر یہ بناوٹی باتیں ہیں جو اپنے پاس سے ہی گھڑ لی گئی ہیں پھر یہ لوگوں کو سنادی گئیں۔

(آیت نمبر٦٩) اے میرے حبیب ﷺ ان کو فرمادیں۔اے جھٹلانے والے منکرو۔اس زمین پر جہاں تم سے پہلے انبیاء کرام ﷩ کو جھٹلانے والے رہے تھے۔یعنی حجر اور احقاف کی بستیاں اور مؤتفکات وغیرہ ان میں چل پھر کے ذرا دیکھو ان میں غور وفکر کرو۔سوچو کیسا ہوا انجام مجرموں کا۔یعنی انبیاء کرام ﷩ کو جھٹلانے کی وجہ سے وہ کس طرح تباہ ہوئے اور کیسے وہ عذاب میں مبتلا ہوئے۔یہاں کفار مکہ کو ڈرسنایا جارہا ہے کہ انہوں نے انبیاء کی تکذیب کی تو ان پر عذاب آیا تو تم پر بھی اس تکذیب کی وجہ سے عذاب آسکتا ہے۔

(آیت نمبر٧٠) اے محبوب ان کی برائیوں پر اصرار کرنے اور جھٹلانے پر کوئی غم نہ کریں اور ان کی ان باتوں سے اور ہٹ دھرمی سے دل تنگ نہ ہوں جو جو یہ مکر وفریب کرتے ہیں اور آپ کو بھی قتل کرنے کے مکر وفریب کرتے ہیں یا یہ لوگوں کو آپ کے دین سے پھرانے کی تدبیریں کرتے ہیں۔اس پر فکر نہ کریں۔ان کا فریب انہیں خود ہی تباہ کردے گا۔آپ کا اور آپ کے دین کا محافظ ونگران اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(آیت نمبر٧١) اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہے یعنی عذاب کے متعلق جو ڈرایا جارہا ہے وہ جلد آجائے گا۔یا دیر سے یعنی اس کے آنے کی حتمی تاریخ کب ہے۔اگر تم اپنی خبریں دینے میں سچے ہو تو بتاؤ کہ وہ کب آرہا ہے۔

قُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾

فرمادو ہو سکتا ہے کہ ہو پیچھے تمہارے کچھ وہ چیز کہ جس کو تم جلد مانگتے ہو۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

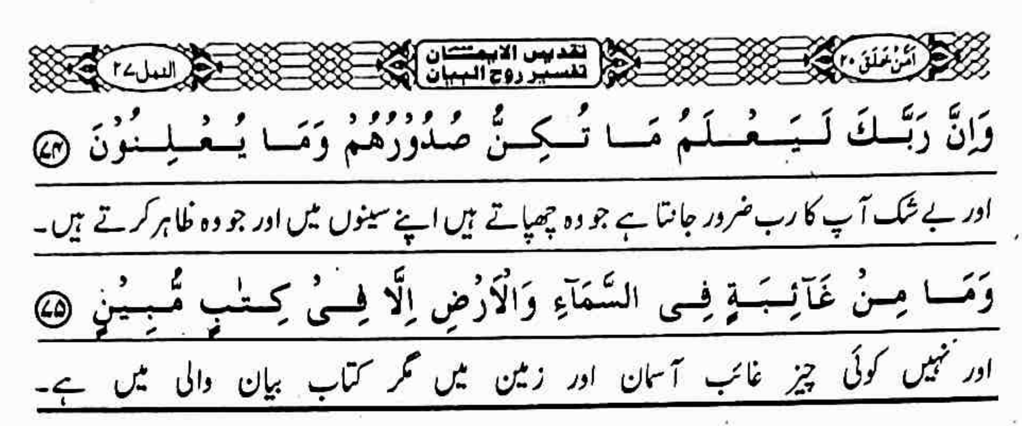
اور بے شک تیرا رب فضل والا ہے اوپر لوگوں کے لیکن اکثر ان میں نہیں شکر کرتے ۔

(آیت نمبر ۷۲) اے میرے محبوب ۔ آپ ان کو فرمادیں ہوسکتا ہے کہ وہ اتنی قریب ہو کہ وہ تمہارے پیچھے پیچھے ہو۔ ان کے سوال کا مقصد یہ کے وہ کب ہے تو جواب میں فرمایا کہ عذاب کا وہ حصہ جس کی تم جلدی کر رہے ہو اس کا کچھ حصہ بدر میں واقع ہوا اور باقی حصہ قیامت کے دن وہ پائیں گے بعض نے لکھا ہے کہ کفار پر عذاب مرنے کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو بندہ مرجاتا ہے اس کی قیامت شروع ہو جاتی ہے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ) اس لئے کہ موت دنیا کا آخری لمحہ ہوتا ہے اور آخرت کا ابتدائی لمحہ ہوتا ہے۔

عسیٰ کا لفظ جب بادشاہ کہے تو اس سے مقصد یقین ہوتا ہے کہ یہ کام یقیناً ہوگا کیونکہ بادشاہ لوگوں کے اشارات ہی ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعیدوں میں بھی عموماً ایسے ہی الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔ آگے فرمایا کہ بے شک آپ کا رب لوگوں پر بہت بڑے فضل واحسان اور انعام والا ہے۔ اس کے باوجود کہ لوگ کفر میں اور طرح طرح کے گناہوں میں منہمک ہو کر عذاب کے جلد مستحق ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کا تقاضا ہوتا ہے کہ انہیں جلد عذاب نہیں دیا جاتا۔ عذاب کو موخر کر دیا جاتا ہے لیکن اکثر لوگ ان میں ناشکرے ہیں کہ جو نہ حق نعمت کو پہچانتے ہیں۔ نہ نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ بلکہ وہ تو پہلے کفار کی طرح اور اپنی جہالت کی وجہ سے جلد عذاب مانگتے ہیں۔

(آیت نمبر ۷۳) **فائدہ** : اس آیت میں اشارہ ہے کہ منکرین قیامت کا عذاب جلد مانگنا یہ ان کی جہالت اور حماقت کی دلیل ہے جبکہ انہیں دلائل کے ساتھ واضح کر دیا گیا کہ ان پر عذاب لازماً واقع ہوگا۔ پھر اس بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذابوں میں پے در پے مبتلا کیا جاتا رہا یعنی مختلف اوقات میں آفات وبلیات کا آنا ان پر ہوتا رہا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے "لذو فضل علی الناس" فرمایا ہے کہ وہ بڑے عذاب کے بجائے چھوٹے عذاب میں مبتلا کرتا ہے کہ شاید وہ ڈر کر اپنے پروردگار کے احسان کو سمجھ جائیں۔



10

(بقیہ آیت نمبر۷۳) لیکن ان میں اکثر لوگ نعمت وزحمت کو نہیں سمجھتے یعنی ایسے لوگ بہت کم ہیں کہ جو نعمت اور فضل الٰہی کو جانتے اور سمجھتے ہوں کہ نعمت کیا ہے اور عذاب کیا ہے (یعنی جو آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتے ہیں)۔

(آیت نمبر۷۴) بے شک آپ کا رب ضرور جانتا ہے جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں۔اور جو وہ ظلم کرتے ہیں کن کا معنی ہے کسی چیز کی حفاظت والی جگہ میں چھپانا یعنی وہ صرف عذاب کی عجلت نہیں چاہتے بلکہ اس کے علاوہ اور بھی ان کے بڑے بڑے افعال ومقاصد ہیں جو ابھی انہوں نے دل میں چھپا رکھے ہیں۔ابھی انہیں انہوں نے ظاہر نہیں کیا۔لیکن قیامت کے دن اس کی سزا انہیں اللہ تعالیٰ ضرور دے گا۔

(آیت نمبر۷۵) نہ آسمان میں کوئی چیز پوشیدہ ہے اور نہ زمین میں۔مگر روشن کتاب یعنی لوح محفوظ میں سب کچھ لکھ دیا گیا ہے سب اللہ کے علم کے احاطے میں ہے یعنی کوئی چیز بھی خواہ کتنی پوشیدہ ہو۔اسے اللہ تعالیٰ ضرور جانتا ہے وہ اس کے علم کے احاطہ میں ہے اور غیب وحاضر اللہ تعالیٰ کے آگے سب برابر ہے۔بحر الرائق میں ہے کہ مغیبات کی موجود ومعدوم کی جملہ اشیاء اس کے علم کیلئے سب برابر ہیں۔

سبق :انسان پر لازم ہے کہ گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سب ترک کردے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کے ہر فعل وقول پر مطلع ہے خواہ وہ اپنے فعل کو کتنا ہی چھپائے۔

حکایت بوستان :ایک منکر پر اتفاق سے ایک بزرگ کا گذر ہوا تو وہ اس بزرگ سے شرمسار ہوا اور اپنی پیشانی سے پسینہ صاف کرنے لگا تو اس بزرگ نے فرمایا۔خداوند کریم سے تجھے شرم نہ آئی اور مجھ سے شرم آ گئی جس طرح تو اپنوں بیگانوں سے شرم کر رہا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ سے شرم کر۔اللہ کے حقوق کی حفاظت کر کسی سے تجھے خوش حالی نہیں ملے گی۔اپنے نفس کے گناہوں سے خوف کرلے۔تو قیامت کے دن کسی چیز کا ڈر خوف نہیں ہوگا۔اللہ تعالیٰ بروز قیامت اسے ذلیل نہیں کرے گا۔جسے گناہوں کے ڈر سے آنسو بہہ نکلے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَكْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ

بے شک یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی اسرائیل کی اکثر وہ باتیں جن میں

یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۷﴾

وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اور بے شک وہ ہدایت اور رحمت ہے مومنوں کیلئے ۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۵) **سبق**: مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنے سینے کو بغض، کینے اور عداوت سے صاف رکھے۔

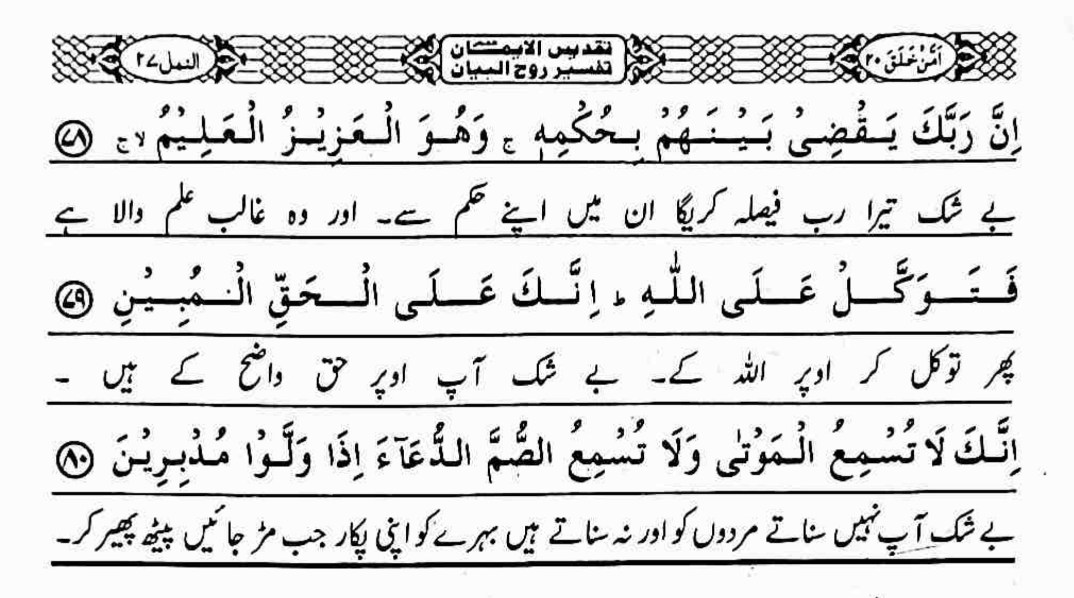
ایک واقعہ کہ ایک دفعہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ جو اس دروازے سے پہلے شخص آئے گا۔ وہ جنتی ہے تھوڑی دیر بعد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ داخل ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو خوشخبری سنائی اور پوچھا کہ آپ کا ایسا کون سا عمل ہے۔ فرمایا کہ میں کسی کے متعلق دل میں کینہ اور بغض نہیں رکھتا۔

فائدہ: علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں: (۱) یہ کہ حضور ﷺ نے بواسطہ وحی غیبی خبر دی۔ اس لئے کہ ذاتی علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے البتہ وحی یا الہام کے ذریعے نبی یا ولی کو علم ہو جاتا ہے۔ (۲) یہ کہ کینے اور بغض سے صفائی جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے۔

(آیت نمبر ۷۶) بے شک یہ قرآن جو حضور ﷺ پر اترا یہ بنی اسرائیل کیلئے بیان کرتا ہے وہ باتیں جن میں وہ اپنی جہالت سے اختلاف کرتے ہیں۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام یا عزیر علیہ السلام کے بارے میں۔ اور قیامت کو اٹھنے۔ جنت و دوزخ کے بارے میں وہ سخت اختلاف کرتے ہیں۔ اور بھی ایسے بہت سارے مسائل میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیتے اور قرآن پر عمل کرتے تو اس گناہ سے بچ جاتے۔

(آیت نمبر ۷۷) اور بے شک یہ قرآن ضرور ہدایت دیتا ہے اور سراسر رحمت ہے ایمان والوں کیلئے خواہ وہ ایمان والے بنی اسرائیل سے ہوں جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ یا کوئی اور ہوں۔

فائدہ: اہل ایمان کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ اس قرآن سے صحیح فائدہ ایمان والوں نے اٹھایا۔ تو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انہیں ہدایت دی۔ اور آخرت میں ان پر رحمت فرما کر انہیں جنت عطا فرمائے گا۔ اس لحاظ سے یہاں رحمت بمعنی جنت ہے۔



اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝۷۸

بے شک تیرا رب فیصلہ کریگا ان میں اپنے حکم سے۔ اور وہ غالب علم والا ہے

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ۝۷۹

پھر توکل کر اوپر اللہ کے۔ بے شک آپ اوپر حق واضح کے ہیں۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝۸۰

بے شک آپ نہیں سناتے مردوں کو اور نہ سناتے ہیں بہرے کو اپنی پکار جب مڑ جائیں پیٹھ پھیر کر۔

(آیت نمبر ۷۸) بے شک آپ کا پروردگار ان اختلاف کرنے والوں میں قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا۔ اپنے حکم کے ساتھ۔ وہ برحق فیصلہ فرماتا ہے۔ یعنی اس کے فیصلے میں عدل وانصاف ہوتا ہے اور وہ غالب یعنی ایسا قادر ہے کہ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا اور وہ جاننے والا ہے تمام اشیاء کو تو وہ ان کو بھی جانتا ہے جن میں فیصلہ فرمائے۔

(آیت نمبر ۷۹) جب وہ اتنی عظیم الشان ذات ہے تو بھروسہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پر کریں۔ مخالفین کی دشمنی کا دل میں خیال بھی نہ لائیں۔ توکل کا معنی ہے۔ یعنی سب سے کٹ کر صرف اللہ کا ہو کر رہنا۔ اور سب امور اسی کے سپرد کرینا اور کسی کی پرواہ نہ کرنا اور جب مصائب گھیر لیں تو صرف اسی کی طرف مائل ہونا۔ جب تم نے اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرلیا تو تم سمجھ لو کہ تم واضح طور پر حق پر ہو اور راہ راست پر ہو اور جو حق پر ہوتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت پر مکمل بھروسہ ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۸۰) بے شک آپ مردوں کو نہیں سناتے۔ اس سے مراد کفار ہیں۔ وہ گویا مردے ہیں۔

فائدہ: کفار کو مردوں سے تشبیہ اس لئے دی گئی کہ ان پر جس قدر بھی آیات قرآنی پڑھی جاتی ہیں وہ ان سے کوئی نفع حاصل نہیں کرتے اور اس سے وہ کفار مراد ہیں جن کی قسمت میں ایمان لانا ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ ایمان خوش قسمت آدمی کو نصیب ہوتا ہے۔ **فائدہ**: موتیٰ سے کفار کی تشبیہ سے مراد ان کے قلوب ہیں۔ اس لئے کہ انسان کے دل میں کفر ونفاق اور حب دنیا ہوتی ہے۔ لہذا وہ دل کے مردہ ہیں۔ مراد یہ ہوگی کہ مردہ دل تمہاری بات سمجھ نہیں سکتے۔ بلکہ ہر دنیا دار بھی مردہ دل ہے۔ (اس سے بعض لوگ یہ مراد لیتے ہیں۔ کہ حضور مردوں کو کوئی بات نہیں سنا سکتے۔ حالانکہ اس آیت سے مراد یہ ہے ہی نہیں۔ یہاں موتیٰ بمعنی کفار ہے۔)

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ

اور نہیں آپ ہدایت دینے والے ہیں اندھے کو ان کی گمراہی سے۔ نہیں آپ سناتے مگر اس کو جو ایمان رکھتا ہے

بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

ہماری آیتوں پر وہی مسلمان ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۸۰) **اولیاء زندہ ہیں:** یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارف باللہ (اولیاء کرام) زندہ ہیں۔ جیسے انبیاء زندہ ہیں۔ باقی لوگ مردے ہیں۔ اس لئے کہ معرفت حقیقیہ سے روح کو زندگی ملتی ہے۔ آگے فرمایا کہ آپ انہیں نہیں سناتے جب وہ پیٹھ پھیریں۔ مدبرین سے مراد ہے حق سے منہ پھرانے والے یا حق کو چھوڑنے والے اور فرمایا کہ آپ بہرے کو بھی کسی قسم کی دعوت نہیں دے سکتے کہ جب وہ منہ پھیر کر چل دے۔ یعنی ایسی حالت میں سماع ناممکن ہے کہ جب جس کو سنائیں وہ بہرا بھی ہو اور پیٹھ دے کر مڑ بھی جائے۔ پھر بولنے والا خواہ قریب بھی ہو اسکا سننا غیر یقینی ہے۔

(آیت نمبر ۸۱) اور نہ آپ راہ دکھانے والے ہیں اندھے کو جب وہ راستے سے بھٹک جائے۔ یہاں ہدایت سے مراد واصل الی المطلوب ہے۔ اس لئے کہ راہ دیکھنے کیلئے بصر (بینائی) کا ہونا ضروری ہے۔ عمیٰ سے مراد قوت بینائی کا نہ ہونا۔ یعنی بصیرت کے نہ ہونے کو بصارت کے نہ ہونے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اسی لئے ایک مقام پر فرمایا کہ ان کے دل اندھے ہیں۔ جو ان کے سینے میں ہیں۔ آگے فرمایا کہ آپ نہیں سناتے مگر اس کو جو ہماری آیات پر ایمان لاتا ہے۔ جس کی قسمت میں ہم نے ایمان لانا لکھ دیا ہے۔ پس وہی لوگ ماننے والے ہیں۔ یہ ان کے ایمان کی علت ہے جو ان آیات تنزیلیہ کو غور سے سنتے ہیں۔ پھر ان کو مانتے ہیں۔ ان کے آگے گردن جھکاتے ہیں۔ وہی لوگ مخلص ہیں وہی ایمان سے خاص ہیں۔ **سبق:** ایمان کا ملنا عنایت ازلی پر موقوف ہے۔ نیک بختی یا بدبختی علم الٰہی میں ہے۔

حدیث شریف: ایک دن حضور ﷺ نے برسر ممبر دایاں ہاتھ مبارک نکال کر فرمایا۔ اس کتاب میں تمام جنتیوں کے نام ہیں جس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ پھر بائیں ہاتھ میں فرمایا کہ اس کتاب میں تمام دوزخیوں کے بمعہ آباء واجداد نام ہیں ان میں بھی کمی بیشی نہیں ہو سکتی (البدائیہ والنہایہ)۔ ایک آدمی نیک بختوں والے کام کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ لوگوں میں وہ سعادت والا مشہور بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن مرنے سے پہلے کوئی ایسا برا کام اس سے ہو جاتا ہے کہ وہ بدبختوں میں داخل کر لیا جاتا ہے (ریاض الصالحین)۔ اس لئے سعادت مند وہ نہیں جسے لوگ کہیں بلکہ سعادت مند وہ ہے جس کا خاتمہ اچھا ہوا اور بدبخت وہ ہے جس کا خاتمہ خراب ہو گیا۔ گویا دار و مدار خاتمہ پر ہے۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ

اور جب ثابت ہوگی بات ان پر ہم نکالیں گے ان کیلئے ایک جانور زمین سے جو ان سے کلام کریگا

اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾

اس لئے کہ لوگ تھے ہماری آیتوں پر نہ یقین رکھتے

(آیت نمبر۸۲) جب قیامت اوراس کی ہولنا کی کا وقت قریب آ جائیگا۔یعنی جب قیامت کی نشانیاں ظاہر ہونا شروع ہو جائینگی تو ہم ان کیلئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے۔یعنی وہ زمین سے ایسے نکلے گا جیسے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پتھر سے باہر آ گئی۔

عجیب بات یہ ہے کہ وہ جانور تمام مخلوق کی صورتوں پر ہوگا۔یعنی چہرہ آدمیوں جیسا ہوگا۔باقی بدن مختلف جانوروں کی طرح ہوگا۔تمام مشرق ومغرب والے اسے دیکھیں گے۔ایک **حدیث** میں ہے اس کا قد خچر جتنا اور ستر گز لمبا ہوگا۔ایک **حدیث** میں ہے کہ وہ صفا پہاڑی سے تین دن میں نکلے گا اس کے پاس موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا۔ مومن کی پیشانی پر لاٹھی سے مومن اور کافر کی پیشانی پر کافر لکھ دے گا۔اور خود بخود مومنوں کے چہرے سفید اور کافروں کے سیاہ ہو جائیں گے۔**حدیث شریف** میں ہے کہ دابۃ الارض اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔ایک دوسرے کے قریب قریب ہوگا۔یعنی ایک کے فوراً بعد دوسری علامت ظاہر ہو جائیگی۔(رواہ مسلم)

فائدہ: پہلے دجال آئیگا۔پھر عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔آپ آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال زمین پر رہیں گے۔اس کے بعد دابۃ الارض ظاہر ہوگا۔**فائدہ**: محدثین فرماتے ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام جو حضور ﷺ کی اولاد سے ہوں گے اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی وقت میں تشریف لائیں گے۔آگے فرمایا۔کہ بے شک لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے۔یا یہ معنی ہے۔کہ لوگ ہماری نشانیوں پر یقین نہیں رکھتے۔(اسی فتنے کے دور میں یاجوج ماجوج بھی سد سکندری توڑ کر نکل آئیں گے)۔

توبہ کا دروازہ بند: طلوع آفتاب جب مغرب سے ہوگا۔اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جائیگا۔پھر کسی کی توبہ منظور نہیں ہوگی۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿٨٣﴾

اور جس دن اٹھائیں گے ہر ایک امت سے وہ گروہ جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتیں پھر وہ روکے جائیں گے۔

حَتّٰى إِذَا جَآءُوْ قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا

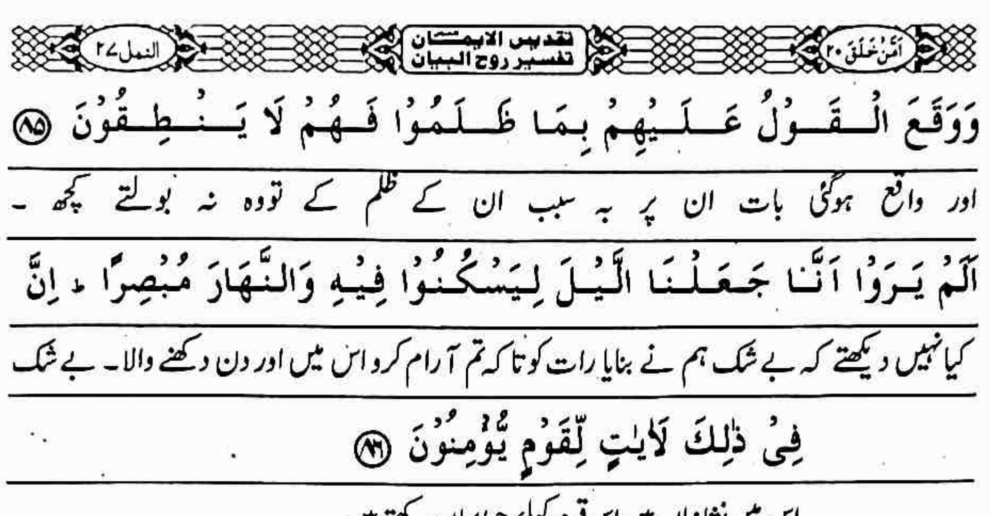
یہاں تک کہ جب آ جائیں گے سب تو فرمائیگا کیا تم نے جھٹلایا میری آیتوں کو حالانکہ نہ پہنچا ان تک تمہارا علم

أَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٤﴾

یا کیا تھے تم کام کرتے۔

(آیت نمبر ۸۳) جس دن ہم ہر امت سے ایک گروہ اٹھائیں گے۔ اگرچہ اس وقت سب کو اکٹھا کیا جائیگا۔ لیکن ایک ایک گروہ کر کے عذاب کی طرف لے جانے کیلئے اکٹھے کئے جائیں گے۔ امت اس کو کہا جاتا ہے۔ جس کی طرف رسول مبعوث ہوئے ہوں یعنی اے محبوب اپنی امت کو بتا دیں کہ وہ وقت یاد کریں جب ہم سابقہ امتوں میں سے ایسے گروہ اکٹھے کریں گے۔ کیونکہ ہر نبی کی امت کے دو گروہ ہوئے۔ ایک ماننے والے دوسرے تکذیب کرنے والے تو وہ گروہ جو تکذیب کرتے تھے ہماری آیات کی اور آیات سے مراد وہ آیات ہیں۔ جو اس وقت کے نبی علیہ السلام پر اتریں جیسے ہماری حضور ﷺ پر قرآنی آیات اتریں تو ان گروہوں کو روکا جائیگا تا کہ جو پیچھے رہ گئے وہ بھی مل جائیں اور سب جمع ہو کر جائیں۔ **فائدہ**: بعض نے کہا۔ فوج سے کفار کے سرغنے مراد ہیں ابو جہل کی طرح کے تا کہ عوام کے آگے انہیں رکھا جائے پھر سب کو اکٹھا جہنم میں ڈالا جائے۔

(آیت نمبر ۸۴) یہاں تک کہ جب وہ سب موقف پر آ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں سخت جھڑک دے کر فرمائے گا کیا تم نے ہی میری آیات کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم نے اس کے علم کا احاطہ بھی نہیں کیا تھا۔ یعنی تم نے اسے سرسری طور پر ہی دیکھ کر جھٹلا دیا تھا۔ اگر تم حقیقت والی نگاہ سے دیکھتے۔ تو تمہیں اس کی گہرائی تک پہنچنا نصیب ہو جاتا۔ پھر تم ضرور اس کی تصدیق کرتے۔ پھر ان سے کہا جائیگا۔ کہ تم کیا عمل کرتے رہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے۔ تو کس پر ایمان لائے۔ تا کہ اس کے مطابق فیصلہ ہو۔ کیا تمہیں اس سے بہتر کوئی چیز مل گئی تھی۔



وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿٨٥﴾

اور واقع ہوگئی بات ان پر بہ سبب ان کے ظلم کے تو وہ نہ بولتے کچھ ۔

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ

کیا نہیں دیکھتے کہ بے شک ہم نے بنایا رات کو تا کہ تم آرام کرو اس میں اور دن دکھنے والا ۔ بے شک

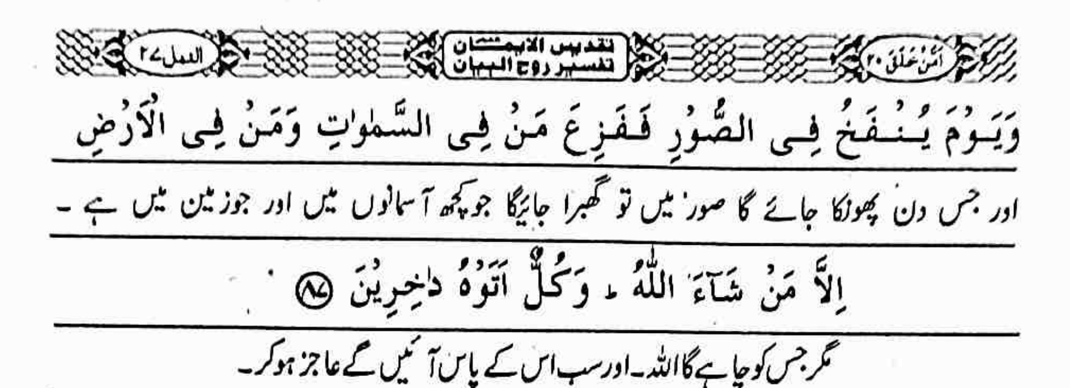
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٨٦﴾

اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۸۴) **فائدہ:** دنیا میں ان کا کام سوائے جہالت تکذیب اور کفر اور گناہوں کے اور کوئی بھی نہیں تھا۔ گویا وہ صرف اسی کام کیلئے پیدا ہوئے تھے۔ حالانکہ ان کی تخلیق کا مقصد علم اور تصدیق کرنا ایمان اور اطاعت بجالانا تھا۔ بہر حال جب اللہ تعالیٰ ان سے یہ کلام فرمائے گا تو اس وقت وہ اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکیں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرمائے گا کہ انہیں (اوندھا) منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دو۔

(آیت نمبر ۸۵) اور بات ثابت ہوگئی کہ واقعی وہ منکر تھے۔ پھر واقع ہو جائیگا ان پر جہنم کا عذاب ۔ بہ سبب ان کے ظلم کے۔ یعنی انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلا کر جو ظلم کیا۔ اس کی سزا کیلئے انہیں جب جہنم میں ڈالا جائیگا تو وہ کوئی بات نہیں کر سکیں گے۔ یعنی کوئی عذر وغیرہ پیش نہیں کر سکیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان کے موہنوں پر مہر ماردی جائے گی۔ اس آیت میں بھی گویا کفار مکہ کو نصیحت کی گئی ہے۔ یا یہ بات انہیں سنا کر ان پر حجت قائم کردی گئی ہے۔

(آیت نمبر ۸۶) کیا انہوں نے نہیں دیکھا۔ یعنی کیا انہیں یہ بات معلوم نہیں کہ بے شک رات ہم نے ہی بنائی ہے۔ تا کہ تم اس میں آرام کرسکو۔ نیند کر کے یا کام کاج ختم کر کے سکون پا سکو۔ اور دن بنایا تا کہ تم دیکھ کر اپنے معاش کو تلاش کرو۔ آگے فرمایا بے شک اس میں نشانیاں ہیں۔ یعنی دن روشن بنانے اور رات کو سیاہ تاریک بنانے میں (درجنوں حکمتیں اور) بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں۔ کیونکہ یہ آیات قیامت کے دن اٹھنے پر اور دنیوی آیات کی سچائی پر دلالت کرتی ہیں۔ وہ اس طرح کہ جب آدمی غور کرے کہ رات اور دن ایک دوسرے کے آگے پیچھے چل رہے ہیں اور نظام کائنات بھی بالکل درست چل رہا ہے تو رات کی تاریکی موت پر اور دن کا اجالا زندگی پر اسی طرح نیند موت پر اور اس کے بعد بیداری دوبارہ کی زندگی پر دلالت کر رہے ہیں۔



وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ

اور جس دن پھونکا جائے گا صور میں تو گھبرا جائیگا جو کچھ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾

مگر جس کو چاہے گا اللہ۔ اور سب اس کے پاس آئیں گے عاجز ہو کر۔

(بقیہ آیت نمبر ۸۶) سمجھنے والا سمجھ جاتا ہے کہ سو کر اٹھنا یہ نمونہ ہے قیامت کے دن قبروں سے اٹھنے کا اور یہ سب معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

فائدہ: دانا لوگوں کا قول ہے کہ انسان کی زندگی موت وحیات پر تقسیم کر دی گئی ہے۔ بیداری حیات ہے اور نیند موت ہے۔ کامیاب ہے وہ انسان جس نے نیند کو بھی بیداری میں بدل دیا۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جس نے دن رات کی تمام گھڑیاں یاد الٰہی اور مناجات الٰہی میں گذار دیں۔ **حکایت:** محمد بن نصر حارثی نے زندگی کے آخری کئی سال بیداری میں گذار دیئے۔ کچھ عرصہ دن کے وقت قیلولہ کرتے تھے۔ پھر قیلولہ بھی ختم کر دیا تھا۔

درویشوں کا طریقہ: ذکر وشکر خدمت وطاعت۔ ایثار وقناعت۔ توحید وتوکل۔ تسلیم وتحمل والا درویش ہے اگرچہ ظاہر زندگی امیرانہ ہو۔

بدبختی کی علامت: بے دین رند ہے وہ جو باتونی بے نماز۔ ہواپرست اور ہواباز۔ پاڈا۔ راتیں شہوات پوری کرنے اور دن نیند پوری کرنے میں گذارے وہ بے دین رند ہے۔ خواہ گدڑی پوش ہو۔

(آیت نمبر ۸۷) یاد کرو وہ دن جس دن صور میں پھونکا جائیگا۔ جس سے ہر ذی روح گھبرا اٹھے گا۔

فائدہ: صور وہ قرن ہے۔ جس میں اسرافیل علیہ السلام بروز قیامت پھونک ماریں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین بنانے کے بعد صور بنا کر اسرافیل فرشتے کے حوالے کر دیا (المعجم الکبیر ج ۶)۔ وہ منتظر ہیں کہ جوں ہی حکم الٰہی عرش سے ملے تو پھونک دیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ صور کیا ہے تو فرمایا کہ وہ قرن ہے۔ چودہ طبق سے بھی بڑا ہے۔ جب پہلی مرتبہ جناب اسرافیل اس میں پھونک ماریں گے تو تمام روح والے مرجائیں گے۔ اس کے خوف سے زمین آسمان کی ہر چیز گھبرا جائیں گی۔ رب ذوالجلال کے علاوہ سب فنا ہو جائیں گے۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ

اور تو دیکھے گا پہاڑوں کو تو سمجھے گا کہ برف سے جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ چلتے ہوں گے چال بادلوں کی۔ کاریگری ہے

اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ مَنْ جَآءَ

اللہ تعالیٰ کی جس نے اچھی طرح بنائی ہر چیز۔ بے شک وہ خبردار ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔ جو لائے گا

بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿٨٩﴾

نیکی تو اس کیلئے بہتر ہوگا۔ اور وہ گھبراہٹ سے اس دن امن میں ہونگے۔

(بقیہ آیت نمبر ۸۷) طبیعتوں پر رعب اور ہیبت چھا جائیگی جس کی وجہ سے سب لوگ گھبرا جائیں گے۔ مگر جن کے متعلق اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ نہیں گھبرائیں گے۔ جیسے انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ، اور شہداء نہ خوف زدہ ہوں گے۔ نہ غمگین ہونگے۔ باقی سب لوگ حساب و کتاب کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوں گے عاجز ہو کر۔

(آیت نمبر ۸۸) اور تو دیکھے گا پہاڑوں کو تو سمجھے گا کہ شاید وہ اپنی جگہ جامد اور مضبوط ہیں حالانکہ وہ پہاڑ اس طرح تیز تیز چل رہے ہوں گے۔ جیسے بادلوں کو تیز ہوائیں چلا کر لے جاتی ہیں۔ جیسے کوئی بڑی چیز چل بھی رہی ہو تو وہ کھڑی ہی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ دیکھنے والے کی نگاہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ حالانکہ وہ گھوم رہی ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی کاریگری ہے۔ یعنی نفخ صور یا قیام قیامت یا پہاڑوں کا اڑانا۔ سب اللہ تعالیٰ کے کام ہیں۔ جس نے ہر چیز کو مضبوط کر کے بنایا۔ بے شک وہ اللہ تعالیٰ باخبر ہے اس سے جو تم کرتے ہو یعنی تمہارے ظاہر و باطن کے سب امور کو وہ جانتا ہے۔

(آیت نمبر ۸۹) جو ایک نیکی بھی لائے گا۔ یعنی کلمہ شہادت و اخلاص ایک بار بھی سچے دل سے پڑھے گا۔ اسے اس سے بہتر جزا اور ثواب ملے گا۔ اس خیر سے مراد جنت ہے یا خیر سے مراد مطلق نیکی ہے۔ یہاں افضلیت کی طرف اشارہ نہیں ہے کیونکہ بہشت جتنی بھی اعلیٰ ہو۔ لا الہ الا اللہ سے اعلیٰ اور بہتر نہیں ہے اور بہتر سے مراد یہ ہے کہ ایک نیکی پر دس گناہ سے سات سو گنا تک ثواب ملے گا اور وہ اس بڑی گھبراہٹ سے بھی جس کی بڑھائی کا کوئی اندازا نہیں اس دن امن والے ہوں گے۔ یعنی قیامت کی ہولناکی بھی ان کو کوئی خوفناک نہیں کر سکے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ان سے وعدہ ہے: "لاخوف علیهم ولاهم یحزنون"۔

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا

اور جو لایا برائی تو اوندھے کئے جائیں گے وہ منہ کے بل آگ میں۔ نہیں سزا پاؤ گے مگر

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِىْ

اس کی جو تھے تم عمل کرتے۔ بے شک مجھے حکم ملا کہ میں پوجوں رب کو جو اس شہر کا ہے۔ جس نے

حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَىْءٍ ز وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ ﴿۹۱﴾

حرمت والا بنایااور اسی کی ہے ہر چیز۔ اور میں حکم دیا گیا کہ ہوں فرمانبرداروں سے۔

(آیت نمبر۹۰) اور جو برائی کر کے لائے گا یعنی شرک وغیرہ جو سب گناہوں سے بڑا گناہ ہے۔ تو وہ اوندھے منہ جہنم میں گرایا جائیگا اور انہیں کہا جائیگا کہ تم جو سزا پا رہے ہو یہ اس کی ہے جو تم عمل کرتے رہے یعنی یہ مشرک وغیرہ کی سزا ہے۔ یا جو جو تم نے نافرمانیاں کیں۔ یہ ان کی سزا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایمان اور شرک دونوں بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ایمان کو فرمائے گا تو اپنوں کو جنت میں لے جا (کنز العمال)۔ پھر حضور ﷺ نے من جاء بالحسنۃ والی آیت پڑھی۔ حدیث شریف میں ہے لا الہ الا اللہ جنت کی چابی ہے اور ہر چابی کے دندانے ہوتے ہیں تا کہ دروازہ کھولا جائے۔ (مشکوۃ) بزرگ فرماتے ہیں کہ عذاب سے بچنے کیلئے زبان ذکر کرنے والی۔ یعنی جھوٹ غیبت سے پاک اور اعضاء عبادت الٰہی میں مشغول اور پیٹ حرام اور شبہات سے پاک ہو۔ تو وہ حشر کے دن عذاب سے نجات پا جائیگا۔

(آیت نمبر۹۱) مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر والے رب کی عبادت کروں جس نے اسے عزت بخشی۔ بلدہ سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور اضافت تعظیم و تکریم کے لئے ہوتی ہے۔ جیسے ناقۃ اللہ۔ اللہ کی اونٹنی یا بیت اللہ۔ اللہ کا گھر۔

نکتہ: مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا۔ تا کہ مشرکین کو پتہ چلے کہ وہ جس شہر میں سکونت پذیر ہیں انہیں یہ خاص نعمت خداوندی حاصل ہے۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے پیارے حبیب آپ اپنی قوم کو فرمائیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں صرف اسی کی عبادت کروں اور اس کا شریک کسی کو نہ بناؤں اور تم بھی اسی کو پوجو۔ اسی میں تمہاری عزت ہے۔ آگے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداری کرنے والوں میں سے ہو جاؤں۔

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ

اور یہ کہ تلاوت کروں قرآن کی جس نے ہدایت پائی تو بے شک ہدایت پائی اپنے فائدے کیلئے۔اور جو گمراہ ہوا

فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾

تو فرمادو میں تو ڈرسنانے والوں سے ہوں۔

(آیت نمبر۹۲) اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں تلاوت قرآن کرتا ہی رہوں۔اس لئے کہ اس قرآن کی تلاوت سے حقائق کھلتے ہیں اس کا تجربہ ہے کہ جب کوئی عالم دین اس کی تلاوت غور وحوض سے کرتا ہے تو اسے قرآن سے کئی نئے انکشاف ہوتے ہیں اور ذہن میں عجیب وغریب معانی کھلتے ہیں جو اس سے پہلے ذہن سے پوشیدہ تھے۔ اسی لئے علماء حقہ اس کی تلاوت سے سیر نہیں ہوتے۔

سبق: لہذا سالک پر لازم ہے کہ تلاوت قرآن روزانہ کرے اور پورے غور سے تلاوت کرے۔

بعض جاہل صوفی کہہ دیتے ہیں۔ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہم تو اس سے بھی اہم ورد کرتے ہیں۔وہ جھوٹے ہیں۔قرآن سے اہم ورد کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔قرآن تو تمام علوم کا اصل ہے۔اور تمام اوراد و وظائف کا نچوڑ ہے۔

مسئلہ: اگر کسی کیلئے تکلیف کا باعث نہ ہو تو تلاوت بلند آواز سے کرے۔تلفظ صحیح ادا کرے۔دائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلی پڑھنے والی جگہ پر پھیرے۔

مسئلہ: سب سے اعلیٰ ذکر قرآن مجید ہے۔اگر خود تلاوت نہیں کرسکتا تو کسی تلاوت کرنے والے کے پاس بیٹھ کر سنتا رہے۔آگے فرمایا پس جو ہدایت پاتا ہے۔یعنی اس کی تلاوت کرتا ہے۔اور اس پر عمل کرتا ہے۔تو وہ اپنے نفع کیلئے ہدایت پاتا ہے۔اس کی ہدایت سے کسی اور کو کوئی فائدہ نہیں اور جو اس کی مخالفت کر کے گمراہ ہوتا ہے تو اے محبوب اس کو فرمادیں۔سوائے اس کے نہیں میں تو ڈرانے والوں میں سے ہوں۔یعنی میری ڈیوٹی تمہیں آخرت کے عذاب سے ڈرانا ہے۔

تفسیر نمبر۲: جس نے ہدایت پائی یعنی۔یعنی شرک چھوڑا اور ایمان لایا۔اس میں اس کا اپنا فائدہ ہے اور جو گمراہ ہو کر کفر میں مبتلا ہوتا ہے۔اس کا اپنا نقصان ہے۔یعنی ہدایت پائے گا تو جنت مین جا کر مزے کرے گا اور نہیں پائے گا۔تو جہنم جائے گا۔میرا کام جہنم کے عذاب سے ڈرانا تھا۔وہ میں نے سب کو بتادیا۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا

اور فرمادو ہر تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے جلد دکھائے گا تمہیں اپنی نشانیاں پھر تم انہیں پہنچان لو گے اور نہیں ہے

رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ؑ ﴿۹۳﴾

تیرا رب بے خبر اس سے جو تم کرتے ہو۔

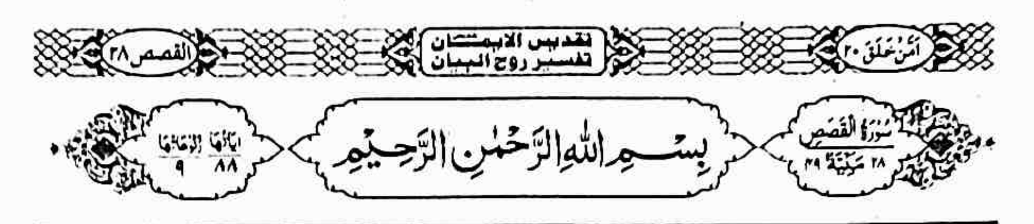
(آیت نمبر ۹۳) اے محبوب فرما دیں۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں۔ ان انعامات پر جو ہمیں عطا ہوئے اور ہم پر سب سے بڑا انعام نبوت وقرآن ہے۔ مزید وہ تمہیں اپنی نعمتیں جلد ہی دکھائے گا۔ جنہیں تم دیکھ کر پہنچان لو گے۔ خوش قسمت ہے جو نعمتیں پہچانے اور نعمت دینے والے کا شکر کرے۔ اور مرنے سے پہلے توبہ کرے۔ اور بد بخت ہے جس نے وقت ضائع کر دیا اور نہیں ہے آپ کا رب بے خبر اس سے جو تم کرتے ہو۔ یعنی اے مسلمانو جو تم نیک عمل کرتے ہو اور اے کافرو تم جو برائیاں کرتے ہو۔ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ جزاء وسزاء کا دارومدار تمہارے کردار پر ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے وعدو وعید کے بعد ارشاد فرمایا۔ کہ یہ آیات جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔ اگر تم ان میں غور وفکر کرتے۔ تو تمہیں معرفت کی دولت مل جاتی۔ خوش قسمتی ہے اس کی جس نے موت سے پہلے گناہوں سے رجوع الی اللہ کر لیا اور ہلاکت ہے۔ اس کی جس نے وقت ختم ہونے کے بعد رجوع کیا۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ نے جو دنیا میں مہلت دی ہے۔ اس میں بھی اس کی حکمت ہے۔ وہ اس لئے نہیں۔ کہ بندہ غفلت کی نیند سو جائے۔ قلبی بیماریوں میں سب سے بڑی مرض اللہ کو بھول جانا ہے۔ اور ہر چیز کا علاج اس کی ضد سے ہے۔ اور وہ ذکر الٰہی ہے۔

حکایت : ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا۔ کسی نے انہیں خط دیا۔ اس میں لکھا تھا۔ کہ تو دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دے اور اپنی بادشاہی پر مغرور نہ ہو۔ دوڑ اللہ کی بخشش کی طرف تو وہ فوراً گھبرا کر اٹھے اور کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے تنبیہ کی گئی اور نصیحت ہے پھر سچے دل سے توبہ کی اور اولیاء اللہ میں ہو گئے۔

ہم آخر میں دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کیلئے جدوجہد کرنے والوں سے بنائے یہاں تک کہ ہمیں یقین کی دولت نصیب ہو جائے۔

اختتام: سورہ نمل مورخہ ۴ جون ۲۰۱۶ء بمطابق ۲۸ شعبان بروز ہفتہ



طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى

یہ آیتیں ہیں کتاب روشن کی۔ ہم پڑھتے ہیں آپ پر کچھ خبر موسیٰ

وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ

اور فرعون کی سچی ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں۔ بے شک فرعون نے تکبر کیا زمین میں اور بنایا

اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ

وہاں کے لوگوں کو تابع کمزور بناتا ایک جماعت کو ان سے کہ ذبح کرتا بیٹے ان کے اور زندہ رکھتا

نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ④

ان کی عورتیں۔ بے شک تھا فسادیوں سے۔

(آیت نمبر ۱۔۲) امام یافعی فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان حروف کو قرآن پاک کی حفاظت کا سبب بنایا۔ ان کی حقیقی مراد اللہ اور اس کے رسول جانتے ہیں۔

(آیت نمبر ۳) یہ آیات قرآن مجید سے ہم بواسطہ جبریل علیہ السلام کے آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں۔ اس میں کچھ خبر ہے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون (مردود) کی صحیح طور پر کہ آپ حق وصداقت پر ہیں اور اس میں کسی قسم کا جھوٹ نہیں ہے۔ اور یہ برحق ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان والے ہیں۔ یعنی جنہوں نے ایمان سے صحیح نفع اٹھایا ہے۔

(آیت نمبر ۴) بے شک فرعون نے مصر میں سرکشی کی اور ظلم وزیادتی میں انتہائی طور پر تجاوز کیا۔ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نے وہ دعویٰ کیا جو اس کے لائق نہیں تھا۔ اور اس نے قبطیوں اور سبطیوں کو گروہ در گروہ بنادیا۔ یعنی فرعون نے مختلف گروہ بندیاں کر کے بنی اسرائیل کے ذمے کام تقسیم کردیئے کوئی کھیتی باڑی۔ کوئی تعمیرات میں۔ کوئی کنویں وغیرہ کھودنے میں۔ یعنی فرعونیوں کے انتہائی مشکل کام وہ سرانجام دیتے تھے۔

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ

اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان پر جن کو کمزور بنایا گیا زمین میں اور بنائیں انہیں

اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۙ ⑤ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ

پیشوا اور بنائیں انہیں ان کے مال وملک کا وارث۔ اور ہم نے قبضہ دیا انہیں زمین میں اور دکھائیں

فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ⑥

فرعون اور ہامان اوران کے لشکروں کو جس بات سے تھے وہ ڈرتے۔

(بقیہ آیت نمبر۴) ان میں سے کچھ لوگوں کو انہوں نے ضعیف اور ذلیل بنا رکھا تھا۔ یعنی بنی اسرائیل کو ظلم وستم سے ضعیف و عاجز کر رکھا تھا۔ ان کے بیٹوں کو قتل کرا دیتا۔ یہاں تک کہ اس نے ان کے نوے ہزار بچے قتل کراتے۔

واقعہ: اس طرح ہے کہ فرعون کو کاہنوں نجومیوں نے بتایا کہ عنقریب بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جو تیری مملکت کے خاتمے کا سبب بنے گا۔ اس بنا پر اس نے ہزاروں بچے مروا دیئے۔ آگے فرمایا وہ بہت بڑا افساد کرنے والا تھا کہ اس نے قتل ظلم وستم کی حد کر دی۔

(آیت نمبر۵) اور ہمارا ارادہ ہوا کہ ہم ان پر احسان کریں۔ جنہیں زمین مصر میں سب سے زیادہ عاجز کر دیا گیا تھا۔ اور کمزوروں کو فرعون کی تکالیف سے نجات دے کر ان کا بھلا کریں اور ہم انہیں دینی امور میں امام اور پیشوا بنائیں۔ اگرچہ اس وقت وہ فرعون کے زیر ستم ہیں۔ **فائدہ:** یہاں ائمہ بمعنی پیشوائے قوم ہے۔ حضرت موسیٰ اور جناب عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان تقریباً ایک ہزار انبیاء علیہم السلام تشریف لائے۔ (کشف الاسرار)

آگے فرمایا کہ تاکہ ہم انہیں فرعون اور اس کی قوم کے مال و جائیداد اور محلات کا وارث بنائیں۔

فائدہ: وراثت کا ذکر بعد میں اس لئے کیا کہ امامت کا درجہ وراثت سے اعلیٰ ہے اور وراثت کم درجہ کی چیز ہے اس لئے امامت کا ذکر پہلے کیا گیا۔

(آیت نمبر۶) ہم نے انہیں مصر و شام کے علاقوں پر تسلط دیا تاکہ وہاں جیسے چاہیں تصرف کریں۔ تاکہ ہم فرعون اور اس کے وزیر ہامان کو اور ان کے لشکروں کو عذاب کا وہ مزہ چکھائیں جس کا انہیں ڈر تھا وہ کوشش کرتے رہے کہ وہ بچہ پیدا نہ ہو جس کی وجہ سے فرعون کی ہلاکت ہو۔ اور اس کے ہاتھوں سے ملک نکل جائے۔

وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى

اور الہام کیا طرف والدہ موسیٰ کے کہ اسے دودھ پلا۔ پھر جب تو اندیشہ کرے اس پر تو ڈال اسے

الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٧﴾

دریا میں اور نہ ڈر اور نہ غم کر۔ بے شک ہم واپس لائیں گے اسے تیرے پاس اور بنائیں گے اسے رسولوں سے۔

(بقیہ آیت نمبر ٦) **فائدہ**: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل نے فرعون کو غرق ہوتے دیکھا۔ تو مڑ مڑ کے اسے دیکھتے رہے جب انہیں فرعون اور اس کے لشکر کے غرق ہونے کا پورا یقین ہو گیا تو خوب بغلیں بجاتے ہوئے۔ دریا کے کنارے پر آئے اور کہا ظلم و تعدی کا یہی انجام ہوتا ہے بے چاروں اور مظلوموں کی آہ نے ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا اور کہا آج ظالم مغلوب اور برباد ہوئے اور مظلوم آباد ہو گئے۔

فائدہ: شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (ترجمہ) (١) انصاف چاہنے والے کی پریشانی بادشاہ کو بادشاہی سے محروم کر دیتی ہے۔ (٢) اے ضعیف طاقتور سے نہ گھبرا۔ بلکہ حوصلہ رکھ۔ کیونکہ ایک دن ایسا ہوگا کہ تو اس سے بھی طاقت والا ہوگا۔ (٣) مظلوم کے خشک لبوں سے کہو کہ وہ ہنسیں۔ انشاءاللہ بہت جلد ظالم کے دانت اکھڑ جائیں گے۔ یعنی وہ تباہ و برباد ہو جائیگا۔

نکتہ: ظلم کا انجام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم سے بدلہ بھی لیتا ہے اور اس سے اپنی نعمتیں بھی چھین لیتا ہے۔

فائدہ: ایک بزرگ نے فرمایا۔ دو دعائیں ایسی ہیں۔ کہ ایک سے قبولیت کی امید دوسرے سے سخت خوف ہے۔ (١) جو مظلوم کی مدد کرنے سے نصیب ہو اور (٢) مظلوم جب میرے لئے بد دعا کرے۔

حدیث شریف: نیکیوں میں صلہ رحمی کا ثواب بہت جلد ملتا ہے۔ اور برائیوں میں بغاوت کی سزا جلد مل جاتی ہے۔ (صحیح مسلم شریف)

(آیت نمبر ٧) ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں الہام کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی اماں جان یعقوب علیہ السلام کے بیٹے لاوی کی اولاد سے تھیں۔ **فائدہ**: وحی کا لفظ جب غیر نبی کی طرف منسوب ہو تو اس سے مراد الہام ہوتا ہے۔

وحی کی تشریح: وحی اصل میں اشارۂ شرعیہ کو کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ کلمات جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی نبی علیہ السلام کی طرف القاء ہوں۔ وحی کی کئی اقسام ہیں۔ (جن کا ذکر الگ آئیگا)۔

ولادت موسیٰ علیہ السلام: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ کے پیٹ میں اتنا پوشیدہ رکھا کہ انہیں بھی پتہ نہ چل سکا۔ اس لئے کہ فرعون بچہ جننے والی عورتوں پر کڑی نگرانی کرواتا تھا۔ پیدائش پر قتل کرادیتا تھا۔ فرعون کو یہی خبط تھا کہ کوئی اس کی سلطنت پر قبضہ نہ کرلے۔ لہذا امائی صاحبہ کا نگران خود اللہ تعالیٰ تھا۔ جو عورتیں فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کی عورتوں پر نگران مقرر تھیں۔ وہ بھی اس راز سے بے خبر تھیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی اماں جان کے دل میں ڈالا کہ موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد تم اپنے بیٹے موسیٰ کو بلا خوف وخطر دودھ پلاتی رہو اور ان کی پرورش کرتی رہو اور اس راز سے کسی کو آگاہ بھی نہ کرنا لیکن جب ان کے بارے میں کوئی خوف محسوس کریں یا پتہ چلے کہ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا لوگوں کو پتہ چل گیا ہے اور وہ فرعون کو اطلاع کر دیں گے۔ تو تم موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دینا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی ہم خود حفاظت کریں گے۔ اور کسی قسم کا ڈر دل میں نہ رکھنا۔ اور ان کی جدائی میں غمزدہ بھی نہ ہونا۔ بے شک ہم انہیں تمہارے پاس بڑے خاص طریقے سے لوٹائیں گے۔ یہاں تک کہ تمہیں جدائی کا احساس بھی نہیں رہے گا۔ ہم اسے اپنے رسولوں میں سے بنانے والے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ والدہ ماجدہ نے ایک بڑھئی کو بلا کر کہا کہ ایک صندوق بناؤ۔ اس نے صندوق بنایا۔ تو اسے صندوق بنوانے کی وجہ سمجھ آ گئی خیال آیا کہ کیوں نہ میں فرعون کو بھی مطلع کر دوں۔ انعام کی لالچ میں جب وہ فرعون کے پاس گیا اور شکایت کرنے لگا تو اس کی زبان ہی بند ہو گئی۔ اس کے سامنے آ آ کر کے چپ ہو جاتا۔ فرعون نے پاگل سمجھ کر اسے نکلوا دیا تو واپس گھر آ گیا بہر حال موسیٰ علیہ السلام کی اماں جان نے صندوق میں تیل لگا دیا اور اس میں موسیٰ علیہ السلام کو مضبوط کر کے رکھا اور صندوق دریا میں ڈال دیا۔

فائدہ: دریا میں ڈالے بغیر بھی اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت فرما سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا تھا کہ اے فرعون جس کی وجہ سے تو نے ہزاروں بچے مروائے۔ اس کی تیرے گھر میں اور تجھ سے پرورش نہ کراؤں تو مجھے بھی خدا نہ کہنا۔ فرعون موسیٰ علیہ السلام کی انتظار میں۔ فرعون ایک عرصہ سے ایک بکس کی انتظار میں۔ جس میں ایک بچے نے آنا تھا۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ فرعون کی ایک لڑکی تھی جو اسے از حد محبوب تھی۔ لیکن اسے برص کی بیماری تھی۔ اس کے علاج سے تمام طبیب عاجز آ گئے کاہنوں نے اسے بتایا کہ فلاں تاریخ کو ایک صندوق دریائے نیل میں بہتا ہوا آئے گا۔ اس میں ایک بچہ ہوگا۔ اس کے منہ کی تھوک سے تیری بچی کو شفا ملے گی۔ تو اس تاریخ کو فرعون اور اس کی بیوی اور تمام وزراء دریا کے کنارے انتظار کرنے لگے۔ کافی انتظار کے بعد ایک صندوق نظر آیا۔ تو فرعون نے نوکروں سے کہا یہ صندوق آگے نہ نکلنے پائے۔ اسے پکڑ کر جلد میرے پاس لے آؤ۔ تو اس کے نوکر جلد دریا میں چلے گئے۔

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ

پھر اٹھا لیا اسے فرعونیوں نے تا کہ ہو ان کا دشمن اور غم کا باعث بے شک فرعون اور ہامان

وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ ﴿٨﴾ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ

اور ان کے لشکر تھے خطا والے۔ اور کہا بیوی فرعون نے یہ ٹھنڈ ہے میری

وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖۗ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩﴾

اور تیری آنکھ کی۔ اسے نہ قتل کر۔ شاید ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم بنائیں اسے اولاد اور وہ نہیں سمجھتے تھے۔

(آیت نمبر ٨) تو فرعونیوں نے اس صندوق کو اٹھالیا۔ اپنی ضرورت کیلئے بھی اور صندوق سے نکلنے والے بچے کو ضائع ہونے سے بچانے کیلئے بھی۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یہ وہی موسیٰ ہیں جو ان کے دشمن اور غم کا سبب ہوں گے لیکن بالآخر وہی ہوا۔ جس کا انہیں ڈر تھا۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی دشمنی سے ہی وہ پانی میں غرق ہوا۔ آگے فرمایا کہ بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر سخت غلطی پر تھی کہ انہوں نے خواہ مخواہ ہزاروں بچوں کا قتل کیا اور جو ان کا دشمن تھا۔ اسے اپنے ہاتھوں پالا پوسا جوان کیا اور یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ وہی بچہ ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے کرشمے دکھاتا ہے۔ کہ جسے وہ زندہ رکھنا چاہے۔ اسے کوئی مار نہیں سکتا۔

(آیت نمبر ٩) فرعون کی بیوی کہنے لگی۔ جس کا نام آسیہ تھا۔ یہ بچہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گا۔ چونکہ فرعون کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ جوان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنتا۔ اس لئے بی بی آسیہ نے یہ جملہ کہا۔

موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا معجزہ: جب موسیٰ علیہ السلام کا تابوت کھولا گیا تو سب سے پہلے وہ کام کیا جس کا عرصہ سے انتظار کررہے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی لعاب فرعون کی لڑکی کو لگائی تو وہ اسی وقت شفایاب ہوگئی۔ دوسرا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے حسن وجمال پر سب فریفتہ ہوگئے تو فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ یعنی ہمارا بچہ نہیں ہے۔ ہم اسی کو بچہ بنا کر آنکھ ٹھنڈی کرلیا کریں گے۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ آسیہ نے قرۃ عین لی کہا ہے۔ اگر عین لک کہتی تو شاید فرعون کو بھی دولت ایمان نصیب ہوجاتی۔ واؤ عاطفہ نے دونوں کا اثر الگ کردیا۔

وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰی فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ

اور ہو گیا دل موسیٰ علیہ السلام کی امی جان کا بے صبرا۔ بے شک قریب تھا کہ ظاہر کر دیتی اس کو اگر نہ

رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ⑩

ہم بندھاتے ڈھارس اوپر دل اس کے تاکہ ہو مومنوں سے۔

(بقیہ آیت نمبر۹) **فائدہ:** فرعون کو شک ہوا کہ کہیں یہ وہی بچہ نہ ہو۔ اس نے قتل کا پروگرام بنایا تو بی بی آسیہ نے فرمایا اسے قتل مت کر۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ہمیں نفع دے۔ اس لئے کہ یمن و برکت کی علامات اس کے چہرے ٹپک رہی ہیں۔ اس کے لعاب سے برص والی بچی لاعلاج بیماری سے شفا پا گئی اور تیسرا کمال بی بی آسیہ نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام جس انگوٹھے کو منہ میں چوس رہے تھے۔ اس سے دودھ آ رہا تھا یہ کرامت صرف بی بی آسیہ رضی اللہ عنہا نے دیکھی۔

فائدہ: بعض بزرگ فرماتے ہیں۔ یہ صرف موسیٰ علیہ السلام کی بات نہیں۔ بلکہ ہر نبی اور ہر مادرزاد ولی کی پیدائش کے وقت ان کے چہروں پر انوار چمکتے رہے۔ یہ چمک ان کے یقین وایمان کی علامت تھی۔ جسے دیکھ کر خدا یاد آجاتا ہے۔ آگے بی بی آسیہ نے فرمایا کہ ہم اسے منہ بولا بیٹا بنالیں گے۔ اس لئے کہ ہماری نرینہ اولاد بھی نہیں ہے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کاش فرعون بھی "ینفعنا" کہتا تو شاید بد بخت نہ رہتا لیکن ازلی بدبختی اس پر سوار تھی اصل بات یہ ہے کہ ظالم شخص دنیا وآخرت میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

موسیٰ نام کی وجہ تسمیہ: اہل مصر کی لغت میں مو پانی کو اور شا درخت کو کہتے تھے چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا صندوق پانی میں ایک درخت کے پاس سے ملا تو بی بی آسیہ رضی اللہ عنہا نے موشا کہا۔ پھر آپ کا نام ہی موسیٰ مشہور ہو گیا۔

(آیت نمبر۱۰) جب موسیٰ علیہ السلام کی اماں جان نے سنا کہ صندوق تو فرعونیوں نے پکڑ لیا تو ان کا دل غم سے نڈھال ہو گیا۔ یعنی خالی از عقل وفہم۔ خوف اور قتل کے غم سے مجسمہ حیرت ہو گئیں۔ بہت قریب تھا کہ بہ تقاضا بشریت اور جوش اضطراب میں یا بے صبری کر کے کہہ دیتیں کہ صندوق میں میرا ہی بیٹا ہے۔ اس طرح سارا راز فاش ہو جاتا اگر ہم موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل کو مضبوط نہ کرتے یعنی پھر انہیں تسلی دی کہ ہم موسیٰ کو تیری گود میں لائیں گے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے گھبرانے کی بالکل ضرورت نہیں۔ اور ہم نے انہیں اپنا رسول بنانا ہے یہ ہم نے مائی صاحبہ پر لطف وکرم اس لئے کیا تاکہ مائی صاحبہ وعدہ الٰہی پر یقین کرنے والوں سے ہو جائیں۔

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۚ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۙ ﴿۱۱﴾

اور کہا اس کی بہن سے اس کے پیچھے چل پھر دیکھتی رہ اسے آنکھ کے کنارے سے تاکہ انہیں معلوم نہ ہو۔

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ

اور ہم نے حرام کردیا اس پر دائیوں کو پہلے ہی سے تو بولی کیا تمہیں بتاؤں ایسے اہل بیت

يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾

جو اسے پال دیں تمہارے لئے اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں۔

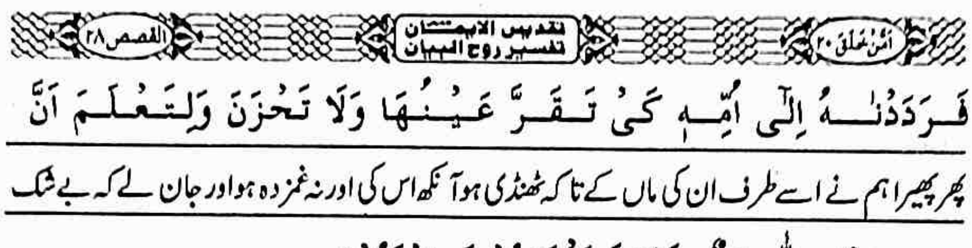
(بقیہ آیت نمبر۱۰) **فائدہ**: عرائس البیان میں ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے موسیٰ علیہ السلام کے چہرے پر وہ انوار الٰہی دیکھے جو بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے جناب اسماعیل علیہ السلام کے چہرہ پر دیکھے تو جیسے انہیں صبر آیا تھا۔ ایسے ہی ان کو بھی صبر آ گیا۔

(آیت نمبر۱۱) تو مائی صاحبہ نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا۔ جس کا نام مریم تھا لیکن زیادہ مفسرین نے کلثوم نام لکھا ہے۔ بہرحال موسیٰ علیہ السلام کی بہن دریائے نیل کے کنارے کنارے چلتی رہی اور آنکھ کے ایک کنارے سے دیکھتی رہی صندوق جدھر جارہا تھا یہاں تک کہ وہ۔ فرعون کے گھر میں پہنچ گئی۔ لیکن فرعونیوں کو کوئی سمجھ نہ آئی کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن ان کے گھر آ گئی۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ ویسے ہی عام لڑکی ہے جو اس بچے کو دیکھنے آئی ہے۔ یا ان کے حالات جاننے کیلئے آئی ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن ہے۔

(آیت نمبر۱۲) اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر ہر قسم کے دودھ حرام کردیئے اگرچہ غیر مکلف کیلئے حرام کا اطلاق نہیں آتا۔ یہاں معنی یہ کریں گے کہ ہم نے موسیٰ کو عام عورتوں کا دودھ پینے سے روک دیا اور انہیں بتادیا کہ تم نے صرف اپنی ماں کا دودھ پینا ہے۔ اس لئے تمام عورتوں کے دودھ سے موسیٰ علیہ السلام کے دل میں نفرت پیدا کردی۔

فائدہ: گویا اللہ تعالیٰ نے کافرہ پلید عورتوں کا دودھ اپنے پیارے نبی کو نہیں پینے دیا۔ اس لئے کہ دودھ کی تاثیر بعد میں اثر پذیر ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کا ہر حال میں حفاظت فرماتا ہے۔

حدیث شریف: بچے کو کسی غیر صالحہ عورت کا دودھ نہ پلایا جائے جب تک کہ دودھ پلانے والی صالحہ کریمۃ الاصل موجود ہو۔ کیونکہ دودھ طبیعتوں کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ (زرقانی علی المواہب)



فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ

پھر پھیرا ہم نے اسے طرف ان کی ماں کے تا کہ ٹھنڈی ہو آنکھ اس کی اور نہ غمزدہ ہو اور جان لے کہ بے شک

وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣﴾

وعدۂ خداوندی برحق ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(بقیہ آیت نمبر۱۲) **فائدہ** :اسی لئے بزرگ فرماتے ہیں کہ انسان میں دودھ بھلائی اور برائی کا اثر رکھتا ہے۔ اس میں وہ لوگ بھی غور کریں جو بچوں کو ڈبوں یا جانوروں کا دودھ پلاتے ہیں۔اس سے پھر آگے اثرات کیا نکلیں گے

موسیٰ ماں کی گود میں: جب موسیٰ علیہ السلام نے کسی عورت کا دودھ قبول نہ کیا۔اس کیلئے بڑی جدوجہد بھی کی گئی کہ وہ کسی طرح کسی عورت کا دودھ قبول کرلیں۔تو موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا کہ کیا میں تمہیں ایسا گھرانہ بتاؤں۔جو اس کی یعنی موسیٰ علیہ السلام کی تربیت کی پوری ذمہ داری اٹھائیں وہ اس معاملے میں خیرخواہ بھی ثابت ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے اور ان کی پرورش کرنے میں کوئی کوتاہی بھی نہیں کریں گے۔

رب کا وعدہ پورا ہوا: فرعون نے پوچھا کہ وہ گھرانہ کون سا ہے تو انہوں نے بتایا کہ وہ میری والدہ ہیں انہوں نے پوچھا کہ اس کا کوئی بچہ ہے فرمایا کہ ان کے بچے کو تم نے قتل کردیا تھا وہ چاہتی ہیں کہ کوئی بچہ ملے تا کہ میں اسے دودھ پلاؤں۔ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا کہ ہاں اس کا ایک بیٹا ہارون ہے جو ایک سال کا ہو گیا ہے اور ہمارا گھرانہ تمہارے گھرانے کا خیرخواہ ہے۔اصل مقصد یہ تھا کہ کسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو ان کے پنجہ سے نکال کر لے جائے تو فرعون نے آڈر دیا کہ اماں کو بلا لائیں جو اس کو دودھ پلائے مائی صاحبہ تشریف لائیں تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے اٹھا رکھا تھا۔فوراً بچہ ان کو دیا۔موسیٰ علیہ السلام دیکھتے ہی ماں سے چمٹ گئے اور دودھ پینا شروع کردیا۔فرعون نے پوچھا کہ اس نے صرف تیرے دودھ کو کیوں پیا فرمایا کہ میں پاک خوشبو اور پاک دودھ والی ہوں۔ہر بچہ میرا دودھ پی لیتا ہے تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے حوالے کردیا کہ تو اس کو دودھ پلا اور دو دن بعد ہمیں ملا جایا کر۔روزانہ کا وظیفہ ایک دینار مقرر کردیا۔

(آیت نمبر۱۳) تو پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ماں کے پاس لوٹا دیا۔درمیانی وقفہ تقریباً آدھا دن ہی گذرا ہوگا کہ واپس اپنے گھر پہنچ گئے تا کہ ماں اپنے صاحبزادے سے اپنی آنکھ ٹھنڈی کرے۔اور بیٹے کی جدائی کا غم بھی نہ کرے۔اور یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى

اور جب پہنچے اپنی جوانی کو اور طاقت ور ہوئے تو دی ہم نے اسے حکمت وعلم۔ اور اسی طرح صلہ دیتے ہیں

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٤﴾

احسان والوں کو۔

(بقیہ آیت نمبر۱۳) اللہ تعالیٰ نے جیسے فرمایا تھا ایسے ہی بچہ واپس آیا اور پھر ان کو رسول بنایا گیا لیکن ان میں سے اکثر لوگ ان باتوں کو نہیں جانتے۔ **فائدہ**: پھر موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ کے ہاں دودھ پینے کی مدت تک رہے۔ بعد میں جوانی تک فرعون اور آسیہ کے ہاں پرورش پائی۔ ان دونوں نے پرورش کرنے میں کمی نہیں چھوڑی۔

آزمائش: موسیٰ علیہ السلام نے بچپنے میں کھیلتے ہوئے ایک لکڑی فرعون کو دے ماری۔ فرعون نے غضبناک ہو کر کہا کہ یہ وہی ہے جس کی خبر نجومیوں نے دی تو اس نے قتل کرنے کا پروگرام بنالیا۔ آسیہ نے فرمایا۔ یہ بچہ ہے بچوں کو شاہی آداب کا کیا پتہ۔ نہ بچوں کو خیر وشر کا پتہ ہوتا ہے فرعون نے کہا ابھی آزمائش کرتے ہیں۔ ایک تھال میں انگارہ رکھو دوسرے میں ہیرا۔ پتہ چل جائیگا کہ سیانا ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ موسیٰ علیہ السلام تو ہیرے کو اٹھانا چاہتے تھے مگر فرشتے نے ہاتھ انگارے کی طرف کردیا۔ آپ نے آگ کا گرم انگارہ اٹھایا اور منہ میں ڈال دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اسی وجہ سے زبان میں لکنت سی آگئی بہر حال فرعون آپ کو قتل کرنے سے باز آگیا۔

(آیت نمبر۱۴) اور جب موسیٰ علیہ السلام پوری قوت والی عمر کو پہنچ گئے یعنی اٹھارہ سے تیس کے درمیان کی عمر میں جبکہ عقل معتدل اور مکمل ہو جاتی ہے پھر وہ چالیس سال کے ہوئے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم یعنی نبوت سے سرفراز فرمایا۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ نبوۃ کا تعلق چالیس سال سے ضروری نہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام ابھی چالیس سال کے نہیں ہوئے تھے کہ آسمانوں پر اٹھالئے گئے اور انہوں نے پیدا ہوتے ہی اپنی نبوت کا اعلان فرمادیا "وجعلنی نبیا" اللہ نے مجھے نبی بنادیا۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کو اٹھارہ سال کی عمر میں نبوت ملی۔ ایسے یحییٰ علیہ السلام کو بھی بلوغت سے پہلے نبوت دی گئی۔ اسی طرح بعض اولیاء کو بھی بلوغت سے پہلے ہی مکاشفات، ومشاہدات، ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ سب عطیات الٰہی ہیں رب جب چاہتا ہے عطا کردیتا ہے۔ آگے فرمایا کہ اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتے ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی اماں جان کو نیکی کی جزا دی۔

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ

اور داخل ہوئے شہر میں جس وقت خواب غفلت میں تھے شہر والے (دوپہر کو) تو پایا اس میں دو مرد

يَقْتَتِلٰنِ قف ز هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ج فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ

لڑ رہے تھے۔ ایک ان میں اپنے گروہ سے تھا اور وہ دوسرا دشمنوں سے۔ تو مدد مانگی موسیٰ سے جو

مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ لا فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ

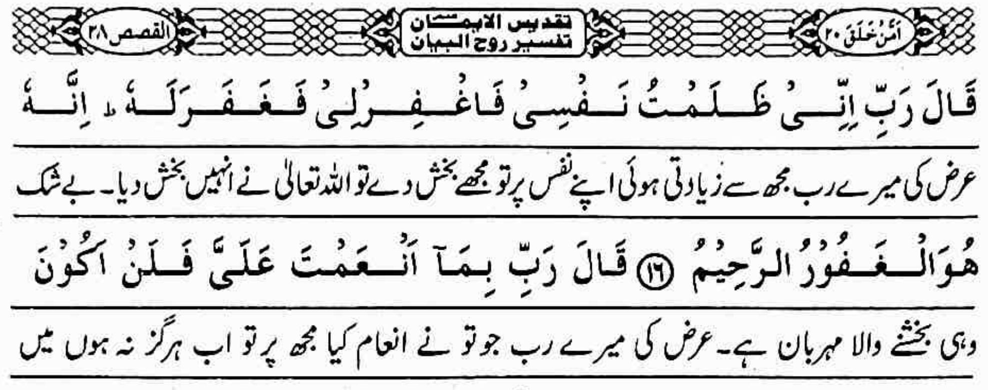
ان کے گروہ سے تھا اس پر جو ان کے دشمنوں سے تھا۔ تو گھونسہ مارا اس کو موسیٰ نے پھر تمام کیا کام اس کا

قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ط اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾

فرمایا یہ ہوگیا کام شیطان کی طرف سے بے شک وہ دشمن ہے گمراہ کرنے والا کھلا۔

(آیت نمبر ١٥) فرعون کا محل شہر سے باہر تھا۔ موسیٰ علیہ السلام محل سے نکل کر شہر میں تشریف لے گئے۔ شہر شاہی محل سے ١٢ میل دور تھا موسیٰ علیہ السلام شہر میں دوپہر کے وقت داخل ہوئے جبکہ لوگ قیلولہ کی نیند میں سو رہے تھے۔ عام راستوں پر کوئی اور نہ تھا۔ ایسے وقت میں دو آدمیوں کو دیکھا کہ وہ آپس میں لڑ رہے تھے۔ ان میں سے ایک آپ کی جماعت یعنی بنی اسرائیل میں سے تھا۔ اور دوسرا فرعونی آپ کے دشمنوں کا فرد تھا۔ جو فرعون کا نانبائی (روٹیاں پکانے والا) جو بنی اسرائیلی کو فرعون کے باورچی خانے تک لکڑیاں اٹھا کر لے جانے پر مجبور کر رہا تھا اور اسے مار رہا تھا تو آپ کی جماعت والے نے آپ سے فریاد کر کے دشمن کے مقابلے مدد چاہی کہ یہ قبطی مجھ پر ظلم و تشدد کر رہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے سمجھایا لیکن وہ اکڑ میں تھا۔ موسیٰ علیہ السلام بہت بڑے طاقت ور تھے۔ آپ نے قبطی کو فرمایا کہ اسے چھوڑ لیکن وہ نہ مانا تو موسیٰ علیہ السلام نے اسے ایک مکہ مارا تو وہ وہیں مر گیا آپ نے اسے وہیں ریت میں دفن کر دیا لیکن آپ کو سخت ندامت بھی ہوئی اور عرض کی یا اللہ یہ شیطان کی طرف سے بہکاوا ہو گیا۔ اور وہ بہت بڑا دشمن گمراہ کر رہے کھلا۔

وہم کا ازالہ: اس سے موسیٰ علیہ السلام کی عصمت پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ یہ فعل موسیٰ علیہ السلام سے بلا ارادہ ہوا۔ آگے فرمایا کہ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن اور وہ گمراہ کرنے والا ہے۔



قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَغَفَرَلَهٗ ؕ اِنَّهٗ

عرض کی میرے رب مجھ سے زیادتی ہوئی اپنے نفس پر تو مجھے بخش دے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بخش دیا۔ بے شک

هُوَالْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ

وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ عرض کی میرے رب جو تو نے انعام کیا مجھ پر تو اب ہرگز نہ ہوں میں

ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۷﴾

مددگار مجرموں کا۔

(آیت نمبر۱۶) پھر عرض کی اے میرے پروردگار۔ میں نے تیرے حکم ملے بغیر قبطی کو مار کر اپنی جان پر ظلم کرلیا ہے۔ لہذا مجھے بخش دیجئے۔ لہذا رب تبارک وتعالیٰ نے آپ کے بخشش مانگنے پر بخشش فرمادی۔ بے شک یہ تو پکی بات ہے کہ وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو بخشنے والا اور بہت بڑی رحمت والا ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ جوں ہی انسان سے غلطی ہوجائے اسے فوراً اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرنا چاہئے۔ اس سے وہ غلطی نامہ اعمال میں درج نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ جلد معافی عطا فرمادیتا ہے۔

(آیت نمبر۱۷) پھر عرض کی اے میرے رب مجھے تیری طرف سے عطا کردہ نعمتوں کی قسم جو تو نے مجھ پر کیں اور میری مغفرت فرمائی۔ میں تیری طرف ہی رجوع کرتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی بھی مجرموں کا مددگار نہ بنوں۔

فائدہ: صاحب روح البیان علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجرم ہے وہ شخص ہے جو کسی مذموم فعل کا ارتکاب کرے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار نہ ہو۔

فائدہ: قبطی کو دشمن اس لئے کہا کہ تمام قبطی بت پرست بھی تھے اور فرعون کو بھی پوجتے تھے اور بنی اسرائیل کے پکے دشمن تھے۔ بنی اسرائیل بھی پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام کے مذہب پر تھے۔ جب اللہ کے نافرمان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرعون مسلط کردیا۔ فرعون نے انہیں اپنی پوجا کرنے پر مامور کیا اور وہ ان سے مشکل سے مشکل کام کرواتا تھا۔ **فائدہ:** ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجرمین کا معنی کافرین کیا ہے۔ اس لئے کہ مومن کو فاسق تغلیظاً وتشدیداً کہہ دیا جاتا ہے۔ یعنی مومن فاسق تو ہوسکتا ہے۔ کافر نہیں ہوسکتا۔

فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ

تو اگلی صبح شہر میں ڈرتے ہوئے انتظار میں تھے تو اچانک اسی نے پھر مدد چاہی جس نے کل مدد کیلئے فریاد کی

یَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ

پھر فریاد کررہا تھا۔تو فرمایا اسے موسیٰ نے بے شک تو ضرور گمراہ ہے واضح۔ پھر جب آپ نے چاہا

اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ

کہ پکڑیں اس کو جو وہ دشمن ہے ان دونوں کا تو اس نے کہا اے موسیٰ کیا تو چاہتا ہے کہ مجھے قتل کرے

كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا

جیسے تو نے قتل کیاایک شخص کو کل۔ نہیں تو چاہتا مگر یہ کہ ہو تو سخت گیر

فِی الْاَرْضِ وَمَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾

زمین میں اور نہیں تم چاہتے کہ ہوتم اصلاح کرنے والے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۷) **فائدہ:** موسیٰ علیہ السلام کی دعا (بما انعمت علی) سے معلوم ہوگیا کہ جب لوگوں میں اختلاف پیدا ہو جائے اور دین کے معاملے میں وہ مختلف فرقوں میں بٹ جائیں تو ایسی دعا کرنا مستحب ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی مولا علی کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف میں یوں ہی دعا کیا کرتے تھے (کذا فی کشف الاسرار)۔

(آیت نمبر ۱۸) جناب موسیٰ علیہ السلام اگلی صبح کے وقت بھی شہر میں گھوم کر قبطی کے مرنے کے بارے سوچ رہے تھے کہ قبطی کے قتل کا کسی کو علم ہوا یا نہیں۔ یا لوگ اس قتل کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ اچانک آپ کی نظر پڑی اسی سبطی پر کہ جس نے کل قبطی کو مروادیا تھا۔ دیکھا تو وہ کل کی طرح آج پھر موسیٰ علیہ السلام سے مدد چاہ رہا تھا۔ کسی اور قبطی سے آج پھر لڑ رہا تھا اور دھاڑیں مار مار کر رو بھی رہا تھا اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کر کے مدد چاہ رہا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس فریادی کو دیکھ کر فرمایا کہ بے شک تو بہت بڑا گمراہ آدمی ہے کہ تو کل بھی ایک آدمی کے قتل کا سبب بنا۔ آج پھر تو کسی کو مروانا چاہتا ہے کہ اب میں تیری وجہ سے ایک اور آدمی بھی قتل کردوں تو تو بہت بڑا گمراہ۔

(آیت نمبر ۱۹) موسیٰ علیہ السلام نے جب اس قبطی کو پکڑنے کا ارادہ کیا۔ جو موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا دشمن تھا

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ

اور آیا ایک شخص پرے کنارے شہر سے دوڑتا ہوا کہا اے موسیٰ بے شک درباری

يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾

مشورہ کرتے ہیں تیرے قتل کا تو تو نکل جا بے شک میں آپ کا خیرخواہ ہوں۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ع ﴿۲۱﴾

تو نکلے اس جگہ سے ڈرتے پیچھے تاڑتے ہوئے اور کہا میرے رب مجھے بچا ان لوگوں سے جو ظالم ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر۱۹) چونکہ قبطی بنی اسرائیلیوں کے پکے دشمن تھے۔ قبطی کو معلوم ہوگیا تھا کہ کل بھی ایک قبطی کو انہوں نے مارا ہے اور بنی اسرائیلی بھی جانتا تھا کہ آپ کی پکڑ بڑی سخت ہے پکڑ کر اس کو مار دیں گے یا اگلی بات کا قائل سبطی ہی ہے۔ اس کو علم تھا کہ کل انہوں نے ایک قبطی کو مارا تھا تو اس نے کہا اے موسیٰ کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جیسے تم نے ایک شخص کو کل قتل کیا تھا تم نہیں چاہتے مگر یہی کہ تم جابر و غالب ہو جاؤ زمین پر تا کہ خوب قتل و غارت کرو تم نہیں چاہتے کہ تم قولاً فعلاً مصلح بن جاؤ اور لوگوں کو نہ لڑنے دو۔

فائدہ: اب اس بات کا چرچا ہو گیا اور قبطی کے قتل کی اطلاع فرعون کو بھی ہو گئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کے باورچی کو مارا اور تمام ارکان سلطنت کو اس بات کا سخت رنج ہوا اور انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا پروگرام بنالیا۔

(آیت نمبر۲۰) ایک شخص شہر کے پرلے کنارے سے بھاگتا ہوا آیا۔ یعنی شہر کے آخری حصے سے جو شاہی محل کے قریب تھا اس شخص نے آ کر موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) بے شک فرعون کے ارکان دولت نے آپ کے متعلق مشورہ کیا اور فیصلہ کرلیا کہ وہ آپ کو قتل کر دیں۔ یعنی اب اس بات پر ان کا اتفاق ہو گیا ہے آپ جلد از جلد اس شہر سے نکل جائیں۔ بے شک میں اس معاملہ میں۔ یعنی اس شہر سے نکلنے کا مشورہ دینے میں میں آپ کا خیرخواہ ہوں۔ آپ کا مہربان اور بہی خواہ ہوں۔ یہ میری آپ کو نصیحت ہے۔ آپ جلد جان بچا کر کسی طرف نکل جائیں۔ یہ آپ کے لئے بہتر ہوگا۔

(آیت نمبر۲۱) تو جناب موسیٰ علیہ السلام اسی وقت بغیر کچھ زادراہ لئے اور بغیر کسی کو ساتھ لئے شہر مصر سے نکل گئے۔ اس حال میں کہ آپ ڈر بھی رہے تھے کہ فرعون کے گرفتار کرنے والے کارندے کہیں کسی طرف سے پکڑنے کیلئے آ نہ جائیں۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿٢٢﴾

اور جب متوجہ ہوئے جانب مدین فرمایا کہ جلد میرا رب مجھے بتائے گا سیدھی راہ۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۱) اور مجھے کہیں گرفتار کر کے نہ لے جائیں یعنی پیچھا کرنے والوں سے آپ خوف زدہ تھے تو آپ نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا۔ اے میرے رب مجھے ظالموں کی قوم سے نجات دے اور مجھے ان سے خلاصی عطا فرما کہ وہ میرا پیچھا نہ کر سکیں۔ اے اللہ میری حفاظت فرما اور ان ظالموں کے ظلم سے بچا۔

فائدہ: چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور آپ کو ظالموں سے صحیح سلامت بچا لیا۔

فائدہ: جب اللہ تعالیٰ کسی کو بلند سے بلند تر مقام دینا چاہتا ہے تو اس سے کوئی ایسا فعل سرزد کرا دیتا ہے تا کہ وہ باقیوں سے کٹ کر صرف اسی کا ہو جائے اور جب بندہ آزمائش میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیتا ہے تو پھر رحمان کے جمال کو بھی پا لیتا ہے۔ جیسے یوسف علیہ السلام کو مصر کی بادشاہی دینی تھی تو کتنی تکالیف سے گذارا۔ پھر وہ اس مرتبے پر پہنچے۔

(آیت نمبر ۲۲) موسیٰ علیہ السلام مدین میں شعیب علیہ السلام کا شہر ہے جو بحر قلزم کے قریب واقع ہے اور مدین ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحبزادے کا نام تھا۔ ان کے یہاں آباد ہونے کی وجہ سے اس شہر کا یہ نام پڑ گیا اور یہ شہر فرعون کی مملکت سے باہر تھا۔ مصر اور مدین کے درمیان آٹھ دن کا سفر بنتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے توکل پر یہ سارا سفر پیدل ہی طے فرمایا۔ اگر چہ اس راستے پر کبھی نہیں آئے تھے۔ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھرسہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی راہنمائی فرماتا ہے۔ تو آپ نے درمیانے راستے کو اختیار فرمایا اور آپ کو تلاش کرنے والے بھی جب پیچھے تلاش کرتے ہوئے آئے تو انہوں نے درمیانے راستے کو اس لئے چھوڑ دیا کہ بھاگنے والا کبھی سیدھے راستے پر نہیں چلتا کہ جلدی پکڑا جاؤں گا (اصل بات یہ ہے کہ جب محافظ خدا ہو پکڑ کون سکتا ہے) بہر حال آپ کو پکڑنے والے دائیں بائیں والے راستے پر چلے اور ان راستوں پر موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے رہے۔ فرعون کے کارندے بالآخر تھک ہار کر واپس چلے گئے اور موسیٰ علیہ السلام کو نہ پا سکے اور موسیٰ علیہ السلام آٹھ دن بغیر کھائے پیئے لگاتار چلتے رہے یہاں تک کہ مدین میں پہنچ گئے۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۠ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ

اور جب پہنچے پانی پر مدین میں تو پایا اس پر ایک گروہ لوگوں کا پانی پلا رہے ہیں جانوروں کو۔ اور پایا ان سے الگ

امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ

دو عورتوں کو جو روکتی ہیں اپنی بکریوں کو۔ فرمایا تمہارا کیا حال ہے بولیں نہیں پلاتیں ہم جب تک پھر نہ جائیں

الرِّعَآءُ ٚ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾

چرواہے۔ اور ہمارے ابو بہت بوڑھے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۲) اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کو تاج نبوت عطا کریں تو انہیں اپنے ایک پیارے نبی کی خدمت میں بھیج دیا اور انہیں ثابت قدم اور مضبوط کرنے کیلئے راستے کی تکالیف و مصائب سے گذارا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وفتناك فتونا) ہم نے آپ کو پورے طور پر آزمایا یعنی ابتلاء وآزمائش کی بھٹی میں ڈالا تاکہ آپ انوار وتجلیات کے حصول کیلئے صاف وشفاف ہو جائیں گویا اللہ تعالیٰ خود آپ کو مدین میں لے گیا تاکہ وہاں شعیب نبی علیہ السلام کی خدمت میں جا کر ان کی برکات اور ان کی صفات سے آراستہ ہو جائیں۔ لہٰذا باقی سب راستے آپ کیلئے بند کر دیئے گئے۔ ع: اگر کوئی شعیب آئے میسر شبانی سے کلیمی دو قدم ہے۔

(آیت نمبر ۲۳) اور جب موسیٰ علیہ السلام مدین شہر کے باہر پانی والی جگہ پر پہنچے۔ یہ مدین شہر کے باہر ایک کنواں تھا جس کا پانی تمام شہر والے پیتے اور جانوروں کو بھی وہاں سے پلاتے تھے تو اس کنویں پر آپ نے لوگوں کے ایک بہت بڑے گروہ کو دیکھا۔ جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے اور ان کی دوسری طرف آپ نے دیکھا کہ دو عورتیں ہیں (جو حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیاں تھیں) باقی لوگوں سے الگ تھلگ دور اپنی بکریوں کو کنویں کے قریب جانے سے روک رہی تھیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام کو یہ بات عجیب لگی۔ (الحمدللہ ہم نے اس کنویں کی زیارت کی)۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام بنیادی طور پر بڑے شفیق ہوتے ہیں تو آپ نے آگے بڑھ کر مشفقانہ انداز میں ان دونوں سے پوچھا کہ تمہارا معاملہ کیا ہے کہ تم اپنی بکریوں کو آگے پانی کی طرف نہیں جانے دیتیں۔ یعنی باقی لوگ جیسے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں تم اپنی بکریوں کو پانی پر کیوں نہیں جانے دیتیں۔

فَسَقٰی لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓی اِلَی الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ

تو پلا دیا ان کے جانوروں کو پھر مڑے طرف سایہ کے پھر کہا اے میرے رب اسکا جو تو اتارے میری طرف

مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴿۲۴﴾

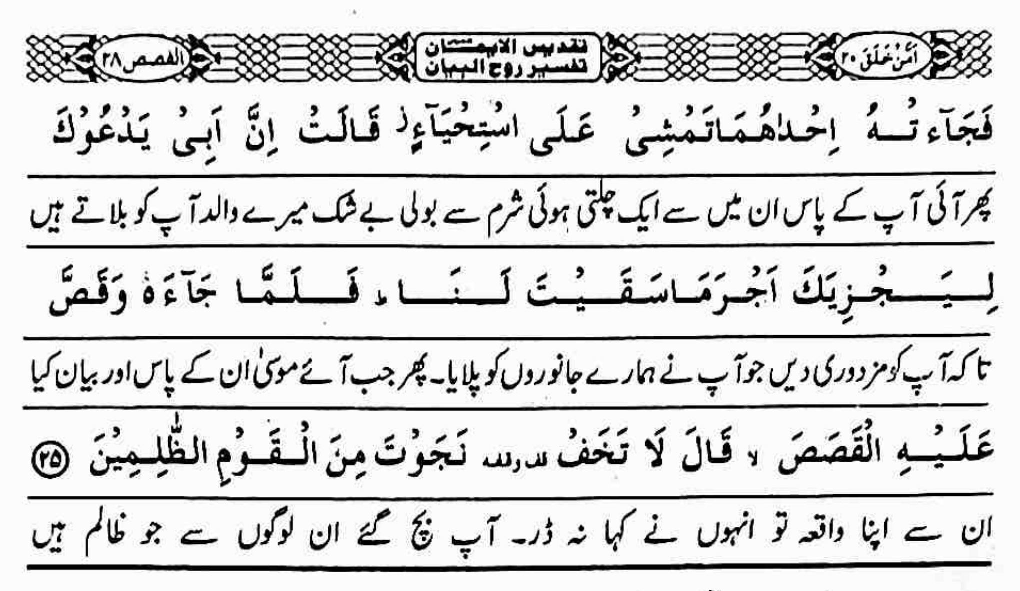
خیر کا میں محتاج ہوں۔

(بقیہ آیت نمبر۲۳) **وھم کا ازالہ** : موسیٰ علیہ السلام نے اجنبی عورت سے بات کی ہے چونکہ انہیں اپنی عصمت پر پورا بھروسہ تھا۔ نبی عام آدمیوں کی طرح فتنہ میں پڑنے سے معصوم ہوتا ہے۔ اس لئے ان سے گفتگو کر لی۔ اس میں ان کیلئے کوئی حرج نہیں۔

آگے فرمایا کہ ان دونوں لڑکیوں نے کہا کہ ہم اپنے ریوڑ کو اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں۔ جب تک کہ باقی سب لوگ اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر یہاں سے چلے نہ جائیں۔ کیونکہ پانی نکالنے والا ڈول بہت ہی وزنی ہے۔ ہمیں کنویں سے پانی نکالنے کی طاقت ہی نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ سب غیر محرم ہیں۔ اس لئے ہم ان کے ساتھ مل کر جانوروں کو پانی نہیں پلائیں۔ اس لئے جب وہ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں گے پھر ان کا بچا ہوا پانی ہم اپنی بکریوں کو پلائیں گی اور ہمارے ابو جان یعنی شعیب علیہ السلام انتہائی بوڑھے ہو گئے ہیں وہ یہاں تک نہیں آ سکتے اس لئے بکریوں کو پانی پلانے کیلئے اور گھاس چرانے کیلئے ہمیں بھیجتے ہیں یعنی اس ضرورت اور مجبوری کی بناء پر ہم یہاں آتی ہیں۔

(آیت نمبر۲۴) تو جناب موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا اور پھر الگ سائے میں بیٹھ کر مذکورہ دعا مانگنے لگے۔ چونکہ آٹھ دنوں سے کھایا بھی کچھ نہیں۔ اور لگاتار سفر ہی سفر جاری رکھا۔

نبی کی قوت چالیس آدمیوں کے برابر: موسیٰ علیہ السلام نے جب ان دونوں کی بات سنی تو آپ کو ان پر رحم آ گیا۔ مدین والوں کی عادت تھی کہ اپنے جانوروں کو پانی پلانے کے بعد کنوئیں پر بھاری پتھر رکھ دیتے تھے جسے چالیس آدمی ملکر رکھتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اکیلے ہی اس پتھر کو ہٹا کر ان کی بکریوں کو پانی پلوا دیا۔ اس کے باوجود کہ آپ کئی دنوں سے بھوکے بھی تھے۔ لمبے سفر کے تھکے ہوئے بھی تھے اور پاؤں مبارک پر چھالے بھی پڑ گئے تھے۔ پھر طاقت میں کمی نہیں آئی۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ نبی کو اللہ تعالیٰ نے چالیس آدمیوں کی طاقت کے برابر قوت دی گئی۔ اور ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس نبیوں کے برابر قوت ملی۔



فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِىْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ز قَالَتْ اِنَّ اَبِىْ يَدْعُوْكَ

پھر آئی آپ کے پاس ان میں سے ایک چلتی ہوئی شرم سے بولی بے شک میرے والد آپ کو بلاتے ہیں

لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ط فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ

تا کہ آپ کو مزدوری دیں جو آپ نے ہمارے جانوروں کو پلایا۔ پھر جب آئے موسیٰ ان کے پاس اور بیان کیا

عَلَيْهِ الْقَصَصَ لا قَالَ لَا تَخَفْ قف نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

ان سے اپنا واقعہ تو انہوں نے کہا نہ ڈر۔ آپ بچ گئے ان لوگوں سے جو ظالم ہیں

(بقیہ آیت نمبر۲۴) **موسیٰ کی درد بھری دعا:** بہر حال موسیٰ علیہ السلام ان کی بکریوں کو پانی سے سیراب کرنے کے بعد قریب ایک درخت کے سائے کی طرف مڑے اور اس درخت کے سائے میں بیٹھ گئے اور عرض کی اے میرے پروردگار تو نے جو بھی میرے لئے خیر اتاری تھوڑی یا زیادہ میں اب اس کا محتاج ہوں یعنی میں اب ضرورت مند ہوں اور صرف تیرے در کا سوالی ہوں۔

(آیت نمبر۲۵) شعیب علیہ السلام کی دونوں صاحبزادیوں نے دیکھا کہ ہماری بکریوں کو پانی پلانے والا مسافر ہے اور بھوکا ہے تو وہ دونوں جلد گھر چلی گئیں تو شعیب علیہ السلام نے پوچھا کہ آج بہت جلد واپس آ گئی ہو تو انہوں نے بتایا کہ آج ایک انتہائی نیک پاک سیرت انسان نے ہمارے حال پر رحم کرتے ہوئے ہماری بکریوں کو پانی پلایا۔ تو شعیب علیہ السلام نے فرمایا وہ نیک انسان بھوکا ہوگا۔ تم میں سے ایک جائے اور اسے بلا کر لے آئے تو ان میں سے ایک صاحبزادی آئیں چونکہ گھر میں کوئی مرد موجود نہ تھا اس لئے بچی کو ہی بھیج دیا۔ جو کہ شرم وحیاء کی پیکر بن کر موسیٰ علیہ السلام کو بلانے آئیں۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے (بلکہ نصف ایمان ہے۔ مشکوٰۃ شریف) تو صاحبزادی نے آ کر فرمایا کہ میرے ابا جان آپ کو بلاتے ہیں۔ تا کہ آپ کو بدلہ دیں اس مزدوری کا جو آپ نے ہماری بکریوں کو پانی پلایا۔

فائدہ: تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کی دعوت قبول کر لی تا کہ شعیب علیہ السلام کی زیارت ہو ان سے تقرب بھی ہو جائے گا۔ اس لئے آپ ساتھ جانے کیلئے تیار ہو گئے اور آپ کسی طمع یا لالچ کیلئے نہیں گئے۔ بی بی صاحبہ شرم وحیاء کے ساتھ آگے آگے چل پڑیں اور موسیٰ علیہ السلام ان کے پیچھے جا رہے تھے۔

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ

بولی ان دونوں سے ایک اے ابا اسے اجرۃ پر رکھ لو۔ بے شک بہتر ہے اس سے جو بھی آپ مزدور رکھیں

الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿٢٦﴾

طاقتور امانت دار ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۵) یہاں تک کہ شعیب علیہ السلام کے گھر پہنچ گئے اس وقت شعیب علیہ السلام انتہائی بوڑھے ہو چکے تھے اور بینائی بھی نہیں رہی تھی۔ دونوں بزرگوں کی آپس میں ایک دوسرے سے سلام کلام ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو کھانا پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے کھانے کی لالچ میں پانی نہیں پلایا تھا میں نے تو فی سبیل اللہ آپ کی بچیوں کی مدد کی تھی چونکہ میں یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ہوں ہم نیک کام کا معاوضہ نہیں لیتے پھر آپ نے شعیب علیہ السلام کو اپنا پورا ماجرا سنایا تو شعیب علیہ السلام نے فرمایا آپ بے فکر رہیں۔ ظالم قوم سے نجات پا گئے یعنی فرعون اور اس کے کارندوں سے نکل آئے ان کا یہاں سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ ہم ان کے ماتحت ہیں۔

(آیت نمبر ۲۶) جناب شعیب علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی صاحبہ نے عرض کی۔ اے ابا جان آپ ان کو اپنے پاس بطور خدمت گار رکھ لیں تا کہ بکریاں بھی چرائیں گے اور دیگر بھی گھر کے کاموں میں ہماری مدد کریں گے۔ بے شک جو بھی آپ خدمت گار رکھیں گے ان سب سے یہ طاقت میں بھی زیادہ ہیں اور دیانت وامانت میں بھی زیادہ بہتر ہیں۔ تو شعیب علیہ السلام نے پوچھا کہ تمہیں ان کی طاقت وامانت دار ہونے کا کیسے علم ہوا تو اس نے کہا کہ جب انہوں نے اکیلے کنویں کا پتھر ہٹایا اور جو ڈول چالیس آدمی ملکر کھینچتے ہیں وہ انہوں نے اکیلے ہی کھینچا تو ہم نے ان کی طاقت کا اندازا لگالیا اور جب میں بلانے گئی تو انہوں نے مجھے آنکھ بھر کر نہیں دیکھا تو اس سے میں نے ان کے تقویٰ اور امانت دار ہونے کا اندازا لگالیا۔ چونکہ شعیب علیہ السلام کو بھی گھر میں رکھنے کیلئے ان ہی علامات والے شخص کی ضرورت تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کی بھی مرضی ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام کچھ عرصہ شعیب علیہ السلام کے پاس رہیں۔ تا کہ ان کی بکریاں چرا کر عوام کے معاملات میں پختہ ہو جائیں اور شعیب علیہ السلام سے طریق نبوت کو سمجھ لیں تا کہ واپسی پر انہیں بار نبوت عطا کیا جائے۔

قَالَ اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُنۡکِحَکَ اِحۡدَی ابۡنَتَیَّ ہٰتَیۡنِ عَلٰۤی اَنۡ تَاۡجُرَنِیۡ

فرمایا شعیب نے میں چاہتا ہوں کہ نکاح میں دوں تمہیں ایک ان دو بیٹیوں سے اس مہر پر کہ آپ ملازمت کریں

ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنۡ اَتۡمَمۡتَ عَشۡرًا فَمِنۡ عِنۡدِکَ ۚ وَمَاۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اَشُقَّ

میری آٹھ سال۔ اگر پورے آپ دس کر دیں تو یہ تمہاری طرف سے ہوگا۔ اور نہیں میں چاہتا مشقت ڈالوں

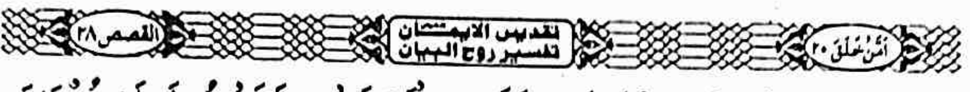
عَلَیۡکَ ؕ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۲۷﴾

آپ پر تو ۔ جلد تم مجھے پاؤ گے ان شاء اللہ اچھے لوگوں میں سے

(آیت نمبر ۲۷) حضرت شعیب علیہ السلام کو جب موسیٰ علیہ السلام کی قوت وامانت کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ بے شک میں چاہتا ہوں کہ میں ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا عقد نکاح آپ سے کر دوں۔ اس سے مراد بی بی صفورہ ہے۔ اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک ہماری خدمت کریں۔

فائدہ: اس خدمت سے مراد نکاح کا حق مہر نہیں۔ ورنہ ہوتا: "ان تاجرها" اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی شریعت میں شوہر کا حق مہر دینا حق خدمت کے عوض ہوتا ہوگا۔ ہماری شریعت میں بھی ابتداء اسلام میں یہ جائز تھا کہ شوہر ایک مدت معلوم تک حق مہر کے عوض ان کی بکریاں وغیرہ چراتا تھا۔ عین المعانی میں ہے کہ پہلی امتوں میں متولی کو اجازت تھی کہ وہ اپنی لڑکیوں کے حق مہر میں ان کے شوہروں سے مقررہ مدت تک مزدوری کراتے تھے۔ پھر "واتوا النساء صدقاتهن نحلة" سے یہ حکم ختم ہوگیا۔

مسئلہ: حق مہر میں مال متقوم ہونا چاہئے اور یہ بھی ضروری ہے کہ شوہر بیوی کو حق مہر دے۔ وکیل یا متولی کو نہ دے۔ البتہ اگر تعلیم قرآن۔ یا بیوی کے کاموں کے عوض نکاح کیا تو یہ جائز ہے اگر شوہر کے پاس رقم نہیں۔ اس لئے کہ تعلیم قرآن یا خدمت کے عوض کچھ صحابہ کا حضور نے نکاح کیا ہے۔ مزید شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ آٹھ سال تک خدمت لازمی ہے اور اگر آپ دس سال پورے کر دیں تو یہ آپ کی طرف سے احسان ومروّت ہوگا اور میں آپ کو اس سے زیادہ مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتا یعنی ایسا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ آپ سے دس سال کی خدمت لیکر آپ کو دکھ اور تکلیف پہنچاؤں اور ان آٹھ سالوں میں بھی تم سے آسان کام لئے جائیں گے کوئی بھی کام ایسا آپ سے نہیں لیا جائیگا جو آپ کے لئے زیادہ تکلیف دہ ہو۔



قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ

فرمایا موسیٰ نے یہ میرے اور آپ کے درمیان اقرار ہے۔ ان دونوں میں جو میعاد پوری کروں پھر نہیں ہوگا مزید

عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ع ﴿۲۸﴾

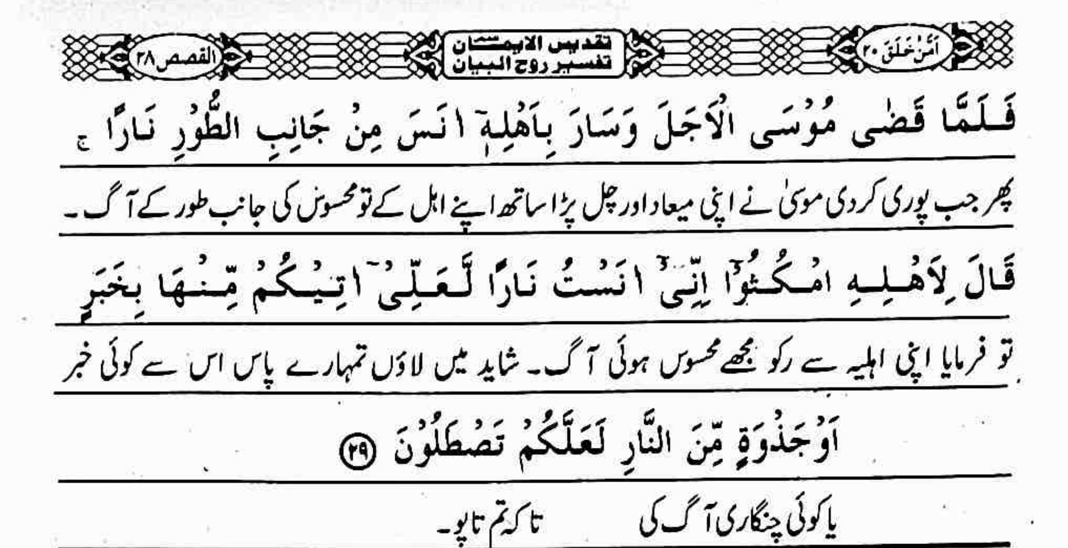
مطالبہ مجھ پر۔ اور اللہ اس پر جو ہم نے کہا ذمہ وار ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۷) **نبی کا علم** : بعض عارفین فرماتے ہیں کہ شعیب علیہ السلام نے نگاہ نبوت سے دیکھ لیا کہ موسیٰ علیہ السلام آٹھ سال میں درجہ کمال تک پہنچ جائیں گے۔ مزید تربیت کی ضرورت نہیں ہے ہاں وہ خود مزید رہنا چاہتے ہوں تو مزید ان کے لئے بہتر ہوگا۔

صاحب روح البیان فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی عمر تیس سال تھی پھر آپ دس سال مدین میں رہے۔ جب واپس مصر جانے لگے تو راستے میں طور پہاڑ پر آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا تو پھر ہماری تحقیق درست نکلی کہ موسیٰ علیہ السلام کو نبوت چالیس سال کی عمر میں ملی۔ جناب شعیب علیہ السلام عشق خدا میں رو رو کر آنکھیں بھی دے بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جنت کے شوق میں روتے ہو یا جہنم کے خوف میں۔ عرض کی یا اللہ مجھے تیری محبت نے رلا رکھا ہے اور تیری بے پرواہی سے بھی ڈرتا ہوں۔ فرمایا میں نے تیری اس محبت کی وجہ سے ہی موسیٰ کو تیری خدمت کے لئے بھیجا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ تجھے مجھ سے بہت زیادہ محبت ہے۔ اس سے تمہیں بہت فائدہ ہوگا۔

(آیت نمبر ۲۸) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شرائط آپ نے لگائیں وہ مجھے منظور ہیں میں ان پر قائم اور ثابت رہوں گا یہ معاملہ میرے اور آپ کے درمیان ہے۔ یعنی میں اپنی شرط پر قائم رہوں گا اس سے نہیں پھروں گا اور آپ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کریں گے۔ دونوں وقتوں میں سے جو بھی میں نے پورا کر دیا۔ آپ اس سے آگے نہیں بڑھائیں گے۔ میں آٹھ سے کم نہیں کروں گا اور آپ دس سال سے زائد نہیں کریں گے۔ آگے فرمایا کہ جو ہمارے درمیان معاہدہ طے پا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ ضامن و وکیل ہے۔ الغرض اس معاہدہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام دس سال تک جناب شعیب علیہ السلام کی خدمت میں رہے۔

عصاء آدم عصاء موسیٰ ہو گیا: شادی کے بعد ایک دن شعیب موسیٰ علیہ السلام کو لیکر گھر کے اندر گئے۔ وہاں کئی انبیاء کرام علیہم السلام کے عصا تھے۔ شعیب علیہ السلام نے ان سب کا انہیں تعارف کرایا اور پوچھا آپ کو کون سا عصا پسند ہے۔



فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ

پھر جب پوری کردی موسیٰ نے اپنی میعاد اور چل پڑا ساتھ اپنے اہل کے تو محسوس کی جانب طور کے آگ۔

قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ

تو فرمایا اپنی اہلیہ سے رکو مجھے محسوس ہوئی آگ۔ شاید میں لاؤں تمہارے پاس اس سے کوئی خبر

اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

یا کوئی چنگاری آگ کی تا کہ تم تاپو۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۸) تو موسیٰ علیہ السلام نے عصائے آدم کو پسند کیا۔

عصائے کلیم اژدھا غضب تھا: موسیٰ علیہ السلام وہی عصا لیکر بکریوں کے ساتھ جانے لگے تو شعیب علیہ السلام نے انہیں منع کیا کہ باہر جا کر آگے دائیں طرف جانے والے راستے پر نہ جانا کہ ادھر بہت بڑا اژدھا ہے۔ بکریوں کو نقصان نہ دے جب موسیٰ علیہ السلام شہر سے باہر نکلے تو بکریاں ادھر کی طرف دوڑ پڑیں۔ جدھر سے منع کیا گیا۔ آگے دیکھا تو وہاں بہت اچھا گھاس تھا۔ بکریاں وہیں چرنے لگیں۔ اتنے میں ایک بہت بڑا اژدھا نکل آیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے بھی اژدھا بن کر اس کا خوب مقابلہ کیا اور اسے ختم کر دیا اور خود خون آلود موسیٰ علیہ السلام کے پاس آ گیا تو آپ نے واپس آ کر شعیب علیہ السلام کو پورا ماجرا سنایا تو آپ سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام بھی ایک غیر معمولی انسان ہے۔

(آیت نمبر ۲۹) جب موسیٰ علیہ السلام نے شرط کے مطابق اپنی مقررہ میعاد پوری کر لی یعنی دس سال پورے ہوئے اور والدہ اور بہن بھائی کی یاد نے ستایا تو آپ نے وطن جانے کی تیاری شروع کر دی۔ اور جناب شعیب علیہ السلام سے اجازت طلب کی۔ کہ میں ایک طویل عرصہ سے یہاں رہا۔ اور معلوم نہیں میری والدہ کا حال ہوگا۔

شعیب علیہ السلام جدائی کا سن کر رو پڑے: جب موسیٰ علیہ السلام وطن جانے لگے تو شعیب علیہ السلام نے فرمایا تم اس وقت جا رہے ہو جب میں انتہائی کمزور ہو گیا ہوں۔ بوڑھا بھی ہو گیا ہوں تو انہوں نے عرض کی کہ مجھے یہاں آئے بہت عرصہ ہو گیا میرے گھر والے ماں بھائی، بہن غمگین ہو نگے تو پھر شعیب علیہ السلام نے کھڑے کھڑے دعا کی۔ یا اللہ اپنے جلیل القدر انبیاء ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے طفیل میری بینائی کو لوٹا دے۔ تا کہ میں اس خوبصورت جوڑی کو دیکھ لوں۔

12/12

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ

پھر جب آئے اس جگہ تو آواز آئی کنارے سے وادی کی دائیں طرف سے برکت والے درخت سے

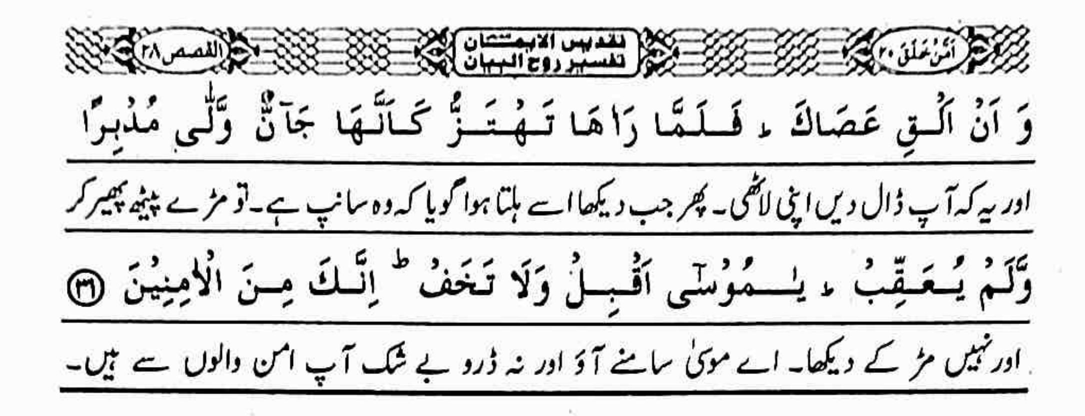
اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ ﴿٣٠﴾

کہ اے موسیٰ بے شک میں ہی اللہ رب العالمین ہوں۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۹) اللہ تعالیٰ نے اسی وقت بینائی عطا فرمادی اور آپ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی اہلیہ صفوراء کو الوداع کہا تو موسیٰ علیہ السلام اپنے خاندان کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوگئے۔ساتھ ایک بچہ بھی تھا۔راستے میں طور پہاڑ کے پاس رات اندھیری ہوگئی۔اہلیہ حاملہ تھیں۔دیا سلائی بھی نہ تھی۔آپ کو طور پر آگ محسوس ہوئی تو آپ نے گھر والوں سے فرمایا کہ تم یہاں ٹھہرو۔میں نے آگ محسوس کی ہے۔میں جاتا ہوں اور وہاں سے تمہارے لئے خبر لے آؤں کہ مصر کو سیدھا راستہ کون سا جاتا ہے اور دوسرا وہاں سے آگ کی چنگاری لے آؤں تاکہ تم آگ سے گرم ہو جاؤ۔چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے عام شاہراہ سے الگ راستہ اختیار کیا۔ایک تو اہلیہ کے پردے کا خیال دوسرا اس لئے کہ کوئی فرعونی دیکھ کر فرعون کو خبر نہ دے۔

(آیت نمبر ۳۰) جب موسیٰ علیہ السلام آگ والی جگہ پر پہنچے تو اس مقام پر ایک درخت تھا۔اس سے آواز آئی۔وہ مقدم مقام طور کے دائیں جانب وادی کے کنارے پر مبارک جگہ سے آواز آئی۔اسے مبارک اس لئے کہا گیا کہ وہاں پر موسیٰ علیہ السلام کو نبوت و رسالت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف بھی مل گیا۔وہاں ایک درخت تھا۔ظاہرا اس کے اندر سے آوازیں آنے لگیں درخت کے بارے میں اختلاف ہے۔کہ وہ درخت کیکر یا بیری یا زیتون یا عناب کا تھا۔اس سے آواز آئی۔اے موسیٰ میں ہی اللہ رب العالمین ہوں۔میں نے آپ کو رسالت کیلئے منتخب کر لیا ہے۔(پیدائش سے لیکر اب تک ہم نے تمہاری اسی لئے حفاظت کی۔کہ ہم نے آپ سے بہت بڑا کام لینا ہے)۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اس درخت کے نیچے صفات الٰہی میں گم اور ذات حق میں فانی ہوگئے۔وصال حق سے سرفراز ہوئے۔رحمت الٰہی کی خوشبو مل گئی۔تو پھر آپ عالم بے خودی میں ایسے ہوگئے۔کہ کئی سال تک آپ کو بیوی بچوں کا خیال ہی نہ رہا۔



(آیت نمبر ۳۱) اے موسیٰ اپنا عصا نیچے ڈال دیں جب انہوں نے عصا نیچے ڈالا۔ جب اسے دیکھا تو وہ سانپ بن کر ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام پیچھے کو دوڑے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ پھر ندا آئی۔ اے موسیٰ آگے آئیں۔ سانپ سے نہ ڈریں۔ آپ بے شک امن پانے والے ہیں۔ میرے ہاں انبیاء و رسل کو کوئی ڈر اور غم نہیں ہوتا۔ (چونکہ یہ معاملہ پہلی مرتبہ ہوا۔ اور آپ بہ تقاضاء بشریت معمولی سے خوف زدہ ہوئے۔)

فائدہ :اصل میں سانپ دکھانے کا مقصد انہیں ڈرانا نہیں تھا۔ بلکہ انہیں ایک تجربہ سے گذارنا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کو جب معجزہ اژدھا دکھائیں تو اس وقت خوف زدہ نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ازل سے ہی مقدر فرمایا تھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں کے پاس جائیں گے اور وہ معجزہ مانگیں گے تو آپ اسے عصاء کا اژدھا بنا کر دکھائیں گے۔ لہذا پہلے انہیں طور پر ہی تجربہ کر کے ایک دفعہ دکھا کر ان کا خوف نکال دیا جائے۔ تا کہ جب فرعون اژدھا سے ڈرے تو موسیٰ (علیہ السلام) وہاں خوف زدہ نہ ہوں۔ (اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کی خود تربیت فرماتا ہے۔)

معجزۂ محمدی:

چونکہ فرعون بہت بڑا ظالم تھا۔ پورے جہان میں اس کا ظلم مشہور تھا اس لئے اسے معجزہ بھی اسی انداز سے سانپ کا دکھایا گیا اور حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ معراج ہے۔ جس میں قرب خاص سے نوازے گئے۔ اسرار و رموز عطا ہوئے۔ الغرض موسیٰ علیہ السلام کلام سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیدار کے ساتھ سلامتی سے نوازے گئے۔ کہ جب آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے۔ تو آواز آئی۔ "السلام علیك ایها النبی" بے اور امت "السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین" سے نوازے گئے۔

اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ

ڈالیں اپنا ہاتھ گریبان میں نکلے گا سفید چمکتا ہوا بے عیب۔ اور ملائیے اپنی طرف

جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ

اپنا ہاتھ خوف دور کرنے کیلئے تو یہ دو دلیلیں ہیں تیرے رب کی طرف سے فرعون کیلئے

وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ

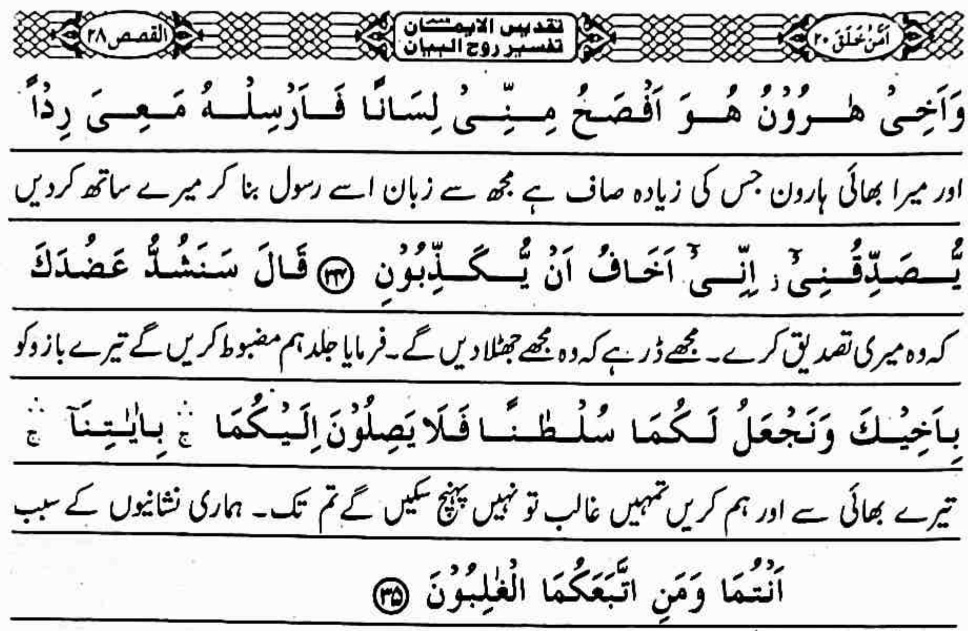
اوراس کے درباریوں کی طرف۔ بے شک وہ ہیں قوم فاسقوں کی۔ عرض کی میرے رب میں نے قتل کیاان کا

نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿٣٣﴾

ایک شخص تو مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کریں گے۔

(آیت نمبر۳۲) اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں جب نکالو گے تو وہ سفید روشن ہوگا۔ سورج کی طرح اس سے شعائیں نکلیں گی۔ جبکہ اس میں کوئی عیب اور بیماری نہیں ہوگی اور آپ اپنے دونوں ہاتھ سمیٹ لیں۔ یعنی اب آپ کو کسی قسم کا خطرہ نہیں۔ بے شک آپ امن والے ہیں۔ یا یہ معنی ہے کہ جب آپ پر کوئی خوف طاری ہو تو اپنے آپ کو قابو میں کریں اور ثابت قدم رہیں۔ آگے فرمایا پس یہ عصا اور ید بیضا دو واضح اور روشن دلیلیں اور معجزے ہیں جو رب تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ کو عطا ہوئے۔ جائیں آپ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف انہیں۔ اسلام کی دعوت دو اور یہ دونوں معجزے بھی انہیں دکھاؤ۔ اس لئے کہ بے شک وہ لوگ فاسقوں سے ہیں۔ یعنی وہ حدود سے متجاوز ہیں اور ظلم وزیادتی میں بھی بہت آگے نکل گئے ہیں۔ ہم آپ کو فی الحال یہ دو معجزے دے کر اور اپنا رسول بنا کر ان کی طرف بھیج رہے ہیں۔

(آیت نمبر۳۳) موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ بے شک میں نے فرعون کا باورچی قتل کیا ہے۔ اب مجھے خوف ہے کہ وہ اس کے بدلے میں مجھے قتل کریں گے۔ یہ بات انہوں نے اپنے قتل ہونے کے خوف سے نہیں کہی۔ بلکہ آپ کو ڈر یہ تھا کہ کہیں پیغام الٰہی ان تک پہچانے میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ ایک تو میری زبان میں لقنت سی ہے اور میرا بھائی جب بات کرے گا تو سب کو آسانی سے سمجھ آجائے گی۔



وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً

اور میرا بھائی ہارون جس کی زیادہ صاف ہے مجھ سے زبان اسے رسول بنا کر میرے ساتھ کردیں

یُّصَدِّقُنِیْٓ ز اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَکَ

کہ وہ میری تصدیق کرے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔فرمایا جلد ہم مضبوط کریں گے تیرے بازو کو

بِاَخِیْکَ وَنَجْعَلُ لَکُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْکُمَا ج بِاٰیٰتِنَآ ج

تیرے بھائی سے اور ہم کریں تمہیں غالب تو نہیں پہنچ سکیں گے تم تک۔ ہماری نشانیوں کے سبب

اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَکُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

تم اور تمہارے پیروکار ہی غالب رہو گے۔

(آیت نمبر ۳۴) میرا بھائی ہارون جو مجھ سے زیادہ فصیح زبان میں گفتگو کر سکتا ہے۔

فائدہ :موسیٰ علیہ السلام نے گفتگو کے بجائے لسان یا زبان کی فصاحت کا نام اس لئے لیا کہ آپ کی زبان مبارک میں لکنت تھی۔اس انگارے کی وجہ سے جو بچپن میں فرعون نے آزمائش کیلئے آپ کے سامنے رکھا تھا اور آپ نے منہ میں ڈال لیا تھا اس لئے اچھی طرح گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔اسی لئے فرعون نے بھی ایک موقع پر کہا کہ وہ کھل کر بات بھی نہیں کر سکتے۔

فائدہ :فصاحت کا مقام اتم واکمل صرف حضور سرورعالم ﷺ کو ہی عطا ہوا ہے۔جیسے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں افصح العرب ہوں۔یعنی سب سے زیادہ فصیح زبان رکھتا ہوں۔ایک اور حدیث میں فرمایا کہ مجھے جوامع الکلم عطا ہوئے (بخاری)۔یعنی کلام پر قدرت عطا ہوئی کہ میں ایک لفظ بولوں تو اس کے سینکڑوں مطالب اور مفاہیم نکلتے ہیں۔آگے فرمایا کہ یا اللہ میرے بھائی کو میرے ساتھ بھیجیں تا کہ وہ میری ہر بات کی تصدیق کرے۔اس لئے کہ مجھے ڈر ہے کہ فرعونی میری تکذیب کردیں گے۔میری دعوت کو قبول نہیں کریں گے کیونکہ میری زبان گفتگو کے وقت صحیح نہیں چلتی۔

(آیت نمبر ۳۵) تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے میرے موسیٰ میں تیرے پٹھے مضبوط کروں گا تیرے بھائی کے ساتھ۔یہ ایک محاورہ ہے کہ بھائی بھائی کی جب مدد کرے۔اس کا ہاتھ پکڑے تو اس وقت یوں کہا جاتا ہے۔اس

لحاظ سے موسیٰ علیہ السلام کے بازو کی قوت کا سبب جناب ہارون علیہ السلام کو بنایا گیا اس وقت جناب ہارون علیہ السلام مصر میں تھے۔ آگے فرمایا کہ میں دونوں کو غلبہ عطا کروں گا۔ حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ محبت کیا ہے۔ یعنی دشمنوں کے دل میں آپ کی ہیبت اور دوستوں کے دل میں آپ کی محبت ڈال دوں گا اور ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اخلاق نبوت کے ساتھ سیاست وخلافت مراد ہے۔ اس لئے آگے فرمایا کہ وہ فرعونی تم پر غلبہ نہیں پاسکیں گے۔ یعنی ان معجزات کی وجہ سے دونوں مامون ومحفوظ رہو گے۔ نہ وہ تمہیں قتل کرسکیں گے نہ اور کوئی تکلیف یا نقصان پہنچاسکیں گے تم دونوں اور تمہارے تابعدار ہی فرعون اور اس کی قوم پر غالب رہو گے۔ اس لئے کہ یہ ہماری آیات بلند درجہ آیات ہیں اور ہم ہمیشہ اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں ہماری مدد ہمہ وقت تمہارے ساتھ ہوگی۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات ختم ہوئی تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام پر عشق خدا کا ایسا غلبہ ہوا کہ انہیں یاد ہی نہ رہا کہ میں پہاڑ کے قریب بال بچے اور مال چھوڑ آیا ہوں تو موسیٰ علیہ السلام حکم الٰہی پورا کرنے کیلئے سیدھے فرعون کے پاس چلے گئے۔ آپ کی اہلیہ اور بچہ تین دن رات وہیں رہے ان کے ساتھ بکریاں بھی تھیں۔ تین دن کے بعد ایک چرواہا اس جنگل سے گذرا تو اس نے شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کو پہچان لیا۔ دیکھا کہ بی بی صاحبہ سخت سردی میں غمگین بیٹھی ہیں تو اس نے بی بی صاحبہ اور بچے کو شعیب علیہ السلام تک پہنچا دیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آپ مناجات سے فارغ ہو کر گھر والوں کے پاس آئے۔ انہوں نے پوچھا آگ نہیں لائے تو فرمایا۔ نار تو نہیں ملی۔ البتہ نور لے آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت کرامات ومعجزات عطا فرمادیئے۔ اس کے بعد اہل وعیال کو ساتھ لیکر مصر میں آگئے۔ ایک حویلی میں دیکھا کھانا پک رہا تھا۔ آپ نے آواز دی۔ گھر والو ہم بھی تمہارے مہمان ہیں۔ والدہ ماجدہ نے جناب ہارون کو حکم دیا۔ کوئی مسافر ہیں۔ انہیں اندر لے آؤ۔ جب وہ اندر آگئے تو انہیں کھانا پیش کیا گیا۔ پہلے تو انہیں گھر والوں میں سے کسی نے نہیں پہچانا لیکن جوں ہی گفتگو شروع ہوئی تو والدہ ماجدہ نے آپ کو پہچان لیا اور اپنے پاس بلا کر گلے سے لگالیا اور خوب روئیں پھر جناب موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بھی نبوت سے نوازا ہے اور حکم دیا ہے کہ ہم دونوں جا کر فرعون کو احکام الٰہی بجالانے کی دعوت دیں تو جناب ہارون علیہ السلام نے سر آنکھوں پر اللہ کا حکم قبول کیا۔ اماں جان نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ وہ ظالم تمہیں مار نہ ڈالے کیونکہ وہ بڑا ظالم ہے۔

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں: حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام دونوں رات کے وقت ہی فرعون کے محل پر جا پہنچے۔ فرعون کے شاہی محل کے پاس کافی لوگ جمع تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ ہماری آمد کی اطلاع فرعون کو پہنچادو۔ دونوں بھائیوں نے فرعون کے پاس جا کر اسے پیغام الٰہی سنایا۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ

پھر جب آئے ان کے پاس موسیٰ ہماری نشانیاں واضح لے کر تو انہوں نے کہا نہیں ہے یہ مگر جادو

مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِىْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّىْٓ

گھڑا ہوا۔ اور نہیں سنا ہم نے یہ اپنے پہلے باپ دادا سے بھی۔ اور فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے میرا رب

اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ

خوب جانتا ہے کہ جو لایا ہدایت اس کی طرف سے۔ اور کس کا ہوگا آخرت (جنت) کا گھر۔ بے شک

لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٣٧﴾

نہیں کامیاب ہونگے ظالم۔

(آیت نمبر ٣٦) پھر جب موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام ہماری نشانیاں جو ہماری طرف واضح دلائل بھی تھے۔ (موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت پر) وہ فرعونیوں کے پاس لیکر آئے۔ آیات سے مراد معجزات ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو اس لئے دیئے گئے کہ آپ فرعون اور اس کی قوم کو دکھائیں۔ یعنی وہ عصا جو ہر وقت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ہوتا تھا۔ جب چاہتے اس کا کوئی نہ کوئی کمال دکھادیتے (وہ صرف سانپ نہیں بنتا تھا بلکہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے اور بھی بے شمار کمالات رکھے تھے) اور موسیٰ علیہ السلام عصا اور ید بیضاء کے علاوہ اور بھی معجزات دے کر بھیجے گئے۔ ان میں جو مشہور ہیں ان کی تعداد ۹ ہے تو فرعون اور اس کی قوم نے کہا کہ نہیں ہیں یہ معجزات مگر جادو۔ ہم نے اس سے پہلے آپ کے لائے ہوئے جادو جیسے کمال کبھی نہیں دیکھے اور نہ اس قسم کے جادوؤں کے متعلق کسی سے سنا۔ نہ ہمارے باپ دادا نے کبھی اپنے زمانے میں ایسا جادو دیکھا ہوگا۔ نہ ان کے علم میں آیا ہوگا۔ نہ ایسی باتیں جو تم کررہے ہو کبھی باپ دادا سے سنی ہوں گی۔

(آیت نمبر ٣٧) تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب بہت اچھا جانتا ہے کہ کون رب تعالیٰ کی طرف سے ہدایت لے کے آیا ہے۔ **فائدہ:** اس سے مراد خود موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے واضح فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں اور وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میں حق پر ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے ہدایت لے کر آیا ہوں۔ تا کہ تم گمراہی سے نکل کر ہدایت پر آ جاؤ۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِیْ ۚ فَاَوْقِدْ

اور کہا فرعون نے اے درباریو نہیں جانتا میں تمہارا کوئی خدا ہے میرے سوا۔ تو تیار کرو

لِیْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ

میرے لئے اے ہامان گارا پھر بنا میرے لئے محل۔ تا کہ میں جھانکوں طرف اس رب کے جو

مُوْسٰى ۙ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

موسیٰ کا ہے اور میرا گمان ہے کہ وہ جھوٹوں سے ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۷) اور اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے کہ دنیا سے جانے کے بعد آخرت میں کس کا انجام اچھا ہے۔ آخرت اس لئے مراد لی گئی کہ دنیا تو آخرت کیلئے گذرگاہ ہے کہ اس دنیا کے اختتام پر آخرت شروع ہو جاتی ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یعنی اس دنیا کا اصل مقصود آخرت کو سنوارنا ہے۔ اگر کوئی اچھے عمل کر کے جائیگا تو اجر و ثواب پائے گا اور مجرموں کی بداعمالیوں اور برائیوں کا نتیجہ عذاب ہے۔

فائدہ: خلاصہ کلام یہ ہے۔ دنیا کے انجام سے مراد اچھی عاقبت تھی۔ نہ کہ برا انجام لیکن اے فرعون یہ بات یاد رکھ کہ بے شک ظالم لوگ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ اس لئے کہ انہوں نے خود ہی کفر اور تکذیب کر کے اپنے آپ کو تباہی میں ڈال لیا۔ **سبق**: اس لئے مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنی نجات کیلئے پوری کوشش بروئے کار لائے۔

(آیت نمبر ۳۸) فرعون نے درباریوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اے میرے ارکان دولت میں نہیں جانتا کہ میرے سوا تمہارا اور کوئی خدا بھی ہے یعنی موسیٰ کا دعویٰ ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ زمین پر میرے علاوہ کوئی بھی رب نہیں اور اے ہامان گارے سے میرے لئے پختہ اینٹوں کا ایک محل بنا۔

فائدہ: پکی اینٹوں کا موجد بھی فرعون ہی ہے۔ یعنی مینار کی طرح کا بہت اونچا محل بنا۔ جس میں سیڑھیاں ہوں۔ جس پر میں چڑھ سکوں اور اتر بھی سکوں۔ تا کہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں اور پتہ چلاؤں کہ وہ کیسا ہے بے شک میرا گمان ہے کہ یہ جھوٹے لوگوں میں سے ہے۔ یعنی اس کا جو یہ دعویٰ ہے کہ میرے سوا کوئی اور معبود ہے جو حقیقی معبود ہے اور دوسرا یہ دعویٰ کہ میں اس کا رسول ہوں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ اس کی بناوٹی باتیں ہیں۔ ان باتوں میں کوئی سچائی نہیں ہے۔

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا

اور بڑا بنا چاہا اس نے اور اس کے لشکر نے زمین میں ناحق۔ اور سمجھے کہ وہ ہماری طرف

لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾

نہیں لوٹیں گے۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۸) **فرعون کا محل**: کشاف میں لکھا ہے کہ ہامان نے پچاس ہزار کاری گر بلائے اور بے شمار مزدور اکٹھے کیے تا کہ اس قسم کا مینار تیار کیا جائے۔ پہلے اس مینارہ کے لئے اینٹیں بنائی اور پکائی گئیں۔ اور اس میں بھی بنی اسرائیل کو زیادہ مشقت میں ڈالا گیا۔ جس سے موسیٰ علیہ السلام کو بہت تکلیف ہوئی۔ اتنا اونچا محل بنایا گیا کہ اوپر چڑھنے والا خوف زدہ ہو جاتا تھا۔ اس کی لمبائی پانچ ہزار اور چوڑائی تین ہزار گز تھی۔ اس جیسی مضبوط اور بلند عمارت اس سے پہلے کسی نے نہیں دیکھی تھی۔ وہ بے وقوف یہ بھی نہیں جانتا تھا۔ کہ زمین سے آسمان تک کوئی تعمیر نہیں جا سکتی۔

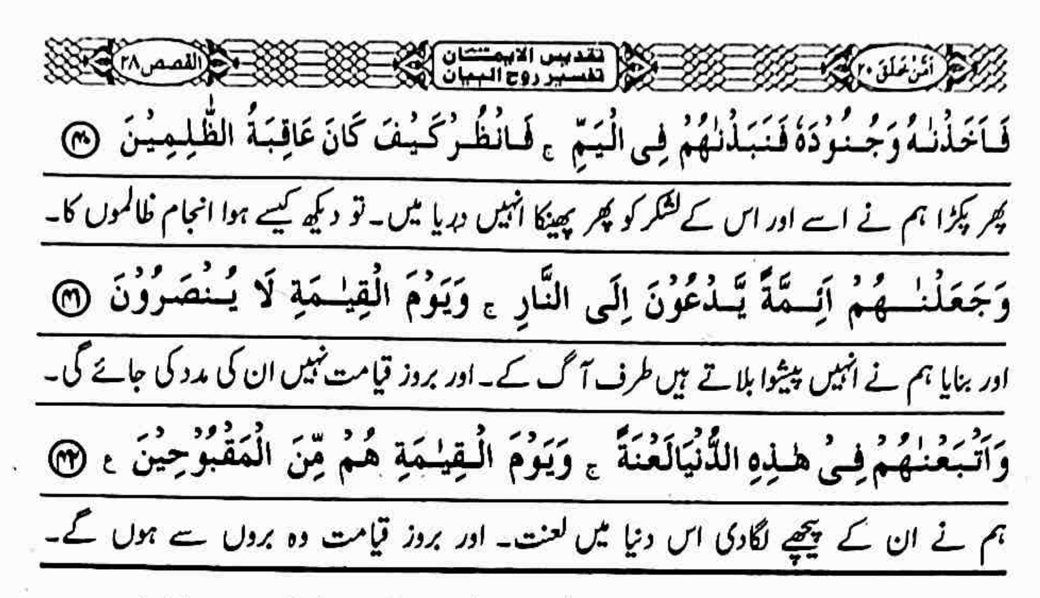
فائدہ: فرعون احمق یہ سمجھتا تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ کا کوئی جسم ہے لہذا وہ اس جسم کے ساتھ آسمان پر نظر آ جائے گا۔ اس لئے وہ سمجھا کہ اس تک رسائی ممکن ہے۔ (معاذ اللہ)

(آیت نمبر ۳۹) فرعون اور اس کے لشکر نے زمین میں تکبر کیا۔

فائدہ: نامہ المسیر میں ہے کہ جب مینار تیار ہو گیا تو فرعون اس کے اوپر چڑھ کر حیران ہوا کہ آسمان تو ابھی اتنا ہی اور اونچا ہے جتنا زمین سے اونچا نظر آ رہا تھا تو اس نے تیر انداز سے کہا کہ آسمانوں کی طرف تیر پھینکے اس نے جب تیر پھینکا تو وہ خون آلود واپس آیا فرعون بڑا خوش ہوا کہ میں نے موسیٰ کے خدا کو (معاذ اللہ) مار دیا ہے۔

غضب الٰہی: اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو حکم دیا کہ اس کے مینار کو پر مار کر گرا دو تو مینار تین حصہ ہو کر گر گیا ایک حصہ قبطیوں کی طرف گرا تو اس سے ہزاروں قبطی مر گئے۔ ایک حصہ دریا کی طرف اور ایک فرعون کے مینار بنانے والوں پر گرا جس سے وہ سب مر گئے۔

شان خدائی: فتح الرحمٰن میں ہے کہ جس نے بھی اس مینار کی تعمیر میں حصہ لیا۔ وہ سب ملیا میٹ ہو گئے۔ اس سے بھی فرعون نے کوئی سبق نہ سیکھا۔ بلکہ اس کا غرور و تکبر اور بھی بڑھ گیا کیونکہ انہوں نے یہی سمجھا کہ وہ ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ (یعنی قیامت کے دن) جب انہوں نے ہم سے روگردانی کی تو ہم نے بھی ان سے منہ پھیر لیا۔



فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٠﴾

پھر پکڑا ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو پھر پھینکا انہیں دریا میں۔ تو دیکھ کیسے ہوا انجام ظالموں کا۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿٤١﴾

اور بنایا ہم نے انہیں پیشوا بلاتے ہیں طرف آگ کے۔ اور بروز قیامت نہیں ان کی مدد کی جائے گی۔

وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ع ﴿٤٢﴾

ہم نے ان کے پیچھے لگادی اس دنیا میں لعنت۔ اور بروز قیامت وہ بروں سے ہوں گے۔

(آیت نمبر۴۰) پھر ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا یعنی جب وہ کفر اور تکبر کی انتہاء تک پہنچ گئے تو پھر ہم نے انہیں پکڑ کر دریا قلزم میں پھینک دیا۔

فائدہ: جیسے کسی گندی چیز کو بیکار سمجھ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ ان کا انجام تباہی و بربادی کا ہوا کہ وہ دریا میں غرق ہوگئے۔ **فائدہ:** اس آیت میں پکڑ کرنے والے کی عظمت وشان کا بیان ہے اور جن کی پکڑ ہوئی۔ ان کی ذلت کا بیان ہے۔ یعنی دریا میں ایسے گرے جیسے کنکریاں اٹھا کر پھینک دی جاتی ہیں پھر اے میرے محبوب (صلی اللہ علیک) دیکھ تو سہی کیسا ہوا انجام ان ظالموں کا (لہذا اپنی قوم کو بھی بتا دیں کہ ظلم وتکبر سے باز آ جائیں) ورنہ انجام ویسا ہی ہوگا۔

(آیت نمبر۴۱) اور ہم نے انہیں اس وقت کے کفار کا پیشوا بنایا۔ جنہیں وہ جہنم کی طرف بلاتے تھے یعنی ان کے کفر اور گناہوں کے ارتکاب کرنے کا مقتدا بنایا تا کہ وہ انہیں جہنم کی طرف بلائیں اور آخرت میں انہیں اپنے ساتھ جہنم میں لیکر جائیں اور ان کے بھی گناہوں اور جرائم کی سزا اپنے سر پر اٹھائیں اور قیامت کے دن ان کی عذاب سے بچانے میں مدد بھی نہ کی جائے۔ یعنی کوئی بھی ان کا مددگار نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر۴۲) اور دنیا میں ہی ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگادی۔ یعنی انہیں اپنی رحمت سے دور ہی رکھا۔ فرشتوں اور ایمان والوں کی لعنتیں ان پر ڈال دیں۔ قیامت تک ان پر لعنتیں پڑتی رہیں گی اور قیامت کے دن فرعون اور اس کا لشکر انتہائی ذلیل وخوار لوگوں سے ہوں گے۔ قبح کا لفظ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ہر طرح کی خیر وبرکت سے دور رکھا جائے۔

فائدہ: اصل بات یہ ہے کہ احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے اور برائی کی سزا بری ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَکْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰی

اور تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اس کے بعد جو ہلاک کیں ہم نے سنگتیں پہلی ۔

بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًی وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

کہ کھلیں آنکھیں لوگوں کی اور وہ ہدایت اور وہ رحمت ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

(بقیہ آیت نمبر۴۲) **مسئلہ**: معلوم ہوا کہ تکبر سب قباحتوں سے بری قباحت ہے موجب لعنت اور رحمت سے محرومی کا سبب ہے۔جیسے شیطان تکبر سے لعنتی ہوگیا۔اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوگیا۔

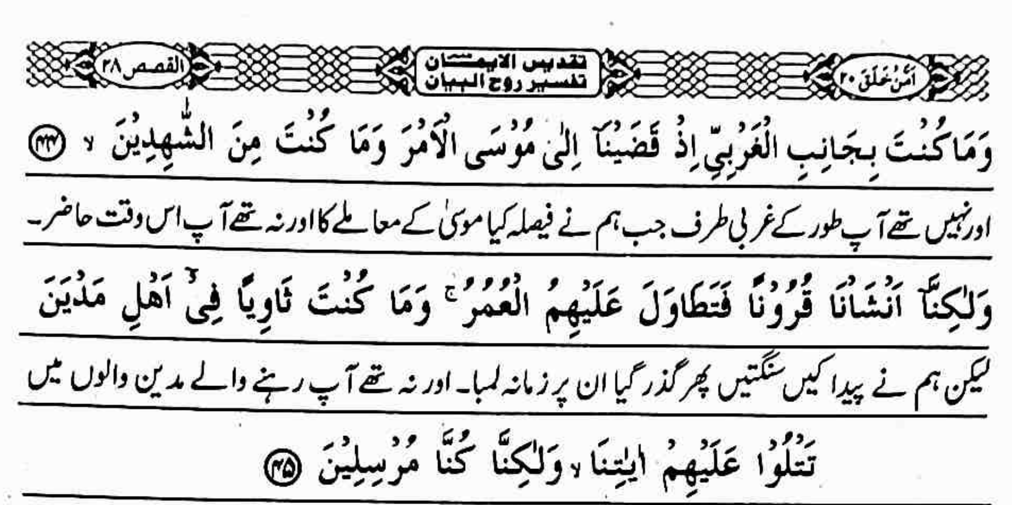
حدیث قدسی: حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کبریائی میری چادر اور عظمت میرا ازار ہے۔جو یہ مجھ سے چھینے گا میں اسے دوزخ میں ڈال دوں گا (بخاری و مسلم)۔اسی لئے ایک مقام پر فرمایا کہ قیامت کے دن ذلت کا عذاب ناحق تکبر کی وجہ سے دیئے جائیں گے۔

مسئلہ: سب سے بدتر انسان وہ ہے جس میں تکبر بھی ہو اور بخل بھی۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ تواضع والوں سے تواضع تکبر والوں سے تکبر کے ساتھ پیش ائے۔اور قدر والوں کی قدر کرے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرے۔ان شاءاللہ دنیا آخرت میں کامیاب ہے۔

(آیت نمبر۴۳) اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ جیسی کتاب دی۔ان سے پہلے کئی قوموں کی ہلاکت کے بعد یعنی قوم نوح، ہود، صالح اور لوط علیہم السلام کی قومیں جب تباہ ہوگئیں۔سابقہ قوموں کے حالات اور ان کی ہلاکتیں لوگوں کی آنکھیں کھولنے کیلئے کافی تھیں۔یعنی توراۃ بنی اسرائیل کیلئے دلوں کا نور تھی۔جس سے وہ حقائق اشیاء کو دیکھ سکتے تھے۔حق و باطل میں تمیز کر سکتے تھے۔اس لئے کہ اس سے پہلے ان کے دل فہم و ادراک سے نابینا تھے اور یہ کتاب توراۃ راہ حق کی طرف ہدایت دینے والی ہے اور یہ کتاب ذریعہ نجات تھی اس کے لئے جو اس پر عمل کرتا۔اس کتاب کو بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ شاید وہ اس کے مواعظ سے نصیحت حاصل کریں۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔توراۃ نازل ہونے کے بعد کسی قوم پر عذاب نہیں آیا۔جس سے وہ تباہ ہوئے ہوں۔سوائے اس قوم کے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور ہفتے والے دن ممانعت کے باوجود مچھلیوں کا شکار کیا۔اس لئے انہیں بندر اور خنزیر بنایا گیا۔



وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَآ إِلَىٰ مُوْسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾

اور نہیں تھے آپ طور کے غربی طرف جب ہم نے فیصلہ کیا موسیٰ کے معاملے کا اور نہ تھے آپ اس وقت حاضر۔

وَلٰكِنَّآ أَنْشَأْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ أَهْلِ مَدْيَنَ

لیکن ہم نے پیدا کیں سنگتیں پھر گذر گیا ان پر زمانہ لمبا۔ اور نہ تھے آپ رہنے والے مدین والوں میں

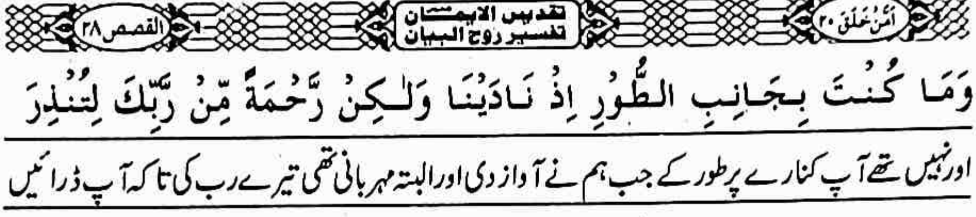
تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾

کہ پڑھتے ان پر ہماری آیتیں اور لیکن تھے ہم رسول بھیجنے والے۔

(آیت نمبر ۴۴) اے میرے پیارے حبیب (ﷺ) آپ طور کے غربی جانب میں نہیں تھے۔ یعنی وہ مقام خاص جہاں موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے جو طور پہاڑ پر تھا۔ کہ جہاں ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے نبوت کا عہد لیا تھا اور انہیں حکم دیا کہ تم ہمارے نبی ہو جا کر مصر میں اپنی نبوت کا اعلان کرو اور پھر انہیں توراۃ عطا کی اور آپ اس وقت اس کا مشاہدہ کرنے والے نہیں تھے۔ یعنی جب موسیٰ علیہ السلام سے کلام ہو رہی تھی اور وہ ستر آدمی جنہیں موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ لیکر طور پہاڑ پر گئے تھے۔ جنہیں بنی اسرائیل نے خود منتخب کیا تھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جا کر حالات و واقعات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں اور توراۃ ملنے کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور واپس آ کر لوگوں کو بتائیں۔

نیز یہاں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ نبی پاک ﷺ جو غیبی خبریں یا ماضی کے حالات بتاتے ہیں وہ سب کچھ وحی الٰہی سے بتاتے ہیں جو آپ کے نبی ہونے کی واضح دلیل ہے۔

(آیت نمبر ۴۵) اور لیکن ہم آپ کے اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک درمیان میں بے شمار گروہ پیدا کئے اور ان کو بڑی لمبی لمبی عمریں دیں۔ ان پر عرصہ ہائے دراز گذرے۔ ان میں شریعت کے احکام بھی بدلتے رہے۔ اس تغیر و تبدل میں ان کے اصل حالات و اخبار ان سے اوجھل ہو گئے۔ لہذا اب ضرورت تھی کہ انہیں نئی شریعت دی جائے جو ان کے حالات کو درست کرے۔ اسی لئے اے محبوب ہم نے آپ کو وحی سے نوازا اور اے محبوب آپ مدین میں موسیٰ اور شعیب علیہما السلام کے پاس بھی نہیں تھے۔ (یعنی وہاں کے حالات بھی آپ بذریعہ وحی بتا رہے ہیں) یہ تمام گذشتہ امتوں کے واقعات بھی پڑھ کر انہیں سنا رہے ہیں۔ یہ سب ہماری آیات ہیں۔ جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ہم ہی ہیں جو رسول بنا کر بھیجتے ہیں (یاد رہے ان آیات میں جو حضور ﷺ سے نفی کی گئی ہے۔



وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ

اور نہیں تھے آپ کنارے پر طور کے جب ہم نے آواز دی اور البتہ مہربانی تھی تیرے رب کی تا کہ آپ ڈرائیں

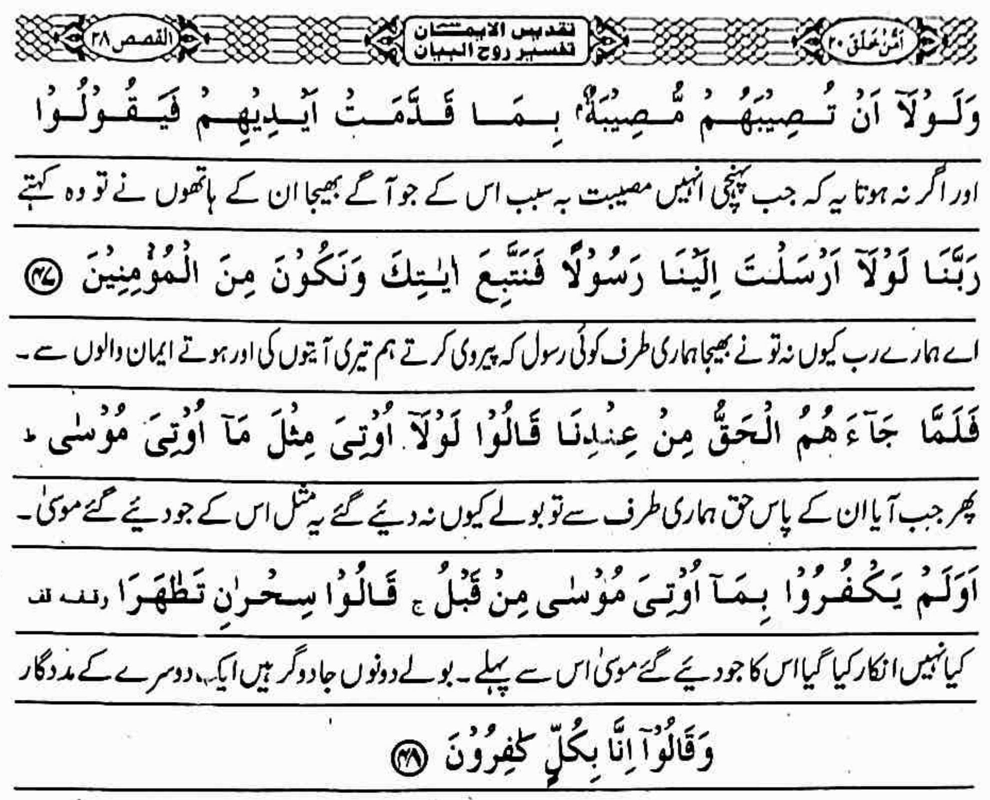
قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اس قوم کو کہ نہیں آیا ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آپ سے پہلے تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۵) یہ علم خصوصی کی نفی ہے عموم کی نہیں ہے۔ یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ خصوص کی نفی سے عموم کی نفی نہیں ہو جاتی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہود حضور ﷺ کی نبوت کے ہی منکر تھے اگرچہ ان کی کتاب توراۃ میں بار بار واضح کیا گیا کہ نبی علیہ السلام کی پہچان ان کی وحی ہے کہ آپ گذشتہ قوموں کے جو بھی حالات وواقعات بتاتے ہیں۔ وہ سب وحی سے بتاتے ہیں۔ جس کا مخالفین کو بھی بالکل انکار نہیں ہے اور ہمارا مطلب ومقصد بھی یہی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دعویٰ نبوت کے اثبات میں کفار ومشرکین کے سامنے جن دلائل وبراہین کو پیش کیا۔ ان کا ذکر توراۃ میں موجود ہے اور وہ اس کے اہل ہیں (اور آپ کے فضائل وکمالات برحق ہیں)۔

(آیت نمبر ۴۶) اور اے میرے محبوب نہیں تھے آپ طور کی جانب جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی کہ بیشک میں ہی اللہ رب العالمین ہوں۔

نکتہ : یہاں الایمن کا لفظ نہیں ہے۔ یعنی طور کی دائیں جانب۔ صفات نبوی میں ایمن حضور ﷺ ہیں ازل سے ابد تک۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ اللہ تعالیٰ نے پیارے محبوب ﷺ کیلئے کیسے خوبصورت ناموں کا چناؤ کیا۔ آگے فرمایا لیکن یہ تیرے رب کی رحمت ہے کہ ہم نے آپ کو قرآن ناطق اور اپنا رسول بنا کر بھیجا یہ ہماری بہت بڑی رحمت ہے تا کہ آپ ایسی قوم کو ڈر سنائیں جن کے پاس اس سے پہلے کوئی رسول نہیں آیا۔ اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام سے حضور ﷺ تک پانچ سو پچپن سال کا زمانہ گذرا۔ اور یہ زمانہ فترت کا ہے کہ جس میں کوئی نبی یا رسول نہیں آیا۔ شاید یہ لوگ آپ کے وعظ سے نصیحت حاصل کریں اور وہ اس بات کو سمجھیں کہ حضور ﷺ نے ہر واقعہ بالکل صحیح صحیح بتایا۔ یہ بھی آپ کے نبی اللہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔



وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا

اور اگر نہ ہوتا یہ کہ جب پہنچی انہیں مصیبت بہ سبب اس کے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھوں نے تو وہ کہتے

رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اے ہمارے رب کیوں نہ تو نے بھیجا ہماری طرف کوئی رسول کہ پیروی کرتے ہم تیری آیتوں کی اور ہوتے ایمان والوں سے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ط

پھر جب آیا ان کے پاس حق ہماری طرف سے تو بولے کیوں نہ دیئے گئے یہ مثل اس کے جو دیئے گئے موسیٰ۔

اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ج قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا

کیا نہیں انکار کیا گیا اس کا جو دیئے گئے موسیٰ اس سے پہلے۔ بولے دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کے مددگار

وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور بولے بے شک ہم سب کے منکر ہیں۔

(آیت نمبر ۴۷) اگر نہ ہوتا یہ کہ انہیں کوئی مصیبت پہنچتی بہ سبب اس کے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھوں نے۔ یعنی انہوں نے جو جو گناہ اور قصور کئے اس وجہ سے ان پر پکڑ آتی تو پھر وہ کہتے کہ اے اللہ تو نے ہمارے پاس رسول کیوں نہیں بھیجا۔ یعنی کوئی ایسا رسول آتا جو تیری طرف سے آیات لیکر آتا تو پھر ہم ان آیات کو دیکھ کر ان کی اتباع کرتے اور جو معجزات اس رسول کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہم ان پر ایمان لانے والوں میں ہوتے۔

فائدہ: آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے آنے والے عذاب کے وقت مذکور حجت نہ رکھتے تو ہم رسول نہ بھیجتے۔ ان کی اس حجت کو ختم کرنے کیلئے ہی تو آپ کو رسول بنا کر بھیجا تا کہ وہ بروز قیامت یہ عذر نہ کر سکیں کہ ہماری طرف رسول کیوں نہ بھیجا گیا۔ کہ ہم اس پر ایمان لاتے۔

(آیت نمبر ۴۸) پھر جب وہ رسول اہل مکہ اور کفار عرب کے پاس حق یعنی قرآن مجید لیکر آ گئے۔ دوسرے مقام پر فرمایا (جاء کم الرسول بالحق من ربکم) یعنی رسول تمہارے پاس اپنے رب کی طرف سے حق لیکر آیا۔

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ

فرمادو لاؤ کوئی کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ جو زیادہ ہدایت والی ہو ان دونوں سے میں اس کی پیروی کرونگا

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾

اگر تم ہو سچے۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۸) **ازالہ وھم** : بے شک اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں حق بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اور حضور ﷺ کا حق ہونا بھی درست ہے۔ جیسے رؤف، رحیم ہونا اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہے۔ اسی طرح یہ حضور ﷺ کی صفات بھی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات بحیثیت الوہیت کے ذاتی ہیں اور حضور ﷺ کی صفات بحیثیت نبوت عطائی ہیں۔ آگے فرمایا کہ قریش مکہ نے یہود کے کہنے پر کہا کہ محمد ﷺ وہ کیوں نہیں دیئے گئے جو موسیٰ علیہ السلام دیئے گئے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام اکٹھی کتاب دیئے گئے اور حضور ﷺ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں اترا۔ یا موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی طرح یہ معجزات کیوں نہ دیئے گئے۔ **فائدہ**: بزرگ فرماتے ہیں۔ سوال کرنے والے بے وقوف تھے۔ انہیں تو جا کر موسیٰ علیہ السلام سے کہنا چاہئے تھا کہ آپ کو وہ کمالات کیوں نہ ملے جو حضور ﷺ دیئے گئے بہر حال ان کے جواب میں فرمایا گیا کہ کیا انہوں نے اس کتاب کا انکار نہیں کیا جو موسیٰ علیہ السلام دے کر بھیجے گئے جیسے اب موجودہ کفار حضور ﷺ کا انکار کر رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے والے کافروں نے کہا کہ موسیٰ اور اس کا بھائی ہارون علیہما السلام دونوں جادوگر ہیں۔ ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور کفار مکہ نے کہا کہ ہم سب انبیاء کے منکر ہیں کسی کو بھی نہیں مانتے۔ یہ تو ہر نبی کے زمانے والے کفار نے کہا۔

(آیت نمبر ۴۹) اے میرے پیارے محبوب جو کفار آپ پر یہ مذکور الزام لگاتے ہیں انہیں آپ فرما دیں کہ اگر میری لائی ہوئی کتاب پسند نہیں تو تم لے آؤ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسی کتاب جو ان دونوں کتابوں سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو یعنی جو کتاب موسیٰ علیہ السلام کو ملی یعنی توراۃ اور جو محمد ﷺ پر اتری یعنی قرآن کو تم نہیں مانتے تو تم ایسی کتاب لے آؤ۔ جو طریقہ حق کے مطابق ہو اور بہت زیادہ راہ حق دکھانے والی ہو تو میں اس کی پیروی کر لوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ایسی کتاب ہو جو حجت کے لحاظ سے واضح تر اور دلائل کے اعتبار سے روشن ہو۔ واضح بات ہے کہ قرآن اور تورات سے بڑھ کر کوئی کتاب ذاضح روشن اور جامع تر ہے ہی نہیں۔ لائیں گے کہاں سے۔ آگے فرمایا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ یہ دونوں کتابیں صحیح نہیں۔ تو پھر تم تیسری کتاب اللہ تعالیٰ سے لے آؤ۔ میں اسے مان لوں گا۔

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ

پھر بھی اگر نہ مانیں آپ کی بات تو جان لو بے شک وہ چلتے ہیں اپنی خواہشات پر۔اور کون بڑا گمراہ ہے اس سے

مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ع ﴿۵۰﴾

جو چلے اپنی خواہش پر چھوڑ کر اس ہدایت کو جو من جانب اللہ ہے۔ بے شک اللہ نہیں ہدایت دیتا اس قوم کو جو ظالم ہیں

(آیت نمبر ۵۰) پس اگر وہ آپ کی بات کو پورا نہ کر سکیں۔ نہ ہی مذکورہ بالا کہے گئے اوصاف کے مطابق کتاب لاسکیں۔تو یہ یقین رکھ لیں کہ وہ آئندہ بھی کبھی نہیں لاسکیں گے جیسے سورہ بقرہ میں فرمایا(فان لم تفعلوا ولن تفعلوا) یہ آیت بھی اسی طرح ہے۔آگے فرمایا کہ تو جان لو سوائے اس کے نہیں وہ صرف اپنی خواہشات کی ہی پیروی کرتے ہیں۔ان کے پاس کوئی ٹھوس دلیل یا مضبوط سند نہیں ہے کہ جس سے وہ اپنے دعویٰ کو صحیح طور پر ثابت کر سکیں۔اگر ان کے پاس کوئی ایسی ٹھوس سند ہوتی تو وہ ضرور پیش کرتے لہذا یاد رکھو اس سے بڑا کون گمراہ ہوگا کہ جو اپنی خواہشات کا ایسا پجاری ہے کہ وہ ہمہ وقت نفسانی خواہشات کے پیچھے لگا رہتا ہے۔ آگے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا اس قوم کو جو ظالم ہے یعنی اپنی خواہشات نفسانی پر چل کر جانوں پر ظلم کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اپنے دین کا راستہ نہیں دکھاتا۔اس لئے کہ وہ ہوائے نفس اور آیات الٰہی سے روگردانی کرنے میں سخت منہمک ہیں۔ **فائدہ:** یہ بھی معلوم ہوا۔اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر سب مذاہب خواہشات سے بنے۔

فلاسفہ : عقلیات کے فریب خوردہ فلاسفہ کا خیال ہے کہ نفس کے ساتھ جہاد عقل سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ ہدایت کیلئے توفیق ایزدی کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ ان کی بالکل خام خیالی بلکہ حماقت ہے۔عقل کو راہنما ماننا اور انبیاء کرام علیہم السلام کی اتباع کو بے کار سمجھنا یہی تو درحقیقت خواہشات نفسانی پر چلنا ہے۔ایسے لوگ کبھی خواہشات کے پنجے سے نہیں نکل سکتے۔یادرکھیں ایسے ذہن ہوائے نفسانی کے شکار ہوتے ہیں۔

فائدہ: حضور ﷺ کو اتنی رفعت شان کے باوجود نہیں کہا گیا کہ آپ پہلے انبیاء کی پیروی کریں۔

پیری مریدی کے مقاصد: انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد یہی ہے کہ مرید ہر حال میں اپنے شیخ کامل کی اتباع کرے۔تا کہ اس کی برکت سے یہ بھی منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ظالمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو خواہشات نفسانی کی اتباع میں انبیاء کرام علیہم السلام کی پیروی کو ضائع کر بیٹھے اور ہدایت وہاں تلاش کرتا ہے جہاں گمراہی ہی گمراہی ہے۔(جیسے آج کل کے جھوٹے پیروں کے پاس لوگ ہدایت تلاش کرر ہے ہیں)۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ط ﴿٥١﴾

اور تحقیق مسلسل اتاری ان کیلئے بات تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾

جنہیں دی ہم نے کتاب اس سے پہلے ہی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۰) **سبق**: عاقل پر لازم ہے کہ وہ ہدایت والوں میں شامل ہونے کی کوشش کرے اور خواہشات کے پیچھے چلنے والوں سے دور بھاگے۔ اس لئے کہ جو اپنے نفس کی خواہشات کا جتنا مخالف ہوگا۔ اتنی ہی خیر وبرکت پائے گا اور یہی نفس سے جہاد ہے۔

(آیت نمبر ۵۱) اور البتہ تحقیق ہم نے قریش مکہ کی طرف بے شمار آیتیں اتاریں۔ یعنی آیات قرآنی لگاتار چھ ہزار سے بھی اوپر اتریں۔ اور سورتوں کا نزول بھی ہوتا رہا۔ جیسے حکمت کا تقاضا تھا تاکہ ہمہ وقت انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعظ ونصیحت ہوتی رہے اور ان کے دلوں تک قرآنی آیات کے اثرات پہنچیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کر کے ایمان لے آئیں اور اطاعت گذار بن جائیں۔

دوسرا معنی: اس کا یہ ہے کہ ہم نے ان پر مسلسل مواعظ اور ڈرسنانے والی آیات اتاریں اور انہیں پہلی امتوں کے حالات سے بھی آگاہ کیا کہ فلاں فلاں گروہوں نے یہ یہ غلط کاریاں کیں جس کی وجہ سے وہ تباہ وبرباد ہوئے جیسے قوم نوح نے بت پرستی کی۔ قوم لوط نے بدفعلی کی وغیرہ اور انہیں جو جو سزائیں دی گئیں۔ اس کے بارے پہلے انہیں بتایا گیا۔ تاکہ انہیں نصیحت ہو اور ڈر جائیں۔ لیکن انہوں نے ان سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ اس لئے عذاب آیا۔

(آیت نمبر ۵۲) وہ لوگ کہ جنہیں ہم نے کتاب دی اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو مسلمان ہوئے اور وہ قرآن نازل ہونے سے پہلے اس انتظار میں تھے۔ کہ ہم قرآن مجید پر بھی ایمان لائیں گے۔ انہیں دولت ایمان بھی نصیب ہوگئی۔ وہ پہلے موسیٰ علیہ السلام پر اور توراۃ پر ایمان رکھتے تھے پھر جب قرآن اترا۔ اور نبی آخرزمان کو دیکھا۔ تو انہیں تفہیم قرآن کی دولت عطا ہوئی۔ تو انہوں نے توحید کا اقرار کرلیا اور قرآن سنتے ہی اس پر ایمان لے آئے۔

وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ

اور جب پڑھی جاتی ان پر تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اس پر۔ بے شک وہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا

بے شک تھے ہم اس سے پہلے ہی فرمانبردار۔ وہی لوگ دیئے جائیں گے اجر اپنا دوہرا بہ سبب اس کے جو

صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾

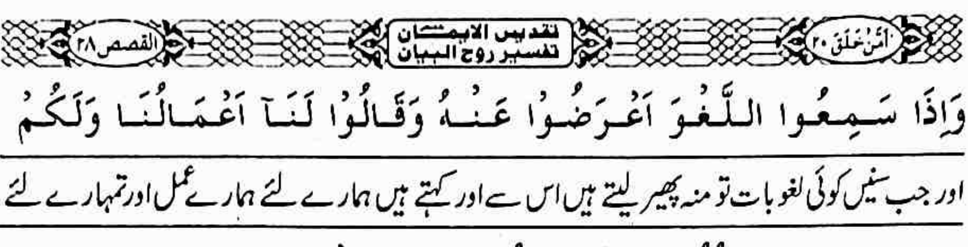
انہوں نے صبر کیا اور دور کیا نیکی سے برائی کو اور اس سے جو ہم نے انہیں دیا وہ خرچ کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ۵۳) اور جب ان کے سامنے قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی تو وہ یہ کہتے تھے کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ہم بھی اس پر ایمان لاتے ہیں کہ بے شک یہ ہمارے رب تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اترا ہے۔ ہمیں پختہ یقین ہوگیا ہے کہ یہ وہی کتاب ہے۔ جس کی صفات تورات میں ہم نے پڑھی ہیں۔ ہم تو پہلے ہی اس کو ماننے والے تھے۔

فائدہ: اس میں واضح کیا گیا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ بات قدیم سے چلی آرہی ہے اور سابقہ تمام کتب سماویہ میں مذکور تھا کہ یہ لوگ قرآن مجید کے نازل ہونے سے پہلے اس دین اسلام کو ماننے والے ہیں۔

(آیت نمبر ۵۴) یہ وہ لوگ ہیں جن کی صفات ابھی ذکر کی گئی ہیں۔ کہ انہیں قیامت کے دن ڈبل اجر وثواب دیا جائیگا اس لئے کہ انہوں نے پہلے توراۃ پر ایمان لایا۔ پھر قرآن پر ایمان لائے۔ یعنی انہوں نے امر ونہی میں شریعت کی موافقت کی ایک تو انہوں نے صبر کیا اور دو ایمانوں پر ثابت قدمی دکھائی اور دوسرا دونوں شریعتوں پر عمل کرنے کی وجہ سے انہیں دوہرا ثواب دیا جائے گا۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا تین ایسے شخص ہیں جنہیں دوہرا ثواب ملتا ہے۔ (۱) وہ جس نے اپنی لونڈی کی اچھی تربیت کر کے اسے دینی تعلیم بھی سکھائی اور اداب سکھائے اور پھر اس سے نکاح کر لیا۔ (۲) وہ جو اپنے آقا کی خدمت بھی کرے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی پورے کرے۔ (۳) وہ جو پہلی آسمانی کتابوں پر ایمان لائے اور پھر قرآن مجید پر بھی ایمان لائے۔ (بخاری ومسلم کتاب العلم)



وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ

اور جب سنیں کوئی لغوبات تو منہ پھیر لیتے ہیں اس سے اور کہتے ہیں ہمارے لئے ہمارے عمل اور تمہارے لئے

اَعْمَالُكُمْ ۫ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫ لَا نَبْتَغِى الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾

تمہارے عمل۔ سلام ہوتم پرنہیں ہم چاہتے جاہلوں کو۔

(بقیہ آیت نمبر۵۴) آگے فرمایا کہ وہ نیکی سے برائی دور کرتے ہیں۔ یعنی اعمال صالحہ کر کے برے اعمال کے ظلمات کو دفع کرتے ہیں۔ **حدیث** میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ برائی ہو جائے تو فوراً نیکی کرو۔ اس نیکی کی وجہ سے برائیاں معاف ہو جائیں گی (رواہ الترمذی حدیث حسن)۔ آگے فرمایا جو ہم نے انہیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

(آیت نمبر۵۵) اور جب وہ لغو باتیں سنتے ہیں یعنی بے ہودہ کام یا کلام اور حد سے گری ہوئی باتیں سن لیں تو فوراً وہ انہیں روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر وہ باز نہ آئیں۔ تو وہ ان سے منہ پھیر لیتے ہیں اور وہ ان برائی والوں کو کہتے ہیں کہ ہمارے عمل ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے۔ یعنی ہمارے نیک عمل ہیں۔ ان کا اجر ہمیں ملے گا۔ اور تمہارے بکواسات ہیں وہ تمہارے لئے یعنی ان کی سزا تم ہی بھگتو گے۔ لہٰذا تم جانو اور خدا جانے ہم ان سے اظہار برات کرتے ہوئے انہیں سلام متارکت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم جاہلوں بے علموں کی صحبت نہیں چاہتے نہ ان سے میل جول رکھنا چاہتے ہیں اس لئے کہ ان کی صحبت سے دنیا میں بدنامی آخرت میں بدانجامی حاصل ہوگی۔

سبق: راہ حق پر چلنے والوں کیلئے لازم ہے کہ وہ جاہلوں کی صحبت سے دور بھاگیں اس لئے کہ ان کی صحبت کے برے اثرات ہیں بلکہ ان کی صحبت سے حال کے تغیر کا خطرہ ہے کہیں وہ بھی ان کے ساتھ گمراہی کے گڑھے میں نہ گر جائیں اور مجرم وخطا کار بن جائیں بلکہ دائرۂ اسلام سے بھی نکل جانے کا خطرہ ہے اللہ تعالیٰ اپنی ہی پناہ میں رکھے۔ اور برے لوگوں کی صحبت سے اور ہر قسم کی برائی سے بچائے۔ (آمین یارب العالمین)

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ

بے شک آپ نہیں ہدایت دیتے جسے آپ چاہیں لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہے۔اور وہ خوب جانتا ہے

بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

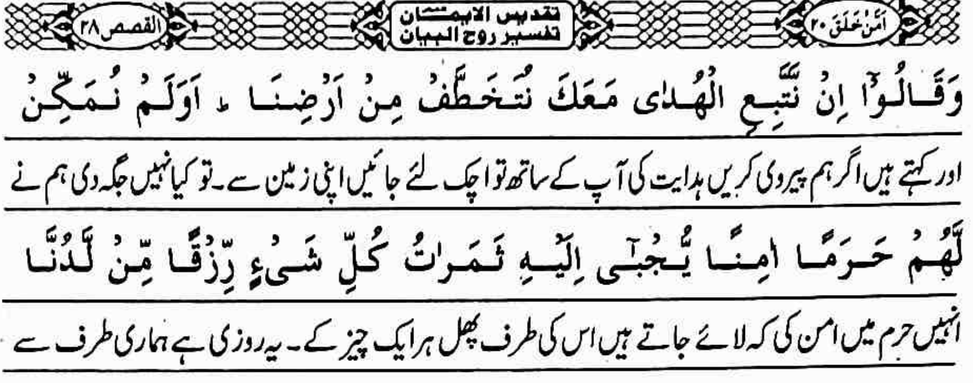
ہدایت والوں کو۔

(آیت نمبر ۵۶) اے پیارے محبوب بے شک آپ منزل مقصود تک پہنچانے والی ہدایت نہیں دیتے۔لوگوں میں سے جن کو آپ چاہیں۔(ہدایت دو قسم ہے۔(۱) راہ دکھانا۔(۲) اور منزل مقصود تک پہنچانا۔حضور ﷺ ہادی ہیں کہ آپ راہ دکھاتے ہیں اس کی دلیل ہے "اِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" اے محبوب آپ سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔(سورہ شوریٰ) اور اس مذکورہ آیت میں وہ ہدایت مراد ہے کہ جو منزل مقصود تک پہنچائے اور وہ ہدایت اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے اس لئے آگے فرمایا اور لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے وہ خود چاہتا ہے یعنی جسے وہ چاہتا ہے اسے ہدایت دے کر اسلام میں داخل کر لیتا ہے۔

نوٹ: جو لوگ اس کا معنی کرتے ہیں کہ آپ ہدایت نہیں دے سکتے یہ معنی ہی غلط ہے اس کا اصل معنی ہے کہ آپ ہدایت نہیں دیتے۔ایسا کوئی حرف اس آیت میں نہیں جس کا معنی دے سکنے والا کیا جائے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہدایت کی نفی کی جائے کہ اللہ کے بغیر کوئی ہادی نہیں تو پھر قرآن پاک کی بہت ساری آیات کا انکار ہوتا ہے اس لئے کہ کسی جگہ فرمایا۔قرآن ہدایت دیتا ہے کسی جگہ فرمایا ہم نے امام بنائے وہ ہمارے حکم سے ہدایت دیتے ہیں۔کہیں فرمایا۔اے محبوب تو سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے کہیں فرمایا کعبہ بھی ہدی للعالمین ہے۔لہٰذا ہدایت کو دو اقسام میں ماننا پڑے گا۔ورنہ کئی آیات کا انکار کرنا پڑتا ہے۔آگے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔**فائدہ:** جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ اس سے مراد جناب ابو طالب ہیں کہ حضور ﷺ نے ان کے سامنے کلمہ پیش کیا اور انہوں نے انکار کر دیا۔

نوٹ: انکار کا لفظ تو کہیں نہیں ہے۔یہ پچر تو یار لوگوں نے اپنی طرف سے لگائی۔جیسے آیت کا معنی غلط کیا ہے۔ان کے ایمان اور عدم ایمان میں دونوں طرف دلائل ہیں۔ہم اپنی رائے نہیں دینا چاہتے کہ حضور ﷺ کے پیارے چچا کا مسئلہ ہے لب کشائی سے کہیں ایمان ضائع نہ ہو جائے اور حضور ﷺ کو اس سے کہیں اذیت نہ پہنچے۔(العیاذ باللہ) (قاضی محمد عبد اللطیف)



وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ

اور کہتے ہیں اگر ہم پیروی کریں ہدایت کی آپ کے ساتھ تو اچک لئے جائیں اپنی زمین سے ۔تو کیا نہیں جگہ دی ہم نے

لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا

انہیں حرم میں امن کی کہ لائے جاتے ہیں اس کی طرف پھل ہر ایک چیز کے ۔ یہ روزی ہے ہماری طرف سے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٧﴾

لیکن اکثر ان میں نہیں جانتے ۔

(بقیہ آیت نمبر ٥٦) علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔ کہ حضرت ابوطالب کے ایمان اور عدم ایمان کے بارے میں تم خاموش رہو ۔ تمہیں کسی نے جج نہیں بنایا ۔ کہ تم فیصلہ کرو نہ قبر وقیامت میں تم سے اس کے متعلق سوال ہوگا ۔

(آیت نمبر ٥٧) کچھ لوگوں نے کہا کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں اچک نہ لئے جائیں ۔ یعنی کوئی ہمیں اغوا کر کے نہ لے جائے ۔

شانِ نزول : حارث بن عثمان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ حق پر ہیں ۔ لیکن ہم اگر آپ کے دین پر چلیں تو ڈر ہے کہ یہ لوگ ہمیں مکہ سے نکال دیں گے ۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا جنہوں نے ایمان لایا ہم نے انہیں امن والے حرم میں جگہ نہیں دی اور دشمنوں سے ان کی حفاظت نہیں کی اور پھر ہر طرف سے ہر قسم کے پھل حرم شریف کی طرف کھچے چلے آتے ہیں جو ہماری طرف سے ان کے لئے رزق ہے ۔

فائدہ : یہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کی روشن دلیل ہے ۔ یعنی جہاں کچھ بھی پیدا نہ ہو وہاں سب کچھ مل جائے اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ وہاں سب کچھ ملنا مشرکین کے بتوں کی وجہ سے نہیں بلکہ فرمایا یہ صرف ہماری مہربانی سے ہے تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں لیکن اکثر لوگ یہ بات نہیں جانتے یعنی غور وفکر ہی نہیں کرتے کہ انہیں حقیقت معلوم ہو ۔ اور وہ اپنے حقیقی رب تعالیٰ پر ایمان لائیں ۔ اور بت پرستی سے باز آئیں ۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ج فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ

اور کتنے ہی ہلاک کیے ہم نے شہر جو اترائے اپنی عیش پر۔ تو یہ ان کے گھر ہیں نہیں کوئی رہ سکا

مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ط وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى

ان کے بعد مگر تھوڑے۔ اور ہیں ہم ہی وارث۔ اور نہیں ہے تیرا رب کہ ہلاک کرے شہروں کو

حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ج وَمَا كُنَّا مُهْلِكِى

جب تک نہ بھیجے ان کے اصل مقام میں کوئی رسول جو پڑھے ان پر ہماری آیتیں۔ اور نہیں ہیں کہ ہلاک کریں

الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

شہروں کو مگر اس حال میں کہ اس کے باشی ظالم ہوں۔

(آیت نمبر ۵۸) کتنی ہی بستیوں (والوں) کو ہم نے تباہ کیا جو اپنی عیش وعشرت پر اتراتے تھے۔ بطر کا معنی نعمت میں سرکشی کرنا یعنی سابقہ زمانے میں قوموں کا حال اہل مکہ کی طرح کا ہی تھا۔ انہیں بھی عیش وعشرت کی فراوانی حاصل ہوئی تو وہ ناشکری کا شکار ہو گئے پھر ہم نے انہیں تباہ کر دیا۔ ان کے علاقوں کو ویران کر دیا۔ مکانات گر گئے۔ بستیاں اجڑ گئیں۔ یہ سب ان کے ظلم کی سزا تھی۔ جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اپنے نفسوں پر کیا اور یہ بات مکہ والوں کو معلوم ہے اس لئے کہ وہ تجارت کیلئے یمن اور شام کی طرف جاتے آتے ان کھنڈرات کو دیکھتے ہیں تو فرمایا کہ یہ ان کے مکانات ابھی تک ویران پڑے ہیں ان کی تباہی اور بربادی کے بعد وہ منحوس مقام آباد نہیں ہو سکے۔ یعنی ان جگہوں کی نحوست کا یہ حال ہے کہ اب تک وہاں کوئی بھی مستقل سکونت اختیار نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی وہاں ٹھہرے تو وہ مصائب ومشکلات کا شکار ہو کر چند دنوں میں وہ بھی تباہ وبرباد ہو جاتا ہے۔ یا وہاں سے خالی مکان چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔ اس لئے کہ منحوس جگہ میں برکت ختم ہو جاتی ہے وہ الووں کے رہنے کی جگہ بن جاتی ہے۔ کسریٰ جیسے بادشاہوں کے محلوں والی جگہ پر آج الو بول رہے ہیں۔ آگے فرمایا کہ ہم ہی سب کے وراث ہیں۔ بالآخر ہر جگہ پر ہمارا ہی قبضہ ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

(آیت نمبر ۵۹) اور نہیں ہے۔ آپ کا رب ہلاک کرنے والا کسی علاقے کو یہاں تک کہ وہ پہلے بھیجتا ہے ان کے مرکز میں کوئی شان والا رسول۔ یعنی ان کے مرکزی شہر میں جہاں بہت بڑی آبادی ہو۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ج وَمَا عِنْدَ

اور جو بھی تم دیئے گئے ہو کوئی چیز وہ تو ساز وسامان ہے حیات دنیا کا اور اس کی زیب وزینت ہے اور جو پاس ہے

اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ع ﴿٦٠﴾

اللہ کے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ کیا تمہیں عقل نہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۹) پبلک زیادہ ہو وہاں کے لوگ سمجھدار ہوں وہاں رسول بھیجتے ہیں جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور انہیں اسلام کی دعوت دے۔ رسول بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ ان پر حجت قائم ہو جائے تاکہ پھر وہ عذر نہ کر سکیں کہ ہمارے پاس کوئی رسول ہی نہیں آیا۔ اگر ہمارے پاس کوئی رسول آتا اور ہمیں آیات پڑھ کر سناتا تو ہم تیری آیات کی پیروی کرتے۔

شانِ مصطفیٰ ﷺ : التکملہ میں ہے۔ الامہ سے مراد مکہ مکرمہ اور الرسول سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ مکہ کو ام القریٰ اس لئے کہا جاتا ہے کہ زمین بچھانے کا آغاز یہاں سے ہوا۔ آگے فرمایا کہ ہم کسی وقت بھی لوگوں کو تباہ نہیں کرتے مگر اس وقت تباہ کرتے ہیں۔ جب وہاں کے رہنے والے ظالم ہوں کہ نہ وہ اللہ کو وحدہ لاشریک مانیں وہ نہ رسول کو مانیں نہ قرآنی آیات کو مانیں۔ **فائدہ**: یعنی ان کی ہلاکت وتباہی کا باعث ان کا ظلم ہوتا ہے۔

سبق : عقلمند پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور اس کی نعمتوں کی قدر کرے بلکہ ان پر ہمیشہ شکر کرے۔ کہیں ناشکری کر کے نعمتوں کو ضائع نہ کر دے۔ اس لئے کہ نعمتوں کی ناشکری صریح ظلم ہے اسی ظلم کی وجہ سے انسان تباہی وبربادی کا شکار ہو جاتا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ غفلت کی نیند سے ہمیں بیدار فرمائے۔ (آمین)

(آیت نمبر ۶۰) یہ جو بھی تم دیئے گئے ہو۔ (یہ خطاب کفار مکہ کو ہے۔) یعنی یہ دنیا کا مال ودولت اور اس کی زیب وزینت یہ تو ساز وسامان ہے۔ اس دنیا میں ہی چند روز تک نفع اٹھایا جائے گا۔ اس کے بعد تمہیں بھی فنا ہے اور اس ساز وسامان کو بھی فنا ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی زیادہ ہو۔ بالآخر وہ فنا ہو کر رہے گا اور وہ اجر وثواب جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہو وہ تمہارے لئے بہر حال بہتر ہے۔ دنیا کے ساز وسامان اگرچہ رونق ہے لیکن اس میں بے شمار غم وحزن پنہاں ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جو اجر وثواب ہے وہ ابدی ہے ہمیشہ رہنے والا ہے کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ تم بہتر چیز کو چھوڑ کر ادنیٰ چیز لیتے ہو کفر ومعاصی کر کے اپنی نیک بختی پر بدبختی کو ترجیح دیتے ہو۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ

کیا جسے ہم نے وعدہ دیا وعدہ اچھا پھر وہ اسے ملنے والا ہے۔ کیا وہ ایسا ہے جیسا ہم نے نفع دیا برتنے کیلئے حیات

الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٦١﴾

دنیا میں پھر وہ بروز قیامت حاضر کیا جائیگا۔

(آیت نمبر ۶۱) کیا پس جسے ہم نے ایمان وطاعت پر بہت اچھا وعدہ دیا اس سے جنت اور اس کی نعمتیں مراد ہیں۔ **فائدہ:** کاشفی فرماتے ہیں۔ ہم نے آخرت میں جنت کا اور دنیا میں فتح ونصرت کا وعدہ دیا تو وہ جس کا ہم نے انہیں وعدہ دیا ہے وہ بہت اچھا وعدہ ہے ضرور حاصل ہوگا۔ اس لئے کہ وعدۂ الٰہی کا خلاف محال ہے کیا اخروی فوائد کو دنیوی فوائد کی طرح تم نے سمجھا۔ دنیوی زندگی کا ساز وسامان بے شمار تکالیف کا سبب ہے۔ مثلاً لٹنے کا خطرہ الگ۔ ایک دن اس کے پاس دوسرے دن دوسروں کے پاس جانے والا اور پھر وہ قیامت کے دن کا حساب اگر غلطی ہوئی تو جہنم کا عذاب ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ کہاں دنیا کا مال ومتاع اور کہاں آخرت میں اللہ تعالیٰ کا انعام واکرام۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ جسے آقا آخرت میں بہترین انعامات سے نوازے گا۔ اس کی شان ارفع واعلیٰ ہوگی۔ **حدیث شریف:** اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے۔ ایک دنیا میں ننانوے جنت میں رکھے۔ (مشکوٰۃ)

حدیث شریف : جس کی خواہشات دنیا کے متعلق ہی ہوں۔ تو فقر وفاقہ اس کے سامنے کر دیا جاتا ہے حالانکہ دنیا میں اسے وہی نصیب ہوتا ہے جو اس کے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے اور جس کی خواہش آخرت کے متعلق ہو تو اسے استغناء دے دی جاتی ہے اور دنیا ہر طرف سے سمٹ کر بے شمار اور بلا تکلف اس کے پاس جمع ہو جاتی ہے۔ (ترمذی ۲۴۶۵)۔

حکایت: ایک بزرگ حج پر جا رہے تھے لوگوں نے دیکھا کہ ان کے پاس کھانا بلا تکلف پہنچ جاتا تھا ان سے پوچھا گیا یہ کیا بات ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ایک بڑھیا آتی ہے اور مجھے کھانا دے جاتی ہے اس بڑھیا سے مراد دنیا ہے۔

حدیث شریف : ایک دنیا کے مالدار جس نے پوری زندگی عیش وعشرت میں گذاری ہوگی۔ اسے جہنم کا ایک غوطہ دے کر پوچھا جائیگا کیا دنیا میں عیش کی ہے وہ کہے گا میں نے دنیا میں ایک ذرہ برابر عیش نہیں دیکھی۔ یعنی ایک ہی غوطے سے دنیا کی ساری عیش بھول جائیگا اسی طرح دنیا کے سخت ستائے ہوئے ایک انسان کو جنت میں داخل ہوتے ہی پوچھا جائیگا۔ دنیا میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔ وہ کہے گا میں نے تو دنیا میں کبھی کوئی تکلیف دیکھی ہی نہیں۔ (رواہ مسلم)

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِ يَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٦٢﴾

اور جس دن وہ آواز دیکر کہے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جنہیں تم گمان کرتے تھے۔

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ج اَغْوَيْنٰهُمْ

کہیں گے وہ کہ سچ ثابت ہوئی ان پر بات اے ہمارے رب ان لوگوں کو ہم نے گمراہ کیا ہم نے انہیں گمراہ کیا

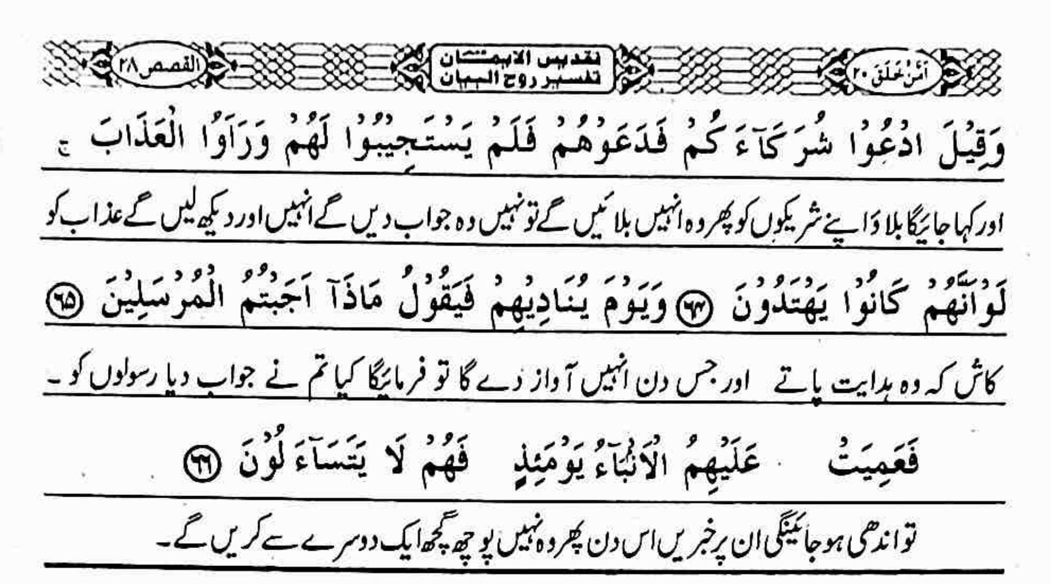
كَمَا غَوَيْنَا ج تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ز مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿٦٣﴾

جیسا ہم خود گمراہ تھے۔ ہم ان سے الگ ہو کر تیری طرف آئے۔ نہیں تھے یہ ہماری پوجا کرتے۔

(آیت نمبر۶۲) اے میرے محبوب (ﷺ) قیامت کا دن یاد کرائیں جس دن اللہ کفار کو غضب ناک آواز سے فرمائے گا۔ اے مشرکو۔ کہاں ہیں وہ شریک میرے۔ یعنی دنیا میں جنہیں تم اپنے گمان میں میرا شریک بناتے تھے اور ان کی پوجا بھی کرتے تھے۔ اور میری عبادت کی طرح ان کی عبادت کرتے تھے (اب وہ کہاں ہیں کیوں وہ آ کر تمہاری مدد نہیں کر رہے)۔ انہیں کہو وہ آئیں اور تمہیں عذاب سے بچائیں۔ **فائدہ:** قیامت کے دن یہ پوچھنا بھی عذاب سے کم نہیں ہوگا تو پھر اس بات کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا یہ ان کی اور ہی زیادہ رسوائی ہوگی۔ اس لئے کہ انہیں دنیا میں بتادیا گیا تھا کہ شرک بہت بڑا جرم اور ظلم ہے۔ لیکن وہ نہیں مانتے تھے۔

(آیت نمبر۶۳) وہ لوگ جن پر بات سچ ثابت ہوگئی یعنی جن کیلئے ازل سے ہی جہنم میں داخل ہونا لکھا گیا ہے یا معنی ہے کہ وہ لوگ جن پر وہی ثابت ہوا جو حق کا تقاضا تھا۔

فائدہ: ان شرکاء سے مراد شیاطین یا ان کے وہ لیڈر ہیں جن کو کافروں نے اپنا ملجا اور ماوٰی بنا رکھا تھا یعنی جن کی بات کو وہ حرف آخر سمجھتے تھے۔ جنہوں نے ان کو گمراہ کیا ہوگا انہیں دیکھتے ہی کہیں گے۔ اے ہمارے پروردگار یہی وہ ہیں جنہوں نے ہمیں دنیا میں گمراہ کیا تھا تو اس وقت وہ لیڈر جواب میں کہیں گے بیشک ہم نے گمراہ کیا چونکہ ہم خود گمراہ تھے۔ ہم نے انہیں بھی گمراہ کیا۔ لیکن اے ہمارے رب اب ان سے ہم بیزاری کا اظہار کرتے ہیں کہ انہوں نے خود ہی نفسانی خواہش میں آ کر کفر بھی کیا اور گناہ بھی کئے۔ یہ ہماری پوجا نہیں کرتے تھے۔ یہ تو اپنے نفس کی پوجا کرتے تھے۔ (یہی جواب شیطان کا بھی ہوگا۔ یہی جواب آج کل کے جھوٹے مکار پیروں کا بھی ہوگا۔ آج وقت ہے ایسے لوگوں سے بچ جائیں)۔ جو لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ ورنہ قیامت کے دن پچھتائے سے کچھ نہیں ہوگا۔



وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ

اور کہا جائیگا بلاؤ اپنے شریکوں کو پھر وہ انہیں بلائیں گے تو نہیں وہ جواب دیں گے انہیں اور دیکھ لیں گے عذاب کو

لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٥﴾

کاش کہ وہ ہدایت پاتے اور جس دن انہیں آواز دے گا تو فرمائیگا کیا تم نے جواب دیا رسولوں کو۔

فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٦٦﴾

تو اندھی ہو جائینگی ان پر خبریں اس دن پھر وہ نہیں پوچھ گچھ ایک دوسرے سے کریں گے۔

(آیت نمبر ٦٤) مشرکوں سے قیامت کے دن کہا جائیگا یعنی جہنم کے داروغے مشرکوں سے کہیں گے۔ اے مشرکو: اپنے جھوٹے خداؤں کو پکارو۔ تاکہ وہ تمہیں آکر عذاب سے بچائیں تو وہ انہیں سخت حیرت کے ساتھ پکاریں گے۔ لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے۔ جواب کیسے دیں وہ تو دنیا میں رہ گئے لہذا کیسے کہ وہ آئیں اور ان کی مدد کرسکیں کیونکہ وہ بھی تو عذاب میں ہوں گے پھر وہ بھڑکتا ہوا عذاب دیکھ کر کہیں گے۔ کاش دنیا میں وہ ہدایت پاتے تو آج ہم عذاب میں نہ جاتے یا معنی ہے کہ کاش دنیا میں حق کو پالیتے تو آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ لو تمنی کا ہے یعنی کافر آخرت میں بولکر کہیں گے کاش انہیں ہدایت نصیب ہوتی تو آج وہ گمراہوں کے ساتھ جہنم میں نہ ہوتے۔

(آیت نمبر ٦٥) اس دن کو یاد کرو جس دن اللہ تعالیٰ کفار کو ڈانٹ کر فرمائے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا یعنی جو رسول ہماری طرف سے ہدایت لیکر تمہارے پاس گئے تھے اور تمہیں میری توحید اور عبادت کی طرف بلایا تھا اور شرک کرنے سے تمہیں روکا تھا تو تم نے ان کی بات مانی تھی یا نہیں مانی تھی۔ اس وقت تم نے میرے رسولوں کو کیا جواب دیا۔

(آیت نمبر ٦٦) تو ان پر اندھیری چھا جائے گی یعنی اس دن ان پر یہ خبریں پوشیدہ ہو جائیں گی اور اس دن انہیں وہ باتیں یاد نہیں رہیں گی جو رسولان عظام علیہم السلام نے انہیں بتائی تھیں (جہنم کا عذاب دیکھ کر ہی سب کیا کرا بھول جائیگا)۔

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ ﴿٦٧﴾

جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل کئے نیک تو ہو سکتا کہ وہ ہو جائے کامیاب لوگوں سے۔

(بقیہ آیت نمبر٦٦) **فائدہ**: بعض مفسرین نے فرمایا کہ قیامت کے دن ان پر اندھا پن چھا جائیگا۔ اس لئے کہ وہ کوئی بھی بات کرنے سے عاجز ہو جائیں گے جو دنیا میں ہر طرح کی خبر رکھتے تھے۔ اب وہ سب کچھ بھول جائیں گے۔ یا ان کے دماغ سے سب کچھ محو ہو جائیگا۔

فائدہ: جب اس انتہائی سخت کڑے وقت میں انبیاء کرام علیہم السلام جیسی ہستیاں فرمادیں گی: "لاعلم لنا" ہمیں کوئی علم نہیں اور اپنے سب علوم اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیں گے۔ حالانکہ وہ ہر قسم کی غلط بیانی سے منزہ اور پاک ہیں۔ تو ان گمراہ لوگوں کی اس حیرت و دہشتناک گھڑی میں بات کرنے کی کہاں ہمت ہوگی۔

آگے فرمایا کہ وہ ایک دوسرے سے اس دہشت کے وقت میں کوئی بات پوچھ بھی نہیں سکیں گے اور اس وقت انہیں اپنی جہالت کا بھی پتہ چل جائیگا کہ بات ماننی کن ہستیوں کی تھی اور مانتے کن کو رہے۔

(آیت نمبر٦٧) البتہ جس شخص نے شرک سے توبہ کرلی اور ایمان لایا۔ پھر نیک اعمال کئے تو ایسا شخص یعنی ایمان و عمل صالح والا عنقریب مطلوب پانے والوں اور عذاب سے نجات پانے والوں سے ہوگا۔ معلوم ہوا کہ نجات پانے کیلئے گناہوں سے صرف توبہ کرنا کافی نہیں۔ بلکہ سچے دل سے توبہ کرنے کے بعد عمل صالح بھی کرے۔ یعنی آخرت میں کامیاب ہونے کیلئے ایمان اور عمل صالح کا ہونا از حد ضروری ہے۔

حضور ﷺ کے وسیلے کے بغیر نجات ناممکن ہے:

ایمان و عمل صالح والا بھی وہ کامیاب ہے جس کا ایمان حضور ﷺ کی بارگاہ میں مقبول ہو۔ **فائدہ**: عسیٰ کی نسبت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس میں یقین کا معنی پایا جائیگا اور اگر اس کی نسبت توبہ کرنے والے کی طرف ہو تو ترجی (امید) کا معنی پایا جائیگا پھر معنی ہوگا کہ توبہ قبول ہونے کی امید ہے۔ **فائدہ**: کشف الاسرار میں ہے کہ لفظ عسیٰ میں اشارہ ہے کہ توبہ کرنے والے کو ایمان پر پختگی اور عمل صالح پر ہمیشگی کرنا ضروری ہے ورنہ کامیابی ناممکن ہو جائیگی۔ **سبق**: ابلیس نے بہت بڑی عبادت کی اور وہ بہت بڑے مراتب سے بھی نوازا گیا عمر بھی لمبی پائی لیکن ایک غلطی سے سب کیا کرتا ضائع ہو گیا۔ اس لئے عقلمند پر لازم ہے کہ عمل صالح بھی کرتا ہے اور بدانجام سے ڈرتا بھی رہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى

اورآپ کارب پیدا کرتا ہے جو وہ چاہے اور جسے پسند کرے نہیں ہے ان کا کچھ اختیار پاک ہے اللہ اور بلند ہے

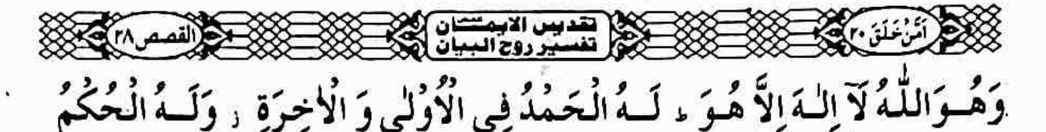
عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾

اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں اور آپ کا رب جانتا ہے جو چھپاتے ہیں اپنے سینوں میں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں

(آیت نمبر ۶۸) تیرا رب ہی پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور وہ مختار کل ہے۔اور کسی کا اختیار حقیقی نہیں۔

شان نزول : مشرکین نے جب کہا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد (ﷺ) کو نبوت کیلئے کیوں چنا مکہ یا طائف کے کسی بڑے امیر پر قرآن کیوں نہیں اتارا۔ مکے کا ولید یا طائف کا مسعود ثقفی جو مالدار ہیں اور اپنی قوم کے سردار ہیں۔ ان پر اتارا جاتا تو اس کے رد میں فرمایا گیا کہ اے محبوب ان مشرکوں کو فرمادیں کہ میرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ مختار کل ہے اور اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے اسے برگزیدہ بنالیتا ہے تمام مخلوق کو پیدا کرنے میں جیسے چاہا ایسے پیدا کیا۔اسی طرح کسی کو پیغمبر چننے میں بھی اسے کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں۔ان مشرکوں کو اس میں کوئی اختیار نہیں۔اللہ تعالیٰ نے نبوت کیلئے جسے چاہا اسے خود چنا ہے اور اپنے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ کو نبوت کیلئے ان چنے ہوؤں سے خود پسند فرمایا۔اس میں اور کسی کو کوئی اختیار نہیں۔آگے فرمایا کہ وہ پاک ہے اس بات سے کہ کوئی اس کا شریک ہو۔اور وہ شرک اور شریکوں اور مشرکوں سے بلند و برتر ہے (اس تک کسی کو رسائی نہیں)۔

(آیت نمبر ۶۹) تیرا رب جانتا ہے دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کو اور خاص کر ان کا حضور ﷺ کے ساتھ جو بغض و عداوت ہے اور جو ان کے دلوں میں مسلمانوں کے متعلق بھی بغض و حسد ہے ان تمام خباثتوں کو بھی وہ جانتا ہے ان کا کوئی معاملہ بھی اللہ تعالیٰ سے چھپا ہوا نہیں ہے اور جو کچھ بھی وہ ظاہر کرتے ہیں۔زبان سے یا اعضاء سے مثلا مسلمانوں کو گالی دینا برا بھلا کہنا انکو مارنا پیٹنا یا نبوت پر اعتراض کرنا یا قرآن کو جھٹلانا وغیرہ سب کچھ وہ جانتا ہے۔ لیکن دنیا میں کسی سے وہ کچھ نہیں کہتا۔ان تمام باتوں کا حساب و کتاب آخرت میں ہوگا۔



وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَ الْاٰخِرَةِ ز وَلَهُ الْحُكْمُ

اور وہ اللہ ہے نہیں معبود مگر وہی۔ اسی کیلئے سب تعریفیں ہیں اول سے آخر تک اور اسی کا حکم ہے۔

وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٧٠﴾

اور طرف اس کے تم لوٹو گے۔

(آیت نمبر ۷۰) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔

فائدہ :نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔اس کے سوا کسی میں بھی الوہیت کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔وہ عزت وعظمت میں واحد ہے۔جلال ربوبیت میں منفرد ہے۔نہ اس کے کوئی برابر ہے۔نہ اس کی کوئی نظیر ہے۔دنیا وآخرت سب اسی کا ہے۔وہی سب نعمتوں کا مالک ہے۔ساری مخلوق اس کی نعمتوں کی ممنون ہے۔اورمحتاج ہے جنت میں بھی ایمان والے اس کی حمد وشکر بجالائیں گے۔اس کی حمد وثنا اور فضل وکرم کو دیکھ کر خوشی سے اس کے محامد بیان کریں گے۔اوراس کی عطا پر از حد خوش ہونگے۔لہذا دنیا میں بھی اسی کی حمد آخرت میں بھی اسی کی حمد ہے۔

آگے فرمایا ہر جگہ اسی کا حکم چلتا ہے پیدائش میں عزت یا ذلت پانے میں زندہ کرنے اور مارنے میں اور دنیا وآخرت میں صرف اسی کا حکم جاری ہے حکم چلانے میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

فائدہ:ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔اطاعت کرنے والوں کی بخشش اور گناہ گاروں کی شقاوت پر اسی کا حکم جاری ہوگا اور آخر کار اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔آٹھ امور سے سب کو گذرنا ہے: (۱) موت۔(۲) حشر۔ (۳) اعمالنامہ۔(۴) عمل کا وزن۔(۵) حساب۔(۶) پل صراط پر گذرنا۔(۷) نکیرین کے سوال۔(۸) اعمال کا بدلہ۔مگر جس پر اللہ تعالیٰ مہربان ہوجائے۔اور جس پر رب مہربان ہوجائے۔اسے تو ان آٹھ گھاٹیوں کا پتہ ہی نہیں چلے گا۔**فائدہ**:معلوم ہوا کہ نفاذ حکم پر صرف اللہ تعالیٰ کا کنٹرول ہے۔اگر کسی اور کو کوئی بھی اختیار ہوتا تو وہ سب سے پہلے اپنے آپ کو موت سے بچالیتا یا آخرت کے معاملے کو روک لیتا۔**فائدہ**:رجوع الی اللہ کی علامت یہ ہے کہ بندہ ظاہر وباطن میں فلاح وصلاح اور خیر کے ساتھ رہے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتا رہے۔تکلیف میں جزع فزع جہالت کی علامت ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ

فرمادو بھلا دیکھو اگر کردے اللہ تم پر رات ہمیشہ تا بروز قیامت۔ کوئی ہے خدا

غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ

سوا اللہ کے جو لے آئے تم تک روشنی۔ تو کیا تم نہیں سنتے۔ فرمادو بھلا دیکھو اگر کردے اللہ

عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ

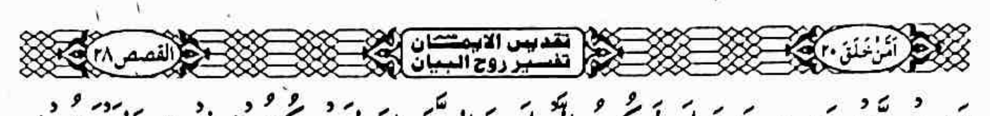
تم پر دن ہمیشہ تا بروز قیامت۔ کون ہے سوا اللہ کے کہ لادے تمہیں رات ۔

تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾

کہ تم آرام کرو اس میں۔ تو کیا تمہیں نظر نہیں آتا۔

(آیت نمبر ۷۱) اے پیارے محبوب ان کفار کو فرمادو کہ تم مجھے بتاؤ۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ہمیشہ رات ہی بنادے۔ اس کے بعد کوئی دن نہ ہو۔ **نکتہ**: دن کو رات پر مقدم کرنے میں نکتہ یہ ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس میں یعنی دن میں لوگوں کے فوائد بہت زیادہ ہیں۔ آگے فرمایا کہ قیامت تک رات ہو جائے۔ سورج کو چھپا دیا جائے یا اس کی روشنی ختم کردی جائے ہمیشہ کیلئے تو پھر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی خدا ہے جو اتنی قدرت رکھتا ہو کہ وہ تمہیں ایسی روشنی لادے۔ **فائدہ**: چونکہ مشرکین نے تو کئی خدا بنا رکھے تھے تو یہ ان پر تبکیت والزام ہے کہ معبود تو تم نے ہزاروں بنا رکھے ہیں کوئی ایسا ہے کہ وہ گئی ہوئی اتنی بڑی روشنی واپس لے آئے تاکہ دن روشن ہو جائے اور لوگ اپنی معاش کو تلاش کرسکیں کیا تم سنتے نہیں۔ یعنی اس سچی کلام کو سنو اور اس میں غور وفکر کرو اور فرمانبردار ہو جاؤ اور توحید کو مانو اور اس کے مطابق عمل کرو۔

(آیت نمبر ۷۲) اے پیارے محبوب (ﷺ) ان کفار سے پوچھو کہ تم بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ تم پر دن ہی بنادے اور رات آئے ہی نہیں۔ یعنی آسمان کے درمیان میں دن کو روک دے۔ پھر کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا معبود ہے کہ جو تمہیں رات لا کردے دے۔ جس میں تم اپنی تھکاوٹ دور کرسکو۔ آرام اور سکون پا سکو۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی دن لا سکتا ہے۔ نہ رات۔



وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا

اور اس کی رحمت نے بنائے تمہارے لئے رات اور دن کہ رات میں آرام کرو۔ اور دن میں تلاش کرو

مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

اس کا فضل تا کہ تم شکر گذار بنو۔

(بقیہ آیت نمبر۷۲) **فائدہ:** اگر چہ رات کے فوائد بہت ہیں لیکن دن کے فوائد دنیا کیلئے مقصود بالذات ہیں اور اس میں فوائد (عوام کیلئے) رات کی نسبت بہت زیادہ ہیں۔ رات کے فوائد اتنے واضح نہیں ہیں۔ (البتہ اللہ والوں کیلئے رات کے فوائد زیادہ ہیں)۔ کہ وہ راتوں کو جاگ کر خوب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ یعنی کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کی کاریگری نظر نہیں آتی۔ **فائدہ:** بعض ایسے مقامات ہیں۔ جہاں سورج چکی کی طرح گھومتا ہے۔ وہاں ہمیشہ دن ہی دن رہتا ہے۔ اس مقام پر سورج کی حرارت سے نہ حیوان زندہ رہتا ہے نہ کوئی کھیتی اگتی ہے۔ اسی طرح زمین کے اندر سورج کا کوئی دورہ نہیں وہاں ہمیشہ رات ہی رات ہے۔ وہاں بھی نہ کوئی حیوان زندہ رہ سکتا ہے نہ کھیتی اگتی ہے۔ (گویا سورج کیوجہ سے نظام کائنات اللہ تعالیٰ نے قائم رکھا ہوا ہے)۔

(آیت نمبر۷۳) اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے اپنی رحمت سے ہی رات اور دن بنائے تا کہ تم رات میں آرام کر سکو اور دن میں اس کے فضل سے اپنی معیشت کے اسباب تلاش کرو تا کہ تم اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کر سکو۔ (اگر چہ حیوانات بھی دن کو ہی روزی تلاش کرنے نکلتے ہیں۔ لیکن وہ انسان کے تابع ہیں)۔

قدرت خداوندی کا کرشمہ: امام الحرمین وغیرہ بزرگ فرماتے ہیں۔ زمین پر بعض جگہ دن رات برابر رہتے ہیں۔ بعض جگہ رات لمبی کبھی دن بہت لمبا (جیسے یورپ میں) بعض جگہ سورج غروب ہوتے ہی صبح صادق نکل آتی ہے (جیسے ناروے میں ایک مقام پر ہوتا ہے۔) اور بعض جگہ چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے۔ یہ بھی ناروے میں ہے۔

دجال کے چالیس دن: حضور ﷺ نے فرمایا کہ دجال زمین پر صرف چالیس دن رہے گا۔ پہلا دن سال کے برابر دوسرا دن مہینے کے برابر تیسرا دن ہفتہ کے برابر بقایا دن نارمل ہی ہوں گے۔ اس کی تیز سواری اتنے دنوں میں پوری زمین پر پھر جائے گی (ابن ماجہ وابن خزیمہ والحاکم)۔ صحابہ نے نمازوں کے اوقات کا پوچھا تو فرمایا اندازے کے مطابق پڑھی جائیں گی۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۷۴﴾

اور جس دن بلائے گا انہیں پھر فرمائے گا کہاں ہیں میرے شریک جنہیں تم گمان کرتے تھے۔

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوٓا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ

اور نکال لائیں گے ہر گروہ سے گواہ پھر کہیں گے لاؤ اپنی دلیل۔ تو جان لیں گے کہ بے شک برحق ذات اللہ کی

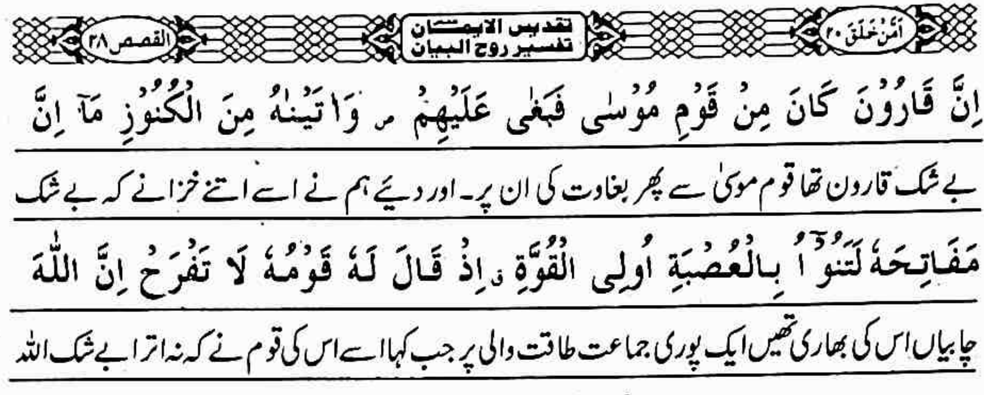
وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۷۵﴾

اور گم ہو جائیں گے ان سے جن کو تھے وہ گھڑتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۳) **فائدہ**: شیخ ابو حامد سے ایسے مذکورہ ایام میں نمازوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ قریب ترین بلاد کے مطابق نمازیں روزے ادا کریں گے لیکن اکثر فقہاء کا خیال ہے کہ وہ لوگ نمازیں اور روزے اندازے سے یعنی گھڑیوں کے مطابق ادا کریں کہ جتنا پہلے پانچ نمازوں میں وقفہ ہوتا تھا۔ اسی وقفے کے مطابق۔

(آیت نمبر ۷۴) جس دن اللہ تعالیٰ مشرکوں سے فرمائے گا یعنی ان سے کلام زجر و توبیخ سے ہوگی کہاں ہیں میرے شریک جنہیں تم میرے برابر گمان کرتے تھے۔ یہ انہیں تنبیہ ہے تا کہ انہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ شرک کے سخت خلاف ہے اور اس پر ناراض ہے۔ لہٰذا اس کے غضب سے کوئی کافر مشرک نہیں بچ سکے گا۔ اسی طرح اس کی توحید کو مان لینے سے اس کی رضا حاصل ہونے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ لہٰذا توحید پر قائم رہو۔

(آیت نمبر ۷۵) ہم ہر امت میں سے ایک گواہ نکال کر لائیں گے۔ یعنی ہر امت کا نبی علیہ السلام تشریف لائے گا اور اپنی امت کے اچھے اور برے احوال پر گواہی دے گا۔ **مسئلہ**: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ہر نبی علیہ السلام اپنی امت پر گواہی دیگا۔ آخر میں ہمارے حضور ﷺ ان گواہوں پر گواہی کی تصدیق فرمائیں گے۔ یعنی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی گواہیوں پر گواہی دیں گے۔ **مسئلہ**: بعض مفسرین نے فرمایا کہ شہید سے مراد ہر امت کا نیک انسان ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے کسی زمانے کو ولایت سے خالی نہیں رکھا۔ ہر زمانے میں روئے زمین پر کوئی نہ کوئی ولی پیدا ہوتا رہا اور قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ جن سے لوگوں کو ہدایت ملتی رہے گی۔ آخرت میں وہی لوگوں پر گواہی دیں گے۔



اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ

بے شک قارون تھا قوم موسیٰ سے پھر بغاوت کی ان پر۔ اور دیئے ہم نے اسے اتنے خزانے کہ بے شک

مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ

چابیاں اس کی بھاری تھیں ایک پوری جماعت طاقت والی پر جب کہا اسے اس کی قوم نے کہ نہ اترا بے شک اللہ

لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾

نہیں پسند فرماتا اترانے والوں کو۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۵) **ولی اللہ کی علامت:** (ولی اللہ سے مراد آج کل کی طرح کے لٹیرے نہیں جو مرید سے مال تو لوٹتے ہیں۔ مگر اس کی کچھ تربیت نہیں کرتے الا ماشاء اللہ بلکہ) وہ ولی اللہ کہ لوگ دینی امور میں ان کی طرف رجوع کریں اور وہ لوگوں کو دین اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اسی لئے وہ بروز قیامت لوگوں کی نیکی اور برائی پر گواہی دیں گے۔

آگے فرمایا۔ پھر ہم نے کہا کہ اپنے دعوے پر کوئی دلیل لاؤ۔ اس لئے کہ جب تم دعویٰ کرتے تھے کہ ہمارے بت اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں تو اس دعوے پر کوئی دلیل لاؤ۔ اس وقت وہ یقین سے جان لیں گے کہ بے شک خدائی کا مستحق تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ واقعی اس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر گم ہو جائیں گے ان سے وہ جنہیں دنیا میں گھڑتے تھے۔ یعنی بتوں کی الوہیت کے متعلق جو جھوٹی باتیں بناتے تھے وہ انہیں نظر نہیں آئیں گے۔

(آیت نمبر ۷۶) بے شک قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا۔

فائدہ: قارون موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی اور ہم عمر تھا۔ وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا اور تورات بھی پڑھی۔ خوب شکل انسان تھا۔ دنیا کے مال و دولت میں پھنس کر گناہوں میں لگ گیا۔ شکل بھی بدل گئی اور سامری کی طرح منافق ہو گیا تو آگے فرمایا کہ قارون نے اپنی بڑھائی ظاہر کر کے بغاوت کی اور چاہا کہ اسے سارے بنی اسرائیل پر سرداری ملے اور وہ اس کے ماتحت ہوں اس لئے کہ اس کے پاس بے حساب مال و دولت جمع ہو گیا۔ اس پر وہ مغرور ہو گیا۔ اور ایسا پاگل بن گیا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی اپنی طرح سمجھنے لگا۔ اور ان کی توہین کرنے لگ گیا۔

14
14

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ

اور تلاش کر اس میں جو دیا تجھے اللہ نے گھر آخرت کا۔ اور نہ بھول اپنا حصہ دنیا کا۔ اور احسان کر

كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۖ اِنَّ اللّٰهَ

جیسا احسان کیا اللہ نے تجھ پر۔ اور نہ چاہ فساد کرنا زمین میں۔ بے شک اللہ

لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾

نہیں پسند کرتا فسادیوں کو۔

(بقیہ آیت نمبر۷۶) آگے فرمایا کہ ہم نے اسے مال ودولت کے خزانے عطا کیے جو اس کی بغاوت کا سبب بن گئے اور اس کی بغاوت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کے شرعی احکام بھی ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ سخت متکبر اور خود پسندی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اسے جب بھی نصیحت فرماتے تو وہ تکبر سے منہ پھیر لیتا تھا۔ اور پورے تکبر سے چلتا تہبند کا کپڑا زمین پر گھسٹتا تھا اور غریبوں پر تمسخر اڑاتا اور ان کے حقوق سے انہیں محروم رکھتا تھا۔

قارون نے حضرت ہارون پر حسد کیا: مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے حبورۃ القربان یعنی لوگوں کی قربانیوں پر حضرت ہارون علیہ السلام کی ڈیوٹی لگائی تو قارون بگڑ گیا اور کہا رسالت آپ نے سنبھال لی اور مذبح کی ریاست ہارون کو دے دی اور میرے لئے کچھ بھی نہیں۔ حالانکہ توراۃ کا بڑا قاری میں ہوں۔ مجھے بھی کوئی نہ کوئی عہدہ ضرور دیں تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ عہدے میرے ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں۔ قارون نے کہا میں نہیں مانتا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ کل سب لوگ اپنی لاٹھیاں فلاں قبے میں رکھ دیں۔ جس کی لاٹھی ہری ہوگی۔ یہ عہدہ اسے ملے گا۔ دوسرے روز دیکھا تو حضرت ہارون کی لاٹھی سرسبز تھی۔ قارون نے کہا یہ آپ کا جادو ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اس سے بالکل کنارہ کش ہو گئے۔ لیکن وہ تکبر میں بڑھتا ہی چلا گیا اور موسیٰ علیہ السلام سے بغض وعداوت رکھ لی اور اس کا مال ودولت بھی اتنا زیادہ ہو گیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چالیس مرد اس کے خزانوں کی چابیاں اٹھاتے تھے۔ اسے اس بات پر بڑا فخر تھا۔ کہ میری قوم میں میرے برابر کوئی مالدار نہیں۔

(آیت نمبر۷۷) اور تلاش کر یعنی آخرت میں نجات کیلئے غرباء کی مدد کر۔ صلہ رحمی اختیار کر۔ غلام آزاد کر۔ اس دنیا سے آخرت حاصل کرنے کو نہ بھول کہ دنیا ختم ہو جائے گی اور آخرت کا معاملہ بہت لمبا ہے۔

جلد۷

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ

بولا بے شک جو میں دیا گیا وہ میرے اپنے علم کی وجہ سے ہے کیا نہیں وہ جانتا کہ بے شک اللہ نے تحقیق ہلاک کیا

مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا

اس سے پہلے کئی سنگتوں کو۔ جو کہ وہ بہت سخت تھیں اس کی قوۃ سے اور اس سے زیادہ جمع والے تھے۔ اور نہیں

يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾

پوچھے جائیں گے اپنے گناہوں کے بارے میں مجرم لوگ۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۷) **فائدہ**: کاشفی مرحوم لکھتے ہیں کہ مال دنیا سے اپنے حصے کو مت بھلاؤ کہ آخرت کی طرف دنیا سے جاتے ہوئے ایک کفن ہی نصیب ہوگا۔ اس لئے اگلی زندگی کا فکر زیادہ کرو۔ اس دنیوی مال پر مت مغرور ہو۔ **حدیث شریف** میں ہے پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت جانو: (۱) بڑھاپے سے پہلے جوانی کو۔ (۲) بیماری سے پہلے تندرستی کو۔ (۳) غربت سے پہلے دولت مندی کو۔ (۴) مشغولی سے پہلے فراغت کو۔ (۵) موت سے پہلے زندگی کو۔ (اخرجہ الحاکم فی المستدرک ۷۸۴۶)

مزید قارون سے کہا گیا کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا تو بھی لوگوں پر احسان کر کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں۔ لہٰذا تو مال میں سے زکوٰۃ تو اللہ کی راہ میں دے اور زمین میں فساد نہ کر۔ یعنی اسے ظلم و بغاوت سے بھی منع کیا گیا۔ خصوصاً جو اس نے موسیٰ علیہ السلام سے بغاوت کی اور اسے بتایا گیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اعمال صالحہ کی وجہ سے وہ اپنے مصلح بندوں سے محبت فرماتا ہے۔ خصوصاً وہ لوگ جو علم کو جہالت پر اور سخاوت کو بخل پر اور عصمت کو حرص و ہوا پر عدل کو ظلم پر اور نرمی کو سختی پر اور اصلاح کو فساد پر ترجیح دیتے ہیں۔

(آیت نمبر ۷۸) قارون نے نصیحت کرنے والوں کو جواب میں کہا کہ یہ جو مجھے مال و دولت ملا ہے۔ یہ میرے ذاتی علم و ہنر کی بناء پر ملا ہے۔ میں اس کا مستحق تھا۔ اس وقت تورات کا میں سب سے بڑا عالم ہوں۔

فائدہ: گویا اس بدنصیب نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم منت احسان کو نہیں سمجھا۔ اسی لئے تباہ ہوا۔ جو بھی اپنے علم و مال پر غرور کرے گا۔ وہ قارون کی طرح ہی تباہ و برباد ہوگا۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ

پھر وہ نکلا اپنی قوم میں اپنی پوری زیب وزینت سے۔ کہنے لگے جو چاہتے تھے صرف زندگی دنیا۔ ہائے افسوس

لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾

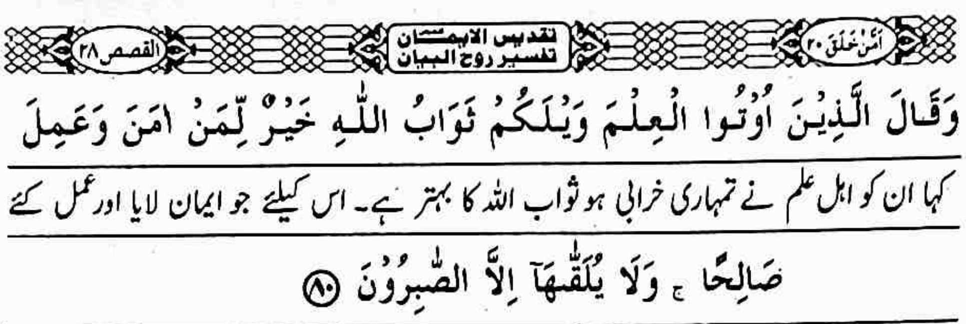
ہمیں ملتا جیسا کہ دیا گیا قارون بے شک وہ بہت بڑے نصیبے والا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۸) **قارون ابتداء میں نیک تھا:** کئی سال پہاڑوں میں عبادت کرتا رہا۔ بالآخر شیطان نے بوڑھے عابد وزاہد کی شکل میں قارون کے بالمقابل عبادت شروع کی تو قارون اسے بہت بڑا بزرگ سمجھ کر اس کا غلام بن گیا۔ اس کے ہر حکم کو بجالانے میں اپنی سعادت سمجھتا تھا اور اس کے اشاروں پر چلتا تھا۔ جب وہ پوری طرح شیطان کے جال میں پھنس گیا تو وہ اسے ایک دن عبادت خانے میں لے گیا اور عوام چاروں طرف سے ان کے پاس آنے لگے۔ نذرونیاز کے ان کے پاس انبار لگ گئے اس سے قارون کے دل میں دنیا و دولت کی محبت بڑھ گئی۔ شیطان نے جب دیکھا کہ اب اس کے دل میں دنیا کی محبت اچھی طرح رچ بس گئی اب یہ نیکی نہیں کر سکے گا۔ تو وہ اس سے الگ ہو گیا۔ چنانچہ قارون مال و دولت بڑھانے میں مصروف ہو گیا۔ مال کی فراوانی نے اسے سرکش بھی بنا دیا اور وہ کہتا تھا کہ یہ مال و دولت میرے علمی تجربہ اور ہنر مندی سے اور فن تجارت سے ملا ہے۔ کوئی اسے نصیحت کرتا تو اسے کہتا مجھے نصیحت کی ضرورت نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کیمیا کا علم بھی حاصل کر لیا تھا۔

آگے فرمایا کہ کیا قارون نہیں جانتا تھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بے شمار کافروں کو اسی وجہ سے تباہ و برباد کیا جو ساز وسامان اور تعداد کے لحاظ سے اس سے بہت ہی زیادہ تھے۔ یعنی نمرود شداد وغیرہ۔ آگے فرمایا کہ مجرم لوگ تباہی کے وقت گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھے جائیں گے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے سب کرتوتوں کا علم ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ کہ ان سیاہ چہروں سے ہی ان کے کرتوت پتہ چل جائیں گے۔

(آیت نمبر ۷۹) ایک دن قارون اپنی قوم میں بڑی زیب وزینت کر کے نکلا۔

قارون نے ہار سنگار کیا: اور اپنی قوم کے پاس آیا یہ اس کا دنیا میں آخری دن تھا۔ اپنے اشہب خچر پر ریشمی دوشالہ ڈال کر اور خود سونے چاندی سے آراستہ ہو کر نکلا۔ ساتھ ہزاروں نوکر چاکر دوست لیکر نکلا اور سرخ لباس پہن رکھا تھا۔ یعنی پورے کروفر سے نکلا تو دنیا چاہنے والوں نے دیکھ کر کہا کہ کاش ہمیں بھی اس طرح مال و دولت ملا ہوتا۔ تو ہم بھی دنیا کے مزے لوٹتے۔



وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَکُمْ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ

کہا ان کو اہل علم نے تمہاری خرابی ہو ثواب اللہ کا بہتر ہے۔ اس کیلئے جو ایمان لایا اور عمل کئے

صَالِحًا ج وَلَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

نیک ۔ اور نہیں ملتا یہ مگر صبر والوں کو۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۹) **فائدہ**: چونکہ ہر آدمی بشری تقاضے کے تحت مال و دولت کی فراوانی چاہتا ہے تو انہوں نے بھی کہا کاش ہمیں اس طرح وافر مال و دولت ملتا۔ جیسے قارون دیا گیا۔ اس طرح دعا کرنا اگرچہ جائز ہے کیونکہ یہ حسد نہیں ہے چونکہ وہ مومن تھے اور مومن حسد نہیں کرتا۔ آگے فرمایا کہ بے شک قارون دنیا میں وافر حصے والا تھا۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ مومن کو ہرگز ایسی آرزو نہیں کرنی چاہئے جو اسے گمراہی میں لے جائے اس لئے کہ مال واسباب کی کثرت گمراہی کا سبب بن جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان ضرور سرکش ہو جاتا ہے جب وہ اپنے آپ کو غنی دیکھتا ہے۔ (اقرا)

حدیث شریف میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا مبارک ہو اس کو جسے اسلام کی دولت ملی اور رزق بقدر ضرورت ملا۔ یعنی تھوڑے مال پر صبر کیا۔ (ریاض الصالحین)

(آیت نمبر ۸۰) صاحب علم لوگوں نے جو آخرت والا علم رکھتے تھے اور وہ دنیا کی رزالت وخساست کو جانتے تھے انہوں نے دنیا کی آرزو کرنے والوں سے کہا۔ اے دنیا کے طالبو۔ تمہیں خرابی ہو۔ یہ بد دعائیہ جملہ ہے۔ انہوں نے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ آخرت کا ثواب تمہاری اس آرزو سے بہتر ہے۔ اس کیلئے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ لہٰذا تم اگر مومن ہو تو تمہارے لئے یہ آرزو مناسب نہیں ہے اور آخرت کا ثواب بھی نہیں دیا جائیگا۔ مگر ان کو جو اللہ تعالیٰ کے دیئے پر صبر کرنے والے ہیں۔ یعنی کرامت اور بزرگی۔ ثواب اور جنت یہ سب اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو عطا فرماتا ہے۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۚ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ

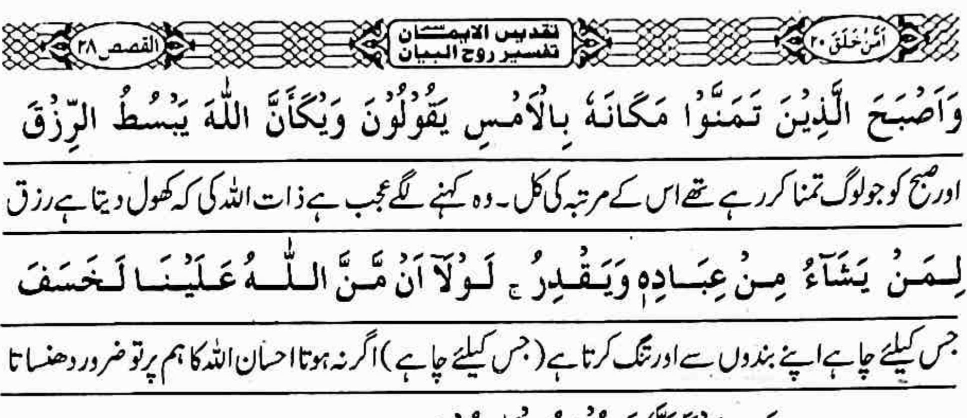
پھر دھنسا دیا اسے اور اس کے مال والے گھر کو زمین میں پھر نہ تھا کوئی گروہ جو اس کی مدد کرتا اللہ کے سوا

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿٨١﴾

اور نہ تھا کوئی بدلہ لینے والا۔

(آیت نمبر ۸۱) ہم نے قارون اور اس کے خزانے بمع مکانات زمین میں دھنسا دیئے۔

قارون زمین میں کیسے دھنس گیا: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب زکوٰۃ کا حکم ملا تو موسیٰ علیہ السلام نے قارون کو اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا کہ ایک ہزار دینار میں سے ایک دینار اور ہزار درہم سے صرف ایک درہم۔ ہزار بکری سے ایک بکری اللہ کی راہ میں ادا کر۔ قارون نے اس کا حساب لگا کر دیکھا کہ یہ تو بہت زیادہ ہے تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو بر سر عام رسوا کرنے کا پروگرام بنالیا اور بنی اسرائیل سے کہا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کا ہر حکم مانتے رہے۔ یہاں تک کہ اب وہ ہمارے مال بھی چھیننا چاہتے ہیں۔ اب ہم انہیں ایسا رسوا کریں گے کہ پھر یہ کبھی ادھر کا منہ نہیں کریں گے۔ چنانچہ اس نے ایک رنڈی کو بہت بڑے انعام کی لالچ دے کر کہا کہ موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت بر سر عام لگا دے۔ اس کا خیال تھا کہ اس طریقے سے وہ اکیلے رہ جائیں گے لوگ ان کو چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ عید کے دن لوگوں کا بہت بڑا اجتماع تھا۔ اس میں موسیٰ علیہ السلام تقریر فرما رہے تھے۔ اس میں فرمایا کہ چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے اور زنا کی سنگسار کرنا ہے تو قارون نے کہا خواہ آپ بھی کریں تب بھی۔ فرمایا خواہ میں کروں تو بھی یہی سزا ہے۔ تو قارون نے کہا۔ بنی اسرائیل کا خیال ہے کہ آپ نے فلاں رنڈی سے زنا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے میرے سامنے لاؤ۔ جب وہ لائی گئی تو آپ نے اس رنڈی سے فرمایا تجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمارے لئے دریا کو چیرا تورات نازل فرمائی۔ اس اجتماع میں سچ سچ بتادے۔ اللہ تعالیٰ نے رنڈی کے دل پر ہیبت ڈال دی تو اس نے کہا کہ مجھے قارون نے لالچ دے کر کہا کہ میں آپ پر بہتان لگاؤں۔ لیکن آپ بالکل اس گناہ سے پاک ہیں۔ تو فوراً آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کیا اور عرض کی یا اللہ اس قارون پر گرفت فرما تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے زمین کو حکم دیا تم جو کہو زمین آپ کا حکم مانے گی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا جو میرا ساتھی ہے۔ وہ میری طرف آ جائے تو سب لوگ اٹھ کر موسیٰ علیہ السلام کی طرف آ گئے۔ قارون بد بخت کے ساتھ صرف دو آدمی رہ گئے۔



وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

اور صبح کو جو لوگ تمنا کر رہے تھے اس کے مرتبہ کی کل۔ وہ کہنے لگے عجب ہے ذات اللہ کی کہ کھول دیتا ہے رزق

لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ

جس کیلئے چاہے اپنے بندوں سے اور تنگ کرتا ہے (جس کیلئے چاہے) اگر نہ ہوتا احسان اللہ کا ہم پر تو ضرور دھنسا تا

بِنَا ۗ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٢﴾

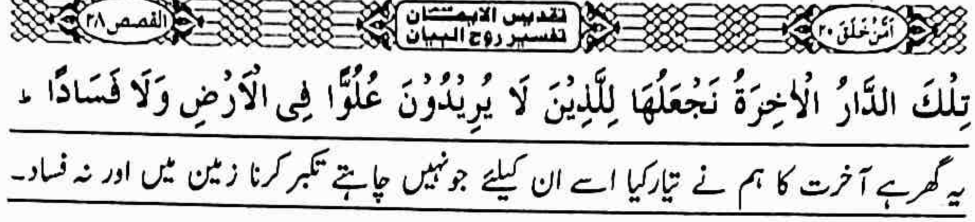
ہمیں بھی۔ عجب ہے کہ نہیں فلاح پاتے کافر۔

(بقیہ آیت نمبر ۸۱) آپ نے فرمایا بدبخت انسان تو مجھے مجمع عام میں رسوا کرنا چاہتا تھا۔ آپ نے زمین کو حکم دیا۔ اسے ساتھیوں سمیت پکڑ لے۔ زمین نے پہلے گٹوں پھر گھٹنوں تک پکڑ لیا۔ قارون اور اس کے ساتھیوں نے بڑی زاری سے امان چاہی۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے کوئی توجہ نہ دی اور فرماتے رہے۔ اے زمین انہیں پکڑ لے۔ وہ بہت روئے مگر موسیٰ علیہ السلام سخت غصے میں تھے۔ ان کی کوئی بات نہ سنی اور وہ آہستہ آہستہ زمین میں مکمل دھنس گئے۔

فائدہ: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ قیامت تک یوں ہی نیچے جاتا رہے گا روزانہ انسانی قد کے برابر نیچے جاتا ہے۔ نفخ صور کے دن آخری سطح کو پہنچے گا۔

آگے فرمایا کہ اس کی کوئی جماعت نہ تھی جو اس کی مدد کرتی یعنی زمین دھنسنے سے بچا لیتی اور عذاب کے ہٹانے میں اس کی مدد کرتی نہ کوئی ایسے تھے کہ وہ بدلے لینے والے ہوں۔ ایسے موقع پر بہت قریبی بھی بھاگ جاتے ہیں۔

(آیت نمبر ۸۲) قارون کا حال دیکھ کر جن لوگوں نے کل آرزو کی تھی کہ وہ قارون کی طرح مالدار ہوں۔ ابھی اس بات کو کچھ ہی وقت ہوا کہ قارون بمعہ مال کے زمین میں غرق ہوا تو وہ حیران رہ گئے اور کہا عجب بات ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ رزق بڑھاتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کرتا ہے جس کیلئے چاہتا ہے یعنی بندوں کے رزق میں تنگی اور وسعت دینا محض اس کی مشیت اور حکمت پر مبنی ہے۔ اس میں نہ کسی کی کرامت کارفرما ہے نہ زور۔ تو جن لوگوں نے اگلے دن آرزو کی تھی۔ اب وہ خبردار ہوئے اور سخت نادم ہو کر کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر انعام واحسان نہ فرماتا یعنی ہم نے جو لاعلمی میں دنیا کے مال و دولت کی آرزو کی تھی اگر وہ پوری ہو جاتی اور ہمیں دنیا کا مال مل جاتا تو اب ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیا جاتا۔



تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ط

یہ گھر ہے آخرت کا ہم نے تیار کیا اسے ان کیلئے جو نہیں چاہتے تکبر کرنا زمین میں اور نہ فساد۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٨٣﴾

اور اچھا انجام پرہیزگاروں کیلئے ہے۔

(بقیہ آیت نمبر۸۲) جیسے قارون کو دھنسا دیا اس لئے کہ وہی کبر وغرور بغاوت اور دیگر تباہی وہلاکت کے اسباب جو قارون میں تھے۔ وہ ہم میں بھی ہوتے۔ اسی لئے آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ناشکری کرنے والوں کو کبھی کامیابی نہیں ہوئی اور اسی طرح زکوٰۃ کے منکر بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات نہیں پائیں گے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ فتنہ وفساد دنیا کی محبت اور مال ودولت کی کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے (رواہ الترمذی)۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا دنیا کی محبت میں گرفتار نہیں ہوتا۔ **سبق:** بندے کو چاہئے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اسے علم یا مال دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگائے اور تقویٰ طہارت کو اپنائے اور صلہ رحمی کرے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے میں زندگی بسر کرے ایسے شخص کیلئے دنیا افضل المنازل ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے علم دیا مگر مال ودولت نہیں دیا اور اس کی نیت میں ہو کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں فلاں نیک کام کرتا تو اللہ تعالیٰ اسے نیت کے مطابق ہی ان نیک اعمال کا ثواب عطا فرما دیتا ہے۔

(آیت نمبر۸۳) یہ آخرت کا گھر یعنی جنت جس کا تمہیں علم ہوا اور جس کے اوصاف معلوم ہوئے یہ ہم نے ان لوگوں کے لئے بنایا ہے جو زمین میں تکبر اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور اچھا انجام بھی ان ہی لوگوں کا ہوگا۔ جو تکبر اور فساد سے بچتے ہیں اور ان اقوال وافعال سے بھی بچتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنیں۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ یہ آیت ان حاکموں کے لئے نازل ہوئی جو عدل کے ساتھ تواضع اختیار کرتے ہیں اور جو مال ودولت اور شان وشوکت کے باوجود عاجزی کرنے والے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی خلافت میں اکیلے بازار چلے جاتے لوگوں کو حق کی تلقین فرماتے۔ ضعیف وناتواں کی مدد فرماتے اور تاجروں کو اس آیت سے نصیحت فرماتے۔ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کثرت سے اس آیت کو تلاوت فرماتے۔ بزرگوں نے فرمایا تکبر سے بچو۔ اپنے اندر عجز وانکساری پیدا کرو۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى

جو لائے گا نیکی تو اس کیلئے بہتر ہے۔ اور جو لائے برائی تو نہیں ملے گا بدلہ ان کو

الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٤﴾

جنہوں نے عمل کئے برے مگر اتنا جتنا وہ تھے عمل کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر ٨٣) حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں جو کہے میرا تسمہ فلاں کے تسمے سے بہتر ہے تو یہ بات بھی تکبر میں داخل ہے۔ اور تکبر نے چھ لاکھ سال عبادت کرنے والے کا کچھ نہیں چھوڑا۔

(آیت نمبر ٨٤) جو بروز قیامت نیکیاں لائے گا۔ تو وہ اس کے لئے ذات وصفات اور قدر کے لحاظ سے بہتر ہوگا۔ دنیوی مال واسباب اگرچہ بہترین متاع ہے۔ لیکن آخرت کی نعمتوں سے تو اس کا کوئی مقابلہ نہیں۔ اس لئے کہ دنیوی نعمتیں چند روزہ ہیں اور اخروی نعمتیں ہمیشہ کیلئے باقی ہیں درد والم سے پاک ہیں۔ کمی بیشی سے مبرا ہیں اور قدر کے لحاظ سے بھی ہر نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دیگا۔ اس سے زیادہ کا حساب ہی نہیں۔

آگے فرمایا کہ جو برائی کر کے آئے گا جیسے شرک یا کفر، ریاء یا جہل وغیرہ۔

فائدہ :برائی کا ذکر بار بار اس لئے کیا گیا تا کہ برائی کرنے والوں کی خوب مذمت ہو اور دوسرا یہ کہ عقل مند آدمی برائی کرنے سے دور رہتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ برائی کرنے والوں کو اتنی ہی سزا دی جائے گی جتنا وہ عمل کرتے تھے۔ یعنی برائی کی سزا اتنی ہی دی جائے گی۔ جتنی کسی نے برائی کی۔ اس سے زیادہ نہیں۔

مسئلہ :اس سے معلوم ہوا کہ نیکی کرنے والے پر جس طرح فضل ورحمت ہوگا کہ اس نیکی کرنے والے کو کئی گنا زیادہ ثواب ملے گا۔ اس طرح برائی کرنے والے کو دوگنی سزا نہیں ہوگی۔ اس کو عدل وانصاف کے مطابق اتنی ہی سزا ملے گی۔ جتنا اس نے عمل کیا۔ (یعنی برائی والے سے عدل ہوگا۔ اور نیکی کرنے والے پر فضل الٰہی ہوگا۔)

سبق :لہٰذا عقل مند پر لازم ہے جس قول وفعل سے فتویٰ اور تقویٰ مانع ہو اس سے بچ کر رہے۔ اس لئے کہ جس شرعی حکم میں فتویٰ یا تقویٰ روکے پھر کوئی وہ کام کرے گا تو اس کی سزا جلد یا دیر سے ضرور ملے گی۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے معاف فرمادے۔ وہ الگ بات ہے۔ وہ بادشاہ ہے۔ اسے کون پوچھ سکتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّیْۤ

بے شک وہ جس نے فرض کیا آپ پر قرآن وہ ضرور لوٹائے گا آپ کو آپ کے لوٹنے کی جگہ۔فرمادو میرا رب

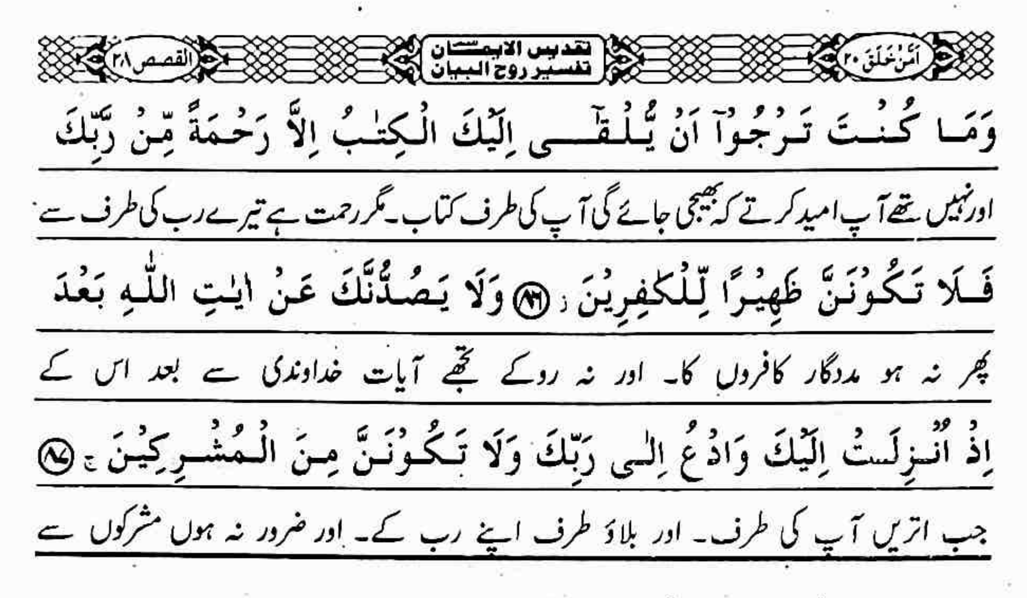
اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۸۵﴾

خوب جانتا ہے اسے جو لایا ہدایت۔اور اس کو بھی جو گمراہی کھلی میں ہے۔

(آیت نمبر ۸۵) بے شک وہ ذات الٰہی کہ جس نے آپ پر قرآن کی تلاوت یا تبلیغ یا اس پر عمل کرنا فرض کیا۔ آپ کو آپ کے مرجع کی طرف لوٹانے والا ہے۔اس سے مراد یا مقام محمود ہے وہ جگہ جسے دیکھ کر اولین وآخرین رشک کریں گے۔ جس کے عطا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میں آپ کو مقام محمود پر اٹھاؤں گا۔(وہ مقام محمود جس کا ذکر اذان کے بعد والی دعا میں ہے)۔

فائدہ :ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مراد جنت ہے کہ جناب آدم علیہ السلام کے ساتھ ہم بالقوہ پہلے بھی جنت میں تھے۔قیامت کے دن پھر لوٹ کر بالفعل جنت میں جائیں گے۔اس لحاظ سے معاد کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے۔**فائدہ**:بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ معاد سے مراد مکہ مکرمہ ہے جو آپ کا پہلا وطن تھا گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب کافروں نے آپ کو مکہ مکرمہ سے نکالا تو کوئی بات نہیں ہم آٹھ سال بعد پھر فتح یاب کر کے پوری شان وشوکت کے ساتھ اسی شہر میں واپس لائیں گے جو عظمتوں کا مرکز ہے۔

شان نزول : جب حضور ﷺ غار ثور سے نکل کر مدینہ شریف کی طرف ہجرت کر کے جا رہے تھے۔مقام جحفہ پر تشریف فرما ہوئے یہ مکہ مکرمہ سے تقریباً بائیس میل دور ہے یہاں پر کچھ دیر ٹھہرے تو آپ کو مکہ مکرمہ یاد آیا۔اس لئے کہ آپ کا آبائی وطن اور پیدائشی مقام تھا۔باقی خاندان بھی یہیں تھا۔پھر یہ حرم خلیل بھی تھا تو آپ کو مکہ مکرمہ کی یاد نے پریشان سا کر دیا۔تو اللہ پاک نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اے محبوب آپ کو ایسا غلبہ اور فتح دیکر یہ شہر واپس دونگا کہ آپ پھر اس شہر میں بلاخوف وخطر تشریف لائیں گے۔آگے فرمایا اے محبوب آپ فرمادیں میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت لایا اور کون آخرت کے ثواب کا مستحق ہے اور کون کھلی گمراہی میں ہے اس سے مراد مشرکین ہیں۔ جو واضح گمراہی میں ہیں۔**فائدہ**:اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کو فتح ونصرت عطا فرماتا ہے اور گمراہ لوگوں پر اپنے خاص بندوں کو قہر وغلبہ عطا کرتا ہے اور یہ بات پکی ہے کہ ہر دکھ کے بعد سکھ ہے تو جو دکھوں پر صبر کرتا ہے اس کا انجام بخیر سامنے آجائیگا۔



وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ

اور نہیں تھے آپ امید کرتے کہ بھیجی جائے گی آپ کی طرف کتاب۔ مگر رحمت ہے تیرے رب کی طرف سے

فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ

پھر نہ ہو مددگار کافروں کا۔ اور نہ روکے تجھے آیات خداوندی سے بعد اس کے

اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٨٧﴾

جب اتریں آپ کی طرف۔ اور بلاؤ طرف اپنے رب کے۔ اور ضرور نہ ہوں مشرکوں سے

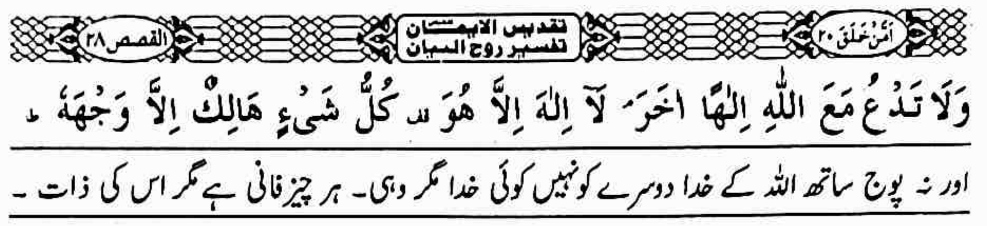
(بقیہ آیت نمبر ۸۵) **سبق**: عقل مند پر لازم ہے کہ وہ رحمت خداوندی سے مایوس نہ ہو۔

(آیت نمبر ۸۶) اے محبوب آپ اس سے پہلے امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ کی طرف کوئی کتاب بھیجی جائے گی۔ **ربط**: اے محبوب آپ کو ایک دن وطن عزیز کی طرف واپس لوٹایا جائے گا۔ جس کی ابھی کوئی امید نہیں کی جارہی لیکن رب تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا جیسے آپ کو پہلے نزول قرآن کی کوئی امید نہ تھی۔ لیکن ہم نے فضل وکرم کرتے ہوئے جیسے یہ وعدہ پورا کیا۔ اسی طرح وہ وعدہ بھی پورا ہوگا۔

آگے فرمایا مگر یہ تیرے رب کی رحمت ہے کہ آپ کو قرآن کی دولت عطا فرمائی۔ اس پر آپ عمل کرتے رہیں یہ اللہ تعالیٰ کی حضور ﷺ پر خصوصی رحمت ہے کہ باقی کتابیں الواح اور صحیفوں میں آئیں اور قرآن حضور پاک ﷺ کے دل پر اترا لہذا اے محبوب کافروں کی مدد نہ کریں یعنی ان کی کوئی بات نہ مانیں بلکہ اہل ایمان کی مدد فرمائیں۔

(آیت نمبر ۸۷) اور کافر لوگ آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرنے اور اس پر عمل کرنے سے نہ روکیں اس کے بعد کہ جب وہ آپ پر نازل ہوگئیں اور آپ کے ہاں وہ پڑھی گئیں۔

فائدہ: یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب کفار آپ کو باپ دادا کے دین پر چلنے کیلئے مجبور کر رہے تھے کہ آپ نئے دین کو چھوڑیں اور ہماری موافقت کرتے ہوئے ان بتوں کی پرستش کریں تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ لوگوں کو اپنے رب کی توحید اور عبادت کی طرف بلائیں اور غلاموں سے فرمائیں کہ وہ مشرکوں سے نہ ہو جائیں۔ یعنی وہ بھی ان کی باتوں کو نہ مانیں۔ (یہ ڈائرکٹ خطاب اگرچہ حضور ﷺ کو ملے۔ مگر ہمیں سنایا گیا۔ کہ مشرکوں کا ساتھ نہ دینا۔ مگر افسوس کہ مسلمان مسلمانوں کے خلاف اور مشرکوں کے ساتھی بن گئے)۔



وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ

اور نہ پوج ساتھ اللہ کے خدا دوسرے کو نہیں کوئی خدا مگر وہی۔ ہر چیز فانی ہے مگر اس کی ذات۔

لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ع ﴿۸۸﴾

اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

(آیت نمبر ۸۸) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کو نہ پوجیں۔

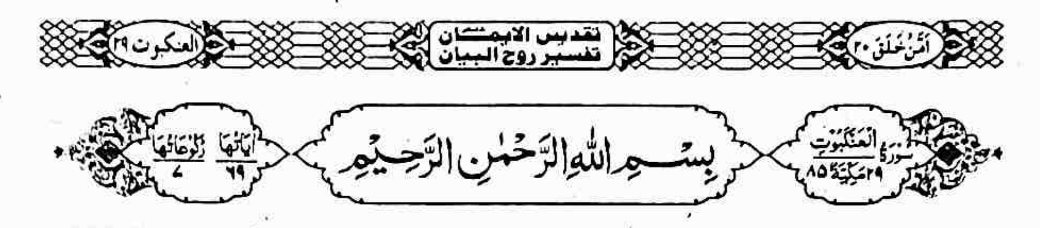
فائدہ: کاشفی لکھتے ہیں کہ ظاہراً یہ خطاب حضور ﷺ سے ہے لیکن اس سے مراد امت ہے۔ حضور سے خطاب اس لئے کیا تا کہ کفار بالکل ناامید ہو جائیں کہ کسی وقت شاید آپ ان کی موافقت فرمالیں گے۔

فائدہ: حضور ﷺ سے کفار کی موافقت تو کبھی بھی ممکن نہ تھی۔ لیکن پھر بھی یہ حکم دے کر کہ (لا الہ الا اللہ) اس کے سوا کوئی معبود ہے ہی نہیں۔ اس سے ان کفار کی امید ختم کر دی۔ آگے فرمایا کہ ہر چیز ہلاک یعنی موت کے منہ میں جانے والی ہے۔ خواہ وہ انسان ہو یا جن فرشتہ ہو یا حور و غلمان۔ زمین ہو یا آسمان۔ ایک دن سب فنا ہوں گے۔ سوا اللہ تعالیٰ کی ذات کے۔ مخلوق میں اسی کا حکم نافذ ہے اسی کی قضاء وقدر ہے اور بروز قیامت اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو جو اضطراراً یعنی مجبور کر کے لوٹایا جائیگا وہ اللہ تعالیٰ کو جبار وقہار پائے گا اور جو اختیاراً لوٹے گا یعنی اچھے عمل کر کے آخرت اچھی بنائی۔ وہ اللہ تعالیٰ کو رحیم وکریم پائے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اجر وثواب ملے گا۔

نکتہ: بعض عارف لوگ فرماتے ہیں کہ وجہہ کی ضمیر شیء کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شیء فانی ہے۔ مگر جس کا منہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو (یعنی جو مرنے سے پہلے ہی مر کر فنافی اللہ ہو جائے وہ باقی ہو جاتا ہے)

فائدہ: مبتدین کا اللہ کے سوا معبود کوئی نہیں۔ عاشقوں کا اور مقصود کوئی نہیں۔ مکاشفین کے نزدیک اس کے سوا موجود کوئی نہیں۔

اختتام سورۃ مورخہ ۱۸ جون ۲۰۱۶ء بمطابق ۱۲ رمضان شریف بروز ہفتہ بعد عصر



الٓمّٓ ۚ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ

کیا یہ سمجھا ہے لوگوں نے کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے صرف اس پر کہ وہ کہیں ہم ایمان لائے اور وہ

لَا یُفْتَنُوْنَ ②

نہیں آزمائے جائیں گے

(آیت نمبرا) الم۔ کاشفی لکھتے ہیں کہ حروف مقطعات لانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم قرآن کی حقیقت کو جان گئے۔ ان لوگوں پر واضح ہو جائے۔ کہ قرآن پاک کی حقیقت اور اس کی مکمل آگاہی ہر ایک کو حاصل نہیں ہے۔ صرف ان لوگوں کو اس کے اسرار و رموز کا علم ہے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے آگاہ کر دیا۔

(آیت نمبر۲) کیا لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ یوں ہی چھوڑ دیئے جائیں گے۔ یعنی یہ ان کا گمان اچھا نہیں

شان نزول : کچھ مسلمان مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ جنہیں کفار بے حد تکالیف دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ ایمان کے ساتھ امتحان ضروری ہے۔ اس لئے فرمایا کہ ایمان والے یہ گمان نہ کریں کہ وہ یوں ہی چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں ہوگی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ انہیں تکالیف و مشکلات میں مبتلا کر کے ان کا امتحان لے گا۔ کبھی ہجرت کا حکم تو کبھی جہاد کا حکم دے گا۔ اسی طرح خواہشات نفسانی چھوڑنے کا تو کبھی طاعات بجالانے کا حکم کرے گا۔ پھر نفوس میں اور اموال میں آزمائش ہوگی تاکہ مخلص اور منافق میں امتیاز ہو۔ لہذا مومن مخلص امتحان میں صبر کر کے بلند مراتب اور درجات حاصل کریں۔ اگرچہ امتحان کے بغیر بھی ایمان جو خلوص والا ہو۔ فائدے مند ہوگا کہ بندہ جہنم کے عذاب سے چھٹکارہ پالے گا لیکن عربی مقولہ ہے کہ امتحان میں آدمی یا تو عزت پا جاتا ہے یا ذلیل ہو جاتا ہے اور صوفیاء فرماتے ہیں جس کا مرتبہ زیادہ ہو اس کی آزمائش بھی بڑی ہوتی ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ انسان کی آزمائش اس کے دین۔ کے حساب سے ہوتی ہے۔ (صحیح ترمذی)۔ **حدیث شریف** میں فرمایا سب سے زیادہ بلا ؤ مصیبت میں انبیاء کو مبتلا کیا جاتا ہے نبوت کے لحاظ سے پھر اولیاء کو ان کی ولایت کے حساب سے امتحان میں ڈالا جاتا ہے۔ (ترمذی شریف)

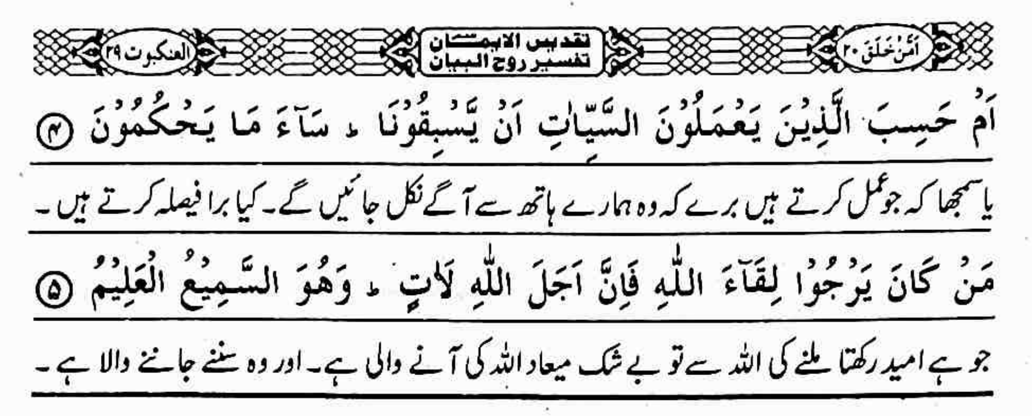
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾

اور تحقیق ہم نے جانچا ان کو جو ان سے پہلے ہوئے۔ضرور دیکھے گا اللہ ان کو جو سچے ہیں اور ضرور دیکھے گا جھوٹوں کو۔

(بقیہ آیت نمبر۲) **سبق**: عافیت وہی چاہتا ہے جو ابتلاء و امتحان کی قدر و منزلت نہیں جانتا وہ امتحان کو اپنے لئے ایک مصیبت سمجھتا ہے۔ جسے اس کی قدر و منزلت معلوم ہے وہ آزمائش میں لذت و سرور محسوس کرتا ہے۔ جیسے صحت چاہنے والا کڑوی دوا بھی خوشی سے لیتا ہے۔(امتحان ان ہی لڑکوں کا ہوتا ہے جو کلاس میں ہوتے ہیں۔آوارہ لڑکوں کا کوئی امتحان نہیں ہوتا۔اور امتحان سے مقصد اگلی کلاس دینا ہوتی ہے۔

(آیت نمبر۳) اور البتہ تحقیق ہم نے آزمائش میں ڈالا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے ہوئے یعنی انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں میں سے نیک لوگوں کو آزمایا یہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ قدیم سے چلا آیا ہے۔اپنی حکمت و مصلحت کی بناء پر مسلمانوں کو آزمائش میں ڈالا۔لہٰذا مسلمانوں کو ان آزمائشوں سے گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ انہیں چاہئے کہ وہ دیکھیں کہ سابقہ امتوں پر کتنی سخت آزمائشیں آئیں۔**حدیث شریف**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں کے سروں پر آرے چلائے گئے۔ان کے جسموں کے ٹکڑے کئے گئے۔لوہے کی کنگھیاں ان کے جسموں میں چبھو دی گئیں۔جلتی ہوئی آگ میں جلا دیا گیا۔لیکن انہوں نے صبر کیا اور دین سے ذرا نہیں پھرے (بخاری شریف)۔اس لئے ایمان کی تکمیل کیلئے آزمائش ضروری ہے۔اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اسے مصائب و آلام میں مبتلاء فرما دیتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ ہر مصیبت و تکلیف کسی راحت و خوشی کا پیش خیمہ ہے۔**آزمائش کی وجہ**: اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھے ان کو جو سچے ہیں اور ان کو بھی دیکھ لے جو جھوٹے ہیں۔ اسی صدق و کذب پر جزا و سزا ہوگی۔**فائدہ**: تاویلات میں ہے کہ ان صادقین اور کاذبین کی پرکھ مصائب و آلام میں مبتلاء ہونے کے وقت میں ہوتی ہے۔جو مصائب و مشکلات میں صبر کرے وہ سچا ہے اور اگر وہ بے صبری اور جزع فزع کرتا ہے تو اپنے عقیدے میں جھوٹا ہے۔

تکالیف پر صبر انسان کو تخت پر پہنچا دیتا ہے: مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یوسف علیہ السلام کنویں میں نہ جاتے۔بازار مصر میں نہ بکتے اور جیل کی صعوبتیں نہ برداشت کرتے تو تخت پر بھی نہ پہنچتے۔یعنی مصر کی شاہی پانے کیلئے اتنی مشکلات سے گذرنا ضروری تھا۔اسی لئے بزرگ فرماتے ہیں کہ رنج و تکلیف راحت و خوشی کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔"ان مع العسر یسرا" جگہ مراد آبادی کہتے ہیں۔ع: طول شب فراق سے نہ گھبرا رہے جگر۔۔۔۔ایسی بھی کوئی شام ہے جس کی سحر نہ ہو۔



اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿۴﴾

یا سمجھا کہ جو عمل کرتے ہیں برے کہ وہ ہمارے ہاتھ سے آگے نکل جائیں گے۔ کیا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

مَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۵﴾

جو ہے امید رکھتا ملنے کی اللہ سے تو بے شک میعاد اللہ کی آنے والی ہے۔ اور وہ سننے جاننے والا ہے۔

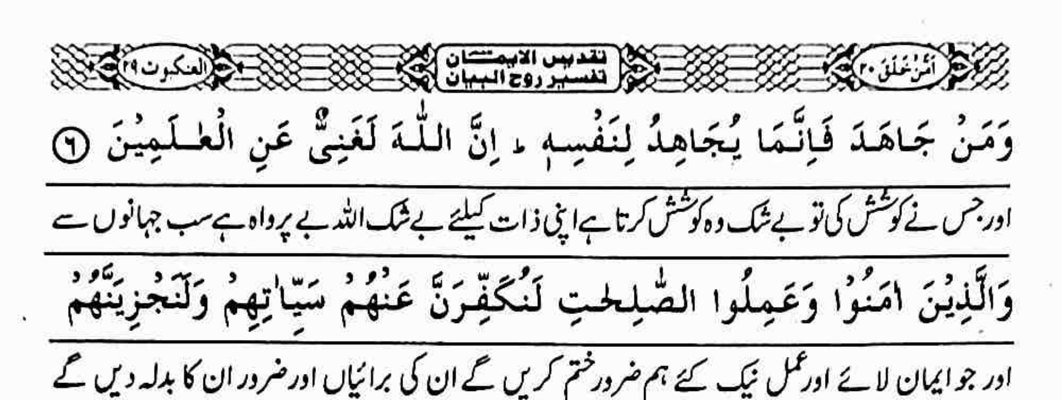
(آیت نمبر۴) کیا کفر وگناہ کرنے والوں کا یہ خیال ہے کہ وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے یا وہ ہمیں اتنا عاجز کردیں گے کہ ہم ان کے بداعمالی کی انہیں سزا نہیں دے سکیں گے۔

فائدہ: یہاں پچھلے مضمون پر انہیں تنبیہ کی گئی تھی کہ تمہارا جو یہ گمان ہے کہ تم یوں ہی بےکار چھوڑے جاؤ گے کہ تم سے کسی قسم کی آزمائش یا امتحان نہیں ہوگا یہ تمہارا خیال غلط ہے اب دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہوکر دوبارہ زجر وتوبیخ کی گئی کہ تمہارا یہ بھی خیال غلط ہے کہ تمہارے گناہوں کے متعلق تم سے کوئی پوچھ کچھ نہیں ہوگی۔

فائدہ: چونکہ ان میں کچھ لوگ کھل کر طرح طرح کے گناہ کررہے تھے۔ انہیں آخرت کی بھی کوئی فکر نہیں تھی۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا مال ہمیشہ رہے گا۔ یہ کیسے برے فیصلے کرتے ہیں۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بعض گناہ گاروں کا یہ خیال ہے کہ ہماری برائیاں ویسے ہی معاف کردی جائیں گی کیونکہ غضب پر رحمت سبقت کرے گی۔ لہذا وہ اسی طرح بخش دیئے جائیں گے ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ان کے گناہوں پر غضب نازل ہونا تھا۔ لیکن رحمت نے آگے بڑھ کر انہیں بچالیا۔ یہ بات تو صحیح ہے مگر اس کا مطلب غلط لیا گیا ہے۔

(آیت نمبر۵) جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید رکھتا ہے۔ لقاء اللہ سے مراد قیامت ہے کہ وہاں ہی اللہ تعالیٰ سے ملنا ہوگا تو اب معنی یہ ہوگا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی جزاء وسزا کی امید رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اس وقت سے پہلے اس کی تیاری کرے یعنی وہ اعمال کرلے کہ جو اجر وثواب ملنے کا سبب ہیں اور وہ ایسے اعمال سے بچے کہ جو عذاب الٰہی کا مستحق بنائیں۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وعدہ کا وقت ضرور آنے والا ہے۔ یعنی جب لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوں گے تو انہیں جزاء یا سزا ہوگی۔ آگے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اقوال کو سننے والا اور ان کے ظاہری باطنی احوال کو جاننے والا ہے۔ لہذا اس سے کوئی چیز چھپ نہیں سکے گی اس وجہ سے بندوں پر لازم ہے کہ وہ اپنا محاسبہ کریں اور مرنے سے پہلے نیک اعمال کرنے کی پوری کوشش کریں۔



وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ ﴿٦﴾

اور جس نے کوشش کی تو بے شک وہ کوشش کرتا ہے اپنی ذات کیلئے بے شک اللہ بے پرواہ ہے سب جہانوں سے

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ

اور جو ایمان لائے اور عمل نیک کیے ہم ضرور ختم کریں گے ان کی برائیاں اور ضرور ان کا بدلہ دیں گے

أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٧﴾

اس سے بھی اچھا جو تھے وہ عمل کرتے۔

(آیت نمبر ۶) اور جس نے اپنے نفس سے جہاد کر کے اطاعت الٰہی کی یا شیطانی خیالات کو دور کیا یا کفار کے ساتھ تلوار سے جہاد کیا تو سوائے اس کے نہیں وہ ساری کوشش اپنی ذات کیلئے کرتا ہے یعنی اس کوشش اور محنت کا فائدہ لوٹ کر اسی کو ملے گا اللہ تعالیٰ کی ذات تو سب جہانوں سے بے پرواہ ہے۔ یعنی اسے نہ کسی کی اطاعت کی حاجت ہے نہ کسی کے مجاہدے کی ضرورت۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر شفقت و رحمت کرتے ہوئے انہیں طاعت و مجاہدہ کا حکم دیا تاکہ وہ یہ عمل کر کے عظیم اجر و ثواب پائیں۔ جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں فرمایا کہ میں نے مخلوق کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ مجھ سے نفع حاصل کریں مجھے تو ان سے کوئی نفع نہیں چاہئے۔ کل کائنات اس کی محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔

فائدہ: شرح اسماء حسنیٰ میں شیخ ابو العباس زروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غنی وہ ہے جو ذات و صفات اور افعال میں کسی کا محتاج نہیں اور جو اس کے غنی ہونے کا قائل ہو اور ہر وقت اسی کی طرف رجوع کرے اسے پھر صرف اسی کی محتاجی رہتی ہے۔ باقی مخلوق سے وہ بے پرواہ ہو جاتا ہے۔

اسم غنی کی خاصیت ہی یہ ہے کہ جو شخص اسے کسی مرض یا مصیبت میں یاد کرے تو اس کی بلا و مصیبت ٹل جاتی ہے اسم غنی میں راز ہی یہی ہے۔

(آیت نمبر ۷) اور جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کئے تو ہم ضرور ان کے ایمان کی وجہ سے کفر اور ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ان کے گناہوں کو دور کر دیں گے اور مزید انہیں عبادات کی توفیق بھی دیں گے بلکہ ان کے گناہوں کو ایسا ملیا میٹ کریں گے کہ گویا انہوں نے وہ گناہ کئے ہی نہیں۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ ان کے گناہ مٹا کر نیکی لکھ دیتے ہیں۔ اور ان کی نیکیوں کا اجر ان کی نیکیوں سے کئی گنا بہتر دیں گے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۚ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ

اور تاکید کی ہم نے انسان کو کہ اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرے اور اگر وہ کوشش کریں کہ تو شریک بنائے

بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ

میرا جس کا نہیں ہے تجھے علم تو نہ مان ان کی بات ۔ میری طرف ہی لوٹنا ہے تمہارا پھر میں تمہیں بتاؤں گا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ⑧

کہ تم جو جو تھے عمل کرتے ۔

(بقیہ آیت نمبر ۷) آگے فرمایا کہ ہم ان کے نیک اعمال سے کئی گنا بہتر جزا دیں گے کم از کم ایک نیکی دس گناہ تک بڑھا دیتے ہیں ۔

عمل صالح : وہ کام جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کرے یا وہ کام جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا وہ چھوڑ دے وہ عمل صالح ہے گویا کوئی عمل فی نفسہ صالح یا قبیح نہیں ہے ۔ جیسا کہ معتزلہ کا خیال ہے ۔ اہل سنت کے نزدیک صالح وقبیح ۔ اچھائی اور برائی اللہ تعالیٰ کے امر و نہی پر مرتب ہے ۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انسان جو بھی نیک کام کرتا ہے ۔ وہ قیامت کے دن اپنے سامنے حاضر پائے گا ۔ اللہ تعالیٰ اس کا اسے اجر عطا فرمائے گا ۔ یعنی اس نیکی کا فائدہ وہ خود ہی اٹھائے گا

(آیت نمبر ۸) اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا کہ وہ ماں باپ کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرے اور ان کی خدمت میں کوئی کمی نہ چھوڑے ۔ البتہ اگر ماں باپ تیرے ساتھ یہ کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک بنائے تو یہ بات ان کی نہ مان ۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ۔ جس بات میں خالق کی نافرمانی ہو وہ بات مخلوق کی ہرگز نہ مانی جائے ۔

مسئلہ : استاد ۔ وقت حاکم یا ماں باپ کوئی ایسا حکم دیں جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو یا کوئی بھی حکم شرع کے خلاف دیں وہ بات ان کی ہرگز نہ مانی جائے ۔ اس لئے کہ مومن ہو یا کافر ماں باپ کا فرمانبردار ہو یا نافرمان اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سب نے لوٹ کر میرے پاس آنا ہے ۔ پھر میں تمہیں بتاؤں گا جو جو تم عمل کرتے رہے ۔ یعنی کل کائنات کے سامنے اچھا برا ہر عمل بتا دیا جائیگا پھر اس کے مطابق ہی جزاء و سزا بھی ہوگی ۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِى الصّٰلِحِيْنَ ﴿٩﴾

15/15

اور جو ایمان لائے اور عمل کئے اچھے ہم ضرور داخل کریں گے انہیں نیکوں میں

(بقیہ آیت نمبر ۸) **حکایت** : سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو ان کی والدہ حمنہ نامی نے کہا کہ تو نے باپ دادا کے دین کو چھوڑ دیا۔ روشنی چھوڑ کر اندھیرے میں چلا گیا۔ لہذا میں اب نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی۔ یہاں تک کہ مرجاؤں گی اور لوگ تجھے ماں کا قاتل کہیں گے اور کھانا پینا چھوڑ دیا تو آپ نے فرمایا ماں تو مریا جی میں اب دین اسلام نہیں چھوڑ سکتا۔ تو بالآخر ماں نے اسلام پر پختگی دیکھ کر کھانا شروع کر دیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ماں باپ کی خدمت اور اطاعت بہت ہی ضروری ہے لیکن وہ اگر شرک یا کفر یا گناہ کرنے کا حکم دیں پھر ان کی اطاعت ضروری نہیں۔

فائدہ : والدین کی خدمت کرنے والا کوئی نہ ہو تو اولاد نہ جہاد پر جائیں نہ حج کیلئے نہ نفلی عبادت کریں۔ پہلے ماں باپ کی خدمت کریں اس کا ثواب سب سے زیادہ ہے۔ **مسئلہ** : ماں باپ فوت ہو جائیں تو بھی ہر جمعہ کو ان کی قبروں کی زیارت کرنے اور ان کے لئے صدقہ خیرات کرے اور ان کی قبروں پر حاضری دیکر ان کے لئے بخشش کی دعا کرے اور ان کی وصیت کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر انہوں نے کسی کا لینا دینا تھا۔ وہ بھی ادا کرے۔

(آیت نمبر ۹) اور وہ لوگ جنہوں نے ایمان لانے کے بعد نیک عمل کئے۔ ہم انہیں ضرور نیک لوگوں کے ساتھ داخل کریں گے۔ یعنی قیامت کے دن یہ لوگ ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جو جنت میں جانے والے ہیں جو کمال درجہ کے اہل ایمان اور نیک ہوں گے اس سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔

عمل صالح : اہل سنت کے نزدیک عمل صالح ہر وہ کام ہے۔ جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا وہ کرے۔ یا جس کے کرنے سے منع کیا۔ وہ کرنے سے باز رہے ورنہ صالح نہیں رہتا۔ مطلب یہ ہے۔ کہ بذات خود کسی چیز میں صلاح و فساد نہیں ہے۔ معتزلہ فرقہ کہتا ہے۔ کہ صلاح و فساد ہر چیز میں بذات خود موجود ہے۔ مثلاً سچ بذات خود ہی عمل صالح ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کا حکم دیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسی کام کے کرنے کا حکم دیا۔ جس میں ہماری بھلائی تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا اجر بھی رکھا۔ **فائدہ** : یہ بات یاد رہے۔ جو عمل ہم عادت کے طور پر کرتے ہیں۔ اس میں ثواب نہیں۔ اور جو عمل ہم اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر عبادت کے طور پر کرتے ہیں۔ اس میں ثواب بھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ہے۔

جلد ۷

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ

اور بعض لوگ جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر پھر جب کوئی تکلیف آئے اللہ کی راہ میں تو کر لیتے ہیں فتنہ

النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا

لوگوں کا مثل عذاب الٰہی کے۔ اور اگر آ جائے مدد تیرے رب کی طرف سے تو ضرور کہتے ہیں بے شک ہم

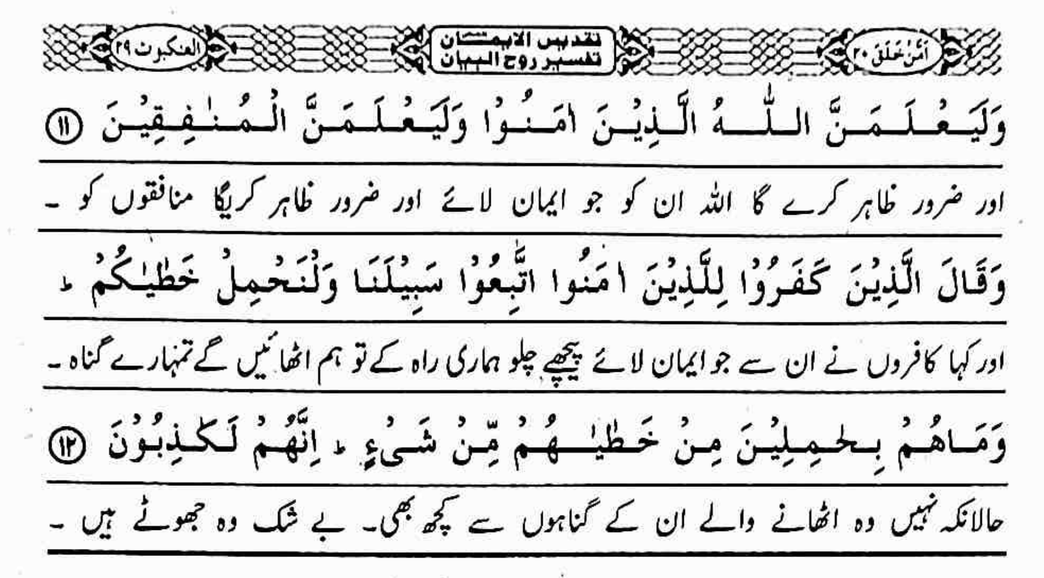
كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰

تمہارے ساتھی تھے۔ کیا نہیں ہے اللہ جاننے والا جو کچھ دلوں میں ہے تمام جہانوں کے۔

(آیت نمبر ۱۰) لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ پھر جب انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی ایذا پہنچے یعنی ایمان لانے پر کفار انہیں دکھ درد پہنچائیں تو وہ فتنہ کھڑا کر لیتے ہیں۔ یعنی اسے آخرت کے عذاب الٰہی کی طرح سمجھتے ہیں۔ جیسے وہاں شدت وہولناکی سے تکلیف پائیں گے۔ اس طرح وہ کافروں کی اذیت کو سمجھتے ہیں چونکہ کفار کی اذیت کا خوف دنیا میں ہے۔ اس لئے اسے ترجیح دے کر وہ دین سے ہی پھر جاتے ہیں۔ کاش انہیں معلوم ہوتا کہ دنیا کی تکالیف عذاب الٰہی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ تو پھر اسے لوگوں کا خوف نہیں ہوتا اور وہ اللہ کی رضا کا طالب ہوتا ہے اور اگر آ جائے تیرے رب کی طرف سے مدد یعنی فتح ونصرت اور مال غنیمت تو پھر وہ ضرور کہے گا کہ بے شک ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں یعنی تمہارے ہی دین کے پیروکار ہیں۔ لہٰذا اس مال غنیمت میں ہمیں بھی شامل کریں۔ چونکہ انہوں نے اسلام کا اظہار بھی مال غنیمت کی لالچ میں کیا ہے۔

فائدہ: ضعیف ایمان والوں کو جب کافروں سے اذیت ملتی تو کفار کے ساتھ مل جاتے اور مسلمانوں کی فتح ونصرت دیکھ کر مسلمانوں کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ **حدیث شریف**: جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ ہر چیز اس سے ڈرتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرے وہ ہر چیز سے ڈرتا ہے۔

آگے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نہیں جانتا کہ جو کچھ جہاں والے لوگوں کے دلوں میں ہے یعنی اسے سب معلوم ہے کہ کون مخلص ہے اور منافقین کی منافقت کا بھی اسے بخوبی علم ہے۔



وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿١١﴾

اور ضرور ظاہر کرے گا اللہ ان کو جو ایمان لائے اور ضرور ظاہر کریگا منافقوں کو ۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ

اور کہا کافروں نے ان سے جو ایمان لائے پیچھے چلو ہماری راہ کے تو ہم اٹھائیں گے تمہارے گناہ ۔

وَمَاهُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٢﴾

حالانکہ نہیں وہ اٹھانے والے ان کے گناہوں سے کچھ بھی۔ بے شک وہ جھوٹے ہیں ۔

(آیت نمبر١١) اور لازماً اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ایمان اور خلوص کو جانتا ہے اور ضرور منافقوں کی منافقت کو بھی جانتا ہے۔ قیامت کے دن ظاہر فرمائے گا خواہ ان کی منافقت ذاتی ہو یا کفار کی اذیت کی وجہ سے ہو اور پھر وہ ایمان والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے گا۔ اور منافقوں کو منافقت کی سزا دے گا یہاں علم کا معنی ظاہر کرنا۔ یا اس کی سزا دینا ہے چونکہ ایمان اور نفاق کا علم امتحان اور آزمائش کے وقت ہوتا ہے مومن تکالیف پر صبر کرے گا اور منافق جزع فزع کرے گا جیسے آگ پر رکھنے سے سونے کے کھرے یا کھوٹا ہونے کا علم ہوتا ہے۔ اسی طرح تکلیف کے وقت مخلص اور منافق کا پتہ چلتا ہے۔

(آیت نمبر١٢) کفار نے مسلمانوں کو دین سے منحرف کرنے کیلئے کہا۔ ہمارے دین پر چلو یعنی انہوں نے مسلمانوں کو اپنے دین پر چلنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ اگر تمہیں ہمارے راستے پر چلنے میں کوئی گناہ ہوا اور تمہیں پکڑ کا کوئی ڈر ہوا تو تمہارے گناہ ہم اپنے سر پر اٹھالیں گے۔ یعنی تمہیں ہم بچالیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ وہ کسی کے گناہ اٹھانے والے نہیں۔ یہ فقط ان کا دعویٰ ہے کہ اے مسلمانو تم ہمارے دین پر آجاؤ اس کی وجہ سے تمہیں کوئی گناہ ہوا تو ہم تمہارے گناہ اٹھالیں گے۔ یعنی ان کا مقصد تھا کہ کسی طرح مسلمان ان کے کہنے پر چل پڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا۔ بے شک وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہیں جو مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ ہم تمہارے بوجھ اٹھائیں گے۔ ان کے تو اپنے اتنے گناہ ہوں گے کہ ان سے نہیں اٹھائے جائیں گے تو اوروں کے گناہ وہ کیسے اٹھائیں گے۔ یہ فقط ان کا دھوکہ ہے۔

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ز وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اورضرور اٹھائیں گے وہ اپنے بوجھ اور بھی بوجھ ساتھ اپنے بوجھوں کے اور ضرور پوچھے جائیں گے بروز قیامت

عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ع ⑬ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ

اس کے متعلق جو تھے بہتان گھڑتے۔اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے نوح کو طرف اس کی قوم کے تو رہے وہ ان میں

اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ط فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ⑭

ہزار سال مگر پچاس سال۔ پھر پکڑا انہیں طوفان نے اور وہ ظالم تھے۔

(آیت نمبر ۱۳) البتہ یہ ضرور بوجھ اٹھائیں گے۔اپنے گناہوں کے بھی جو انہوں نے خود کئے۔یعنی قیامت کے دن اپنے بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہونگے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اوروں کے بوجھ بھی جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہوگا۔یعنی ان کی گمراہی کے دوران جتنے انہوں نے گناہ کئے ان تمام گناہوں کا بوجھ بھی ان کے ہی سر پر رکھے جائیں گے اور گمراہ ہونے والے الگ اپنے گناہوں میں دبے ہوں گے ان کے گناہوں میں کمی بھی نہیں ہوگی۔**فائدہ**: اس سے معلوم ہوا (ضالین) یعنی گمراہ ہونے والوں سے (مضلین) یعنی گمراہ کرنے والوں کے بوجھ ڈبل ہونگے۔ **فائدہ**: اسی طرح جو کسی گناہ کا آغاز کرتا ہے تو اس کا گناہ بھی اس پر اور اس کے بعد جو بھی اس کی تقلید میں گناہ کرے گا اس کے گناہ کا بوجھ بھی اس پر ڈالا جائیگا اور وہ بروز قیامت سختی کے ساتھ پوچھا جائیگا کہ تو نے یہ برائی کیوں کی تو اسی طرح جو جو کفار جھوٹی اور باطل باتیں گھڑ گھڑ کر لوگوں کو گمراہ کرتے رہے۔ان لوگوں کے گناہ ان کے سر پر ہی ہوں گے۔**فائدہ**: معلوم ہوا کہ گناہ بھی ایک بہت بڑا بوجھ ہے۔**حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ پاک دامن کو تہمت لگانے کا بوجھ چودہ طبق سے بھی زیادہ ہے۔(جواہر العلوم)

(آیت نمبر ۱۴) اور البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے نوح علیہ السلام کو دعوت توحید کے لئے بھیجا۔نوح علیہ السلام آدم علیہ السلام سے ایک ہزار چھ سو بیالیس سال بعد پیدا ہوئے چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی تو آپ کو قوم کی طرف بھیجا گیا۔

فائدہ: یاد رہے نوح علیہ السلام کی نبوت ایک مخصوص خطے اور محدود انسانوں تک محدود تھی۔انہیں سرکار دو جہاں ﷺ کی نبوت کے برابر نہیں قرار دیا جاسکتا اس لئے کہ ہمارے حضور پاک ﷺ کی نبوت تحت الثریٰ سے عرش علی تک ہے اور قیامت تک ہے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾

تو ہم نے اسے بچایا اور کشتی والوں کو بھی اور بنایا اسے نشانی تمام جہانوں کیلئے ۔

(بقیہ آیت نمبر۱۴) **فائدہ:** نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں جو بت پرستوں کی طرف بھیجے گئے ان سے پہلے کوئی بت پرستی نہیں ہوئی۔نوح علیہ السلام نے ہزار سال سے زیادہ عمر پائی۔

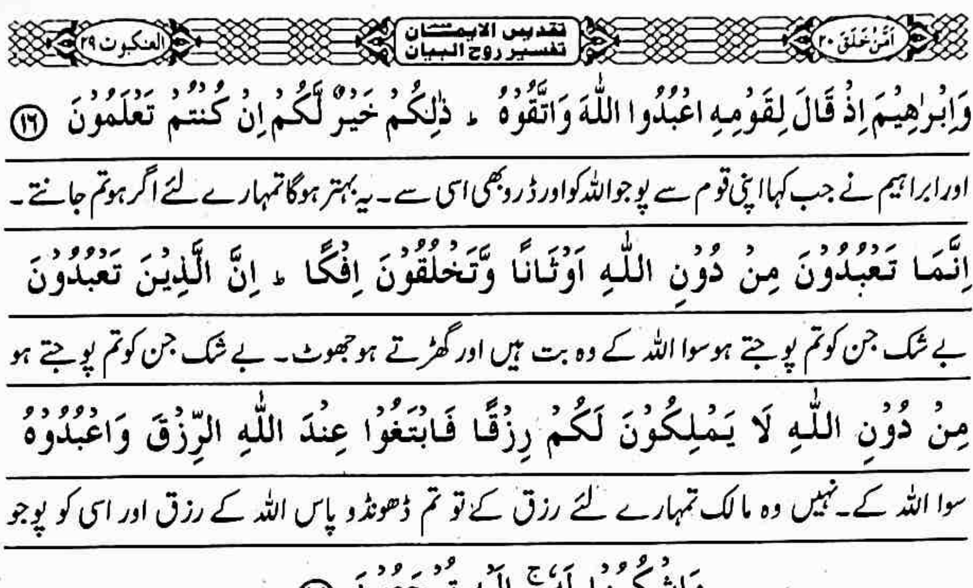
فائدہ: نوح علیہ السلام کا واقع بیان کرنے کا مقصد حضور سرور عالم ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ انہیں بھی کفار نے ایک لمبے زمانہ تک سخت تکالیف پہنچائیں اورانہوں نے صبر کیا۔ساڑھے نوسو سال تک وہ کفار کی اذیتیں برداشت کرتے رہے۔اس کے باوجود دینی دعوت کفار تک پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی سوائے چندلوگوں کے کوئی بھی ایمان نہیں لایا۔ پھر جب اتنازمانہ گذرنے کے بعدقوم سے ناامید ہوگئے کہ اب اورکوئی بھی ایمان نہیں لائے گاتو آپ نے قوم کیلئے ہلاکت کی بددعا کردی۔آگے فرمایا کہ انہیں طوفان نے پکڑلیا۔یعنی پانی کا طوفان آیا اور وہ اس طوفان میں غرق ہوگئے اس لئے کہ وہ ظالم تھے یعنی وہ اپنے ظلم اور کفر پر ڈٹے ہوئے تھے اورانہوں نے داعی حق کی کوئی بات نہیں مانی۔

(آیت نمبر۱۵) پس ہم نے نوح علیہ السلام کو غرق ہونے سے اور کفار کی تکالیف سے بچایا بلکہ تمام کشتی میں بیٹھنے والوں کو جن میں آپ کی اولاد (کنعان کے علاوہ) تھی۔اوران تمام ماننے والے پیروکاروں کو جن کی تعدادمردعورتیں ملا کرتقریباً اسی حضرات تھے اس کے علاوہ کچھ جانور بھی تھے۔آگے فرمایا کہ ہم نے اس قصہ کو عالمین میں آنے والی نسلوں کیلئے عبرت کا نشان بنایا تاکہ وہ اس سے نصیحت حاصل کریں یااس سے وہ ہماری قدرت پراستدلال کریں۔

فائدہ: ابوالیث نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ وہ کشتی حضور ﷺ کے زمانہ مبارک تک جودی پہاڑ پر رہی حالانکہ درمیان میں تقریباً چار ہزار سال سے بھی زیادہ زمانہ گذرا۔لوگ اسے دیکھ کرعبرت ونصیحت حاصل کرتے تھے۔

فائدہ: طوفان کے بعدصرف آپ کی اولاد سے جہان آباد ہوا۔اس لئے آپ آدم ثانی کہلائے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے آپ کی عمر شریف زیادہ ہوئی۔آپ سے عزرائیل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ نے دنیا کو کیسا پایا تو آپ نے فرمایا جیسے کمرے کے ایک دروازے سے آدمی داخل ہواور دوسرے سے نکل جائے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا مبارک ہواس شخص کو جس کی عمر لمبی ہواور وہ نیکی میں گذری ہو۔ (سنن الکبیر للبیہقی)



وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾

اورابراہیم نے جب کہا اپنی قوم سے پوجو اللہ کو اور ڈرو بھی اسی سے۔ یہ بہتر ہوگا تمہارے لئے اگر ہو تم جانتے۔

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ

بے شک جن کو تم پوجتے ہو سوا اللہ کے وہ بت ہیں اور گھڑتے ہو جھوٹ۔ بے شک جن کو تم پوجتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ

سوا اللہ کے۔ نہیں وہ مالک تمہارے لئے رزق کے تو تم ڈھونڈو پاس اللہ کے رزق اور اسی کو پوجو

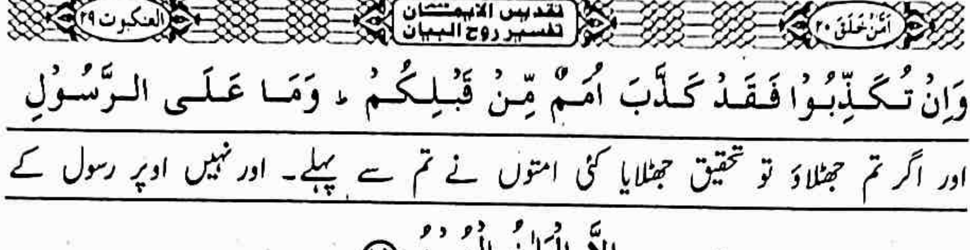
وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور اس کا شکر کرو اسی کی طرف تم کو لوٹنا ہے۔

(آیت نمبر۱۶) اے محبوب ہم نے آپ کی تشریف آوری سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا آپ اپنی امت کو ان کا واقعہ بتائیں کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم یعنی بابل والوں کو فرمایا کہ اے میری قوم صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ دوسرے خداؤں کو شریک کرنے میں خدا سے ڈرو۔ یہی تمہارا تقویٰ ہے اور تمہارے لئے بہتر ہے۔ کیونکہ تمہارے اس کفر وشرک میں کسی قسم کی کوئی بھلائی نہیں۔ اگر تم بھلائی اور برائی کو جانتے ہو اور حق و باطل میں تمیز رکھتے ہو تو تمہاری بھلائی صرف اللہ تعالیٰ کو ایک جاننے اور اس کی پرستش کرنے میں ہے۔ بتوں کو پوجنے سے تم دنیا وآخرت میں ذلیل ورسوا ہو جاؤ گے۔

فائدہ: شرک کی میل کچیل توحید سے ہی صاف ہو سکتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے ہمیشہ اسی بات کی طرف بلایا۔ بتوں اور شرک کی مذمت واضح کی۔ عبادت وطاعت کا اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کا طریقہ بتایا اور اس کی ترغیب دی کہ دنیا ایک پل گھڑی ہے۔ آنکھ جھپکنے میں یہ ختم ہو جائے گی اور ایسی مٹ جائیگی کہ اس کا نام ونشان بھی نہیں رہے گا۔ اس سے بھلائی کی امید رکھنا بالکل بے سود ہے۔

(آیت نمبر۱۷) سوائے اس کے نہیں تم اللہ کے سوا جن کی پوجا کر رہے ہو۔ یہ تو محض بت ہیں یا صورتیں ہیں جو تم نے خود بنائی ہیں ان کی اور تو کوئی صفت نہیں اوثان وثن کی جمع ہے اور وثن وہ بت ہے جو انسانی شکل پر نہ ہو محض پتھر ہو یا کسی اور شکل پر ہو۔ اور صنم وہ بت جو انسانی شکل کا ہو۔



وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ

اور اگر تم جھٹلاؤ تو تحقیق جھٹلایا کئی امتوں نے تم سے پہلے۔ اور نہیں اوپر رسول کے

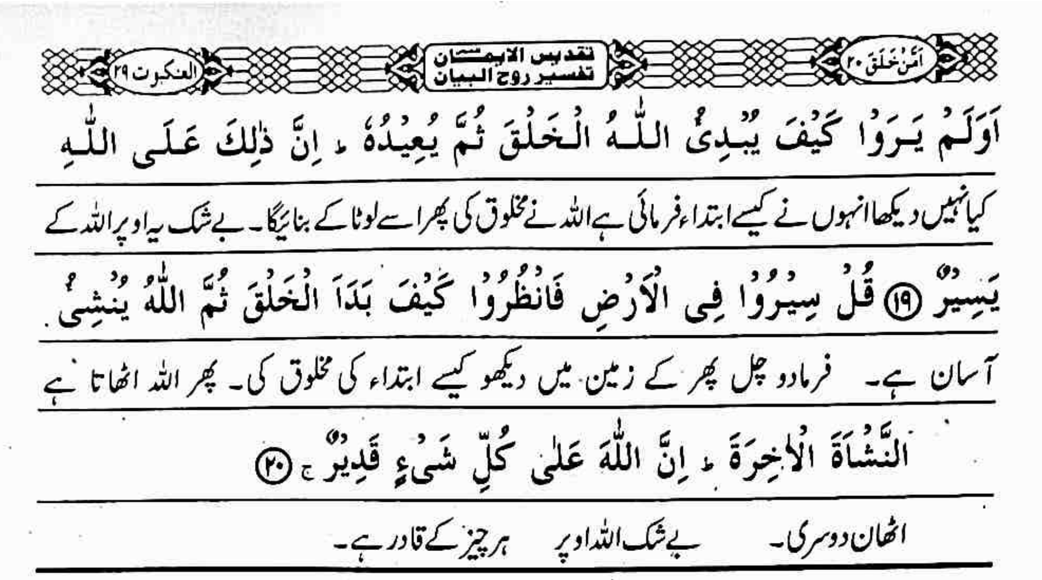
اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾

مگر پہنچانا کھلا۔

(بقیہ آیت نمبر۱۷) **مشرکین کی خرد ماغی:** مشرکین نبی کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ عام انسان نہیں ہو سکتا نبی کم از کم فرشتہ ہوتا ہے اور خدا ماننے پر آئے تو پتھروں اور حیوانوں کو ہی خدا مان لیا۔ بلکہ خدا کیلئے ان کا کوئی مقرر معیار ہی نہیں تھا۔ آگے فرمایا۔ بے شک جنہیں تم پوجتے ہو یہ تو تمہارے رزق کے ضامن نہیں یعنی انہیں تو اتنی بھی قدرت نہیں کہ وہ تمہیں رزق دے سکیں۔ اس لئے کہ وہ ایک ذرے کے بھی مالک نہیں۔ رزق اللہ تعالیٰ کے ہاں ہی تلاش کرو جو تمام مخلوق تک رزق پہنچانے والا ہے۔ لہذا اس قادر رب کی عبادت کرو اور اس کی نعمتوں پر اس ذات کا شکریہ ادا کرو تا کہ تمہیں مزید نعمتیں ملیں اور یہ بات بھی جان لو کہ بالآخر تم اسی ذات کی طرف لوٹ کر جاؤ گے یعنی بروز قیامت جب تم قبروں سے اٹھو گے تو سیدھے رب کی بارگاہ میں جاؤ گے۔

(آیت نمبر۱۸) اگر تم مجھے جھٹلاؤ گے یعنی جو تمہیں باتیں بتا رہا ہوں ان میں تم مجھے جھوٹا کہو گے تو میرا بگڑے کا کیا؟ یاد رکھو تم سے پہلی امتوں نے بھی اپنے وقت کے انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلایا۔ جیسے شیث، ادریس اور نوح علیہم السلام کو ان کی قوموں نے جھٹلایا تو اس سے انبیاء کرام علیہم السلام کا کیا بگڑا۔ ان قوموں نے ان انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کر کے اپنا ہی نقصان کیا کہ ان پر عذاب نازل ہوئے۔ اسی طرح اے اہل مکہ تم بھی میری تکذیب کر کے اپنا ہی نقصان کرو گے۔ رسول کے ذمہ تو یہی ہوتا ہے کہ وہ احکام الٰہی امت تک پہنچائیں اگر کوئی تصدیق کرے گا تو اس کا اپنا فائدہ ہے اور تکذیب کرے گا تو وہ اپنا نقصان کرے گا اللہ کے رسول ﷺ کا وہ کیا بگاڑے گا۔ لہذا میری جو ڈیوٹی تھی وہ میں نے پوری کر دی کہ اللہ تعالیٰ کے احکام تم تک پہنچا دیئے۔ اب قیامت کے دن مجھے نہیں پوچھا جائیگا بلکہ تم اپنے کرتوتوں کی سزا خود ہی پاؤ گے۔

فائدہ: اس آیت میں کفار کو وارننگ دی گئی کہ تکذیب و انکار سے تم اپنا بہت بڑا نقصان کرو گے اور نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی اور مزید صبر کی تلقین کی گئی۔



اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

کیا نہیں دیکھا انہوں نے کیسے ابتداء فرمائی ہے اللہ نے مخلوق کی پھر اسے لوٹا کے بنائیگا۔ بے شک یہ اوپر اللہ کے

يَسِيْرٌ ⑲ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ

آسان ہے۔ فرمادو چل پھر کے زمین میں دیکھو کیسے ابتداء کی مخلوق کی۔ پھر اللہ اٹھاتا ہے

النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ج ⑳

اٹھان دوسری۔ بے شک اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔

(آیت نمبر۱۹) کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے پیدا کیا مخلوق کو پہلی مرتبہ۔

فائدہ: یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے تا کہ اہل مکہ کو تنبیہ ہو کہ قیامت کے بارے میں اتنے دلائل کے ہوتے ہوئے وہ اتنے بے وقوف ہیں کہ وہ ان کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے۔

فائدہ: مراد یہ ہے کہ کیا ان قریش مکہ کو معلوم نہیں۔ یعنی وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو مادہ اور بغیر مادہ کے تخلیق فرما رہا ہے پھر انہیں ختم فرمائے گا اس کے بعد پھر اسے نئے وجود کے ساتھ لوٹائے گا اور یہ لوٹانا یا دوبارہ وجود میں لانا اس کیلئے کوئی مشکل نہیں اس کی مثال یوں سمجھیں کہ پہلے سال انگوریاں یا پھل وغیرہ پیدا فرمائیں۔ پھر وہ ختم کر کے پھر دوبارہ اسی جگہ اسی طرح کا پھل لگا دیا اسی طرح دوبارہ مخلوق کو وجود میں لانا اللہ تعالیٰ کیلئے آسان ہے اس لئے کہ اسے دوبارہ وجود میں لانے کیلئے کسی چیز کی محتاجی نہیں ہے۔

(آیت نمبر۲۰) اے پیارے محبوب ان منکرین قیامت سے فرمادیں کہ تم زمین کے مختلف مقامات تک سفر کرو اور پھر دیکھو مخلوق کی کثرت جن کی شکلیں جدا جدا کام اور حالات مختلف ہونے کے باوجود کیسے انہیں پہلی مرتبہ پیدا فرمایا اسی طرح اللہ دوبارہ آخرت میں اٹھائیگا۔ یعنی تم زمین پر چل پھر کر مشاہدہ کرو تو تمہیں یقین ہو جائیگا کہ جس نے یہ اتنی مخلوق پہلی مرتبہ ایجاد کر لی وہ آخرت میں دوسری مرتبہ یوں ہی ایجاد فرمائے گا۔ اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور تمہیں دل میں یقین رکھنا چاہئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ اس کی قدرت ذاتی ہے۔ وہ سب کچھ کر سکنے پر بلکہ تمام ممکنات پر قادر ہے جس طرح وہ پہلی مرتبہ پیدا کر سکتا ہے۔ اسی طرح دوبارہ لوٹا بھی سکتا ہے۔

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾

عذاب دیتا ہے جسے چاہے اور رحم فرماتا ہے جس پر چاہے۔ اور اسی کی طرف تم کو پلٹنا ہے۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۡ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور نہ تم عاجز کر کے نکل سکتے ہو زمین میں اور نہ آسمان میں۔ اور نہیں کوئی تمہارا سوا اللہ کے

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ع ﴿۲۲﴾

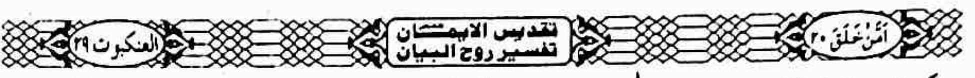
کوئی حمایتی اور نہ مددگار۔

(آیت نمبر۲۱) قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرنے کے بعد جسے چاہے گا عذاب دے گا۔اس سے مراد منکرین قیامت ہیں اور رحم فرمائے گا۔جس پر وہ چاہے گا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا آخرت پر ایمان ویقین ہے اور تم اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے یعنی قیامت کے دن قبروں سے اٹھنے کے بعد مجرم کو اللہ تعالیٰ سزا دیگا۔اگر چاہے گا تو اس پر رحم فرمادیگا اور نیک اعمال والے کو اچھا بدلہ دے گا۔جتنا عمل اچھا اتنا ہی بدلہ بھی اچھا ملے گا۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے۔عذاب دینا اس کے عدل کا تقاضا ہے اور جنت دینا اس کے فضل سے ہے۔لیکن اس کا فضل پانے کیلئے ایمان اور عمل صالح کی اشد ضرورت ہے۔

روحانی نسخے:(۱) زادالمسیر میں ہے کہ عذاب بدخلقی کی وجہ سے اور رحمت خوش خلقی کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے۔(۲) بعض بزرگوں نے فرمایا عذاب دنیا کی محبت سے اور رحمت ترک دنیا سے ہے۔(۳) بعض نے کہا عذاب دنیا کی حرص سے اور رحمت قناعت سے ملتی ہے۔(۴) بعض نے کہا کہ عذاب بدعت (بری) سے اور رحمت سنت پہ عمل کی وجہ سے۔(۵) امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عذاب اسے ہوگا۔جو نفس کا غلام ہوگا اور رحمت اُسے ملے گی جو اپنے امور اللہ کے سپرد کردے گا۔

(آیت نمبر۲۲) اور نہیں ہو تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کر دینے والے کہ وہ حکم یا قضا جاری نہ کر سکے نہ تم بھاگ کر کہیں نکل سکتے ہو کہ وہ تمہیں پا نہ سکے۔زمین کی وسعتوں میں کہیں جا کر چھپ جاؤ یا زمین کے اندر چلے جاؤ۔یا آسمانوں کے قلعوں میں کہیں محفوظ ہو جاؤ۔مراد یہ ہے کہ تم بھاگ کر جہاں بھی جاؤ۔اللہ تعالیٰ کی ذات وہاں ہی ہوگی۔



وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَ اُولٰٓئِكَ

اور جنہوں نے انکار کیا آیات خداوندی اور اس کے ملنے سے وہی ناامید ہیں میری رحمت سے۔ اور ان ہی

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾

کیلئے عذاب دردناک ہے۔

(بقیہ آیت نمبر۲۲) یعنی جہاں بھی جاؤ۔ اس کے حکم وقضا سے بھاگ نہیں سکتے وہ تمہیں پکڑے گا پھر جو چاہے گا اپنا حکم جاری فرمائے گا پھر تمہارا اللہ کے سوا کوئی حمایتی ہوگا نہ کوئی مددگار یعنی اس کے سوا کوئی بچانے والا نہیں۔ جو تمہیں ان بلاؤں سے بچائے جو زمین سے ظاہر ہوتی ہیں۔ یا وہ مصائب جو آسمان سے اترتی ہیں۔ بچانے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

(آیت نمبر۲۳) اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا۔ اور ہماری ملاقات کے منکر ہوئے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ آیات اللہ سے کفر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان آیات سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر استدلال نہ کیا جائے بلکہ انہیں اس کے غیر کی طرف منسوب کر دیا جائے اور اس کی نعمتوں کا انکار کر دیا جائے۔

آگے فرمایا کہ اس صفت والے لوگ میری رحمت سے ناامید ہو گئے یا وہ قیامت کے دن میری رحمت سے ناامید ہو جائیں گے یا وہ دنیا میں ہی ناامید ہیں۔ اس لئے وہ قیامت کے دن اٹھنے اور اس میں جزاء وسزا ملنے کے منکر ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا جو ان صفات سے موصوف ہیں۔ یعنی جو آیات اللہ کے منکر ہیں وہ دوسرے کفار سے الگ ہوں گے یعنی امتیازی صورت میں ہوں گے۔

آگے فرمایا کہ ان کی ان بری صفات کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ جس کے شدت والم کا کوئی اندازا نہیں لگا سکتا۔

سبق: مومنوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں اور نہ اس کے عذاب سے بے خوف ہو جائیں کیونکہ یہ بھی کفر ہے۔ بلکہ انہیں چاہئے کہ وہ اس کی رحمت کے امیدوار بھی رہیں اور اس کے عذاب کے خوف میں بھی رہیں (کیونکہ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے)

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ

تو نہیں تھا جواب ان کی قوم کا مگر یہ کہ بولے قتل کر دو اسے یا جلا دو اسے تو پھر بچا لیا اسے اللہ نے آگ سے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

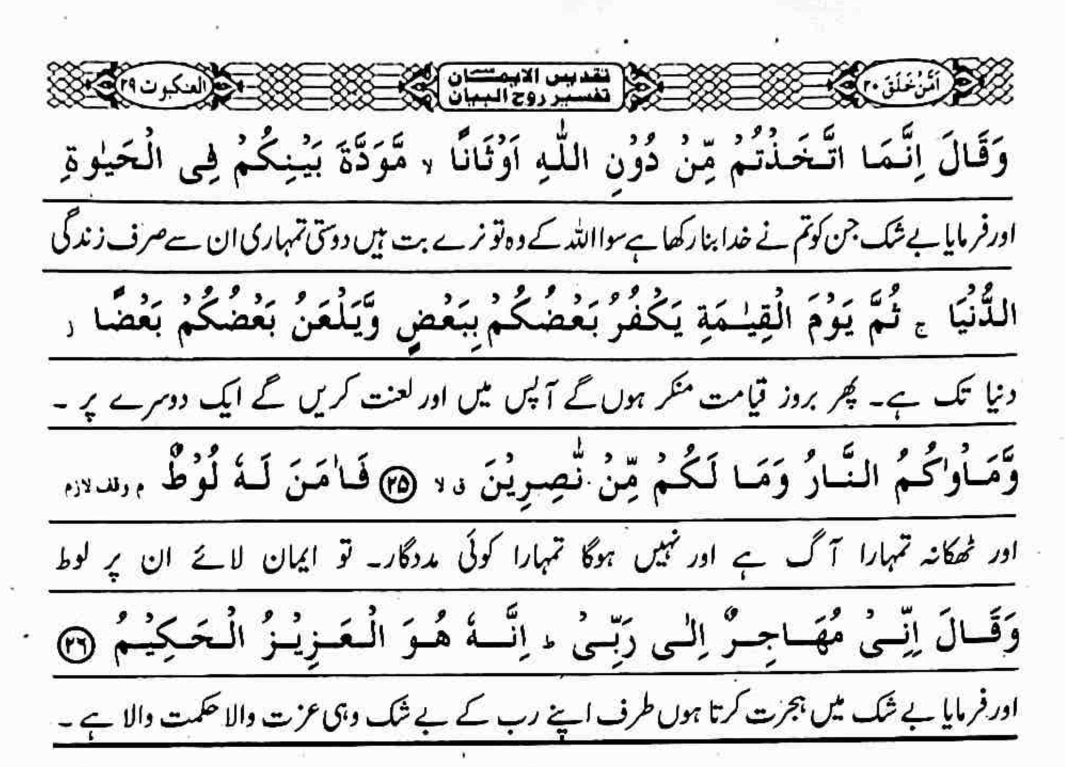
بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں اس قوم کیلئے جو ایمان لائے۔

(آیت نمبر۲۴) تو پھر نہیں تھا ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا جواب۔ یعنی وہ ابراہیم علیہ السلام کی کسی بات کا جواب نہ دے سکے۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام کے دلائل کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

فائدہ: یعنی جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا بت پرستی چھوڑ دو اور صرف اللہ کی عبادت کرو اور صرف اسی سے ڈرو تو ان کی قوم کا صرف یہی جواب تھا کہ ابراہیم کو قتل کر دو۔ یا اسے آگ میں جلا دو۔

فائدہ: اس قوم کی بے وقوفی کا اس آیت میں اظہار ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کو صحیح جواب نہ دے سکے تو قتل کرنے یا جلا دینے کی دھمکی دے دی۔ یہی حالت مناظرے میں سے ہارنے والے کی ہوتی ہے تاکہ مخالف خاموش ہو جائے تو ان کفار نے بہت بڑی آگ جلا کر ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں جلتی آگ میں بھی جلنے نہیں دیا اور انہیں نجات بخش دی۔ وہی آگ ابراہیم علیہ السلام کیلئے گل و گلزار بن گئی۔ ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی۔ (نمرود بھی دیکھ کر حیران تھا۔ کہ اتنی بڑی آگ میں ابراہیم ایسے بیٹھے ہیں۔ جیسے کوئی باغ کے اندر پھولوں پر بیٹھتا ہے۔)

آگے فرمایا کہ بے شک اس میں یعنی ابراہیم علیہ السلام کو جلتی ہوئی آگ سے بچانے میں بہت ساری آیات یعنی نشانیاں ہیں۔ ایسی قوم کیلئے جو ایمان و یقین رکھتے ہیں کیونکہ ایمان و یقین والے ہی اس سے نفع پاتے ہیں۔ کافر تو اس سے محروم ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔



وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ

اور فرمایا بے شک جن کو تم نے خدا بنا رکھا ہے سوا اللہ کے وہ تو نرے بت ہیں دوستی تمہاری ان سے صرف زندگی

الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ

دنیا تک ہے۔ پھر بروز قیامت منکر ہوں گے آپس میں اور لعنت کریں گے ایک دوسرے پر۔

وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وقف لازم

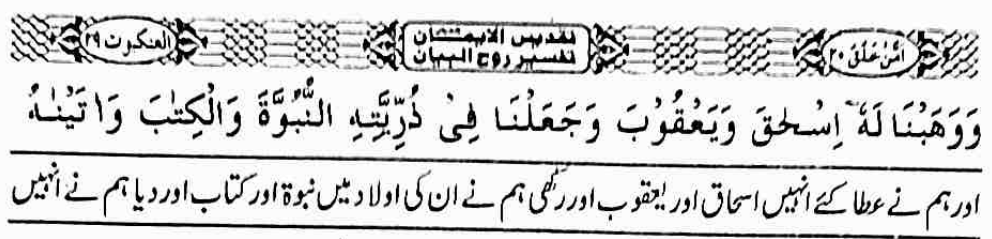
اور ٹھکانہ تمہارا آگ ہے اور نہیں ہوگا تمہارا کوئی مددگار۔ تو ایمان لائے ان پر لوط

وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٦﴾

اور فرمایا بے شک میں ہجرت کرتا ہوں طرف اپنے رب کے بے شک وہی عزت والا حکمت والا ہے۔

(آیت نمبر ٢٥) جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ سوائے اس کے نہیں یہ جنہیں تم نے اللہ کے سوا (بتوں) کو خدا بنا رکھا ہے۔ جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل بھی نہیں ہے یہ تو بت کے سوا کچھ نہیں اور تمہاری ان سے محبت ہے کہ تم ان سے جدا نہیں ہوتے اور ان سے محبت کا تعلق بھی اس دنیا کے ساتھ ہے۔ دنیا سے جوں ہی جاؤ گے تو یہ محبت خود ہی دشمنی میں بدل جائیگی یعنی تم ایک دوسرے کے دشمن بن کے قیامت کے دن ان کی عبادت کے ہی منکر ہو جاؤ گے اور تم ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور گالیاں دو گے یعنی قیامت کے دن اللہ بتوں کو بولنے کی طاقت دے گا اور وہ اپنے پوجنے والوں پر لعنت کریں گے اور اپنے سے دور کریں گے اور اے بت پرستو تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے۔ بس اسی میں رہو گے اور کہیں نہیں جا سکو گے اور تمہارا کوئی مدد کرنے والا نہیں ہوگا جو تمہاری جان چھڑائے جیسے اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری جلائی ہوئی آگ سے بچایا۔

(آیت نمبر ٢٦) **پہلا مہاجر** : جناب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ آپ بابل سے حران میں تشریف لائے۔ جو کوفہ کے قریب ہے۔ آپ کے ساتھ آپ کے بھتیجے لوط علیہ السلام تھے (اور آپ کی اہلیہ حضرت سارہ تھیں۔ جن کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ایک بادشاہ کی بیٹی تھیں۔ مصر سے گذرتے ہوئے ایک بادشاہ نے ان کی گستاخی کی۔ جس پر اس کی پکڑ ہوئی تو اس نے بیٹی یا اپنی خاص لونڈی حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کو بی بی سارہ سلام اللہ علیہا کی خدمت کیلئے ساتھ کر دیا۔



اور ہم نے عطا کیے انہیں اسحاق اور یعقوب اور رکھی ہم نے ان کی اولاد میں نبوۃ اور کتاب اور دیا ہم نے انہیں

اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾

اس کا بدلہ دنیا میں۔ اور بے شک وہ آخرت میں مقربین سے ہوں گے۔

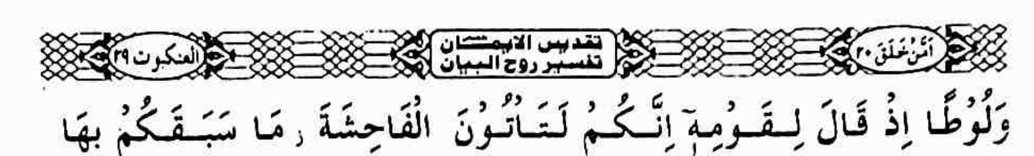
(بقیہ آیت نمبر ۲۶) انہوں نے وہ جناب ابراہیم کی خدمت میں پیش کر دی۔) حضرت ہاجرہ کے بطن مبارک سے جناب اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے جبکہ آپ کی عمر اسی سال تھی۔ اور ایک سو بیس سال کی عمر میں اسحاق علیہ السلام حضرت سارہ کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے تو آپ پر لوط علیہ السلام ایمان لائے تو اس نار نمرود سے نکلنے کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ میں اپنے رب کی طرف یعنی رب تعالیٰ کے حکم سے فلسطین کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں تو آپ فلسطین میں اور لوط علیہ السلام نبی بن کر سدوم کی طرف تشریف لے گئے۔ آگے فرمایا بے شک وہ اللہ تعالیٰ بڑی عزت والا ہے اور حکمت والا ہے۔

(آیت نمبر ۲۷) ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام کے بعد حضرت سارہ کے بطن مبارک سے اسحاق علیہ السلام عطا کیے اور پھر اسحاق علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام عطا کیے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کے کل آٹھ بیٹے تھے:

(۱) حضرت ہاجرہ سے اسماعیل علیہ السلام۔ (۲) حضرت سارہ سے اسحاق علیہ السلام، حضرت قطورہ سے (۳) یسقان۔ (۴) زیران۔ (۵) مدین۔ (۶) مدائن۔ (۷) سباق۔ (۸) سوخ۔

آگے فرمایا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کی اولاد میں نبوت رکھی۔ یعنی زیادہ تر انبیاء کرام علیہم السلام ان کی ہی اولاد سے ہوئے۔ منقول ہے کہ آپ کی اولاد میں ہزار سے زیادہ نبی ہوئے آپ گویا شجر الانبیاء ہیں۔ اور فرمایا کہ ہم نے ان کی اولاد میں کتاب بھیجی۔ یہ بھی آپ کی ہی اولاد میں آئیں۔ گویا چاروں کتابیں بھی آپ کی ہی اولاد کے انبیاء کرام علیہم السلام کو ملیں (قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ توراۃ موسیٰ، انجیل عیسیٰ اور زبور داؤد علیہم السلام کو یہ تینوں اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔)



وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ز مَا سَبَقَكُمْ بِهَا

اور لوط نے جب کہا اپنی قوم سے بے شک تم تو کرتے ہو بے حیائی۔ نہیں تم سے پہلے کی یہ

مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾

کسی ایک نے دنیا بھر میں۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۷) آگے فرمایا کہ ہم نے انہیں اجر عظیم عطا کیا۔ دنیا میں انبیاء واولیاء جیسی اعلیٰ اولاد عطا کر کے کہ اس وقت اولاد عطا کی جبکہ عموماً اولاد نہیں ہوتی۔ یعنی اسی سال کی عمر کے بعد اور پھر ہمیشہ ان میں سے ہی نبی آتے رہے۔ تاکہ قیامت تک ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہو اور ان پر صلوٰۃ وسلام ہو۔ آگے فرمایا کہ بے شک وہ آخرت کے دن صالحین میں ہوں گے اس سے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے پیروکار مراد ہیں۔

صدقہ جاریہ: (ماشاءاللہ) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو ایسی اولاد عطا فرمائی جو بمنزلہ صدقہ جاریہ کے ہے جن کی دعاؤں اور عبادات سے والدین بھی مستفیض ہوتے ہیں۔ یعنی یہ دائمی صدقات میں سے ہیں۔ جیسے قرآن اور دینی کتابیں وقف کی جائیں اور لوگ پڑھ کر ان سے فیضیاب ہوں۔

فائدہ: تاویلات میں ہے کہ انسان کی سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ اس کی اولاد میں وارثین انبیاء واولیاء وعلماء حقہ پیدا ہوں کیونکہ ان اولیاء کے طفیل ہی دنیا قائم ہے اور ان ہی کے طفیل اسلام کو ظاہری اور باطنی ترقیاں ملتی ہیں۔

(آیت نمبر ۲۸) اور اے محبوب لوط علیہ السلام کو جب ہم نے ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے اپنی قوم سے جا کر فرمایا کہ اے لوگو تمہارا فعل اور تمہاری ہر خصلت انتہائی بری ہے۔ خصوصاً لواطت جو اس سے پہلے کسی نے یہ برا فعل نہیں کیا یعنی تمام جہانوں میں یہ برا فعل اور یہ قبیح عمل جس کی قباحت دور تک تم نے پھیلائی ہے اس سے پہلے ایسا برا کام کسی نے نہیں کیا چونکہ تمہارے اس خبیث فعل سے تمہاری طبائع ہی خبیث ہوگئی ہیں۔ اور تمہارے دل ہی پلید ہوگئے۔ اس لئے تمہیں یہ فعل برا معلوم نہیں ہوتا ورنہ یہ سخت قابل نفرت فعل ہے۔

فائدہ: چونکہ اس سے پہلے صدیاں گذریں مگر بدفعلی کسی قوم میں نہیں پائی گئی انہوں نے اور بڑے بڑے جرم کئے مگر یہ عمل انہوں نے نہیں کیا اس لئے فرمایا کہ تم مردوں سے مباشرت کر کے یہ برا کرتے ہو اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ خبیث یہ برا فعل برسر عام کرتے تھے راستے میں یا کھلے میدانوں میں اور اس کا ذکر بھی تمام جگہ کرتے تھے۔ گویا شرم وحیاء ہی ان سے ختم ہوگئی تھی۔ مقولہ ہے۔

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ۬ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ

کیا تم بدفعلی کرتے ہو مردوں سے اور لوٹ مار کرتے ہو راہ چلتے لوگوں پر اور کرتے ہو اپنی مجلس میں بری باتیں

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾

پھر نہ تھا جواب ان کی قوم کا مگر یہ کہ بولے لاؤ ہم پر۔ عذاب الٰہی اگر ہو تم سچوں سے

(بقیہ آیت نمبر ۲۸) (بے حیا بن پھر جو چاہے کر)۔ اس لئے لوط علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ تم بے پرواہ ہو کر اس بے حیائی کا عمل کرتے ہو جس فعل کے کرنے کی عقل بھی اجازت نہیں دیتا۔ عقل بھی اسے قبیح کہے تم اس برے فعل کو کیسے کرتے ہو۔ اگر چہ ان کی بداعمالیاں اور بھی بہت تھیں۔ مگر اس بدعملی کے موجد وہی لوگ ہیں۔

(آیت نمبر ۲۹) کیا تم مردوں کے ساتھ یہ برا فعل کرنے آتے ہو اور دوسرا یہ کہ تم ڈاکہ زنی کرتے ہو تا کہ تم لوگوں کے مال غصب کرو اور تمہارے ڈر سے لوگ اس راستے کو ہی چھوڑ دیتے ہیں۔

فائدہ: مروی ہے کہ لوط کی قوم والے راہ گیروں سے مال چھین لیتے تھے۔ یعنی ان کی یہ دو بہت بڑی برائیاں تھیں۔ (۱) نسل کشی کیونکہ لواطت سے آگے نسل نہیں چلتی (نسل تو نر مادہ کے ملنے سے چلتی ہے۔ نر نر سے یا مادہ مادہ سے ملے تو بیج ضائع ہوتا ہے)۔ لوطی آدمی کی ویسے بھی آگے نسل نہیں چلتی۔ خواہ وہ کسی عورت سے شادی وغیرہ کر لے۔ آگے فرمایا کہ تم اپنی مجلس میں بھی بری بری باتیں کرتے ہو۔ منکر وہ باتیں جنہیں عقل اور شرع دونوں برا کہیں۔ جیسے جاہل لوگوں کا طریقہ ہے۔۔

لوطیوں کی برائیاں:

(۱) مجلس میں گندی باتیں۔ (۲) بدفعلی کرنا۔ (۳) سارنگیاں بجانا۔ (۴) مزامیر۔ (۵) بے ہودہ مزاحیں کرنا وغیرہ۔ لوطیوں کی چھٹی برائی یہ تھی کہ وہ راہ چلتے لوگوں پر کنکریاں پھینکتے تھے یہ بھی بہت برا فعل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ اس سے کسی کی آنکھ نکل سکتی ہے یا دانت ٹوٹ سکتا ہے۔ بڑا زخم لگ سکتا ہے۔

ساتویں برائی یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے کو فحش گالیاں دیتے تھے۔ مزاح میں ایک دوسرے کو گالیاں دیتے تھے۔

فائدہ: بزرگ فرماتے ہیں۔ مزاح میں گالیاں دینا شرک صغیر اور لڑائی اور جنگ وجدال کا سبب ہے۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ

عرض کی میرے رب میری مدد فرمایا اوپر قوم فسادی کے۔ اور جب آئے ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس

بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

مژدہ لیکر بولے بے شک ہم ہلاک کرنے والے ہیں اس بستی والوں کو۔ بے شک اس میں رہنے والے ہیں ظالم

(بقیہ آیت نمبر۲۹) ان میں آٹھویں برائی یہ تھی کہ وہ کبوتر بازی کرتے تھے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کبوتر بازی لوطیوں کا فعل ہے۔ اس فعل والا ہمیشہ فقر و فاقہ میں رہتا ہے۔

آگے فرمایا کہ لوط علیہ السلام کی قوم کا اور تو کوئی جواب نہ تھا۔ مگر انہوں نے یہی کہا کہ ہم اس بے حیائی کے عمل کو نہیں چھوڑ سکتے۔ لہذا آپ جس عذاب کا ڈر سنا رہے ہیں وہ لے آئیں۔ اگر آپ سچے ہیں۔ یعنی لوط علیہ السلام نے جب بھی انہیں اس بدفعلی سے ڈرایا تو ان کا یہی جواب ہوتا تھا کہ آپ عذاب لے آئیں۔

(آیت نمبر۳۰) بالآخر لوط علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے میرے رب کریم یہ تو اپنے جرم سے باز نہیں آتے۔ الٹا مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ تو میری مدد فرما اور اپنے وعدہ کے مطابق ان فسادی لوگوں پر عذاب نازل فرما۔ اس لئے کہ یہ مفسد لوگ خود مانگتے ہیں اپنے بدعمل سے باز آنے کے بجائے عذاب مانگتے ہیں۔ اس انتہائی برے عمل کے بانی بھی یہی ہیں ان سے پہلے یہ کام کسی نے نہیں کیا اور آنے والی نسل کیلئے یہ برا فعل چھوڑ رہے ہیں۔ لہذا اے اللہ انہیں عبرتناک سزا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ اور حکم دیا کہ آپ اپنی اولاد وغیرہ لے کر ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے جائیں۔

(آیت نمبر۳۱) اور جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہمارے فرشتے خوش خبری لے کر آئے۔ یعنی جب جبریل علیہ السلام اور ان کے ساتھی ابراہیم علیہ السلام کو صاحبزادے اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری سنانے آئے اور انہوں نے خوشخبری کے علاوہ یہ بھی کہا کہ ہم سدوم بستی کو بھی تباہ کرنے آئے ہیں۔ اس لئے کہ وہاں کے رہنے والے لوگ ظالم ہیں کہ کئی برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ خصوصاً کفر و شرک اور لواطت جیسے برے فعل سے باز نہیں آتے۔

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ز لَنُنَجِّيَنَّهٗ

فرمایا بے شک اس میں لوط ہیں۔ بولے ہمیں خوب علم ہے کہ کون اس میں ہے ہم ضرور بچائیں گے اسے

وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا

اوراس کے گھر والوں کومگراس کی بیوی ہے پیچھے رہنے والوں سے۔اور جب آگئے ہمارے فرشتے لوط کے پاس

سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۗ اِنَّا

تو ناگوار ہوا انہیں اور دل تنگ ہوئے ان سے تو فرشتوں نے کہا نہ ڈریں اور نہ غم کریں۔ بے شک ہم

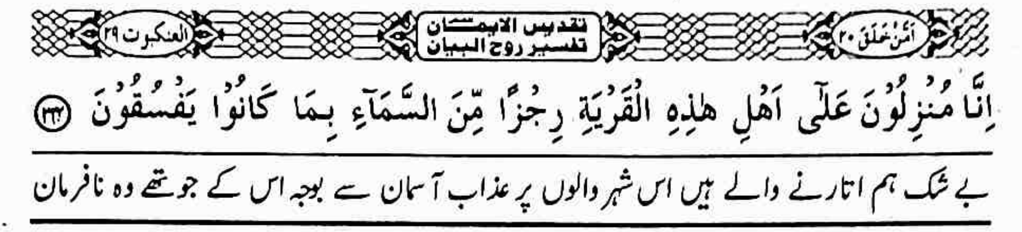
مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

بچائیں گے آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو سوا آپ کی بیوی کے کہ وہ ہے پیچھے رہنے والوں سے۔

(آیت نمبر٣٢) ابراہیم علیہ السلام نے جب سدوم والوں کی ہلاکت کا سنا تو اہل ایمان پر شفقت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہاں تو لوط پیغمبر بھی ہیں۔اس شہر کو کیسے تباہ کیا جائیگا تو فرشتوں نے کہا کہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ اس شہر میں کون مسلمان ہیں اور کون نہیں ہیں۔ہم لوط علیہ السلام کے حال سے بے خبر نہیں ہیں۔آپ ڈریں نہیں کہ وہاں اہل ایمان پر زیادتی ہوگی۔ضرور بہ ضرور ہم انہیں بھی بچائیں گے اور ان کے گھر والوں کو بھی بچائیں گے۔اہل سے مراد گھر والے یا آپ کے پیروکار ہیں۔گھر والوں سے مراد آپ کی دونوں صاحب زادیاں ہیں۔اور آپ کی بیوی پیچھے رہنے والوں یا عذاب پانے والوں کے ساتھ ہوگی کیونکہ وہ بستی والوں سے محبت کرتی تھی۔اور لوط علیہ السلام کی ان سے جا کر چغلیاں کھاتی تھی۔اس لئے عذاب میں بھی ان ہی کے ساتھ ہلاک ہوئی۔

فائدہ: فرشتوں نے کہا۔ہم عذاب سے پہلے ایمان والوں سے کہیں گے کہ شہر چھوڑ کر یہاں سے نکل جاؤ۔ جب وہ وہاں سے چلے جائیں گے سوائے ان کی بیوی کے تو پھر ہم ان پر عذاب لے آئیں گے۔

(آیت نمبر٣٣) اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے آگئے یعنی ابراہیم علیہ السلام سے فارغ ہو کر لوط علیہ السلام کے پاس آگئے تو لوط علیہ السلام کو سخت ملال لاحق ہوا۔چونکہ فرشتے بے ریش انتہائی حسین لڑکوں کی شکل میں آئے اور آپ کی قوم والے حسین لڑکوں خصوصاً مسافروں کو دیکھ کر ہلکے ہو جاتے تھے اور ان سے بدفعلی کئے بغیر نہیں چھوڑتے تھے۔لوط علیہ السلام کی اس طرف توجہ نہ ہوئی کہ یہ فرشتے ہیں چونکہ وہ بے ریش لڑکوں کی شکل میں تھے۔



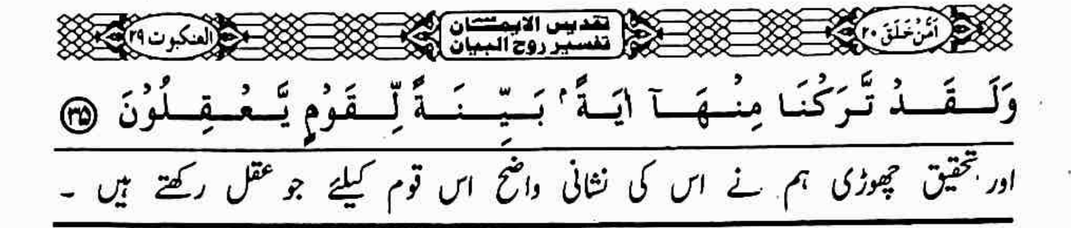
بے شک ہم اتارنے والے ہیں اس شہر والوں پر عذاب آسمان سے بوجہ اس کے جو تھے وہ نافرمان

(بقیہ آیت نمبر۳۳) فاخرہ لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ خوشبو ان سے مہک رہی تھی تو آپ نے یہ سمجھا کہ کوئی اجنبی نوجوان ہیں اس لئے ان کی وجہ سے لوط علیہ السلام بہت دل تنگ ہوئے اور سوچ میں پڑ گئے کہ کون سی تدبیر ہو کہ اس شہر کے رہنے والوں کو ان کی خبر نہ ہو اور ان مہمانوں کو اس بدکردار قوم سے بچالیا جائے اور ان مہمانوں کو باحفاظت یہاں سے بھیج دیا جائے یا کسی خاص طریقے ان ظالموں سے انہیں بچالیا جائے تا کہ کوئی انہیں نقصان نہ پہنچے۔ یعنی یہ اپنی عادت کے مطابق ان سے برائی نہ کریں۔ لوط علیہ السلام ابھی اس کشمکش میں بلکہ پریشانی کے عالم میں تھے کہ فرشتوں نے کہا کہ ڈریں مت آپ کی قوم ہم تک نہیں پہنچ سکے گی۔ یعنی لوط علیہ السلام کو تسلی دی کہ آپ کسی قسم کا نہ خوف کریں نہ فکر کریں نہ غم کریں ہم اس قوم کی ستیاناس کرنے والے ہیں۔ لوط علیہ السلام کو وہ فکر ختم ہوگئی اب یہ کہ ہمارا کیا بنے گا تو انہوں نے کہا اس کا بھی فکر نہ کریں بے شک ہم آپ کو بھی اور آپ کے گھر والوں کو بھی بچالیں گے مگر آپ کی بیوی پیچھے رہنے والوں سے ہے۔

(آیت نمبر۳۴) بے شک ہم اس بستی یعنی سدوم والوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔ ان کی شکلیں بھی تبدیل ہوں گی اور پھر ان کو آسمانوں کے قریب لے جا کر الٹا دیا جائے گا پھر ان پر پتھر برسیں گے پھر یہ زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے۔ رجز وہ سخت ترین عذاب ہے کہ جن پر اترے انہیں سخت پریشان اور ذلیل کر دیتا ہے۔ آگے فرمایا کہ اتنا سخت عذاب لانے کا سبب یہ ہے کہ اور گناہوں کے علاوہ وہ فسق کرتے تھے (کافر تو پہلے ہی تھے) فسق یہ کہ اعلانیہ اغلام بازی یعنی کھلے عام لواطت کرتے تھے۔

فائدہ: عذاب سے پہلے لوط علیہ السلام سے فرشتوں نے کہا کہ آپ اہل کے ساتھ شہر سے نکل جائیں۔ جب وہ بہت دور نکل گئے۔ **فائدہ**: اس سے ہمیں یہ عقیدہ بھی ملا کہ جہاں اللہ والے لوگ ہوتے ہیں وہ بستیاں ہر قسم کی آفات سے بچی رہتی ہیں۔ ان کی وجہ سے تباہ نہیں ہوتیں۔ جن بستیوں پر اللہ تعالیٰ عذاب نازل فرماتا ہے اللہ والوں کو وہاں سے پہلے ہی نکال لیا جاتا ہے۔

جب لوط علیہ السلام بمعہ بچیوں کے وہاں سے تشریف لے گئے تو جناب جبریل علیہ السلام نے ایک ہی پَر پر بستیوں کو اٹھایا اور اوپر لے جا کر ان کو الٹ دیا پھر وہ شہر لوگوں کیلئے عبرت کا نشان بن گیا۔ ان کی تعداد چھ لاکھ کے قریب تھی۔



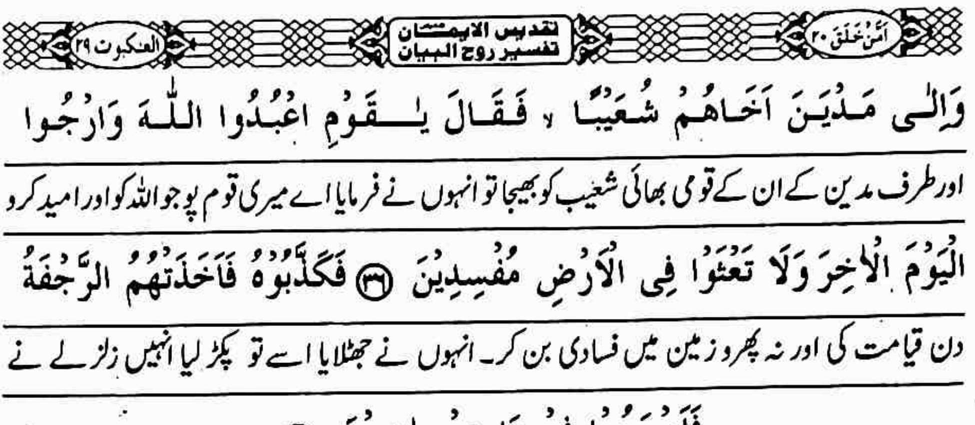
وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور تحقیق چھوڑی ہم نے اس کی نشانی واضح اس قوم کیلئے جو عقل رکھتے ہیں ۔

(آیت نمبر ۳۵) البتہ تحقیق ہم نے اس بستی کو عبرت کا نشان بنادیا۔ یعنی ہر طرف اس بستی کی تباہی کا چرچا اور ذکر ہونے لگا۔ ان کے گھروں کے کھنڈرات اور اوپر سے برسنے والے پتھروں کے نشانات عرصہ دراز تک آنے اور وہاں سے گذرنے والے لوگ کھنڈرات دیکھتے اور ان کی تباہی پر افسوس کرتے۔ ان کنوؤں کا پانی بھی سخت کڑوا ہو گیا۔

آگے فرمایا کہ اس واقعہ سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو عقل رکھتے ہیں۔ کیونکہ عقل والے ایسے واقعات سے ہی سبق حاصل کرتے ہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ایمان دار کی عقل کوتوال کی طرح ہے۔ ان کا عقل دل کے شہر کا پاسبان اور حاکم ہوتا ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ کی خدمت میں ایک شخص کی بہت تعریف کی گئی کہ وہ انتہائی نیک ہے۔ متقی ہے۔ پرہیز گار ہے تو آپ نے فرمایا کہ کیا وہ عقل بھی رکھتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی۔ ہم اس کی نیکی کی تعریف کررہے۔ آپ اس کی عقل کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ بے وقوف بہت بڑے فاسق وفاجر سے بھی زیادہ بد بخت ہے۔ کل بروز قیامت لوگ اپنے عقل سے ہی بڑے درجات پائیں گے ۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری، ج ۲)

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نجات دہندہ بھی ہے اور اپنے دشمنوں کو تباہ کرنے پر قادر بھی ہے جو لوگ کامیاب ہیں وہ انبیاء واولیاء ہیں اور وہ لوگ جو انبیاء واولیاء کے قریب ہوتے ہیں یعنی ان کی پیروی کرتے ہیں۔ قرب سے معنوی قرب مراد ہے کیونکہ ظاہری قرب اور اتصال کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ جب تک کہ باطنی قرب نہ ہو۔ جیسے لوط اور نوح علیہما السلام کی بیویوں کا ظاہری قرب تھا۔ مگر معنوی قرب نہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں خیانت کرنے والیاں کہا۔ اور آخرت میں وہ دونوں جہنم میں جائیں گی۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے خاوندوں کی خیانت کی اور ان کی اطاعت نہیں کی جبکہ وہ دونوں نبی کی بیویاں تھیں۔ **فائدہ**: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہدایت بھی قسمت سے ملتی ہے۔ ہدایت اگر قسمت میں نہیں ہے تو نبی کی بیوی ہو کر بھی بدقسمت رہ سکتی ہے۔ ہر ایک کی قسمت کا فیصلہ آسمانوں پر ہوتا ہے۔



وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا

اور طرف مدین کے ان کے قومی بھائی شعیب کو بھیجا تو انہوں نے فرمایا اے میری قوم پوجو اللہ کو اور امید کرو

الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٣٦﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

دن قیامت کی اور نہ پھرو زمین میں فسادی بن کر۔ انہوں نے جھٹلایا اسے تو پکڑ لیا انہیں زلزلے نے

فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٣٧﴾

پھر ہو گئے وہ اپنے گھروں میں اوندھے۔

(آیت نمبر ۳۶) اور مدین میں ان کی برادری سے شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔ یعنی وہ ان کے قومی بھائی تھے تو شعیب علیہ السلام نے انہیں توحید کی دعوت دیتے ہوئے کہا۔ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو یعنی ایمان لاؤ اور اسے وحدہ لاشریک مانو پھر تم آخرت میں اچھی امید رکھو۔ کیونکہ قیامت کا دن بڑا ہولناک ہے۔ لیکن نیک لوگ اس میں خوش وخرم ہوں گے۔ بعض نے آخر سے مراد موت کا دن مراد لیا ہے کیونکہ وہ بھی زندگی کا آخری دن ہے۔

آگے فرمایا کہ زمین میں فساد مچاتے ہوئے نہ پھرو۔ یعنی لوگوں کے مال غصب نہ کرو۔ اور خرید وفروخت میں کمی بیشی نہ کرو۔ اور مال کو ماپ تول کو پورا کرو اور زمین میں فساد نہ کرو۔ یعنی لوٹ گھسوٹ کر کے لوگوں کے مال ہڑپ نہ کرو۔

(آیت نمبر ۳۷) پس انہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلا دیا۔ حالانکہ شعیب علیہ السلام نے انہیں فساد سے منع کیا۔ لیکن وہ باز نہیں آئے۔ تو زلزلے کے شدید جھٹکے نے انہیں ایسا پکڑا کہ دیواریں ان پر گر پڑیں۔ سورہ ہود میں ہے کہ انہیں ایک صیحہ یعنی جبریل امین کی گرجدار آواز نے پکڑا۔ جو زلزلہ کا سبب بن گئی یعنی وہی آواز ہوا میں گھوم کر زمین کی تہہ میں چلی گئی تو اس سے زمین ایسی حرکت میں آئی کہ شہر کی سب دیواریں گریں پھر ان پر چھت گر پڑے۔ جس سے وہ ہلاک ہو گئے اس لئے فرمایا کہ ہو گئے وہ اپنے گھروں میں ہی منہ کے بل اوندھے اس لئے کہ انہوں نے اپنے نبی کی بات نہیں مانی تو اس وجہ سے انہوں نے اپنی بدعملی کی سزا پائی۔ اگر وہ نبی کی بات مان لیتے تو کامیاب ہوتے۔

فائدہ: اس قوم کی بداعمالیاں الگ تھیں۔ اور اس پر انہوں نے نبی کو جھٹلایا۔ جس کی وجہ سے ان پر عذاب آیا۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۛ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

اور قوم عاد اور ثمود کو ہلاک کیا اور تحقیق واضح ہیں تم پر ان کے مکان۔ اور مزین کیا شیطان نے ان کے کاموں کو

فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۙ ﴿۳۸﴾ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۗ

پھر روکا انہیں سیدھی راہ سے حالانکہ تھے سمجھنے والے۔ اور قارون اور فرعون اور ہامان

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا

البتہ تحقیق لائے ان کے پاس موسیٰ واضح نشانیاں پھر انہوں نے تکبر کیا زمین میں اور نہیں تھے وہ

سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

آگے نکل جانے والے۔

(آیت نمبر ۳۸) اسی طرح ہم نے قوم عاد قوم ثمود کو ہلاک کیا۔ قوم عاد حضرت ہود اور قوم ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے۔ انہوں نے بھی اپنے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو نہیں مانا تو وہ ہلاک ہو گئے۔ اے مکہ والو۔ تم پر تو ان کے کھنڈرات واضح ہیں کہ جب تم یمن کی طرف جاتے ہو تو راستے میں ان کے گرے پڑے مکانات جو کھنڈرات کی شکل میں تم وہاں سے گزرتے وقت دیکھتے ہو۔ ان کے برے اعمال کو بھی شیطان نے انہیں خوبصورت کر کے دکھایا۔ یہاں تک کہ کفر اور بڑے بڑے گناہ بھی انہیں اچھے کام نظر آتے تھے۔ اس طرح شیطان نے انہیں صراط مستقیم سے روکا۔ جس پر چل کر انہوں نے کامیاب ہونا تھا۔ وہ سیدھا راستہ توحید اور حق کا راستہ تھا۔ وہ اندھے بھی نہیں تھے بلکہ وہ سب کچھ دیکھنے والے تھے۔ یعنی اپنے آپ کو وہ صاحب بصیرت اور بڑا عقل مند سمجھتے تھے لیکن شیطان کی پیروی کر کے اپنے عقلوں سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اور حق و باطل میں تمیز نہ کر کے جانوروں کی طرح بے عقل رہے۔

(آیت نمبر ۳۹) اور قارون اور فرعون اور ہامان۔ ان تینوں نے زمین میں تکبر کیا۔ قارون کا ذکر پہلے کیا اس کی نسبی شرافت کی وجہ سے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا قریبی تھا تو یہاں قریش مکہ کو بھی تنبیہ کی گئی کہ تم بھی اپنی نسبی شرافت پر فخر کرتے ہو۔ لیکن نسبی شرافت سے قارون کو فائدہ نہیں پہنچا۔ تو تمہیں بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا ان مذکورہ تینوں کے پاس موسیٰ علیہ السلام واضح دلائل اور معجزات لے کر آئے تو انہوں نے زمین میں تکبر کے ساتھ حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ

پھر سب کو ہم نے پکڑا ان کے گناہ کی وجہ سے بعض پر پتھر برسائے۔ بعض کو گرج نے پکڑا

الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ

اور بعض کو دھنسایا ہم نے زمین میں۔ اور ان میں جن کو غرق کیا۔ اور نہیں ہے شان

اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٤٠﴾

اللہ کی کہ ان پر ظلم کرتا لیکن تھے وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر ٣٩) اور وہ نہیں تھے ہم سے آگے نکلنے والے یعنی ہم نے انہیں پکڑ لیا۔ اور وہ عذاب میں تباہ وبرباد ہو گئے۔ یعنی بھاگ کر کہیں وہ جا نہ سکے۔ نہ اس زمین سے نکل سکے۔ مجازاً ہر سبقت کرنے والے کیلئے یہ لفظ استعمال ہوا۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ سبقت کا معنی کسی چیز کو بڑھانا ہے۔ یعنی اللہ نے ہر بندے کیلئے اس کے عمل پر جزا میں سبقت رکھی ہے۔ اگر عمل نیک ہو تو جزاء بھی بڑھ کر ہو گی اور برے عمل کی سزا بھی بہت بری ہو گی۔

(آیت نمبر ٤٠) پھر ان مذکورین میں سے ہر ایک کو ہم نے ان کے گناہوں کے بدلے میں پکڑا۔ یعنی ہر ایک کو ان کے اپنے کرتوتوں کی سزا ملی۔ ایسا نہیں ہوا کہ بعض کو تو سزا ملی ہو اور بعض کو ہم نے یوں ہی چھوڑ دیا ہو۔ اخذ کا معنی اگرچہ ہاتھ سے پکڑنا ہے۔ لیکن مجازاً اس کے بہت سارے معانی ہیں۔ جو قرآن مجید میں بیان ہوئے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ ویسے تو جرم کے بغیر کسی کو سزا نہیں دیتا لیکن کسی کو اگر وہ سزا دے یا معاف کر دے اپنی حکمت کے تحت تو اسے کون روک سکتا ہے وہ بادشاہ ہے ہر چیز پر قادر ہے۔

آگے فرمایا کہ ان میں سے بعض وہ ہیں جن پر ہم نے پتھروں کی بارش برسائی۔ حاصبا چھوٹی کنکریوں کو کہا جاتا ہے۔ یہ عذاب قوم عاد پر آیا تھا۔ یا حاصبا سے مراد فرشتہ ہے۔ جس نے ان پر پتھر برسائے جیسے قوم لوط پر۔

آگے فرمایا ان میں سے بعض وہ تھے کہ جن کو گرجدار آواز نے پکڑا۔ یعنی جناب جبریل امین کی گرجدار آواز سے ان کے دل پھٹ گئے اور خوف سے ان کی روحیں نکل گئیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ جنہیں ہم نے زمین میں دھنسا دیا جیسے قارون اور اس کے ساتھی اور ان کا مال کثیر ان کے سروں پر رکھ کر اس کو بھی زمین میں دھنسا دیا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ

مثال ان کی جنہوں نے بنایا اللہ کے سوا کو اپنا مالک مثل مثال مکڑی کے۔ بنایا اس نے گھر۔

وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

اور بے شک کمزور ترین گھروں میں گھر مکڑی کا ہے۔ کاش ہوتے جانتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۰) اور ان میں بعض وہ تھے جنہیں ہم نے غرق کیا جیسے قوم نوح اور فرعونی۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے کوئی ظلم نہیں کیا کیونکہ یہ اس کی شان ہے ہی نہیں۔ لیکن وہ خود کفر و شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

فائدہ: (۱) وہب فرماتے ہیں کہ دنیا کی چٹلاس آخرت کی کڑواہٹ کا سبب ہے۔ (۲) اور دنیا کی کڑواہٹ آخرت کی مٹھیاس کا سبب ہے۔ (۳) دنیا کی خوشیاں آخرت کے غم کا سبب۔ (۴) اور دنیا کا حزن آخرت کی خوشی کا سبب ہے۔

سبق: سابقہ کفار کے انجام سے معلوم ہوا کہ انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کی تو سخت عذاب میں مبتلا ہوئے اور اگر وہ تکذیب کے بجائے ان کی باتیں مان لیتے تو ان کو معافی مل جاتی۔ اور عذاب میں مبتلا نہ ہوتے۔

فائدہ: ان آیات میں اہل مکہ اور آنے والے لوگوں کو عبرت دلائی کہ ظلم اور فساد سے باز آجائیں۔ اور نبی کی اتباع کر لیں۔ اس میں ان کی بہتری اور نجات ہے۔

دعا: ہم اللہ تعالیٰ سے نفس کی شرارتوں سے خلاص اور آخرت کی نجات کا سوال کرتے ہیں۔ (آمین)

(آیت نمبر ۴۱) مثال ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کے سوا اوروں کو اپنا خدا بنالیا۔ یہاں اولیاء سے مراد ان کے بت (معبودان باطلہ) ہیں۔ اس آیت کریمہ میں مشرکین کا رد ہے۔ جنہوں نے بتوں کو خدا بنالیا۔ (اس آیت میں اولیاء کی نفی نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جنہیں اولیاء نہیں بنانا تھا۔ انہیں اولیاء بنالیا تھا۔ ولی کا معنی یہاں کارساز یعنی سب کام بنانے والا اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے) بتوں کو خدا بنانے کی مثال ایسے ہی ہے جیسے عنکبوت (مکڑی) اپنا گھر بناتی ہے یعنی وہ تانا بنتی ہے اور اپنا گھر بناتی ہے جو سب گھروں سے کمزور تر گھر ہے جس سے صرف اسی کو شاید نفع ہوتا ہوگا یہی حال بت پرستوں کا ہے جنہوں نے ان کو اپنا خدا بنا رکھا تھا۔ جن سے نفع یا شفاعت کی امید لگائے بیٹھے تھے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٤٢﴾

بے شک اللہ جانتا ہے جس کی پوجا کرتے ہیں سوا اللہ کے جو کچھ ہیں۔ اور وہ عزت والا حکمت والا ہے

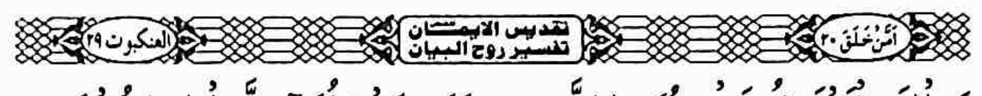
(بقیہ آیت نمبر ۴۱) بتوں سے امید ایسے ہے جیسے مکڑی اپنے بنائے ہوئے گھر کو اپنے بچاؤ کا ذریعہ سمجھ رہی ہے کہ اس میں سردی یا گرمی سے بچ جاؤں گی حالانکہ اس کا وہ گھر کسی کام کا نہیں۔ نہ گرمی سے بچائے نہ سردی سے نہ بارش سے نہ اور کسی تکلیف دہ چیز سے۔ معمولی سا ہوا کا جھونکا بھی آئے تو وہ بنا ہوا گھر اڑ جائے یوں ہی بت پرست جو بتوں کو اپنے نفع نقصان کا مالک بنائے بیٹھے ہیں وہ تو نہ پوجنے والوں کو کوئی خیر دے سکتے ہیں۔ نہ وہ نہ ماننے والوں کا کوئی نقصان کر سکتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ کاش اس بات کو وہ مشرک جان لیتے اور یقین کر لیتے کہ پتھروں کی کیا حیثیت ہے جو خود محتاج ہیں وہ کسی کا کام کیا بنائیں گے۔

عجوبہ : کاشفی مرحوم فرماتے ہیں کہ مکڑی اپنا جالا بنتی ہے لیکن وہ اسی کیلئے وبال جان بن جاتا ہے جس قید خانے میں وہ خود پھنس جاتی ہے اور اسی میں اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جو غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ پوجا ان کے لئے ہی وبال بن جائے گی کیونکہ بت پرستی اصل میں خواہش پرستی اور شیطان پرستی ہے اس کی سزا یہ ہوگی کہ انہیں منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ جس سے کبھی بھی چھٹکارا ممکن نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر ۴۲) اے محبوب ان کافروں کو سختی سے بتا دیں کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ کس چیز کو پوجتے ہیں۔ "یدعون من دون اللّٰہ" سے مراد بتوں کی پرستش ہے اکثر مفسرین نے اس کا معنیٰ "یعبدون" کیا ہے۔ یعنی جو بتوں کو پوجتے ہیں اور لفظ ما بھی غیر ذوی العقول کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد بت ہیں۔ یا ستارے وغیرہ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے کہ وہ اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے پر قادر ہے اور حکیم ہے یعنی وہ جلدی سزا نہ دے تو یہ بھی اس کی حکمت ہے جسے وہ خود ہی جانتا ہے۔

فائدہ: مشرکین کا اصلی خدا کو نہ پوجنے میں مقصد یہ ہوتا تھا۔ کہ اگر اصلی خدا کو مان لیا۔ تو پھر اس کے تمام حکموں کو بھی ماننا پڑے گا۔ اس لئے انہوں نے جھوٹے خداؤں کو پوجنے میں یہ آسانی دیکھی۔ کہ جو مرضی ہوگی ہم وہ کریں گے۔ اور ان جھوٹے خداؤں کو اگر دو چار لاتیں بھی لگا لیں۔ تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لہذا انہوں نے جہنم میں جانا گوارہ کر لیا۔ مگر سچے خدا کو ماننے سے انکار ہی کرتے رہے۔



وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿٤٣﴾

اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کیلئے۔ اور نہیں سمجھتے انہیں مگر علم والے

(آیت نمبر۴۳) یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں۔

شان نزول : بعض بے وقوف اور جاہل لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تمہارا خدا کیسا ہے کہ وہ اتنا بڑا ہو کر اتنی چھوٹی چھوٹی چیزوں مکھیوں اور مکڑی وغیرہ کا ذکر کرتا ہے یہ تو اس کیلئے بڑے شرم کی بات ہونی چاہئے۔ (اس کا منہ توڑ جواب تو پہلے بارے میں گذر چکا ہے) لیکن یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ایسی مثالیں ہم ان اہل مکہ اور دیگر لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں۔ تاکہ جو بات ان کے ذہن میں اس طرح نہ آئے۔ ہم مثال سے انہیں سمجھا دیتے ہیں۔ لیکن ان مثالوں کو علماء حقہ جو راسخ فی العلم ہیں۔ ان کے بغیر کوئی نہیں سمجھتا۔ علماء اشیاء کی حقیقت میں غور وفکر کر کے ان مثالوں سے حقیقت کو جان جاتے ہیں۔

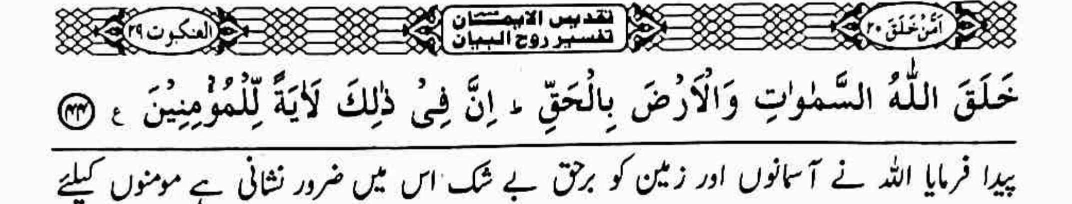
فائدہ : اس سے مراد وہ علماء ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ نصیب ہوتی ہے اور اسی سمجھ کی بنیاد پر وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت وعبادت بجالاتے ہیں۔

نکتہ : درحقیقت عالم وہی ہوتا ہے جو اپنے علم کے مطابق خود بھی اور لوگوں کو بھی گناہوں سے بچائے۔ گناہ کرنے والا عالم نہیں ہوتا۔ وہ جاہل ہوتا ہے خواہ بہت کچھ پڑھ آئے اور عوام میں پڑھا لکھا یا عالم یا علامہ سمجھا جائے۔

نکتہ : اس سے معلوم ہوا کہ علم وہی افضل ہے جس کو خوب سمجھ لیا جائے۔ لہذا عقل، علم اور عمل تینوں ملیں تو بندہ حقیقی عالم بنتا ہے جسے فقیہ کہا جاتا ہے لہذا عالم وہی ہے جو عاقل بھی ہو اور علم کے مطابق عامل بھی ہو۔ بہت سارے لوگ عالم ہوتے ہیں مگر عامل نہ ہونے کی وجہ سے وہ عاقل نہیں ہوتے اور بہت سارے عاقل ہوتے ہیں مگر عمل نہ ہونے کی وجہ سے وہ عالم نہیں ہوتے۔

فائدہ : المفردات میں ہے کہ عقل ایک ایسی قوت ہے جو علم کو قبول کرنے کیلئے بنائی گئی ہے اسی لئے **حدیث** میں حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل سے بڑھکر کوئی چیز مکرم نہیں بنائی۔ بندے کیلئے سب سے افضل عقل وہی ہے جو اسے ہدایت کی طرف لے جائے۔ علامہ اقبال مرحوم نے فرمایا:

ع: گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور　　چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے



خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿٤٤﴾ ع

پیدا فرمایا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق بے شک اس میں ضرور نشانی ہے مومنوں کیلئے

(آیت نمبر۴۴) اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ بنایا۔ یعنی حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت بنایا کہ ان میں دینی اور دنیوی منافع ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے شواہد موجود ہیں جو ظاہر کرتے ہیں۔ وہ عظیم قدرتوں کا مالک ہے۔ اور بہت بڑی صفات کا بھی مالک ہے۔ اسی لئے آگے فرمایا کہ بے شک ان زمین و آسمان کو پیدا کرنے میں نشانیاں ہیں جو اسکے ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ (ایمان والوں کیلئے) اس لئے فرمایا کہ وہی اس قسم کی نشانیوں سے نفع اٹھاتے ہیں۔

سبق: عقلمند کیلئے ضروری ہے کہ رحمت الٰہی کے آثار کو غور سے دیکھے اور ان عجائب وغرائب صنعت وقدرت میں غور وفکر کرے تاکہ اسے معرفت کے موتی نصیب ہوں اور کسی چیز کی حقیقت سمجھ میں نہ آئے تو اس پر اعتراض بھی نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بے کار نہیں بنائی ہر چیز کے بنانے میں ہزار ہا حکمتیں ہیں ہمیں سمجھ آئیں یا نہ آئیں۔

حکایت: جناب داؤد علیہ السلام حجرے میں داخل ہوئے تو وہاں ایک کیڑا دیکھ کر کہا یا اللہ اس کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بولنے کی قدرت عطا فرمائی تو اس نے کہا اے داؤد میری شکل وصورت نہ دیکھیں اگرچہ میں بہت چھوٹا ہوں لیکن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر وشکر آپ سے زیادہ کرتا ہوں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بیدار مغز بنائے اور آخرت کی فکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

پارہ نمبر۲۰ کا اختتام آج مورخہ ۲۶ جون ۲۰۱۶ء بمطابق ۲۰ رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ بروز اتوار

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی

پڑھیئے جووحی ہوئی طرف آپ کے کتاب سے اور قائم کریں نماز۔ بے شک نماز روکتی ہے

عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾

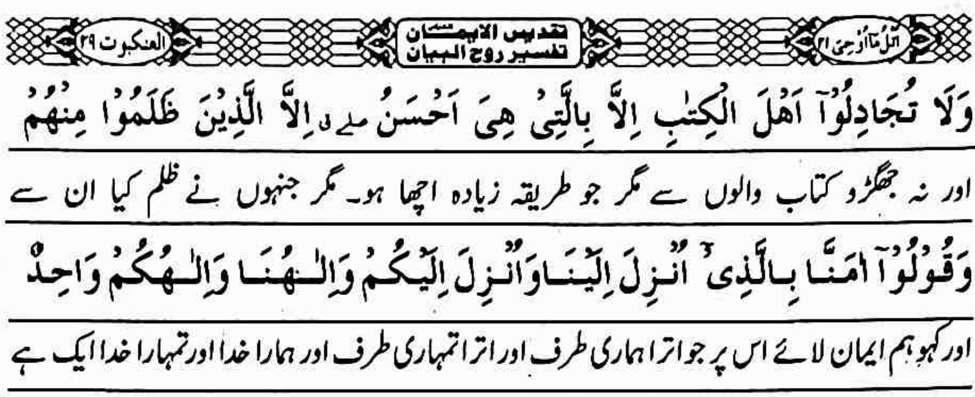
بے حیائی اور برائی سے۔ اور ذکر الٰہی سب سے بڑا ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جوتم کررہے ہو

(آیت نمبر۴۵) اے محبوب ﷺ ۔قرآن مجید جوآپ پرنازل ہوا۔آپ اسے تقرب کیلئے اوراس کے معانی وحقائق کے سمجھنے کے ارادے سے پڑھیئے ۔اس لئے کہ اس میں غوروفکر کے ساتھ تلاوت کرنے سے اس کے حقائق منکشف ہوتے ہیں جوویسے معلوم نہیں ہوتے ۔نیز اس کے جملہ احکام پرعمل کرنے کی لوگوں کوترغیب دیں اوراس کے محاسن ۔آداب لوگوں کوسکھایئے۔

حکایت :حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک چور کے ہاتھ کاٹنے کاحکم دیا۔اس نے پوچھا یہ کہاں لکھا ہے۔فرمایا قرآن میں ہے۔آپ نے وہ آیت تلاوت فرمائی۔جس میں چور کے ہاتھ کاٹنے کاحکم ہے اس نے کہا میں قرآن تو پڑھتا رہا۔لیکن اس آیت پرغوروفکرنہیں کیاورنہ میں یہ کام نہ کرتا۔لیکن آپ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا اورغور سے نہ پڑھنے کاعذرقبول نہیں کیا۔**فائدہ**:معلوم ہوا۔قرآن کے احکام پرعمل عالم اور جاہل دونوں کیلئے برابر ہے۔

آداب :قرآن باوضو۔باادب اورقبلہ رو بیٹھ کر پڑھا جائے۔کسی چیز سے بلاعذر ٹیک لگا کر یا متکبرانہ انداز سے نہ پڑھا جائے ۔بلکہ خشوع وخضوع سے تلاوت کی جائے۔گویاوہ ایک بارعب شخصیت کے سامنے بیٹھا ہے۔

آگے فرمایا نماز کی ادائیگی پرہمیشگی کریں یعنی فرض نماز کوشرائط وارکان کے ساتھ باجماعت ادا کریں۔یہ خطاب حضور ﷺ کوبھی ہےاور یہ حکم امت کوبھی دیا گیا ہے۔**فائدہ**:معلوم ہوا۔نماز کسی کوبھی معاف نہیں۔آگے نماز کی وجہ بیان فرمائی کہ بے شک نماز کی خصوصیت یہ ہے کہ نماز بے حیائی اور برائی سے رکنے کا سبب ہے۔اس لئے کہ انسان جب ذکرالٰہی پرمداومت کرتا ہےتو دل میں خشیت پیدا ہوتی ہے۔پھرآدمی خود ہی گناہوں سے رک جاتا ہے۔**حدیث**:حضور ﷺ سے عرض کی گئی کہ فلاں جوان نماز بھی پڑھتا ہےاور برائی کاارتکاب بھی کرتا ہےتو آپ نے فرمایا کہ اس کی نماز جلد اسے برائیوں سے روک دے گی۔چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ تمام گناہوں سے تائب ہوگیا۔(بیضاوی)



وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ

اور نہ جھگڑو کتاب والوں سے مگر جو طریقہ زیادہ اچھا ہو۔ مگر جنہوں نے ظلم کیا ان سے

وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ

اور کہو ہم ایمان لائے اس پر جو اترا ہماری طرف اور اترا تمہاری طرف اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہے

وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

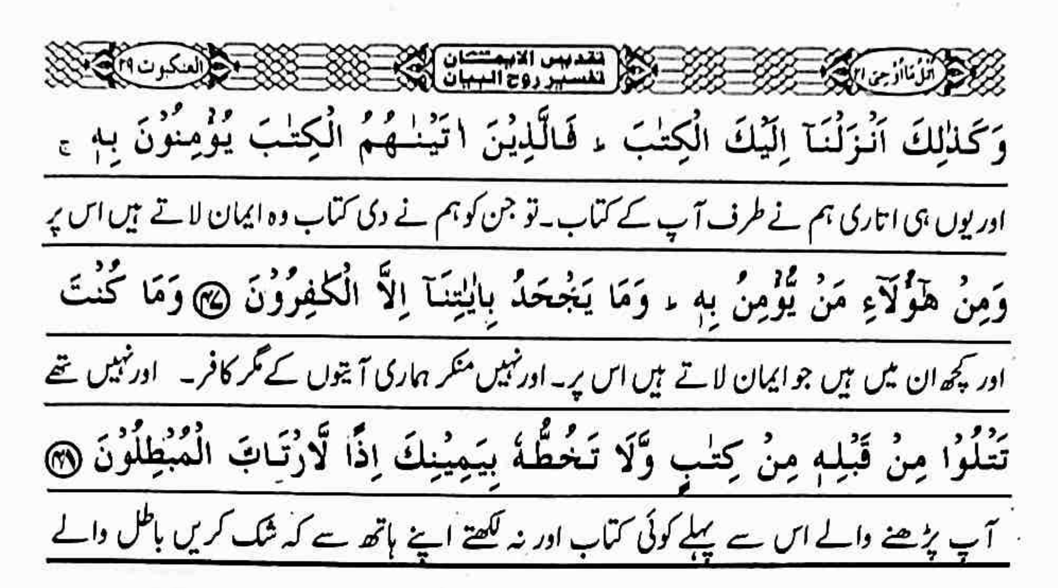
اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۵) آگے فرمایا۔ اللہ کا ذکر سب بڑا ہے۔ یعنی تمام اذکار سے افضل و اعلیٰ بلکہ تمام طاعات وعبادات سے بہتر وبرتر ذکر الٰہی ہے کیونکہ یہ تمام عبادات کا اصل ہے اور تمام برائیوں کو ختم کرنے والا ہے۔ اسی لئے فرمایا تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد رکھتا ہوں۔

(آیت نمبر ۴۶) اہل کتاب سے مت جھگڑا کرو مگر اس طریقے سے جو اچھا ہو۔ یعنی سنجیدہ طریقے سے سختی کے بجائے نرمی سے جوش اور غیض وغضب کے بجائے حوصلہ اور نرمی سے تاکہ کوئی الجھن پیدا نہ ہو اور دنیوی معاملات پر بھی اثر نہ پڑے۔ اور جو بات ہو وہ پختہ دلائل سے ہو۔

آگے فرمایا۔ مگر جو ان میں سے ظالم ہیں۔ یعنی سرکشی میں یا حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ ایسے ظالموں کے ساتھ وہی برتاؤ کرو۔ جیسا وہ کرتے ہیں۔ یعنی سختی کا ان سے برتاؤ نہ کرو اور ان سے کہو کہ ہم صدق واخلاص کے ساتھ ایمان لائے۔ اس کتاب پر جو ہمارے ہاں نازل ہوئی۔ یعنی قرآن پاک پر ہم ایمان لائے اور اس پر بھی ایمان لائے جو تمہارے ہاں نازل ہوئی۔ یعنی توراۃ اور انجیل۔

شانِ نزول : اہل کتاب مسلمانوں کو توراۃ یا انجیل پڑھ کر سناتے اور منگھڑت تفسیریں کرتے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ اہل کتاب کی باتوں کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب۔ بلکہ یوں کہو ہمارا اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام رسولوں اور کتابوں پر ایمان ہے اور انہیں کہو ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہے۔ خدائی میں اس کا کوئی شریک نہیں اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔


وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ

اور یوں ہی اتاری ہم نے طرف آپ کے کتاب۔ تو جن کو ہم نے دی کتاب وہ ایمان لاتے ہیں اس پر

وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا كُنْتَ

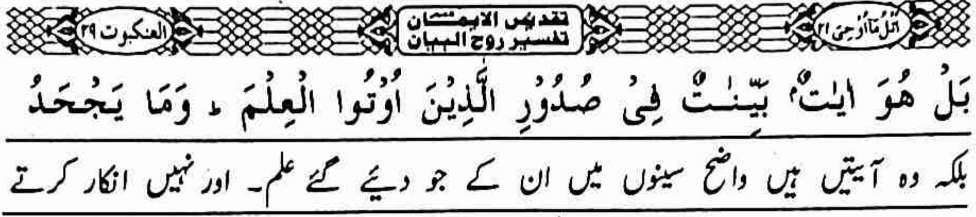
اور کچھ ان میں ہیں جو ایمان لاتے ہیں اس پر۔ اور نہیں منکر ہماری آیتوں کے مگر کافر۔ اور نہیں تھے

تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾

آپ پڑھنے والے اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ لکھتے اپنے ہاتھ سے کہ شک کریں باطل والے

(آیت نمبر ۴۷) اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف قرآن جیسی کتاب نازل فرمائی۔ تو جنہیں ہم نے کتاب دی وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ اس سے مراد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ توراۃ کے عالم تھے۔ انہوں نے تورات میں حضور کی صفات کو پڑھا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی ایمان لے آئے اور جو ایمان نہیں لائے۔ ان بدنصیبوں کو گویا کتاب دی ہی نہیں۔ اسی لئے انہوں نے اس پر ایمان نہیں لایا۔ قرآن پر خوش نصیب ہی ایمان لاتا ہے۔ آگے فرمایا۔ ان اہل عرب میں سے بھی بعض لوگ وہ ہیں جو اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر وہ جو کافر ہیں۔ آیات سے مراد قرآن مجید ہے۔ اس کی عظمت وشان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور اس میں یہ بھی تنبیہ ہے کہ اس کی دلیلیں واضح اور روشن ہیں اور یہ بھی بتادیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی آیا ہے۔

(آیت نمبر ۴۸) اے محبوب اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے نہ تو کسی کتاب کو آپ نے پڑھا اور نہ اپنے ہاتھ مبارک سے کبھی کچھ لکھا۔ یعنی کتاب پڑھنے یا لکھنے کی آپ کی عادت مبارک ہی نہ تھی۔ یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ برخلاف شیعہ حضرات کے۔ آگے فرمایا یہ اس لئے کہ اگر آپ کی لکھنے یا پڑھنے کی کوئی عادت ہوتی تو پھر باطل والے شک کرتے۔ یعنی کافر ومشرک کہتے کہ اس نبی علیہ السلام نے یہ قرآن کسی سے سیکھ لیا ہوگا۔ یا پرانی کتابوں سے مضامین نکال کر تیار کر لئے ہوں گے۔ جیسا کہ عیسائیوں کا اب بھی خیال ہے کہ قرآن انجیل سے بنایا گیا ہے۔ لہذا جب ہم نے آپ کو امی لقب کے ساتھ بھیجا تو اب باطل والوں کو آپ کے متعلق اس قسم کی بات کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔



بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ

بلکہ وہ آیتیں ہیں واضح سینوں میں ان کے جو دیئے گئے علم۔ اور نہیں انکار کرتے

بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

ہماری آیات کا مگر ظالم۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۸) یہودی بھی یہی بات کہتے۔ حالانکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہوا تھا کہ نبی آخر زمان امی ہوں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا اس آیت میں رد فرما دیا۔

فائدہ: اس بات کو کفار بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ پڑھے لکھے نہیں ہیں۔ لیکن وہ اپنی ضد سے کہتے کہ یہ قرآن انہوں نے خود بنالیا ہے۔

معجزہ :لکھا پڑھا ہونا باقی انبیاء کیلئے موجب کمال تھا۔ مگر ہمارے پیارے رسول ﷺ کا امی ہونا یعنی لکھا پڑھا نہ ہونا معجزہ ہے۔ اگرچہ آخر عمر میں آپ نے لکھا بھی اور پڑھا بھی۔ (ابن ابی شیبہ)

(آیت نمبر ۴۹) بلکہ وہ قرآن مجید کی آیات بینات بالکل واضح ہیں۔ جو ان لوگوں کے سینوں میں ہیں۔ جنہیں علم لدنی عطا ہوا کہ وہ کتاب یعنی قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنے کے محتاج نہیں ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سینوں میں رکھ دیا۔ یعنی وہ حفظ کر لیتے ہیں۔ اسی لئے اس قرآن کو تبدیل نہیں کیا جا سکا۔ نہ اسے ختم کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ :حفظ قرآن کا کمال اللہ تعالیٰ نے صرف اس امت کو عطا فرمایا۔ پہلی امتیں یاد نہیں کرتی تھیں۔ دیکھ کر ہی پڑھتے تھے۔ اس کے باوجود کہ ان کے حافظے تیز تھے لیکن انہیں یہ دولت عطا نہیں ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مکمل حفظ کر سکیں۔ (الا ماشاء اللہ)۔ لیکن اس امت کا خاصہ ہے۔ کہ اس امت کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی حافظ قرآن بن جاتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ ہماری ان آیات (جو واضح اور روشن ہیں)۔ ان کا نہیں انکار کرتے مگر وہ جو ظالم ہیں۔ یعنی فساد میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

فائدہ: جحد و انکار گویا ایک زنگ ہے۔ جب یہ دلوں پر چڑھ جاتا ہے تو دل سیاہ کالا ہو جاتا ہے۔ جیسے شیشے پر زنگ آئے تو وہ سیاہ کالا ہو جاتا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ

اور بولے کیوں نہ اتریں اس پر نشانیاں اس کے رب کی طرف سے۔ فرمادیں سوائے اس کے نہیں نشانیاں

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ

اللہ کے پاس ہیں۔ اور سوا اس کے نہیں میں ڈرانے والا ہوں کھلا۔ کیا انہیں کافی نہیں کہ ہم نے اتاری آپ پر

الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

کتاب جو پڑھی جاتی ہے ان پر۔ بے شک اس میں رحمت اور نصیحت ہے مومن لوگوں کیلئے۔

(آیت نمبر۵۰) کفار قریش نے کہا۔ کیوں نہیں اتریں اس پر نشانیاں اس کے رب کی طرف سے جیسے صالح علیہ السلام کو اونٹنی یا موسیٰ علیہ السلام کو عصا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر کھانا آسمان سے اترا۔ تو اے محبوب آپ فرمادیں کہ نشانیاں تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں اور اس کے حکم کے تحت اترتی ہیں۔ وہ جیسے چاہتا ہے۔ انہیں اتارتا ہے وہ میرے پاس نہیں ہیں کہ تم جب مانگو میں دکھا دوں۔ آگے فرمایا کہ بے شک میں تو تمہیں کھل مکھلا ڈرانے والا ہوں میں تمہیں خوف دلاتا ہوں کہ آیات الٰہی کی مخالفت سے باز آ جاؤ۔ **فائدہ**: کشف الاسرار میں ہے کہ حضور ﷺ کا کفار کے مطالبے کو پورا نہ کرنا مبنی بر حکمت تھا۔ وہ یہ کہ کفار کا مقصد صرف ضد اور حضور ﷺ کو پریشان کرنا تھا۔ اگر ان کا ایک مطالبہ پورا ہوتا تو وہ دوسرا مطالبہ کر دیتے۔ **فائدہ نمبر۲**: دوسری بات یہ ہے کہ معجزہ نہ دکھانے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اگر ان کا مطالبہ پورا ہوتا اور وہ انکار کرتے۔ تو ان پر عذاب آ جاتا۔ جیسے سابقہ امتوں میں ہوا اور حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ منوالیا تھا کہ قیامت تک اس امت پر اکٹھا عذاب نہ آئے۔ تیسری بات یہ ہے۔ کہ کفار نے حضور سے درجنوں معجزے دیکھے ہوئے تھے۔ وہ صرف حضور ﷺ کو پریشان کرتے تھے۔

(آیت نمبر۵۱) کیا انہیں یہ بات کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ جو حق بولتی ہے۔ سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق بھی کرتی ہے۔ حالانکہ حضور ﷺ نے نہ وہ کتابیں دیکھیں نہ پڑھیں نہ سنیں۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ ان کے دلوں کی آنکھیں اندھی ہیں۔ انہیں یہ آیت نظر ہی نہیں آتی۔ حالانکہ یہ آیت تو واضح اور روشن ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ یہ قرآن وہ پڑھ کر سنا رہا ہے۔ جس نے زندگی میں نہ کوئی کتاب دیکھی نہ پڑھی۔ اس سے بڑی نشانی کیا ہوگی۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ

فرمادیں کافی ہے اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ وہ جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔

اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ

اور جو ایمان لائے باطل پر اور منکر ہوئے اللہ کے وہی ہیں گھاٹے والے۔ اور جلدی مانگتے ہیں آپ سے عذاب

وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور اگر نہ وقت مقرر کیا ہوتا تو ضرور آ جاتا ان پر عذاب اور ضرور آئے گا ان پر اچانک اور وہ بے خبر ہوں گے

(بقیہ آیت نمبر ۵۱) آگے فرمایا کہ بے شک اس کتاب میں جو قیامت تک کیلئے آئی ہے۔ رحمت ہے اور نعمت الٰہی ہے اور یہ پند و نصیحت ہے۔ ایسے لوگوں کیلئے جو ایمان لانا چاہتے ہیں۔ اور وہ سرکشی نہیں کرتے۔

(آیت نمبر ۵۲) اے محبوب فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ ہی مجھے کافی ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان وہی گواہ ہے یعنی جو مجھ سے یا تم سے جو کچھ صادر ہوگا۔ اس سے وہ مطلع ہے وہ جانتا ہے۔ ان امور کو جو زمین و آسمان کے درمیان ہیں اور وہ لوگ جو باطل چیزوں پر ایمان لائے۔ یعنی بتوں وغیرہ پر ایمان لائے اور اللہ کے منکر ہوئے وہ بہت بڑے خسارے میں ہیں۔ **فائدہ**: معلوم ہوا۔ جو نفس کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ وہ باطل پر ایمان لاتا ہے اور جو دل کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ وہ قرآن پر ایمان لاتا ہے۔ اسی لئے آگے فرمایا کہ انہوں نے کفر کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا فرض تھا۔ اسی وجہ سے آخر میں فرمایا۔ وہی لوگ گھاٹا پانے والے ہیں۔ یعنی آخرت کے سودے میں وہ نقصان پائیں گے کیونکہ انہوں نے ایمان دے کر کفر خرید لیا۔

(آیت نمبر ۵۳) آپ سے عذاب جلدی مانگتے ہیں۔ اس سے مراد نضر بن حارث وغیرہ ہیں جو مزاحاً حضور ﷺ سے کہا کرتے کہ آپ جس عذاب سے ہمیں ڈراوے دیتے ہیں۔ وہ عذاب کب آئیگا۔ جب ہم آپ کی بات نہیں مانتے تو عذاب کیوں نہیں آجاتا۔ **فائدہ**: اس میں اشارہ ہے جو عافیت میں صبر نہ کریں اور وقت سے پہلے عذاب مانگیں تو وہ ضرور عذاب میں مبتلا ہونگے۔ انسان چونکہ فطرتاً جلد باز ہے دکھ درد نہ آئے تو مانگتا ہے۔ اور جب آجائے صبر نہیں کرسکتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی جس پر مہربانی ہوجائے۔ اسے صبر کی توفیق عطا کردیتا ہے۔

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۙ ﴿۵۴﴾

جلد آپ سے مانگتے ہیں عذاب۔ اور بے شک جہنم گھیرے گی کافروں کو۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۳) آگے فرمایا۔ اگر ان کیلئے عذاب کا وقت مقرر نہ ہوتا۔ یعنی قیامت میں۔ تو ابھی بہت جلد انہیں عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا کیونکہ ہر مقدور کیلئے وقت مقرر ہے۔ اس سے نہ آگے ہوگا۔ نہ پیچھے۔

فائدہ: معلوم ہوا وقت مقررہ سے پہلے عذاب کا مطالبہ بے فائدہ ہے۔ بلکہ قابل مذمت ہے۔ آگے فرمایا کہ عذاب کا جو وقت مقرر ہے۔ وہ ضرور اپنے وقت پر آئیگا اچانک کہ انہیں وہم وگمان بھی نہ ہوگا اور وہ آ جائیگا۔

فائدہ: اچانک عذاب آنے سے مراد ان کی موت بھی ہو سکتی ہے کیونکہ مرنے کے فوراً بعد وہ عذاب میں ڈال دیئے جائیں گے۔ اس لئے کہ احادیث مبارکہ میں قبر کو آخرت کی منازل میں پہلی منزل کہا گیا ہے (رواہ الترمذی)۔ جیسا کہ ایک **حدیث شریف** میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو مر گیا۔ اس کیلئے قیامت قائم ہوگئی۔ (رواہ الدیلمی والطبرانی)۔

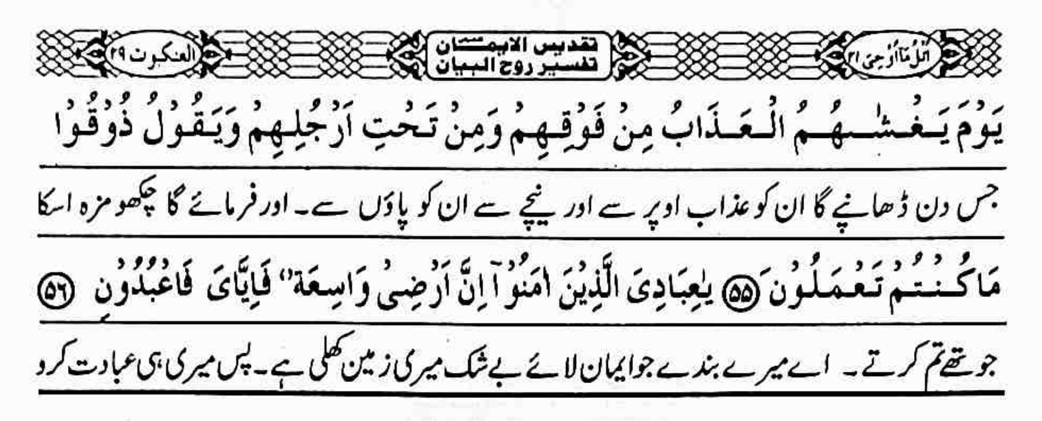
مسئلہ: برزخ (قبر) میں کفار وفجار کو عذاب ہوگا۔ اگرچہ وہ آخرت کے عذاب کی نسبت کم ہوگا۔ کیونکہ وہاں صرف روح کو عذاب ہوگا۔ **فائدہ**: یاد رہے جو شخص موت سے پہلے اپنے امور کی اصلاح کر لے اور موت کیلئے ہمہ وقت تیار رہے۔ اسے اچانک موت نہیں آئے گی اور جو اپنے امور کی اصلاح نہیں کرتا اور موت کیلئے تیاری بھی نہیں کرتا۔ اسے موت اچانک آئیگی (پھر اسے کلمہ پڑھنے کا موقع بھی نہیں دیا جاتا)۔

فائدہ: سب سے اعلیٰ موت یہ ہے کہ دین کا کام کرتے ہوئے موت آ جائے۔

سبق: ہر انسان پر لازم ہے کہ اپنی اصلاح کر کے ہر وقت اپنی موت کے لئے تیار رہے۔

(آیت نمبر ۵۴) اے محبوب یہ کفار آپ سے جلد عذاب مانگتے ہیں اور بے شک جہنم کا عذاب جو انتہائی سخت ہے۔ جس سے بڑھ کر اور کوئی سخت چیز نہیں ہے۔ وہ ضرور ان کافروں کو گھیرنے والا ہے۔ یعنی جہنم انہیں جلد اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ جہنم کا عذاب لازمی ہوگا اور دائمی ہوگا اور اس کا سبب کفر وشرک اور گناہ ہیں۔

فائدہ: بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ گناہ خود بخود ہی عذاب بن جائیں گے۔ اور گناہ عذاب بن کر کفار فجار کو بتائیں گے۔ کہ ہم تیرا فلاں گناہ ہیں۔ اسی صورت میں سامنے آئیں گے اور گناہ گاروں اور کفار کو عذاب خود ہی گھیرے میں لے لے گا۔ وہ کہیں بھاگ کر نہیں جا سکیں گے۔



یَوْمَ یَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَیَقُوْلُ ذُوْقُوْا

جس دن ڈھانپے گا ان کو عذاب اوپر سے اور نیچے سے ان کو پاؤں سے۔ اور فرمائے گا چکھو مزہ اسکا

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

جو تھے تم کرتے۔ اے میرے بندے جو ایمان لائے بے شک میری زمین کھلی ہے۔ پس میری ہی عبادت کرو

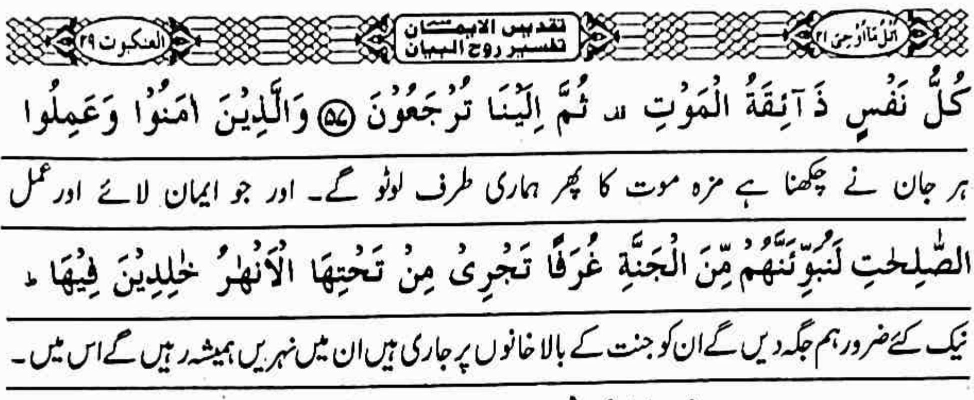
(آیت نمبر ۵۵) جس دن وہ عذاب آ کر ان پر چھا جائیگا۔ یعنی بروز قیامت وہ عذاب محیط ان پر چڑھ جائیگا۔ جس میں بہت بری وحشتناک اور دردناک اور خوف ناک سزائیں ہوں گی۔ جن کو کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ جس کے متعلق فرمایا گیا کہ وہ عذاب ان کے اوپر سے بھی اور ان کے پاؤں کے نیچے سے بھی آ جائیگا۔

فائدہ : یہاں سے محض سر اور پاؤں مراد نہیں۔ بلکہ مراد ہے کہ چاروں طرف سے عذاب گھیر لے گا تو پھر اللہ تعالٰی یا وہ فرشتہ جو اسکے عذاب پر مسلط ہے۔ وہ کہے گا۔ اے عذاب میں آنے والو چکھو مزا اپنے برے اعمال کا۔

فائدہ : چکھنا تو اصل میں یہ ہے کہ جو چیز منہ میں تھوڑی سی ہو۔ اگر زیادہ ہو تو اسے کھانے سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہاں یہ بتایا گیا کہ جو جو تم دنیا میں برے سے برے اعمال کیا کرتے اور مزے لیا کرتے تھے۔ اب عذاب میں بھی ان کا مزہ چکھو۔ جیسے دنیا میں ہمہ وقت گناہوں کے ارتکاب میں لذت حاصل کرتے تھے اور پھر عذاب مانگنے میں بھی جلدی کیا کرتے تھے۔ اب وہ عذاب آ گیا ہے اس کا مزہ چکھو۔

(آیت نمبر ۵۶) اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو۔ یہ خطاب تشریفی ہے جو مومنوں کو نصیب ہوا۔

شان نزول : کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ اہل ایمان کی ایک جماعت مکہ مکرمہ میں مقیم تھی جو زاد راہ کی کمی یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے اور کفار سے چھپ کر وہ عبادت الٰہی کر لیتے تھے۔ ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ بے شک میری زمین تو کشادہ ہے۔ یعنی تم زمین کے اس حصے سے ہجرت کر کے وہاں چلے جاؤ۔ جہاں آزادی سے میری عبادت کر سکو۔ یہاں مکہ مکرمہ میں اگر کفار کے ڈر کی وجہ سے تم صحیح طور پر عبادت نہیں کر سکتے تو اس شہر کو چھوڑ جاؤ۔ میری زمین کے کسی دوسرے خطے میں چلے جاؤ اور وہاں جا کر مخلصانہ میری عبادت کرو۔



كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۣ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

ہر جان نے چکھنا ہے مزہ موت کا پھر ہماری طرف لوٹو گے۔ اور جو ایمان لائے اور عمل

الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ

نیک کئے ضرور ہم جگہ دیں گے ان کو جنت کے بالا خانوں پر جاری ہیں ان میں نہریں ہمیشہ رہیں گے اس میں۔

نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾

کیا اچھا ہے اجر عمل والوں کا۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۶) **مسئلہ**: یہ آج بھی حکم ہے کہ اگر کسی ملک یا شہر میں عبادت آسانی سے میسر نہ ہو یا دینی امور کو باسہولت ادا نہ کیا جا سکتا ہو۔ تو اس شہر سے ہجرت کر جانی چاہئے اور وہاں چلے جانا چاہئے جہاں صحیح طور پر دینی امور سرانجام دیئے جا سکیں۔ اس لئے کہ بروز قیامت یہ عذر نہیں سنا جائیگا۔ کہ مجھے فلاں ملک یا شہر میں عبادت آسانی سے میسر نہ ہوئی۔

(آیت نمبر ۵۷) ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ **ربط**: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مکہ کے مقیم مسلمانوں کو فرماتا ہے کہ تم اگر اہل وعیال اور اولاد واسباب وغیرہ کی محبت کی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکتے تو کیا مرنا نہیں ہے۔ ایک دن تو ان سے جدا ہونا ہی ہے تو بہتر نہیں ہے۔ کہ ہمت کر کے کسی طرف موت سے پہلے ہجرت کرو۔ جہاں اپنی عبادات صحیح ہو جائیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہو جاؤ۔ زندگی کو روح حیوانی کہا جاتا ہے۔ جب تک اس کا تعلق قائم ہے۔ تب تک زندگی قائم ہے۔ جب وہ مٹ جائے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے اور روح جسم سے اضطراری طور پر جدا ہو جاتی ہے۔ یہ کیفیت کسی کو معلوم نہیں ہوتی۔ سوا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے۔ آگے فرمایا کہ پھر تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ جہاں نیک اعمال پر جزاء اور برے اعمال پر سزا ہوگی۔ **سبق**: جو اپنا انجام نیک چاہتا ہے۔ اس پر لازم ہے کہ وہ آخرت کیلئے اچھا سرمایہ جمع کرے اور موت کیلئے ہمہ وقت تیار رہے اور سمجھے کہ اس عالم دنیا کو ترک کرنا ہے اور اگلے جہاں کی طرف لازماً سفر کرنا ہے۔ لہذا اس کی مکمل تیاری کر لے۔

(آیت نمبر ۵۸) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے خصوصاً ہجرت بھی کی تو ہم انہیں جگہ دیں گے۔ جنت کے اونچے اور بہترین محلات میں جو موتیوں اور زبرجد اور یاقوت سے بنے ہوئے ہیں۔

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾

جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر وہ بھروسہ کرتے رہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۸) غرف جنت کے بالا خانے کو کہا جاتا ہے۔ ان محلات کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اونچی جگہ سے نیچے باغات اور نہریں بہت خوبصورت لگتی ہیں۔ اس لئے فرمایا۔ ان کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ کتنا ہی اچھا اجر ہے نیک عمل کرنے والوں کا۔

سبق: عقل مند پر لازم ہے کہ وہ نفس کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ فنا صوری سے پہلے فناء معنوی کا درد کھائے۔ اس لئے کہ دنیا دار الفناء ہے۔ ہر ایک کو موت کا پیالہ پینا ہے اور اس پل سے ضرور گذرنا ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ لذتیں ختم کرنے والی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ اسے ہرگز نہ بھلاؤ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

(آیت نمبر ۵۹) عاملین وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفار و مشرکین کی اذیتوں پر صبر کیا اور ہجرت کر کے بہت تکالیف برداشت کیں اور ان پر کئی طرح کے دکھ آئے اور انہوں نے دکھوں پر صبر کیا اور تمام معاملات میں اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے رہے۔ یہ توکل بھی قوت ایمانی سے مل سکتا ہے۔ جب انسان ایمان میں کامل ہوتا ہے تو پھر وہ نہ صرف کفر اور گناہوں سے بچتا ہے۔ بلکہ وہ اموال دنیا اور رزق و روزی میں بھی فکر کرنے سے فارغ ہو جاتا ہے۔ اس کیلئے وطن اور مسافری برابر ہو جاتے ہیں اور وہ تمام تکالیف میں اپنے اجر و ثواب کو مدنظر رکھتا ہے۔

حدیث شریف: جو بندہ کفر و گناہ سے بچنے کیلئے ایک علاقے سے دوسرے علاقے کی طرف چلا جاتا ہے۔ اگرچہ ایک بالشت بھر بھی دور چلا جائے تو اس کیلئے جنت واجب ہو جاتی ہے اور جنت میں حضور ﷺ اور ابراہیم علیہ السلام کا رفیق ہو جاتا ہے۔ (رواہ حسن بصری، نقلہ الزیلعی من تخریج الکشاف)

فائدہ: اسے ان دو اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کی رفاقت اس لئے نصیب ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس نے ان دونوں انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت پر عمل کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے بیت المقدس کی طرف اور محمد رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ شریف کی طرف ہجرت کی۔ اب جو مسلمان بھی ان کے طریقے پر چلے گا۔ اسے آخرت میں ان دونوں ہستیوں کی سنگت نصیب ہوگی۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ

اور کتنے ہی زمین پر چلنے والے ہیں جو نہیں اٹھاتے اپنا رزق۔ اللہ رزق دیتا ہے انہیں اور تمہیں۔ اور وہ سنتا

الْعَلِيْمُ ۝۶۰ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

جانتا ہے۔ اور اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے بنایا آسمانوں اور زمین کو اور مسخر کیا سورج

وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۶۱

اور چاند کو تو ضرور وہ کہیں گے اللہ نے۔ تو پھر کدھر پھیرے جاتے ہو۔

(آیت نمبر۶۰) کتنے ہی زمین پر چلنے والے ہیں جو غذا کے حاجتمند بھی ہیں اور اپنے ضعف کی وجہ سے اپنے رزق کو اٹھانے کی طاقت بھی نہیں رکھتے۔ جیسے انسان خوراک کی بوریاں اٹھا اٹھا کر لاتے ہیں۔ نہ اس کی طرح رزق کا ذخیرہ بنا کر رکھتے ہیں۔ وہ صبح کے وقت اٹھتے ہیں تو پیٹ خالی ہوتے ہیں۔ شام کے وقت ان کا پیٹ بھرا ہوتا ہے۔

شان نزول: حضور ﷺ نے جب مسلمانوں کو مکہ مکرمہ سے مدینہ شریف کی طرف ہجرت کا حکم دیا تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم ایسے شہر میں کیسے چلے جائیں۔ جہاں ہماری معاش کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بہت سارے جانور۔ پرندے وحوش وسباع وہوام اسی طرح بحری حیوانات کوئی ذخیرہ وغیرہ نہیں کرتے اور نہ ہی وہ اپنا رزق سر پر یا پیٹھ پر اٹھائے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ان سب کو رزق دیتا ہے۔ وہ جہاں بھی ہوں اور تمہیں بھی وہی رزق دیتا ہے۔ اور دے گا تم جہاں بھی ہو۔ باقی سارے حیوانات ضعیف اور کمزور ہو کر بھی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ لیکن تم باوجود قوت وہمت کے اور کمانے کی قدرت کے بے صبرے ہو جاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کو روزی دیتا ہے۔

فائدہ: اگر وہ حیوانوں کے پیٹ بھر دیتا ہے تو انسانوں کو کیوں نہ دیگا۔

آگے فرمایا کہ وہی سننے جاننے والا ہے۔ یعنی تمہارے تمام توہمات کو جانتا اور سب کی باتیں سنتا ہے۔

(آیت نمبر۶۱) اے محبوب اگر آپ ان اہل مکہ سے پوچھیں۔ کس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور کس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا کہ بندوں کی مصلحتوں کے مطابق ایک کام پر لگا دیئے گئے کافر بھی ضرور کہیں گے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے بنایا اور اپنے کام پر لگایا۔ اس میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ

اللہ ہی پھیلاتا ہے رزق جس کا چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ فرماتا ہے۔ بے شک اللہ ہر

شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۶۲﴾

چیز کو جاننے والا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۶۱) یعنی تمام عقل والے اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ جملہ کائنات کی انتہاء صرف ایک ذات پر ہونا واجب ہے۔ وہی ذات واجب الوجود ہے۔

آگے فرمایا کہ جب اس بات کا اقرار کرتے ہو کہ زمین و آسمان اللہ تعالیٰ نے بنائے تو پھر کہاں پھیرے جاتے ہو۔ یعنی ایک طرف اقرار بھی کرتے ہو کہ اسی نے زمین و آسمان اور سورج چاند کو پیدا کیا تو ان سے یہ کہا جا رہا ہے کہ جب تم یہ مانتے ہو کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے بنایا تو پھر دوسرے خداؤں کو کیوں مان رہے ہو گویا اپنے علم کا انکار بھی کر رہے ہو۔

(آیت نمبر ۶۲) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا رزق کشادہ فرماتا ہے۔ خواہ وہ مومن ہو یا کافر۔ اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے رزق تنگ فرما دیتا ہے اور اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کیلئے پہلے رزق کشادہ ہو۔ پھر تنگ کر دیا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ مختار کل ہے جو چاہے کرے۔ اسے کوئی بھی پوچھنے والا نہیں۔

فائدہ: حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ دشمنوں کو کھلا رزق دیتا ہے تاکہ خوب کھائیں اور آخرت میں سزا پائیں اور اپنے دوستوں کے رزق میں تنگی رکھتا ہے۔ تاکہ اسے یاد کریں۔ اور آخرت میں مزے کریں۔ یہ بھی اس کی شفقت و رحمت ہے۔ آگے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اسے علم ہے کہ کشادہ رزق کا کون حق دار ہے۔ اس کا رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے متعلق جانتا ہے کہ اس کی روزی میں تنگی اس کیلئے مفید ہے۔ تو اس کا رزق تنگ فرما دیتا ہے۔ اس کے ہر کام میں حکمت و مصلحت ہے۔

حدیث قدسی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے جن کو مالدار کیا۔ اگر انہیں تنگ دست کرتا تو ان کا ایمان خراب ہو جاتا۔ فقر و فاقہ والوں کا ایمان کامل ہوتا ہے۔ اگر انہیں مالدار کروں تو ان کا ایمان بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ ان تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (اس حدیث کو ابن جوزی نے علل المتناہیہ سے نقل کیا)۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا

اور اگر تو ان سے پوچھے کس نے اتارا آسمان سے پانی پھر زندہ کیا اس سے زمین کو بعد اس کے مرنے کے

لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَمَا هٰذِهِ

تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔ فرمادو ہر تعریف اللہ کی۔ بلکہ ان میں اکثر نہیں سمجھتے۔ نہیں ہے

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۚ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ

زندگی دنیا کی مگر ایک کھیل اور تماشہ۔ اور بے شک گھر آخرت کا وہی اصل زندگی ہے

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾

کاش وہ جان لیتے۔

(آیت نمبر۶۳) اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمان سے پانی آہستہ آہستہ کس نے اتارا۔ تنزیل کا معنی ہے تھوڑا تھوڑا کر کے اترنا چونکہ بارش بھی قطرہ قطرہ کر کے اترتی ہے۔ پھر اس پانی سے زمین کو سیراب کر کے اسے نئی زندگی عطا فرمادی۔ کہ ہر طرح کے درخت پودے نکالے ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہو گیا۔ کھیتوں میں فصلیں لہلہانے لگیں۔ جبکہ پہلے زمین مردہ اور افسردہ تھی۔ خشکی اور قحط تھا۔ اس زمین کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ جیسے مردے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا تو اس کا کفار نے بھی اعتراف کیا کہ یہ کام اللہ نے ہی کیا۔ اے محبوب فرمادیں۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں۔ لیکن اس بات کو اکثر لوگ نہیں سمجھتے کہ جان بوجھ کر پھر انہوں نے ایک گھٹیا مخلوق کو خدا بنالیا۔

(آیت نمبر۶۴) اس آیت میں دنیا کی حقارت کو بیان کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت ایک مچھر کے پر برابر بھی نہیں۔ اور واضح فرمایا۔ کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔

فائدہ: اور اسے کھیل تماشہ اس لئے کہا گیا۔ جیسے انسان جب کھیل تماشے میں ہوتا ہے تو وہاں ہر طرف شور وشغب ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہی حال دنیا کا ہے۔ یعنی بہت ہی جلد ختم ہونے والی ہے۔ بندہ سمجھتا ہے کہ اب میں ہمیشہ یہیں رہوں گا۔ اس کی زیب وزینت اور خواہشات میں مشغول رہتا ہے۔ اس آیت میں اسے بتایا گیا کہ دنیا آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔

فَاِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلْکِ دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ج فَلَمَّا نَجّٰھُمْ

پس جب سوار ہوں کشتی میں تو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص کر کے اس کے دین کو۔ پھر جب اس نے نجات دی

اِلَی الْبَرِّ اِذَا ھُمْ یُشْرِکُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِیَکْفُرُوْا بِمَآ اٰتَیْنٰھُمْ ج وَلِیَتَمَتَّعُوْا

خشکی کی طرف تو اسی وقت وہ وہ شرک کرنے لگے۔ تا کہ کفر کریں اس سے جو ہم نے انہیں دیا۔ اور نفع اٹھالیں

فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

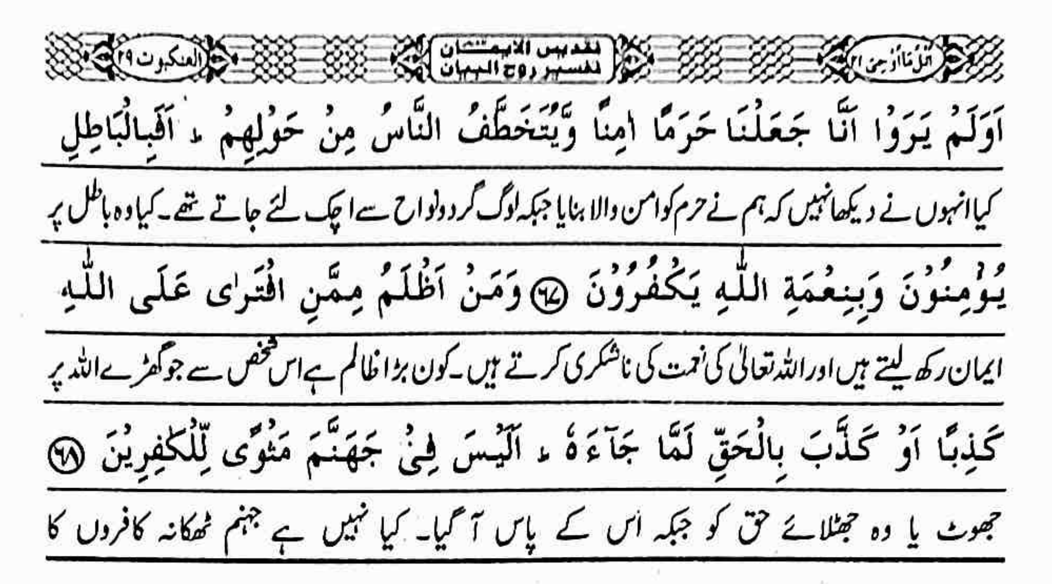
عنقریب جان لیں گے

(بقیہ آیت نمبر ۶۴) **حدیث شریف:** حضور ﷺ سے پوچھا گیا۔ دنیا کیا ہے تو فرمایا جو چیز تجھے اللہ تعالیٰ سے دور کردے۔ (تفسیر صاوی) کاش لوگوں کو آخرت کا پتہ چل جاتا۔ ع: چیست دنیا از خدا غافل بودن (مثنوی)

(آیت نمبر ۶۵) یعنی وہ کافر جو شرک بھی ہیں وہ جب تجارت کی غرض سے دریاؤں سے پار جانا چاہتے ہیں اور کشتی پر سوار ہوتے ہیں اور ہوائیں کشتیوں کو ہلاتی ہیں اور کشتی الٹنے کا خطرہ موجوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کو خالص کر کے پکارتے ہیں۔ کہ کہیں غرق نہ ہو جائیں۔ اس وقت وہ غیر اللہ کو نہیں پکارتے۔ انہیں پتہ ہوتا ہے کہ اب اس مصیبت سے وہی بچائے گا۔ جو ہر کام کرنے پر قادر ہے۔ لیکن جب انہیں اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے نجات دیتا ہے تو پھر غفلت کا شکار ہو کر وہ بتوں کو پوجنا شروع کر دیتے ہیں۔

فائدہ: عکرمہ کہتے ہیں یہ بات دور جاہلیت کی ہے کہ وہ سفر پر جاتے وقت بتوں کو ساتھ اٹھا کر لے جاتے۔ جب ہواؤں اور موجوں کی وجہ سے غرق ہونے لگتے تو بتوں کو دریا میں پھینک کر خالص اللہ تعالیٰ کو پکارنا شروع کر دیتے تھے۔ لیکن خشکی میں آ کر پھر وہ بت پرستی شروع کر دیتے۔

(آیت نمبر ۶۶) یعنی اب مزید شرک کر کے وہ اپنے کفر کو اور مضبوط کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس نے انہیں غرق ہونے سے بچا کر نجات جیسی نعمت سے نوازا۔ جس کا حق تھا کہ وہ اس کا شکر کرتے اور اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مان لیتے۔ لیکن وہ پھر اسی طرح کفر و شرک پر لگ گئے۔ آگے فرمایا کہ وہ بتوں کی محبت اور عبادت میں خوب نفع اٹھالیں۔ بالآخر جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو انہیں خود بخود ہی سب کچھ معلوم ہو جائیگا۔



اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ اَفَبِالْبَاطِلِ

کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا جبکہ لوگ گردونواح سے اچک لئے جاتے تھے۔ کیا وہ باطل پر

يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

ایمان رکھ لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔ کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے جو گھڑے اللہ پر

كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ۚ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾

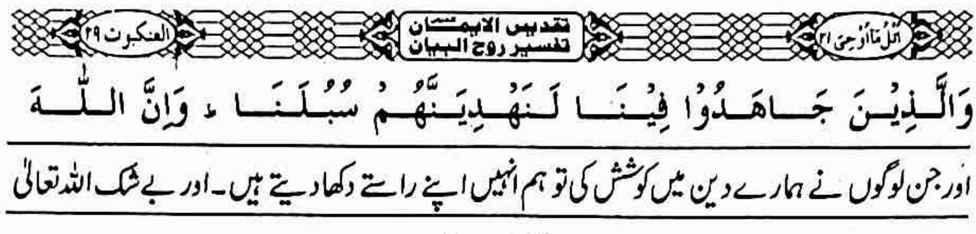
جھوٹ یا وہ جھٹلائے حق کو جبکہ اس کے پاس آ گیا۔ کیا نہیں ہے جہنم ٹھکانہ کافروں کا

(آیت نمبر ۶۷) یعنی ان کی بدبختی کی انتہاء یہ ہے کہ وہ ان باتوں میں غور وفکر نہیں کرتے اہل مکہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا۔ پوری دنیا کے لوگ اس کا اور اس کے پاس رہنے والوں کا احترام کرتے ہیں بلکہ جانوروں کو بھی وہاں امن مل جاتا ہے۔ حالانکہ گردونواح میں اغوا۔ قتل اور قید کرنا عام ہے اور ہر قسم کی دہشت گردی اور بغاوت پائی جاتی ہے۔ کیا وہ بے ریب و بے عیب حق کو چھوڑ کر باطل اور شیطان کی پوجا کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔ باطل ماسوی اللہ کو کہا جاتا ہے۔ جن کی مشرک پوجا کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ۶۸) یعنی اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ پر بھی جھوٹ گھڑنے سے باز نہیں آتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شریک بناتا ہے اور دوسرا ظلم یہ کہ وہ کہتا ہے کہ یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ وہ حق کو بھی جھٹلاتا ہے۔ یعنی قرآن کو یا اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ کو کہتا ہے۔ کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے نہیں بھیجا۔

فائدہ: یہ ان کی بے وقوفی کی دلیل ہے کہ انہوں نے محض عناد سے سب کو جھٹلایا۔ نہ اس کے واقف ہوئے نہ اس میں غور وفکر کیا اور سنتے ہی اسے جھٹلا دیا۔ اور اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لیا۔ یہی حال آج مدعی طریقت کا ہے کہ پیر نے جو حکم دیا۔ خواہ وہ قرآن وحدیث کے خلاف ہو۔ تب بھی پیر کے حکم کو ترجیح دیں گے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑنا ہے یا بات اپنی طرف سے کہہ کر یہ کہنا یہ قرآن میں ہے۔ حالانکہ وہ قرآن میں نہیں تو یہ بھی گویا جہنم میں ٹھکانہ بنانا ہے۔

حدیث: حضور ﷺ نے فرمایا جو مجھ پر جھوٹ بولے یعنی جو بات میں نے نہیں کہی اسے میری طرف منسوب کرتا ہے۔ کہ میں نے کہی ہے۔ تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھے۔ (مشکوٰۃ)



وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ

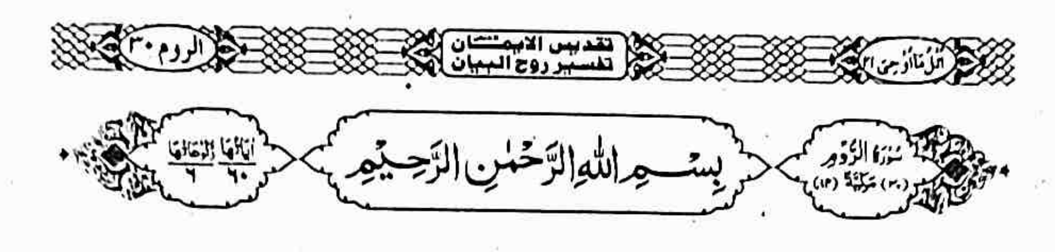
اور جن لوگوں نے ہمارے دین میں کوشش کی تو ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیتے ہیں۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ

لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ع ﴿۶۹﴾

احسان والوں کے ساتھ ہے۔

(آیت نمبر ۶۹) یعنی جن لوگوں نے دشمنان دین سے یا شیطان سے جہاد کیا۔ یا نفس سے یا دشمنان دین وایمان کے ساتھ جہاد کیا۔ خواہ ہاتھ سے یا زبان سے۔ **فائدہ**: شیطان اور نفس سے جہاد خواہشات کو ترک کرنا۔ ایسے مجاہدین کے متعلق فرمایا کہ ہم انہیں اپنے تک پہنچنے کے طریقے بتا دیتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ اس سے اولین مراد مہاجرین وانصار ہیں۔ جنہوں نے دین کی مدد کیلئے مشرکوں سے جہاد کیا۔ تو ہم نے انہیں شہادت۔ مغفرت اور رضوان کی طرف راہنمائی کی۔ کواشی نے اس کا معنی کیا ہے۔ کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھتے ہیں۔ اور اپنی زبان کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور دل کے خطرات اور بشری عادتوں سے باہر نکال دیتے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ خیر کے تمام راستوں کی طرف راہنمائی کر دیتے ہیں اور ان پر چلنے کی بھی توفیق دے دیتے ہیں۔

فائدہ: سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں جو لوگ سنت قائم کرنے میں کوشش کرتے ہیں تو ہم اس کو جنت کا راستہ دکھا دیتے ہیں یا جو شریعت پر چلا وہ جنت میں پہنچ گیا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ جس نے علم دین کی طلب میں کوشش کی۔ ہم اسے عمل کے راستوں کی راہنمائی کر دیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کا حامی وناصر ہو جاتا ہے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ اس کا معنی ہے۔ کہ ہم انہیں ہدایت پر مضبوط کرتے ہیں۔ بلکہ اس میں اور زیادتی کر دیتے ہیں۔ جوں جوں کافر گمراہی میں بڑھتا ہے۔ توں توں مجاہدین ہدایت میں بڑھتے ہیں۔ **حدیث شریف**: جو اس پر عمل کرلے جتنا وہ جانتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے وہ علم دیتا ہے۔ جسے وہ نہیں جانتا (اخرجہ ابونعیم)۔ **حدیث شریف**: جو چالیس دن اللہ تعالیٰ کیلئے خالص کر دے۔ اس کے دل سے زبان پر حکمت کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ (الدر السنیہ وبحار الانوار)



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ ۚ ① غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ۙ ②

واللہ اعلم مرادہ۔ مغلوب ہوئے رومی۔

(آیت نمبر۱) ان حروف کی حقیقی مراد تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے بتانے سے اس کا رسول ہی جانتا ہے۔ حروف مقطعات اہل عرب اپنی زبان میں استعمال کرتے تھے۔ اسی لئے ان کے متعلق کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ البتہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان میں صفات خداوندی کی طرف اشارہ ہے۔ الف سے مراد اللہ تعالیٰ اور لام سے مراد لطف و کرم اور میم سے مراد مالک ہے۔ بعض نے فرمایا الف سے اللہ، لام سے جبریل اور میم سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

(آیت نمبر۲) رومی مغلوب ہو گئے۔ رومی: یہ لوگ روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم کی اولاد سے ہیں۔ ان کی اہل فارس کے ساتھ جنگ ہوئی تو اس میں وہ مغلوب ہوئے اور فارس جنگ جیت گئے۔

فائدہ: روم کے بادشاہ ھرقل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام دیتے ہوئے خط لکھا تو اس نے اس خط کو باقاعدہ پڑھا اور اس خط کو آنکھوں اور سر پر رکھا اور اس پر اپنی مہر خاص لگائی۔ پھر سینے سے لگایا اور پھر اس کا جواب لکھا کہ بے شک ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ کے نبی برحق ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ لیکن ہم دین عیسیٰ کو چھوڑ نہیں سکتے۔ اس کے خط کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب فرمایا اور دعا دی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ملک کو سلامت رکھے۔

شان نزول: ایک دفعہ روم اور فارس کے درمیان بصریٰ کے قریب لڑائی ہوئی تو اس میں رومی مغلوب ہوئے اور فارس غالب آ گئے تو مشرکین مکہ نے مسلمانوں سے کہا کہ تم بھی اہل کتاب رومی بھی اہل کتاب۔ ہم اور فارس والے غیر اہل کتاب ہیں۔ فارس کا رومیوں پر غالب آنا یہ فال ہے۔ اس بات کی کہ ہماری تمہاری جنگ ہوئی تو ہم تم پر غالب آئیں گے۔ یہ بات سن کر مسلمان کچھ پریشان سے ہوئے۔ اور کفار کو کوئی جواب نہ دے سکے۔ تو اس پر اگلی آیت نازل ہوئی۔ اور بتایا گیا۔ کہ فتح یا شکست جنگوں میں ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی ایک لشکر غالب کبھی دوسرا غالب۔

فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۙ ③ فِیْ بِضْعِ

قریب زمین میں اور وہ بعد مغلوب ہونے کے جلد غالب ہونگے۔ چند

سِنِیْنَ ۬ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ۭ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ ④

سالوں میں اللہ ہی کا حکم ہے آگے اور پیچھے۔ اور اس دن خوش ہوں گے مومن ۔

(آیت نمبر۳) یعنی مکہ کے قریب زمین یا عرب کے علاقوں میں قریب تر جگہ میں دجلہ اور فرات کے درمیان ان کی جنگ ہوگی۔

آگے فرمایا کہ رومی فارس سے مغلوب ہونے کے بعد پھر وہ جلد ہی غالب آجائیں گے۔

فائدہ :جب فارس روم پر غالب آیا تو کفار بڑے خوش ہوئے اور بڑی ڈینگیں ماریں اور کہا جلد ہم بھی تم پر غالب آئیں گے۔ یہ بات مسلمانوں پر بڑی شاق گذری اور سخت غمگین ہوئے تو اس پہ آیت کریمہ اتری کہ اے مسلمانو۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسی بات نہیں ہوگی۔ جیسے کفار کہہ رہے ہیں۔

(آیت نمبر۴) جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے کافرو۔ تمہارا یہ خیال پورا نہیں ہوگا۔ عنقریب چند سالوں میں رومی فارسیوں پر پھر غالب آجائیں گے۔ کافروں کا سرغنہ ابی بن خلف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا شرط لگالو۔ ہم میں سے جو سچا نکلے وہ دوسرے سے سو اونٹ لے گا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے شرط منظور فرمالی۔ چونکہ بضع کا اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے۔ چنانچہ دونوں نے ۹ سالوں اور سو اونٹوں پر شرط لگالی اور یہ بھی طے پایا کہ شرط پائے جانے تک جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں دنیا میں نہ ہوا تو میرا بیٹا عبدالرحمٰن میری جگہ لینا ہوا تو لے گا۔ دینا ہوا تو دے گا۔ ابی نے کہا۔ میں نہ ہوا تو میرا بیٹا میرا وعدہ پورا کریگا۔

اتفاق یہ کہ صلح حدیبیہ والے دن رومی بھی جنگ میں فارس پر غالب آگئے۔ اس وقت یہ جبریل امین خوشخبری لائے بہ یک وقت دو خوشیاں مسلمانوں کو ملیں اور ابی والے اونٹ اس کے بیٹے نے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کردیئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں صدقہ کردو۔ تو آپ نے راہ خدا میں سب تقسیم کردیئے۔

فائدہ: یہ واقعہ شرط لگانے کی حرمت سے پہلے کا ہے۔ **فائدہ** :اسلام میں اب اس قسم کی شرائط منع ہیں۔

بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۙ ⑤

مدد اللہ سے وہ مدد کرتا ہے جس کی چاہے۔ اور وہ غالب ہے مہربان۔

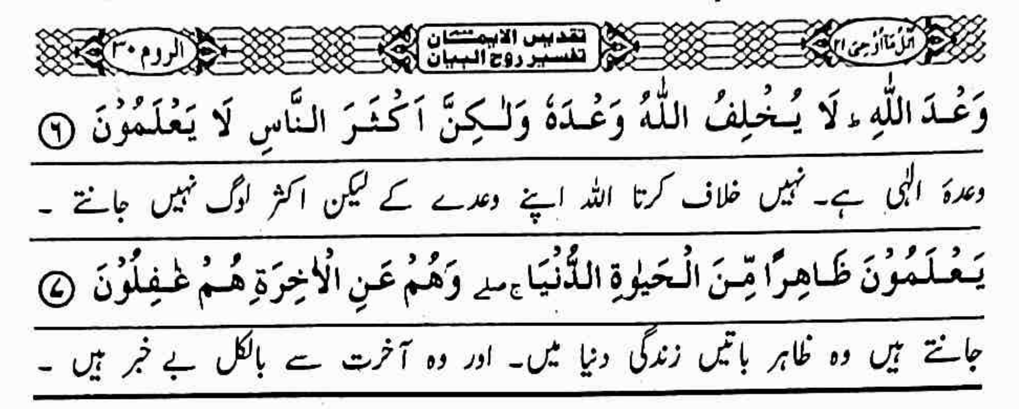
(بقیہ آیت نمبر۴) آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہی کا حکم چلتا ہے پہلے بھی اور بعد بھی۔ یعنی اول وآخر اسی کے ہاتھ میں ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ غالب ومغلوب ہونا کسی کے اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ آگے فرمایا کہ اس دن جب رومی فارسیوں پر غالب آئے اور وعدۂ الٰہی پورا ہوا تو مسلمان بہت خوش ہونگے۔ چونکہ جب اہل فارس غالب آئے گا۔ تو کفار خوش ہوئے۔ اور مسلمانوں کو رنج تھا۔ اب مسلمان خوش ہو گئے۔

(آیت نمبر۵) اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ کہ اس نے جو اہل کتاب کو فارس والوں پر فتح دینی ہے۔ تاکہ کفار مکہ غیظ وغضب میں جلیں کہ انہیں رومیوں کے مغلوب ہونے پر بہت خوشی ہوئی اور دوسرا یہ کہ مسلمانوں کے دل مضبوط ہوں اور جان لیں کہ آئندہ غلبہ ہمارا ہوگا۔

فائدہ: فتح ونصرت ایک اعلیٰ منصب ہے جو صرف اہل ایمان کے لائق ہے۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کی چاہے مدد فرماتا ہے۔ خواہ کمزور کی مدد کر کے زور والوں پر غالب کر دے اور وہ بہت بڑے غلبے اور عزت والا ہے کہ اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا اور بڑی رحمت والا بھی ہے۔ الارشاد میں ہے کہ رحمت سے مراد دنیوی رحمت ہے کہ دنیا میں وہ مسلمانوں کو مشرکوں پر غلبہ دے کر مدد فرماتا ہے جیسے بدر میں ہوا۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کفار کی آپس میں لڑائی سے بھی مسلمانوں کو خوشی ہوتی ہے۔ (لیکن اس زمانے میں کفار آپس میں پُرسکون اور پُرامن ہیں اور ہر جگہ اور ہر ملک میں مسلمان ہی آپس میں لڑمر رہے ہیں۔ اور کفار انہیں لڑا کر تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ معلوم نہیں کہ مسلمانوں کو کب ہوش کے ناخن ملیں گے۔ اللہ کرے کافر آپس میں دست وگریبان ہوں اور ان کی طاقت ختم ہو۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی فکر میں ڈالے۔) کیونکہ یہ آپس میں لڑیں گے تو ان کی شان وشوکت کم ہوگی اور یہ مسلمانوں پر ظلم بند کریں گے۔ یہ خوشی ایسی ہی ہے جیسے ظالموں کا ایک گروہ دوسرے گروہ کو مار ڈالے تو اس میں خوشی ان کو لڑائی کی نہیں بلکہ خوشی ظلم وستم کے ساتھ ان کی طاقت میں کمزوری کی ہے۔



وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦﴾

وعدۂ الٰہی ہے۔ نہیں خلاف کرتا اللہ اپنے وعدے کے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٧﴾

جانتے ہیں وہ ظاہر باتیں زندگی دنیا میں۔ اور وہ آخرت سے بالکل بے خبر ہیں ۔

(آیت نمبر۶) یہ فتح ونصرت مسلمانوں کو دینے کا وعدۂ الٰہی ہے۔ اگر چہ اہل اسلام خصوصی طور پر رحمت کے مستحق ہیں لیکن کبھی کبھی کفار کو بھی غلبہ مل جاتا ہے کیونکہ دنیا میں رحمت کے مستحق مسلمان وکافر دونوں گروہ ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے وعدہ کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں کفار پر غالب کروں گا اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف ہرگز نہیں کرتا۔ خواہ روم وفارس کا واقعہ ہو یا دنیا کا کوئی اور واقع ہو یا آخرت میں اس لئے کہ اس کی ذات سے کذب محال ہے۔ بلکہ ناممکن ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے وہ اپنی جہالت یا عدم تفکر سے یہ باتیں نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کو پورا کر کے چھوڑتا ہے۔

(آیت نمبر۷) وہ جانتے ہیں تو صرف دنیا کی زندگی کے ظاہر کو یعنی دنیا کے نقش ونگار اور اس کی چمک دمک کو۔ اسی طرح وہ احوال جو ان کی خواہشات کے موافق ہوں اور ان کی نفسانی خواہشات کے مطابق ہوں ان کو وہ جانتے ہیں۔ کیونکہ وہ دنیا کے معاملات میں نہایت ہی منہمک ہیں۔ بلکہ وہ اس پر ٹوٹ پڑے ہیں۔

فائدہ: ظاہرا پر تنوین تنکیر وتحقیر کیلئے ہے۔ یعنی دنیا جو کہ نہایت ہی خسیس وحقیر ہے (اس کے عاشق ہیں)۔ آگے فرمایا کہ وہ آخرت سے بالکل بے خبر ہیں۔ یعنی آخرت کا ان کے دل میں کوئی کھٹکا نہیں۔ نہ آخرت کی فکر کرتے ہیں۔ **مسئلہ**: جو آخرت سے غافل ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اور بھی زیادہ غافل ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے غافل ہے وہ اس کے خالص بندوں سے نکال دیا گیا ہے۔

فائدہ: عارفین فرماتے ہیں کہ دنیا کے طالب تین قسم ہیں۔ (۱) دنیا کو جیسے بن پڑتا ہے۔ قہر وجبر اور غصب سے جمع کرتے ہیں خواہ حرام ہے یا حلال۔ انہیں انجام کی بھی کوئی فکر نہیں۔ ایسے لوگ عذاب کے مستحق ہیں۔ (۲) جو دنیا مباح طریقے سے کماتے ہیں۔ مثلاً تجارت کر کے یا کوئی محنت مزدوری کر کے۔ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ حساب لے یا نہ لے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ۗ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ

کیا نہیں سوچا انہوں نے اپنے دلوں میں۔ کہ نہیں پیدا کیا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو

وَمَا بَيْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ

اور جو ان کے درمیان ہے مگر ساتھ حق کے اور میعاد مقرر تک۔ اور بے شک بہت لوگ

بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۞۸

ملنے اپنے رب سے منکر ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۷) (۳) جو دنیا صرف اتنی کماتا ہے کہ بھوک ختم ہو۔ تن ڈھانپے اور قناعت سے زندگی بسر کرے۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ ابن آدم کو سوائے ان تین ضروریات کے دنیا میں اس کے لائق اور کچھ نہیں: (۱) مکان ہو کہ سر ڈھانپ سکے۔ (۲) اتنا کپڑا کہ ستر ڈھانپ سکے۔ (۳) روٹی کے چند ٹکڑے اور پانی کا ایک چلو۔ (رواہ الترمذی)

(آیت نمبر ۸) کیا ان لوگوں نے غور وفکر نہیں کیا۔ یعنی کفار مکہ نے اپنی نظروں کو اس دنیوی زندگی کے ظاہر پر ہی جمالیا اور اپنے دلوں میں فکر کو گنجائش ہی نہ دی۔ ورنہ انہیں معلوم ہو جاتا کہ ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے انہیں بے مقصد نہیں پیدا کیا بلکہ حق کے ساتھ۔ حکمت ومصلحت کے تحت بنایا تاکہ لوگ ان سے عبرت پکڑیں اور صانع حقیقی کے وجود اور اس کی وحدت پر استدلال کریں۔ **فائدہ**: یاد رہے تفکر مخلوق میں ہو سکتا ہے۔ خالق میں نہیں۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں اور مخلوق میں فکر کیا کرو۔ اس کی ذات میں فکر مت کرو کہ وہ تمہاری سمجھ سے وراء الوراء ہے وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ (طبرانی فی الاوسط واحیاء العلوم)۔ حق کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات ثابت الوجود ہے۔ وہ زوال وعدم کو قبول نہیں کرتی۔ نہ تغیر کے قابل ہے اور نہ وہ حادث ہے۔ آگے فرمایا کہ ان سب کی تخلیق کا بھی ایک وقت مقرر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرمایا۔ آگے فرمایا کہ بے شک بہت سارے لوگ جو کہ اہل غفلت ہیں۔ وہ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضری کے ہی منکر ہیں۔ یعنی حساب وکتاب۔ جزاء سزا کے اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کے وہ منکر ہیں۔ اس لئے کہ ان کا خیال ہے کہ دنیا ابدی ہے۔ نہ یہ ختم ہو نہ آخرت آئے۔ خود بخود بنی اور خود چل رہی ہے۔ (العیاذ باللہ)

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط

کیا نہیں وہ پھرے زمین میں تاکہ دیکھتے کیسے ہوا انجام ان کا جو ان سے پہلے ہوئے

كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا

وہ تھے سخت ان سے قوت میں اور ہل چلائے زمین میں اور آباد کیا زمین کو زیادہ اس سے جو انہوں نے آباد کیا

وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ط فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

اور لائے ان کے پاس رسول معجزے۔ پھر نہیں تھی شان اللہ کی کہ ظلم کرتا ان پر لیکن تھے وہ

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ط ۹

خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ۹) کیا یہ اہل مکہ زمین میں پھرے نہیں۔ یعنی سابقہ کافروں کے رہنے سہنے کے مقامات کی طرف کیا نہیں گئے۔ خصوصاً یہ اپنی تجارت کیلئے زمین میں کئی طرف جاتے ہیں۔ تو یہ ان مقامات پر بھی گئے ہوں گے۔ جہاں عذاب آئے وہاں جا کر دیکھیں اور غور و فکر کریں اور سوچیں کہ کیسے ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گذرے۔ یعنی وہ پہلی امتیں جیسے قوم عاد اور قوم ثمود وہ کیسے تباہ و برباد ہوئیں۔ آگے ان کے حالات بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ ان مکہ والوں سے طاقت کے لحاظ سے بھی بہت بڑے طاقتور تھے۔ اور عیش و عشرت کے لحاظ ان مکہ والوں نے دنیا کو اتنا کو آباد نہیں کیا جتنا انہوں نے آباد کیا تھا بلکہ یہ تو رہتے بھی ایسی جگہ ہیں جہاں کھیتی باڑی ہو ہی نہیں سکتی۔ تو ان پہلے کافروں کے پاس رسولان عظام تشریف لائے اور انہیں معجزات اور واضح دلائل دکھائے۔ لیکن وہ نہ مانے اور ان رسولوں کی تکذیب کی تو پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ کر دیا۔ بلا وجہ ان کو تباہ نہیں کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو کسی پر ظلم وزیادتی نہیں کرتا۔ لیکن وہ خود کفر و شرک اور تکذیب اور لوگوں پر ظلم وستم کرنے کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہو کر تباہ و برباد ہو گئے۔ **فائدہ:** دو وجہ سے عذاب جلد آتا رہا۔ (۱) نبی کے ساتھ دشمنی کرنے سے۔ (۲) ظلم سے۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا

پھر ہوا انجام بروں کا بہت برا۔ اس لئے کہ انہوں نے جھٹلایا آیات الٰہی کو اور تھے

بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾

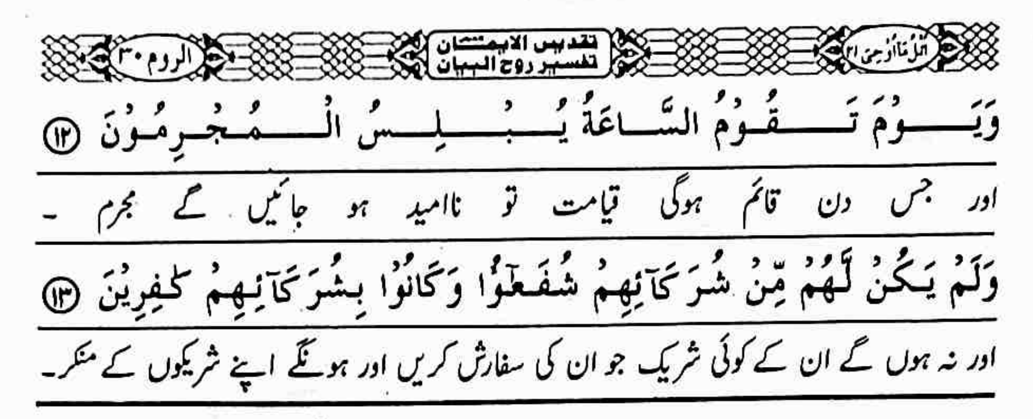
ان سے مزاح کرتے۔ اللہ نے ابتداء کی مخلوق کی پھر اسے لوٹائے گا پھر اس کی طرف تم لوٹو گے۔

(آیت نمبر۱۰) پھر جنہوں نے یہ بہت بڑے بڑے برے عمل کئے۔ یعنی کفر وشرک کیا۔ تو پھر ان کا انجام بھی بہت براہی ہونا تھا۔ اس سے بھی زیادہ بری سزا کفار ومشرکین کو جہنم میں دی جائے گی۔

فائدہ: امام راغب فرماتے ہیں کہ سوء ہر بری تکلیف کو کہا جاتا ہے۔ خواہ امور دنیویہ سے ہو یا اخرویہ سے اور خواہ نفسی احوال سے ہو یا بدنی سے تو یہ بدترین سزائیں اس لئے دی گئیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا اور ان کا مزاح اڑاتے تھے پھر جب ان پر عذاب آیا تو پھر نہ ان کی قوت ان کے کام آئی نہ ان کے مال۔ پھر کوئی چیز انہیں عذاب اور ہلاکت سے نہ بچا سکی تو یہ اہل مکہ بے چارے ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ نہ ان کے پاس ان کے برابر مال ودولت۔ نہ قوت وطاقت۔ نہ ان کی اتنی بڑی تعداد اور جسمانی طور پر بھی ان سے یہ کمزور ہیں۔

فائدہ: ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ رسولوں کے جھٹلانے کا انجام بہت براہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس سے دل سیاہ ہوتا ہے اور جب دل سیاہ ہوجائے تو پھر انسان ایمان کی طرف آ ہی نہیں سکتا۔

(آیت نمبر۱۱) مخلوق کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے ہی کی۔ یعنی اٹھارہ جہانوں میں جتنی بھی مخلوق ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ خصوصاً انسان کو پیدا فرمایا۔ پھر مرنے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کرے گا جیسے وہ پہلے دنیا میں تھا۔ اسی طرح آخرت میں اسے زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے گا۔ پھر سب لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف یعنی اپنے حساب اور جزاء وسزا کیلئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لوٹائے جائیں گے۔ یہاں ترہیب کی وجہ سے مبالغہ کے طور پر التفات کیا گیا صیغہ غائب سے حاضر کی طرف اور اس میں واحد کی ضمیر بھی خلق کی وجہ سے ہے۔ **فائدہ**: اور یہ تمام معاملات طے شدہ ہیں۔ اور یہ سب کچھ ہو کر رہے گا۔



وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور جس دن قائم ہوگی قیامت تو ناامید ہو جائیں گے مجرم۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

اور نہ ہوں گے ان کے کوئی شریک جو ان کی سفارش کریں اور ہونگے اپنے شریکوں کے منکر۔

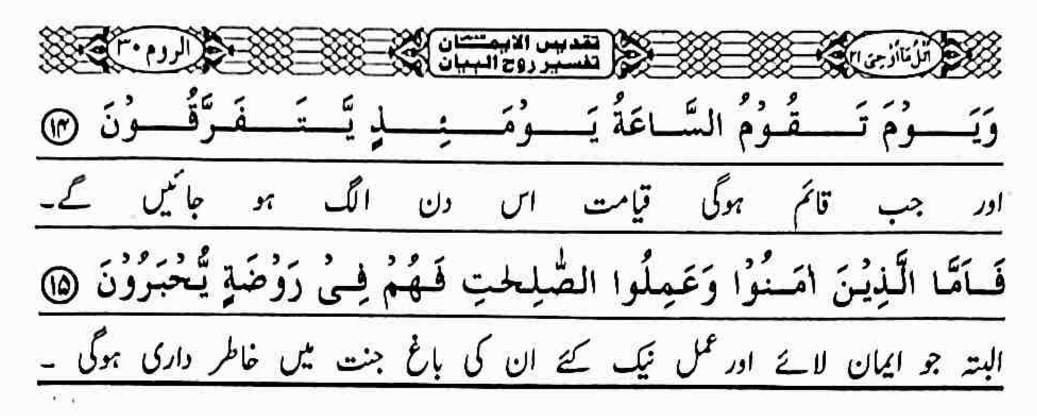
(آیت نمبر۱۲) اس دن کو یاد کرو۔ جس دن قیامت قائم ہوگی اور لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنے کا وقت آ جائیگا اور انسان کی جزا وسزا کا وقت آ پہنچے گا۔

فائدہ: قیامت کو ساعت اس لئے کہا جاتا ہے کہ ساعت کا معنی ہے گھڑی۔ یعنی زمانے کے حصوں میں ایک حصہ یا گھڑیوں میں سے ایک گھڑی اور قیامت کا وقت بھی گھڑی ہوگا۔ اسی لئے دوسرے مقام پر فرمایا کہ قیامت کا دن ایک گھڑی کے برابر ہوگا اور جس دن کہ قیامت قائم ہوگی۔ یعنی جس دن مخلوق کو لوٹا کر حساب اور جزاء وسزا کیلئے لائیں گے۔ **فائدہ**: قیامت کے دن کو ساعت اس لئے کہا گیا کہ اس دن بہت جلد یعنی تھوڑی سی دیر میں ان کا تمام حساب وکتاب ہو جائیگا۔ اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ آگے فرمایا کہ مجرم اس دن ناامید ہو جائیں گے۔ جیسے کوئی آدمی اپنی تمام حجتیں ختم کر کے ناامید ہو کر حیران رہ جاتا ہے کہ کوئی اور حجت ہی نہیں رہتی جسے وہ پیش کرے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ ہر بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے۔

فائدہ: امام راغب فرماتے ہیں کہ ابلاس وہ غم وحزن ہے۔ جو انسان کو ناامیدی کے بعد لاحق ہوتا ہے۔ یعنی جب کوئی اپنے دعوے پر دلائل قائم کرے اور اسے مسکت جواب ملنے پر پھر اسے کوئی اور دلیل نہ سوجھے جو اس کیلئے مفید ہو۔ اس موقع پر کہتے ہیں (ابلس فلان)۔

(آیت نمبر۱۳) اور ان کے وہاں شرکاء (بت) بھی نہیں ہوں گے۔ یعنی ان کے وہ شریک جن کو زندگی بھر پوجتے رہے۔ اور ان سے شفاعت کی امید کرتے رہے۔ جو سفارش کر کے انہیں عذاب سے چھڑا سکیں۔

نکتہ: ماضی کا صیغہ اس لئے ہے کہ گویا وہ علم الٰہی میں محقق ہو چکا کہ یہ ایسا ہی ہوگا۔ آگے فرمایا کہ وہ اپنے شریکوں کے ہی منکر ہو جائیں گے۔ یعنی جب وہ اپنے شریکوں سے ناامید ہوں گے اور اپنے مطلب کو نہیں پا سکیں گے تو پھر وہ انکار ہی کر دیں گے کہ ہم نے تو شرک کیا ہی نہیں یعنی وہ جھوٹ بول دیں گے۔



وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور جب قائم ہوگی قیامت اس دن الگ ہو جائیں گے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِىْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾

البتہ جو ایمان لائے اور عمل نیک کئے ان کی باغ جنت میں خاطر داری ہوگی ۔

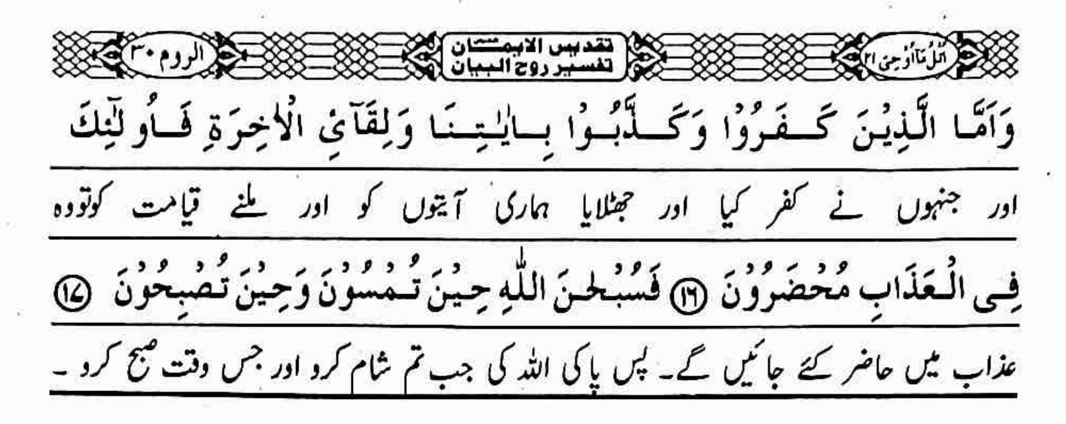
(آیت نمبر۱۴) اس دن جب قیامت قائم ہوجائیگی۔ یہ جملہ دوبارہ اس لئے لایا گیا کہ قیامت کی ہولنا کی انتہائی سخت ہوگی۔ آگے فرمایا کہ اس دن وہ جدا جدا ہوجائیں گے چونکہ اس دن انہیں سخت ترین ہولنا کی پیش آئیگی۔ اسی لئے اس مضمون کو بار بار دوہرایا جارہا ہے۔ یہ جدا جدا ہونے کا معاملہ کسی ایک جماعت سے ہی خاص نہیں۔ بلکہ مسلمان اور کافر الگ الگ ہوجائیں گے۔ مسلمان جنت کی طرف ہمیشہ کیلئے چلے جائیں گے اور کافر جہنم کی طرف ہمیشہ کیلئے چلے جائیں پھران کا اکٹھ کبھی بھی نہیں ہوسکے گا۔ ہمیشہ کیلئے ایک دوسرے سے جدا ہوجائیں گے۔

فائدہ: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ مومن وکافر دنیا میں اکٹھے رہے لیکن آخرت میں جدا جدا ہوجائیں گے۔ مومن اعلیٰ علیین میں اور کفار سجین میں ہوں گے۔ ایک طرح طرح کی نعمتوں میں دوسرا طرح طرح کے عذاب میں ہوگا۔ **فائدہ**: یہ بھی ممکن ہے۔ کہ ہر ایک قبیلہ ایک دوسرے سے دور ہوجائیگا۔

(آیت نمبر۱۵) البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے وہ باغات میں ہوں گے۔ جہاں انہیں مہمانوں کی طرح رکھا جائے گا۔ اوران کی عزت افزائی ہوگی۔

ربط: پچھلی آیات میں اہل شقاوت کا بیان تھا۔ اس آیت میں اہل سعادت کا بیان ہے۔

روضہ: وہ جگہ جہاں پانی ہو پر رونق اور خوش منظر ہو۔ یعنی جنت کے باغات اس کے محاسن اور رہنے سہنے کے اعلیٰ مقامات جن میں جنتی انتہائی خوش ہوں گے اور نعمتوں سے ان کے چہرے چمکتے دمکتے ہوں گے۔ یعنی انہیں خوشی اتنی ہوگی کہ اس کے آثار چہروں سے ہویدا ہوں گے۔ کہ علماء قیامت تک رہیں گے۔ خواہ ان کے اجسام دنیا میں نہ ہوں۔ ان کے آثار لوگوں کے دلوں میں موجود رہتے ہیں۔ عالم دین کو حبر اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے اخلاق حسنہ کی پیروی کی جاتی ہے۔ "یحبرون" تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ میں فرماتے ہیں۔ اس کے بہت سے مطالب ہیں۔ ابن عباس اور مجاہد نے اس کا معنی مکرمون کیا ہے۔ یعنی انہیں عزت دی جائے گی۔



وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ

اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور ملنے قیامت کوتو وہ

فِى الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾

عذاب میں حاضر کئے جائیں گے۔ پس پاکی اللہ کی جب تم شام کرو اور جس وقت صبح کرو ۔

(بقیہ آیت نمبر۱۵) یعنی جنت میں ان کی عزت افزائی ہوگی۔ابوبکر بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ جنت میں عالی شان تاج ان کے سروں پر سجائے جائیں گے۔وکیع فرماتے ہیں۔جنتیوں کوسماع سے خوش کیا جائیگا۔ یہ جنت کی اعلیٰ لذتوں میں ہوگا۔ **فائدہ:** جنت میں باکرہ قسم کی لڑکیاں خوش لحانی سے گائیں گی کہ ایسی آواز اس سے پہلے کبھی نہیں سنی گئی ہوگی۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔ جنت میں وہ لڑکیاں کیا گائیں گی تو فرمایا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھیں گی۔

حدیث: جنت کے سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان زمین وآسمان جتنا فاصلہ ہے (رواہ مسلم)۔سب سے بلند جنت الفردوس ہے۔اس سے اوپر عرش ہے۔ایک شخص نے عرض کی۔ یارسول اللہ میں خوش الحانی کا شوقین ہوں تو فرمایا۔قسم بہ خدا۔اللہ تعالیٰ جنت کے ایک درخت کوحکم فرمائے گا کہ میرے ان بندوں کوسارنگی اور مزامیر سناتو وہ درخت ایسی خوش الحانی سے تسبیح وتقدیس کہے گا کہ اس جیسی آواز اس سے پہلے کسی نے نہ سنی ہوگی۔

(آیت نمبر۱۶) البتہ جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کوجھٹلایا۔خصوصاً آخرت کی حاضری کوجھٹلایا۔یعنی مرنے کے بعد جی اٹھنے کا انکار کیا۔تو ان جھٹلانے والے کفار کوعذاب کیلئے حاضر کیا جائیگا۔جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ **فائدہ:** بعض مفسرین فرماتے ہیں۔احضار اس حاضری کیلئے بولا جاتا ہے۔جو بالجبر یعنی زبردستی اور سختی سے ہو۔یعنی ان کومجبور کرکے عذاب میں لایا جائیگا۔اور اس کے بالمقابل اہل ایمان کوفرحت وسرور سے نوازا جائیگا اور پورے اعزاز واکرام سے جنت میں داخل کیا جائیگا۔

(آیت نمبر۱۷) تسبیح کا مطلب اللہ تعالیٰ کوان صفات سے دور سمجھنا جو اس کی شان کے لائق نہیں جیسے نہ اس کی اولاد ہے نہ اس کا شریک اور اس کے شایان شان اچھی تعریف کرنا۔یعنی اے عقل والو۔ جب تمہیں معلوم ہوگیا کہ ثواب اور نعمتیں مومنوں کیلئے ہیں جو نیک عمل کرنے والے ہیں اور جہنم کا عذاب کافروں جھٹلانے والوں کیلئے ہے تو پھر تم اللہ تعالیٰ کی شایان شان صبح وشام تسبیح پڑھو۔

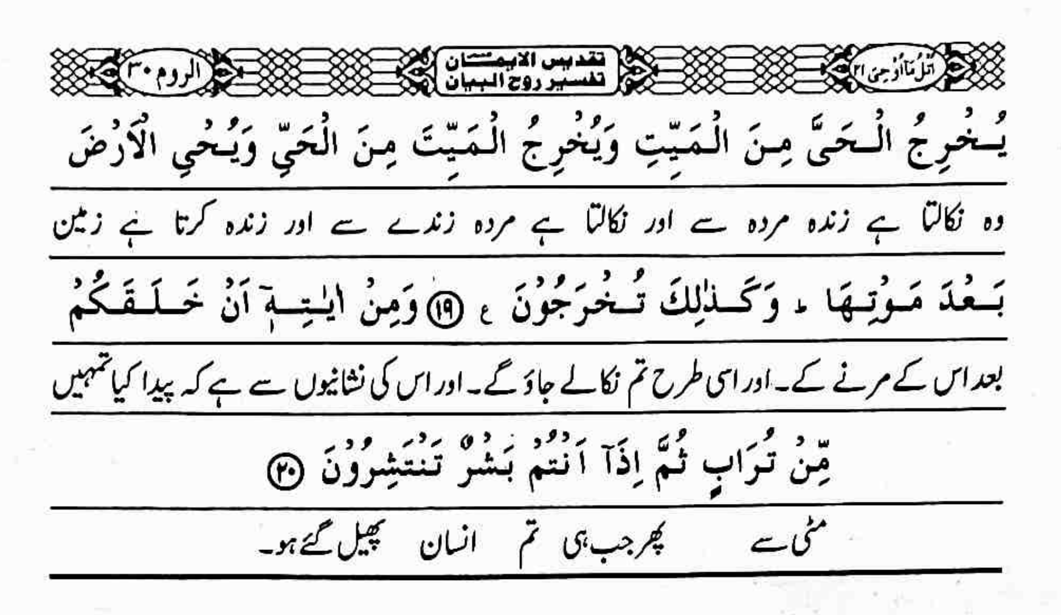
وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور اسی کی حمد ہے آسمانوں اور زمین میں اور پچھلے پہر اور بوقت دوپہر ۔

(بقیہ آیت نمبر۱۷) **سبــــق** :لہذا عقل مند پر لازم ہے کہ قیل وقال سے بچے اور وجد وحال میں زندگی بسر کرے اور اعمال صالحہ بجالائے۔ اس لئے کہ ہر عمل صالح کا اثر اور ہر تقوے کا ثمر آخرت کی کامیابی ہے۔ لہذا جس نے اپنے آپ کو عبادت میں مشغول رکھا اور ذکر وفکر کی مجالس گرم رکھیں۔ وہ باغ جناں میں خوش زندگی بسر کرے گا۔ پھر اسے دنیا کی تکالیف ومشقتیں بھول جائیں گی۔ لہذا آج کل کے ان نام نہاد صوفیوں سے جو جاہل ہیں۔ گناہ کو گناہ بھی نہیں سمجھتے۔ بلکہ بعض مجالس غیر شرعی امور سے مزین ہوتی ہیں۔ ان کے مشاغل لہو ولعب سے بھر پور ہوتی ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں آخرت کا خیال ہی نہیں۔ نہ ان کے ہاں ذکر الٰہی ہوتا ہے۔ نہ نماز وتلاوت کا اہتمام ہوتا ہے۔ بہ خدا جو رتی بھر بھی عقل رکھتا ہے۔ وہ جاہل اور نام نہاد صوفیوں کے قریب بھی نہیں بھٹکتا۔

(آیت نمبر۱۸) اللہ تعالیٰ کی ہی تعریف ہے کل کائنات میں خاص کر کے آسمانوں اور زمینوں میں کہ ان میں رہنے والی تمام مخلوقات ہر وقت اس کی تعریف وثناء میں مشغول ہے۔ لہذا اے انسان تو بھی یاد الٰہی میں مشغول ہو۔ ایک لمحہ بھی ضائع نہ کر۔

حدیث شریف :حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ صبح وشام سو مرتبہ "سبحان اللہ وبحمدہ" پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے خواہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں (مسلم ۲۶۹۲، ترمذی ۳۴۶۹، ابوداؤد ۵۰۹۱)۔ ایک اور **حدیث شریف** میں فرمایا دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے اور ترازو میں وزنی ہیں۔ وہ ہے "سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم" (ترمذی شریف)۔ ایک اور حدیث شریف میں فرمایا کہ جو چاہے کہ اس کی نیکیوں والا پلہ بھاری ہو تو وہ اس مذکورہ آیت کو کثرت سے پڑھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان دو آیات میں پانچوں نمازوں کے اوقات کا بیان بھی آ گیا۔



يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ

وہ نکالتا ہے زندہ مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ زندے سے اور زندہ کرتا ہے زمین

بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ

بعد اس کے مرنے کے۔ اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے۔ اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ پیدا کیا تمہیں

مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾

مٹی سے پھر جب ہی تم انسان پھیل گئے ہو۔

(آیت نمبر۱۹) وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو مردے سے زندہ نکالتا ہے۔ یعنی مردہ منی سے زندہ بچہ یا مردہ انڈے سے زندہ پرندہ وہی نکالتا ہے یا کافر کے گھر مومن اور جاہل کے گھر عالم وہی پیدا کرتا ہے اور مردوں سے زندہ وہی پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح مردہ زمین یعنی قحط زدہ خشک زمین کو بارش اتار کر زندہ فرماتا ہے۔ کہ سرسبز وشاداب کردیتا ہے۔ بروز قیامت بھی حساب وکتاب کیلئے زندہ ہونے کا یہی طریقہ ہوگا کہ عرش کے قریب سے آب حیات بارش کی طرح نازل ہوگا۔ اور تمام زمین پہلے ہی نرم ہو چکی ہوگی۔ پھر پودوں کی طرح تمام مردہ انسان زمین سے باہر آجائیں گے اس طرح دوبارہ زندہ ہوجائیں گے۔

(آیت نمبر۲۰) قیامت کے دن زندہ ہونے کی دلیل اور نشانی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہلی مرتبہ بھی مٹی سے پیدا کیا تاکہ انسان خشوع عاجزی اور انکساری میں اگر رہے تو اللہ تعالیٰ اسے سربلند فرمائے گا۔ بشرطیکہ اس کی رضا پر قائم رہے۔ آگے فرمایا کہ جب ایک دفعہ مٹی سے بنایا تو دوبارہ بھی مٹی سے بہ آسانی بنالے گا۔ پھر وہ قبروں سے نکلنے کے بعد میدان محشر میں پھیل جائیں گے۔ جیسے پتنگے ہر طرف پھیل جاتے ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا

اور اس کی نشانیوں سے یہ ہے کہ پیدا کئے تمہاری جنس سے جوڑے کہ سکون پاؤ تم ان سے

وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

اور کردی تم میں محبت اور رحمت۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کیلئے

يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ

جو غور کریں۔ اور اس کی نشانیوں سے پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا اور اختلاف

اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾

تمہاری بولیوں اور رنگوں میں۔ بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں جاننے والوں کیلئے۔

(آیت نمبر ۲۱) ایک اور اس کی نشانیوں میں یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے نفسوں سے ہی تمہارے جوڑے بنائے یعنی جناب حوا علیہا السلام کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا۔ یا یہ معنی ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بنادیا تا کہ تم ان سے انس پاؤ۔ **فائدہ**: علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں۔ فقہاء میں سے علماء نے جنوں اور انسانوں کے درمیان اس آیت سے رشتہ ازدواج کو جائز قرار دیا ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بیوی اور خاوند میں محبت اور شفقت رکھ دی۔ بے شک ان میں بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ اس قوم کیلئے جو ان آیات میں غور وفکر کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۲) قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کو۔ بغیر کسی مادہ کے۔ یہ آفاقی علامات سے ہے اور اس کی علامات میں سے تمہاری زبانوں کا مختلف ہونا۔ کہ کوئی عربی کوئی ترکی کوئی فارسی۔ کوئی ہندی وغیرہ۔ **فائدہ**: حضرت وہب فرماتے ہیں کل بہتر ۷۲ زبانیں ہیں۔ آگے فرمایا اور تمہارے رنگ بھی مختلف ہیں کوئی سرخ کوئی سفید کوئی کالا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں چونکہ پوری روئے زمین سے جناب آدم علیہ السلام کی مٹی لی گئی۔ جو جو مٹی کے رنگ تھے۔ وہ ہی انسانوں کے رنگ ہوئے۔ آگے فرمایا بے شک ان تمام چیزوں میں یعنی آسمانوں اور زمین میں زبانوں اور رنگوں کے مختلف ہونے میں بہت بڑی اور بے حساب نشانیاں ہیں جہاں والوں کیلئے۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ ان نشانیوں سے جانا جا سکتا ہے کہ کوئی ایسی ذات موجود ہے۔ جو یہ سب رنگ بنانے والی ہے۔ وہ ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ وہی اللہ تعالیٰ یہ جہاں دوبارہ بنانے پر بھی قادر ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ

اور اس کی نشانیوں سے تمہارا سونا رات اور دن میں تلاش کرنا اس کا فضل ۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

بے شک اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کیلئے جو سنتے ہیں

(آیت نمبر۲۳) قدرت خداوندی کی نشانیوں میں تمہاری نیند بھی ہے جب تم بدن کو آرام دینے کیلئے رات کو سوتے ہو یا دن کے وقت قیلولہ کرنے کیلئے سوتے ہو۔ تو ایک قسم کی جان تم سے نکل جاتی ہے۔

فائدہ: اس میں بھی اشارہ ہے۔ حیات بعد ممات کی طرف۔ یعنی آدمی رات گذار کر جب صبح کو اٹھتا ہے۔ تو یہ مثال ہے اس بات کی کہ اسی طرح قیامت کے دن بھی قبر سے زندہ ہو کر اٹھنا ہے۔ آگے فرمایا کہ تم دن کے وقت اپنے رب کا فضل تلاش کرتے ہو۔ یعنی ذریعہ معاش اپنے کھانے پینے اور دیگر ضروریات مہیا کرتے ہو۔ یعنی کماتے بھی ہو۔ اور پھر کھانے پینے کی ضروری اشیاء خرید کر گھر لاتے ہو۔ خود بھی کھاتے ہو۔ بچوں کو بھی کھلاتے ہو۔

نکتہ: یہاں رات کا ذکر دن سے پہلے کیا۔ اس لئے کہ رات خالق کی عبادت کیلئے اور دن مخلوق کی مدد امداد کیلئے ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کو معراج رات کو ہوئی۔ اس لئے رات کو دن پر فضیلت حاصل ہے۔ اسی طرح اللہ والے راتوں کو جاگ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

نکتہ: بعض بزرگ فرماتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ نے باللیل کی طرح بالنہار نہیں کہا تا کہ واضح ہو کہ ہم درحقیقت جب تک اس دنیا میں ہیں گویا سوئے ہوئے ہیں۔ آگے فرمایا بے شک اس سونے اور جاگنے میں بھی بہت ساری نشانیاں ہیں ایسی قوم کیلئے جو سنتے ہیں۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ جو ان آیات میں غور و فکر نہیں کرتا۔ وہ واقعی سویا ہوا ہے۔ اور جو سویا ہوا ہے۔ وہ غفلت میں ہے۔ اور غفلت سے دل سخت ہوتا ہے۔ نیند اور غفلت ایک ہی چیز کا نام ہے۔ **فائدہ:** نبی سو بھی جائے۔ تب بھی غافل نہیں ہوتا۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ کہ میری آنکھیں سوتی ہیں۔ دل جاگ رہا ہوتا ہے۔ اسی لئے نیند سے حضور ﷺ کا وضو سلامت رہتا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ

اور قدرت کی نشانیوں سے یہ بھی ہے کہ وہ دکھاتا ہے بجلی جس میں ڈر بھی ہے اور لالچ بھی اور اتارتا ہے

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

پانی آسمان سے جس سے زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد۔ اس میں بھی نشانیاں ہیں

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ

اس قوم کیلئے جو سمجھتے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں سے یہ بھی ہے کہ آسمان اور زمین اسی کے حکم سے قائم ہیں۔

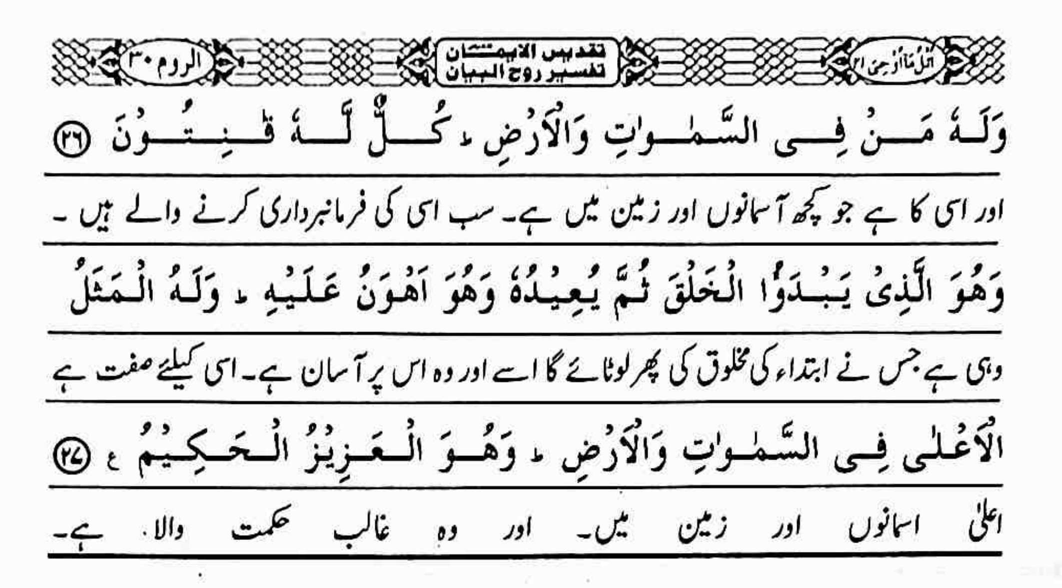
ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾

پھر جب وہ تمہیں آواز دے گا زمین سے تو تم نکل آؤگے۔

(آیت نمبر۲۴) اللہ تعالیٰ کی قدرت اتنی عظیم ہے کہ کائنات کی ہر چیز اس کی قدرت کا پتہ دے رہی ہے۔ بجلی سے مراد وہ چمک جو بارش کے دوران پیدا ہوتی ہے اور ایک سیکنڈ میں وہ ہر طرف روشنی کر دیتی ہے۔ اس میں ڈر بھی ہے کہ اس میں عذاب نہ ہو۔ یا مسافر ڈر رہا ہوتا ہے کہ بجلی پڑی تو میری خیر نہیں ہے اور اس چمک میں لالچ بھی ہے کہ ابھی بارش ہوگی۔ بارش ہوئی تو باغوں میں بہار آجائے گی۔ کھیت ہرے بھرے ہو جائیں گے۔ پھل فروٹ عام ہو جائیگا۔ اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی اتارتا ہے۔ آسمان سے پانی، تاکہ زندہ ہو جائے زمین بعد اس کے مرنے کے۔

فائدہ: اس بات سے سمجھا جا سکتا ہے کہ جو ذات مردہ زمین کو زندہ کر سکتا ہے۔ وہ یقیناً مردہ انسانوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے اور قیامت بھی برپا کر سکتا ہے۔ آگے فرمایا بے شک اس میں بھی ضرور نشانیاں ہیں ایسی قوم کیلئے جو سمجھتے ہیں یعنی جو اس طرح کے دلائل اور حجتوں کو سمجھتے ہیں۔

(آیت نمبر۲۵) یہ زمین و آسمان جس حالت میں کھڑے ہیں یہ ان شاء اللہ قیامت تک یوں ہی کھڑے رہیں گے پھر جب قیامت کا دن آجائے گا تو ایک ہی آواز سے سب مردے زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جائیں گے۔ یعنی روز قیامت اعلان ہوگا۔ اے مُردو زندہ ہو کر زمین سے یا قبروں سے باہر آجاؤ۔ تو وہ زمین سے باہر آجائیں گے۔ یہ معاملہ دوسری مرتبہ صور اسرافیل کے پھونکنے کے بعد ہوگا۔



وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سب اسی کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں ۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ

وہی ہے جس نے ابتداء کی مخلوق کی پھر لوٹائے گا اسے اور وہ اس پر آسان ہے۔ اسی کیلئے صفت ہے

الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾ ع

اعلیٰ اسمانوں اور زمین میں۔ اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

(آیت نمبر۲۶) یعنی آسمانوں میں فرشتے وغیرہ جو بھی ہیں۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کے ہیں اسی طرح زمین میں جتنی بھی مخلوقات جن انسان حیوانات اور دیگر اشیاء ہیں۔ ان سب کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کسی اور کی اس میں کوئی کسی قسم کی شراکت نہیں اور سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے آگے سر تسلیم خم ہیں اور سب پر اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے۔ جسے چاہے مارے یا زندہ کرے۔ بیمار کرے یا صحت دے۔ امیر کرے یا غریب۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ارادے پر ہے۔ سب کچھ اس کے حکم اور حکمت کے تحت ہے۔

(آیت نمبر۲۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ابتداء آدم وحواسے کی پھر پوری دنیا میں انہیں پھیلا دیا۔ پھر انہیں ایک وقت پر موت دی۔ جب ان کی زندگیاں ختم ہوئیں۔ پھر بروز قیامت جب اسرافیل علیہ السلام صور میں دوسری دفعہ پھونکیں گے سب لوگ بیک وقت زندہ قبروں سے باہر آ جائیں گے اور یہ دوبارہ زندہ کرنا پہلی مرتبہ زندہ کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کیلئے تو دونوں برابر ہیں کیونکہ جب اس کا ارادہ ہو تو وہ لفظ کن کہتا ہے تو وہ کام اسی وقت ہو جاتا ہے خواہ اس کا کوئی مادہ ہو یا نہ ہو۔ اور عجیب شانوں کا مالک ہے۔ اس کی قدرت عامہ اور حکمت تامہ کا کوئی اندازا نہیں لگا سکتا۔ اس لئے فرمایا وہ غالب حکمت والا ہے۔ غالب اس لحاظ سے کہ وہ سب کچھ کر سکنے پر قادر ہے۔ اور حکیم اس لحاظ سے کہ وہ ہر کام حکمت کے تحت کرتا ہے۔

ضَرَبَ لَكُم مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۖ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

اللہ تعالیٰ نے بیان کی مثال تمہاری جانوں سے۔ کہ کیا ہے تمہارے لئے کہ جن پر تم مالک ہو

مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ

وہ شریک ہو اس میں جو ہم نے تمہیں دیا کہ تم اس میں برابر ہو جاؤ۔ تم ان سے ایسے ڈرتے ہو

كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۖ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

جیسے اپنی جانوں سے ڈرتے ہو۔ اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتیں اس قوم کیلئے جو سمجھتے ہیں۔

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ

بلکہ پیروی کی ظالموں نے اپنی خواہشات کی جہالت اور نادانی سے۔ تو کون ہدایت دے اسے جس کو

اَضَلَّ اللّٰهُ ۖ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

اللہ گمراہ کرے۔ اور نہیں ہیں کوئی ان کی مدد کرنے والے۔

(آیت نمبر ۲۸) یعنی اے مشرکو تمہارے شرک کے بطلان کیلئے تمہارے اپنے نفسوں سے مثال بیان کی جا رہی ہے۔

شان نزول: ابو اللیث فرماتے ہیں کہ قریش مکہ بتوں کی پوجا کرتے تھے اور حج کا احرام باندھتے وقت یوں کہتے کہ اے اللہ ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوا اس کے جو تیرا اپنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کیا تمہارے غلاموں میں کوئی تمہارا شریک ہے اس چیز میں جو ہم نے تمہیں رزق دیا کہ تم ان کے یا وہ تمہارے برابر ہو گئے ہوں حالانکہ تم تو خود ڈرتے ہو کہ یہ کہیں تمہارے برابر نہ ہو جائیں تم تو اپنے جیسے انسانوں کو اپنے جیسا ہونے کو برداشت نہیں کرتے اور میرے شریک اور میرے برابر پتھروں کو کر دیا۔ حالانکہ آسمانوں میں میرا کوئی شریک نہیں۔ تم زمین میں میرا شریک بناتے ہو۔ آگے فرمایا اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیات کو اس قوم کیلئے جو سمجھیں۔

(آیت نمبر ۲۹) بلکہ ظالموں نے اپنی جہالت سی صرف اپنی خواہشات کی پیروی کی ہے۔ کہ انہوں ایک بے جان چیز کو اپنا خدا بنا لیا۔ جو نہ کسی کو نفع دے۔ نہ مخالف کا کوئی نقصان کر سکے۔ **فائدہ**: انہیں ظالم اسی لئے کہا۔ کہ انہوں نے جسے معبود بنایا۔ وہ معبود بننے کے کسی طرح لائق نہیں۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ

پکا کرلیں اپنے آپ کو اس دین کیلئے جو یکسو ہے پیدائش ہے اللہ کی جس پیدائش پر سب لوگ ہیں۔

عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ

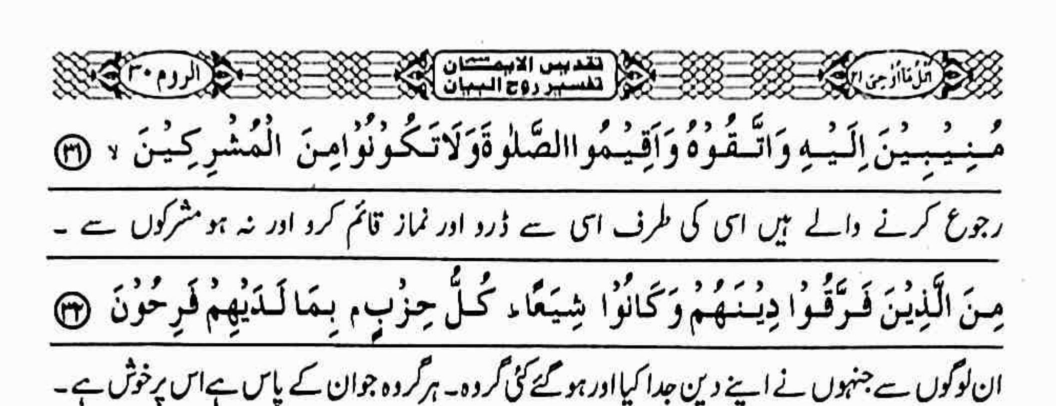
اللہ کی پیدائش میں تبدیلی نہیں ہے یہی دین سیدھا ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ ﴿۳۰﴾

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

(بقیہ آیت نمبر۲۹) کشف الاسرار میں ہے کہ اس آیت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ گمراہ کرتا ہے اور دیگر بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ خود گمراہ ہوتا ہے جیسے (قد ضلو من قبل) کہ وہ پہلے گمراہ ہو چکے۔ **فائدہ:** اہل سنت کہتے ہیں بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دیتا ہے اور اگر بندہ خود ہی گمراہی کے گڑھے میں جانا چاہے اور اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دیتا ہے لہذا سالک پر ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم پر قائم رہنے کی توفیق مانگتا رہے۔

(آیت نمبر۳۰) پس آپ اپنے دین کی طرف پورے طور پر متوجہ ہو جائیں اور دین کی اشاعت میں پورے طور پر یکسو ہو کر لگ جائیں۔ اس حال میں کہ آپ باطل اور منسوخ شدہ اور تحریف شدہ ادیان سے مکمل طور پر الگ ہو جائیں۔ آگے فرمایا کہ وہی فطرت ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو پیدا فرمایا۔ **حدیث قدسی:** اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو نبی کریم ﷺ نے یوں بیان کیا کہ سب لوگ دین حنیف پر پیدا ہوتے ہیں۔ پھر انہیں شیاطین (جنوں اور انسانوں سے) گمراہ کرتے ہیں۔ حدیث شریف: ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر ماں باپ اگر یہودی ہیں تو اسے یہودی بناتے ہیں۔ یا عیسائی یا مجوسی ہیں تو اپنے مذہب پر لے جاتے ہیں (مشکوٰۃ)۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بچہ تو فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے جو دین کو قبول کرتا ہے اگر اسے اس کی اپنی حالت پر چھوڑا جائے۔ تو وہ خود دین پر رہ سکتا ہے۔ لیکن سوسائٹی اور ماحول بچے کو خراب کرتے ہیں۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یعنی اسلام کی صحت واستقامت میں کبھی خلل نہیں ہوگا۔ یہی دین دین قویم ہے۔ جس کیلئے ترغیب دی گئی ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ یہی دین قیم ہے۔ یعنی ایسا سیدھا راستہ جس میں کوئی کجی نہیں۔



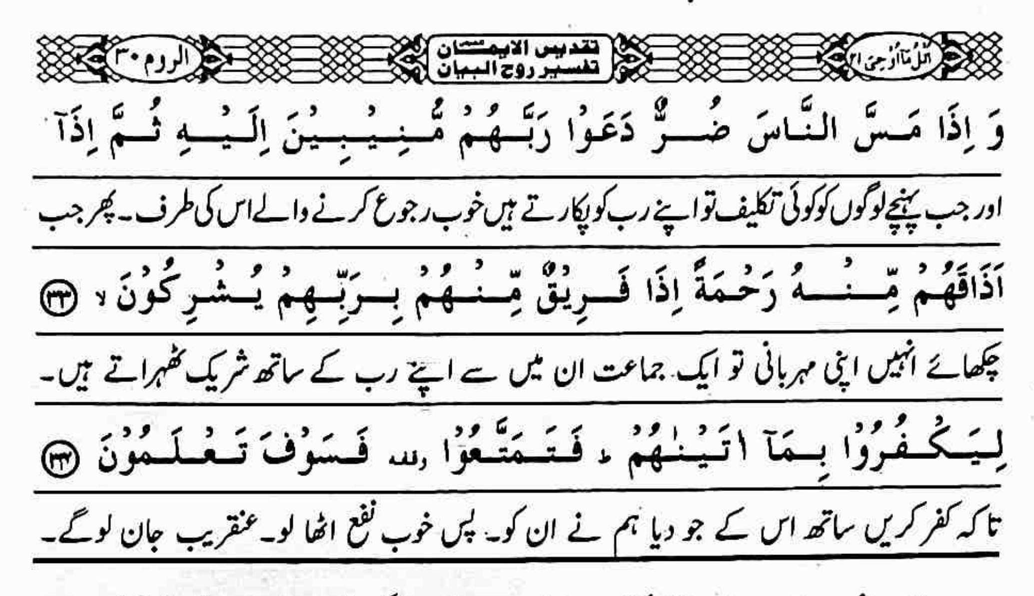
(آیت نمبر ۳۱) اپنا رخ اسی دین کی طرف رکھو۔ رجوع الی اللہ سے مراد اطاعت الٰہی ہے۔

فائدہ: شیخ ابوسعید نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے خلق سے منہ موڑو۔ اور حق سے رشتہ جوڑو۔ یعنی حق کے سوا کسی کی طرف توجہ نہ کرو۔ چونکہ آگے نماز کا ذکر ہے۔ اس لئے فرمایا۔ خالص اسی کی عبادت کرو۔

آگے فرمایا کہ اسی سے ڈرو اور نماز قائم کرو۔ اس کی تمام شرائط و آداب کے ساتھ اور مقررہ وقت پر ادا کرو۔ یعنی ایسا نہ کرو کہ مرضی ہو تو پڑھو ورنہ نہ پڑھو اور مشرکوں سے نہ ہو جاؤ۔ **فائدہ:** کاشفی فرماتے ہیں۔ نماز کو جان بوجھ کر نہ چھوڑو ورنہ مشرکوں سے ہو جاؤ گے۔ یہ خطاب امت کو ہے۔ **حدیث شریف:** جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کفر کیا (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)۔ اس حدیث کا اور مذکورہ آیت کا مضمون ملتا جلتا ہے۔ **سبق:** جان بوجھ کر نمازیں ضائع کرنے والے اس آیت سے سبق حاصل کریں۔

(آیت نمبر ۳۲) ان لوگوں سے نہ ہو جاؤ۔ جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ یعنی دین میں عبادت کے اپنے اپنے طریقے اپنا لئے اور یہ سب کام انہوں نے خواہشات نفسانی کیلئے کیا اور وہ مختلف فرقے بن گئے اور ہر فرقہ اپنے سربراہ کی اتباع میں سرمست ہو گیا۔ یعنی وہ اس بات پر خوش تھے کہ ان کا فرقہ حق پر ہے۔

فائدہ: آدم علیہ السلام سے حضور ﷺ تک اصل دین ایک ہی رہا۔ یعنی توحید میں سب کا اتفاق رہا۔ لیکن یہود ونصاریٰ اور مشرکین نے فرقے بنائے اور لوگ الگ الگ ٹولیوں میں بٹ گئے۔ موسوی امت کے اکہتر فرقے بنے ان میں ایک جنتی باقی سب جہنمی ہوں گے۔ جنتی وہ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے عقائد و اعمال اپنائے۔ عیسوی امت کے بہتر فرقے ہوئے۔ ان میں ایک فرقہ جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام والے عقائد و اعمال اپنائے جنتی باقی دوزخی ہیں۔ امت محمدیہ میں تہتر فرقے ہوں گے۔ ایک جنتی باقی دوزخ میں جائیں گے۔ پوچھا گیا کہ جنتی کون ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو میرے اور صحابہ کے عقائد و اعمال کے مطابق ہوگا۔ یہی فرقہ ناجیہ کہلاتا ہے۔ اور انہیں اہل سنت و جماعت کہا جاتا ہے۔ (ابوداؤد و ترمذی)۔ **فائدہ:** معلوم ہوا۔ کہ صحابہ عقائد و اعمال میں کسوٹی ہیں۔



(آیت نمبر ۳۳) جب انسان کو کوئی نقصان پہنچے اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں کہ جب انہیں کوئی فقر و فاقہ آ جائے تو اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں۔ اس حال میں اس کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ یعنی کبھی دعائیں تو کبھی زاریاں کرتے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ اب اس کے سوا کوئی اس مصیبت کو نہیں ٹال سکتا۔ بتوں میں یہ قدرت نہیں لیکن پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت چکھاتا ہے۔ یعنی دکھ درد سے نجات دے دیتا ہے۔ بیماری سے صحت دیتا ہے یا مال و دولت مل جاتی ہے۔ تو پھر ان میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ اس مصیبت سے نجات تو وحدہ لاشریک نے بخشی۔ لیکن اپنی جہالت و حماقت سے شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔ **فائدہ**: معلوم ہوا کہ سارے ہی ایسے نہ تھے بلکہ ان میں صرف ایک گروہ ایسا تھا۔

(آیت نمبر ۳۴) تا کہ وہ کفر کریں اس کے ساتھ جو ہم نے انہیں دیا۔ یعنی صحت و عافیت وغیرہ جب دی ہم نے تا کہ ایک وقت مقررہ تک خوب نفع اٹھالیں۔ یعنی دنیوی زندگی میں خوب مزے کرلو کہ پھر موت تمہارے سروں پر ہر وقت منڈلا رہی ہے۔ اس کے منہ میں چلے جاؤ گے۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں کہ اے کافرو۔ دنیا میں چند روز نعمتوں کے مزے لوٹ لو۔ پھر عنقریب جان جاؤ گے یعنی جب قیامت آئیگی تو پتہ چلے گا کہ تم کتنی سزا کے مستحق ہو۔ اس لئے کہ نعمت خداوندی کا حق تو شکر کرنا تھا۔ لیکن ان کے نفوس سرکش ہو گئے جو اپنی مذموم عادات اور ذلیل طبع سے کفران نعمت پر اترائے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تہدید فرمائی کہ خوب نفع اٹھالو۔ عنقریب تمہیں اس کی سزا ملنے والی ہے جو تم نے اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کی اور اپنی طبع کے مطابق عمل کیے۔ یعنی ہمارے حکم ماننے کے بجائے تم اپنی خواہشات پر چلے۔ اس کا نتیجہ تمہیں معلوم جائیگا۔

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾

یا اتاری ہم نے ان پر کوئی دلیل پھر وہ بات کرتے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ

اور جب چکھائیں لوگوں کو رحمت تو خوش ہوتے ہیں اس سے۔ اور اگر پہنچے انہیں برائی بوجہ اس کے جو آگے بھیجا

اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾

ان کے ہاتھوں نے پھر وہ ناامید ہو جاتے ہیں۔

(آیت نمبر ۳۵) یا کوئی ہم نے ان پر دلیل اتاری سلطان اصل میں واضح حجت کو کہا جاتا ہے۔ یعنی ان کے پاس کوئی کتاب وغیرہ ہے جو بولتی ہے۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ یہ ہماری کتاب ہے۔ جو حق بولتی ہے۔ آگے فرمایا کہ یہ اس وجہ سے کہ وہ جن کو شریک ٹھہراتے تھے۔ ان کے متعلق کوئی کتاب اتری ہو جو ان کے شرک کے صحیح ہونے پر بولتی ہو۔ یعنی اس نے بول کر بتایا ہو۔ حالانکہ ہم نے ان مشرکین پر ایسا کوئی لفظ بھی نہیں اتارا۔ جو ان کے شرک کے جواز پر دلالت کرے کہ وہ صحیح کر رہے ہیں۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ بندوں کے اعمال اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی حجت کے مطابق ہوں تو پھر وہ مفید ہیں اور اگر ان کے خبیث طبائع کا نتیجہ ہوں تو پھر ان کے اعمال ان ہی کیلئے وبال ہوں گے۔ معلوم ہوا۔ خواہش نفسانی والے اعمال قابل سزا ہیں اور حجت شرعی کے موافق ہوں تو وہ اللہ و رسول کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ اس طرح سے انسان اپنے اعمال کے صالح اور فاسد ہونے کا خود ہی اندازہ کر لے۔

(آیت نمبر ۳۶) اور جب ہم لوگوں کو رحمت چکھاتے ہیں۔ یعنی نعمت یا صحت یا دولت دیتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں۔ یعنی خوشی میں آ کر خوب اتراتے اور اکڑ دکھاتے ہیں۔ حالانکہ انہیں چاہئے تھا کہ وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے اور اس کی تعریف کرتے لیکن وہ دنیوی زندگی کے دھوکہ میں آ گئے۔ اس لئے اپنے مالک کی بندگی سے روگردان ہوتے ہیں اور اگر انہیں کوئی دکھ تکلیف پہنچے تو جزع فزع کرتے ہیں۔ یعنی نہ وہ نعمت ملنے پر شکر کرتے ہیں اور نہ تکالیف پر صبر کرتے ہیں۔ یہ غافل اور محجوب لوگوں کا کام ہے۔ **فائدہ**: اور اہل محبت کے نزدیک رحمت و زحمت دونوں برابر ہیں۔ نہ نعمت ملنے پر اتنے خوش ہوتے ہیں۔ نہ نہ ملنے پر غمزدہ ہوتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ بے شک اللہ ہی پھیلاتا ہے رزق جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔ بے شک اس میں

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

ضرور نشانیاں ہیں ان کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

(آیت نمبر ۳۷) کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا ہے اس کا رزق بڑھا دیتا ہے۔ یعنی جس میں قابلیت دیکھتا ہے۔ اسے وسیع رزق دیتا ہے تا کہ آزمائے کہ وہ شکر کرتا ہے یا نہیں اور جس کیلئے چاہتا ہے۔ اسے رزق میں تنگی کر دیتا ہے تا کہ دیکھے کہ وہ صبر کرتا ہے یا جزع فزع کرتا ہے۔

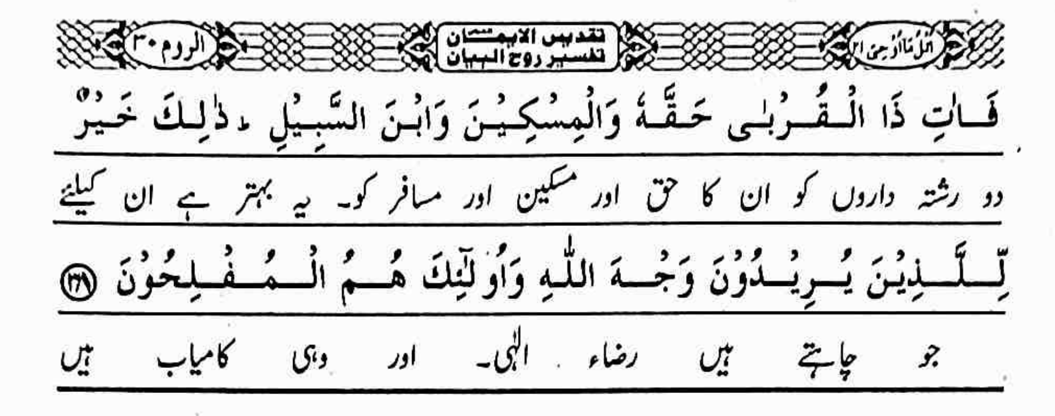
فائدہ: گویا یوں کہا گیا کہ ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ اہل ایمان کی طرح نعمتوں کے ملنے پر شکر نہیں کرتے۔ کیا انہیں اس شکر پر ثواب کی امید نہیں اور یہ دوسرا اگر وہ تکالیف پر صبر نہیں کرتے کہ انہیں بہت بڑا اجر ملے۔

آگے فرمایا کہ بے شک اس رزق کے گھٹانے اور بڑھانے میں ضرور نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں۔ تا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت پر استدلال کریں۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رہے اور دل سے اغیار کے افکار بالکل نکال دے کیونکہ جسے اس کی رزاقیت پر شک ہے۔ اسے گویا اس کی خالقیت پر بھی شک ہے۔

معروف کرخی اور ایک امام:

معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام نے پوچھا کہ تم کھانا کہاں سے کھاتے ہو تو انہوں نے فرمایا۔ پہلے میں نماز لوٹا لوں پھر بتاتا ہوں۔ بعد فراغت فرمایا۔ جسے اس کی رزاقیت پر شک ہے۔ اسے اس کی خالقیت پر بھی شک ہے۔ لہذا ایسے امام کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ وہ اپنے عقیدے میں ہی متزلزل ہے۔



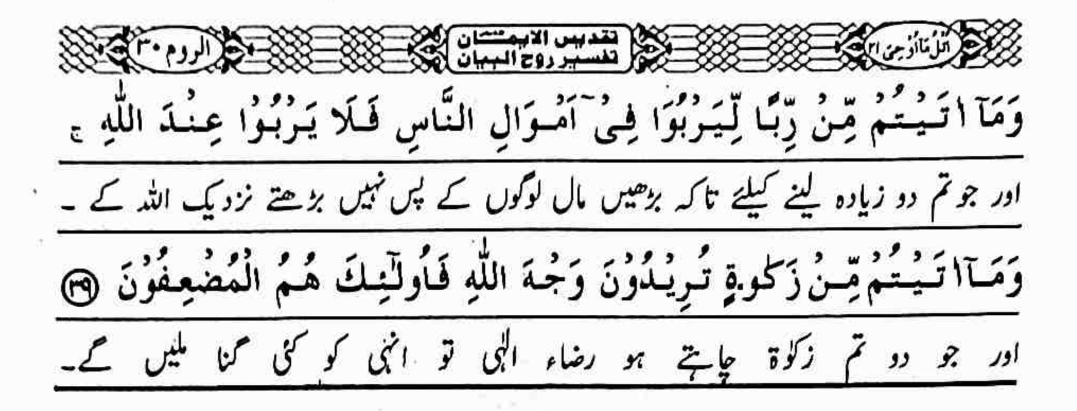
(آیت نمبر ۳۸) رشتہ داروں کو ان کا حق دو۔ یعنی صلہ رحمی کے طور پر یا وراثت میں جو ان کا حق بنتا ہے۔ وہ انہیں ضرور دو۔ اس لئے کہ یہ ان کا حق لازم ہے۔

فائدہ: اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ذی رحم کا نفقہ دینا واجب ہیں۔ جب وہ حاجت مند ہوں۔ آگے فرمایا کہ مسکین اور مسافر کو صدقات میں ان کا حق دو۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ دینی رشتہ داروں کی خبر گیری نسبی رشتہ داروں سے زیادہ اہم ہے کیونکہ نسبی رشتہ دنیا میں قائم رہتا ہے کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ لیکن دینی رشتے کا ٹوٹنا قیامت کے دن بھی نہیں ہوگا۔

آگے فرمایا کہ یہ اشارہ ہے حق کو ادا کرنے اور مال راہ مولا میں دینے کی طرف کہ یہ حقوق ادا کرنا بہتر ہے۔ ان کیلئے جو رضاء الٰہی کے طالب ہیں۔ چونکہ وہ ہر نیکی اس کی رضا چاہنے کیلئے کرتے ہیں۔ ان کی کوئی اور دنیوی غرض نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان کے ہی کے متعلق فرمایا کہ وہی لوگ آخرت میں کامیابی پانے والے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں دائمی نعمتیں نصیب ہو گئیں۔ دنیا میں بھی انہیں خیر و بھلائی ملی اور آخرت میں بھی۔ بہت بڑی انہیں کامیابی حاصل ہوئی۔

ارشاد مولا علی: بے شک مال دنیا کی کھیتی ہے۔ اور نیک اعمال آخرت کی کھیتی ہے۔ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کیلئے جمع کر دیا ہے۔ لقمان علیہ السلام امیروں کے پاس سے گذرتے وقت فرماتے۔ اس سے بڑی نعمتوں کو نہ بھول جانا۔ اور فقیروں کے پاس سے گذرتے ہوئے فرماتے تھے۔ دو دفعہ غبن ہونے سے بچو۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ امیروں کے مال میں فقیروں کا کھانا اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا۔ فقیر جتنی مرتبہ بھوکا رہا۔ امیر سے اتنا ہی زیادہ پوچھا جائے گا۔



وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ

اور جو تم دو زیادہ لینے کیلئے تاکہ بڑھیں مال لوگوں کے پس نہیں بڑھتے نزدیک اللہ کے ۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور جو دو تم زکوٰۃ چاہتے ہو رضاء الٰہی تو انہی کو کئی گنا ملیں گے۔

(آیت نمبر ۳۹) اور وہ رقم جو تم سود میں سے دیتے ہو۔

فائدہ: مال کی اصل مقدار سے زیادہ لینے کو سود کہتے ہیں۔ یہ کام لوگ اس لئے کرتے ہیں تاکہ لوگوں سے کئی گنا مال لیکر اپنا مال بڑھائے۔ ظاہراً تو وہ مال بڑھا رہا ہے۔ لیکن درحقیقت اس کا مال گھٹ رہا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں بڑھتا۔ اس لئے کہ اس میں برکت نہیں ہوتی۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقے کے مال کو بڑھاتا ہے اور وہ جو تم زکوٰۃ کے طور پر ادا کرتے ہو۔

فائدہ: زکوٰۃ کو اس لئے زکوٰۃ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال پاک اور صاف ہو جاتا ہے اور مال بابرکت ہو جاتا ہے۔ تو فرمایا کہ تم زکوٰۃ دیکر رضاء الٰہی طلب کرتے ہو کہ اس میں ریاء یا شہرت کو کوئی دخل نہ ہو۔ ان لوگوں کو کئی گنا ثواب ہوگا۔ اور مال بھی بڑھ جاتا ہے۔

فائدہ: حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کئی گنا بڑھانے کی وجہ رضاء الٰہی کیلئے دینا ہے اور دوسرا اخلوص کی وجہ سے ہے۔ خالی ادائیگی کی وجہ سے نہیں۔ نیت کا درست ہونا بھی ضروری ہے۔

فائدہ: مال کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اسے شبہات سے پاک رکھا جائے اور بدن کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اسے گناہوں سے پاک رکھا جائے۔ جو بندہ جتنا مال کو شبہات سے دور رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بندے کو جہنم سے اتنا ہی دور رکھتا ہے۔

سبق: مال چند روز کیلئے ہے۔ پھر چھن جائے گا۔ وہ آدمی بڑا بے وقوف ہے جو مال خرچ کر کے اس کریم سے بہت بڑا معاوضہ حاصل نہیں کرتا۔ اور دائمی عذاب سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ

اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا پھر تمہیں مارے گا پھر زندہ کرے گا۔ کیا ہے

شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۠ ﴿۴۰﴾

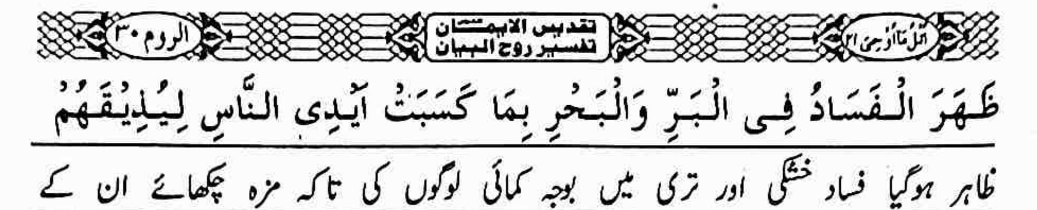
کوئی تمہارے شریکوں سے جو کرے اس طرح کچھ بھی۔ وہ پاک اور برتر ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔

(آیت نمبر۴۰) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے۔ جس نے تمہیں اس وقت پیدا کیا۔ جب تم کچھ بھی نہ تھے۔ پھر تم جب تک دنیا میں زندہ رہے تو اس نے تمہیں روزی دی۔ جس کے تم محتاج تھے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری اور باطنی ہر طرح سے روزی رساں ہے۔ کسی کیلئے ظاہری روزی کا رازق ہے اور کسی کیلئے شہود کا رزاق ہے۔ عوام ظاہری روزی کی فکر میں ہوتے ہیں۔ یعنی جب ان کا پیٹ خالی ہوتا ہے تو انہیں کھانا دیتا ہے جو وہ کھانا پینا چاہتے ہیں۔ اسی طرح خواص لوگ دل کی روزی کے خواہاں ہوتے ہیں۔ یعنی طاعات وعبادات میں وہ اخلاص چاہتے ہیں۔ انہیں وہ عطا کرتا ہے۔ فائدہ: دنیا کے کھانے کا تو یہی ہے۔ کہ وہ پیٹ میں جا کر گندگی بن کر نکل جاتا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی خوراک عبادت اور ذکر الٰہی ہے۔

آگے فرمایا کہ پھر تمہارے وقت ختم ہونے پر وہ موت دے گا۔ اس کے بعد دوسرے نفخہ پر وہ پھر اٹھائے گا۔ تا کہ تمہارے دنیا میں کئے ہوئے اعمال پر جزاء وسزا دے کیونکہ وہ دن ہی جزاء وسزا کا ہے۔

آگے فرمایا کہ کیا تمہارے ان معبودوں میں بھی کوئی ایسے ہیں جن کے بارے میں تمہارا گمان ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں۔ کیا ان میں ایسے کمالات ہیں جو اسی طرح انسانوں کو پیدا کریں اور انہیں روزی دیں۔ ظاہر ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی پیدا کر سکتا ہے نہ روزی دے سکتا ہے۔ نہ موت دے سکتا ہے۔ نہ زندگی۔ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ تو پھر بتوں کو اس کا شریک بنانے کا کیا مطلب ہے؟ آگے فرمایا وہ پاک اور بلند ذات ہے ان سے جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ **حدیث قدسی** میں ہے۔ فرمایا کہ میں شریکوں سے غنی ہوں۔ یعنی میں اس سے بے پرواہ ہوں کہ کوئی میری مدد کرے۔ اور مزید فرمایا کہ وہ بندہ جو ایسا کام کرے۔ جس میں وہ میرے ساتھ دوسروں کو شریک کرے تو میں اسے اس کے شرک پر چھوڑ دونگا کہ اسے پھر (ہدایت کی توفیق نہیں ملتی) نہ اس کے کسی اچھے عمل پر بھی ثواب ملے گا۔



ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ

ظاہر ہوگیا فساد خشکی اور تری میں بوجہ کمائی لوگوں کی تا کہ مزہ چکھائے ان کے

بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۱﴾

کرتوتوں کا شاید وہ باز آ جائیں

(بقیہ آیت نمبر۴۰) **فائدہ**: عبادت میں کسی سے مدح وتعریف کی امید کرنا بھی شرک ہے۔ شیخ ابومجاہد فرماتے ہیں کہ جب ریا کے ساتھ ثواب کی امید غالب ہوتو ہمارا خیال یہ ہے کہ ثواب ضائع نہ ہوگا۔ (واللہ علم) اگر چہ ثواب پورا نہ سہی کچھ نہ کچھ اجر ضرور ملے گا۔ (یادرہے۔ ہر ریا کاری عمل کو ضائع نہیں کرتی۔)

(آیت نمبر۴۱) پھیل گیا فساد خشکی یعنی جنگلوں میں۔

فائدہ: فساد کا مطلب جیسے قحط یا فصل کے اگنے میں کمی تجارت میں نقصان موتوں کی کثرت حیوانوں کے دودھ اورنسل میں کمی۔ لڑائیاں۔ دشمنوں کا غلبہ۔ جھگڑے۔ فسادات وحادثات یہ سب زمینی فساد کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح وہ موت جو جانوروں میں پھیل جائے۔ یا لوگوں میں وباء اور طاعون کا ظاہر ہو جانا وغیرہ اور آگے فرمایا اور دریا کا فساد جیسے غرق ہونا۔ دریائی جانوروں میں وباء پھیلنا۔ اس میں موتیوں کا ختم ہو جانا۔ (سمندری موتیوں کی تفصیلات دیکھنے کیلئے فیوض الرحمٰن کا مطالعہ کریں)۔ اصل میں فساد کی وجہ لوگوں کے گناہوں کی نحوست ہے۔ جو لوگ بر و بحر میں گناہ کرتے ہیں۔ **مسئلہ**: یہی اہل سنت کا مسلک ہے کہ عمل بندے کا ہوتا ہے۔ خلق اور تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ **فائدہ**: زمینی فساد کا بانی قابیل ہے۔ جس نے ہابیل کو قتل کیا فساد کی نحوست یہ ہے کہ ابتداء زمین یمن وبرکت سے پُر تھی۔ ہر درخت اچھا پھل دیتا۔ دریاؤں کا پانی میٹھا تھا۔ حیوان ودرند ایک جگہ ہی رہتے تھے۔ قابیل کے فساد سے زمین میں فساد پیدا ہوگیا۔ درخت کانٹے دار بن گئے۔ دریا کڑوے ہوگئے۔ جانور ایک دوسرے کے دشمن ہوگئے۔ آگے فرمایا تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کا بدلہ چکھائے۔ یعنی لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے دنیوی اسباب فاسد بنا دیئے۔ تا کہ برے اعمال اور اللہ تعالیٰ سے منہ موڑنے کی انہیں سزا مل جائے۔ انہیں خوف اور رنج وغم اور مصائب میں ڈال دیا اور اصل سزا تو قیامت کے دن ہوگی۔ دنیا میں سزا اس لئے دی شاید وہ باز آ جائیں اور طاعت وعبادت میں کوشش کریں۔ شریعت کا ادب اور فوت شدہ نیک اعمال پر تاسف کر کے باز آ جائیں۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ

فرمادو زمین میں چل پھر کر دیکھو کیسا ہوا انجام ان کا جو پہلے ہوئے

كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ

تھے زیادہ ان میں مشرک۔ تو آپ سیدھا کریں منہ اپنا عبادت کیلئے اس سے پہلے

اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾

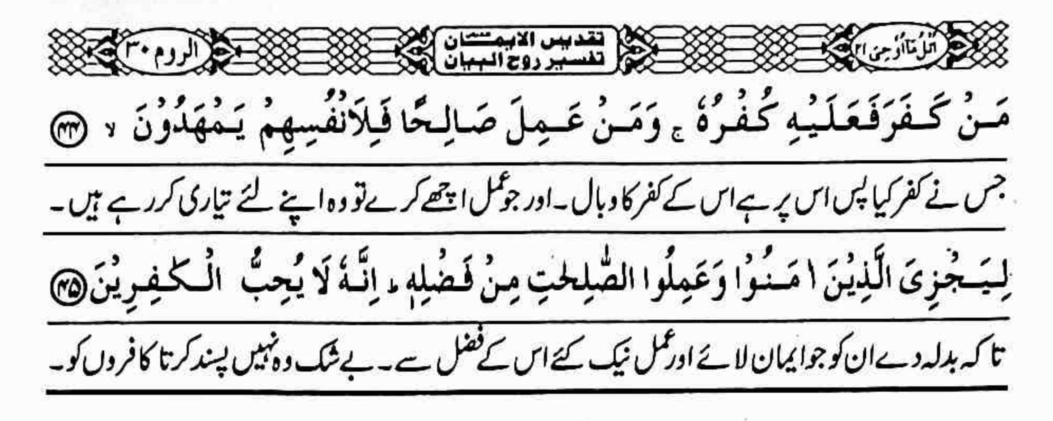
کہ آجائے وہ دن نہیں ہے ٹلنا اس کا اللہ سے اس دن الگ پھٹ جائیں گے

(بقیہ آیت نمبر۴۱) **سبق**: اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو قحط سالی وغیرہ کے نقصانات میں مبتلا کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم کارفرما ہے تاکہ بندے برائی سے بچ کر اللہ تعالیٰ کو یاد کریں۔ اور نیک کاموں کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اپنی اصلاح کر کے توبہ کریں۔ اسی میں ان کی کامیابی ہے۔

(آیت نمبر۴۲) اے محبوب فرمادو کہ اے مشرکین زمین میں چلو پھرو اور سابقہ اقوام کے انجام دیکھنے کیلئے مختلف علاقوں میں جاؤ۔ پھر دیکھو کہ جو لوگ پہلے گذرے ہیں ان کے برے اعمال کی وجہ سے ان کا انجام کیا ہوا۔

مقصود: ان کے علاقے دکھانا نہیں۔ بلکہ مشاہدہ کرانا ہے (کہ تمہارے والے کرتوت کر کے وہ تباہ ہوئے تم اس تباہی سے بچ جاؤ) چونکہ ان کی اکثریت بھی مشرکوں کی تھی۔ جو شرک کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے۔ لہذا اے مشرکین مکہ تم شرک سے باز آؤ۔ تاکہ تم اس طرح برباد نہ ہو۔

(آیت نمبر۴۳) اے میرے محبوب۔ اپنے آپ کو اس دین کے لئے قائم کریں۔ جو بہت ہی اعلیٰ درجے کا دین مستقیم ہے۔ جس میں کوئی کجی وغیرہ نہیں ہے۔ اس سے مراد دین اسلام ہے۔ آگے فرمایا کہ اس دن کے آنے سے پہلے کہ جس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اس لئے اتنی ہمت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں بھی نہیں ہے کہ اس دن کو ٹال سکے اور اس دن ایمان لانا بھی کسی کو فائدہ نہیں دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دن کو لانے کا پکا فیصلہ فرمالیا ہے اور اس دن لوگوں کے کئی گروہ ہو جائیں گے۔ بڑے گروہ دو ہیں۔ ایک گروہ والے جہنم میں جائیں گے دوسرے جنت میں جانے والے۔



مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

جس نے کفر کیا پس اس پر ہے اس کے کفر کا وبال۔اور جو عمل اچھے کرے تو وہ اپنے لئے تیاری کرر ہے ہیں۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

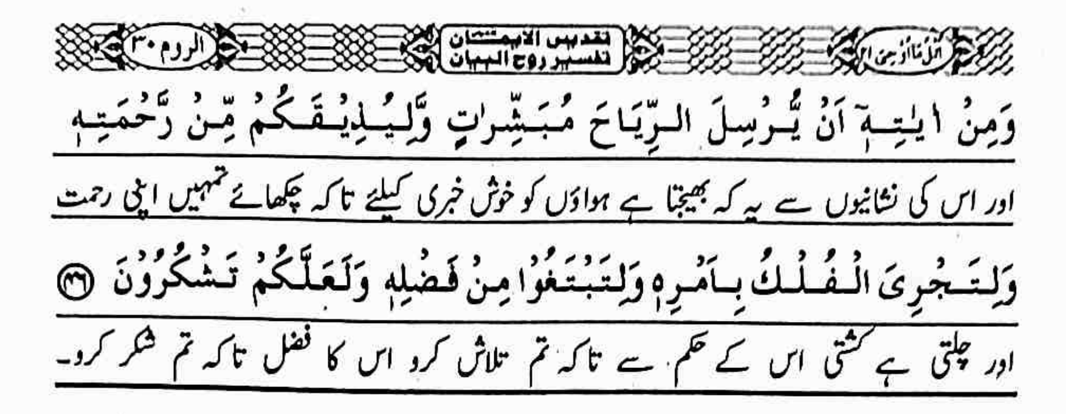
تا کہ بدلہ دے ان کو جو ایمان لائے اور عمل نیک کئے اس کے فضل سے۔بے شک وہ نہیں پسند کرتا کافروں کو۔

(آیت نمبر۴۴) جو دنیا میں اللہ تعالیٰ سے کفر کرے گا تو اس کے کفر کا وبال اس پر پڑے گا اور اس کی سزا دائمی طور پر اس کو جہنم میں ملے گی اور جو نیک عمل کرے گا۔یعنی توحید پر ایمان لانے کے بعد خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کریگا اور اطاعت بجالائے گا تو وہ بھی اپنے فائدے کیلئے کرے گا یعنی وہ اپنی جگہ جنت میں بنانے کیلئے عمل کریں گے۔

فائدہ : کشف الاسرار میں ہے کہ عمل صالح والے جنت میں اپنی بہترین جگہ بناتے ہیں۔یا یہ معنی ہے کہ ان کے نیک عمل ان کیلئے قبر میں لیٹنے کی بہتر جگہ بناتے ہیں کیونکہ نیک اعمال والوں کیلئے قبر جنت کا بہتر اور اعلیٰ منزل وماویٰ ہیں۔نیک لوگوں کی قبر جنت کا باغ بن جاتی ہے۔مروی ہے کہ برزخ میں بہترین بستر جن میں عطر وکستوری اور اعلیٰ سرھانے جن کے اندر باہر سندس واستبرق ہے۔یعنی ریشم کا تکیہ قیامت تک نیک اعمال والوں کیلئے آرام گاہ ہیں۔

حدیث شریف :بندے کے عمل قبر میں اس کے ساتھ جاتے ہیں۔اس نیک عمل کی وجہ سے میت کی عزت افزائی اور برے عمل کی وجہ سے اس کی رسوائی ہوتی ہے۔(بخاری:۶۵۱۴۔مسلم:۲۹۶۰)

(آیت نمبر۴۵) تا کہ اللہ تعالیٰ نیک اعمال والے مسلمانوں کو اچھی جزا دے۔نیک اعمال وہ ہوتے ہیں جو صرف رضاء الٰہی کیلئے کئے گئے ہوں۔ان پر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اچھی جزاء عطا فرماتا ہے۔معتزلہ کہتے ہیں نیک اعمال پر جزاء دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔لیکن اہل سنت کہتے ہیں۔اہل ایمان کی جزاء مقصود بالذات ہے۔اس لئے اس کا ذکر کرکے اسے فضل سے متعلق کر دیا۔یعنی اعمال صالحہ پر جزائے خیر دینا اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے۔اس پر واجب نہیں۔آگے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں فرماتا۔پسند نہ کرنا ان سے بغض کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو ان سے سخت نفرت ہے۔یہی اس کی سزا وعذاب کا داعی ہے۔



وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ

اور اس کی نشانیوں سے یہ کہ بھیجتا ہے ہواؤں کو خوش خبری کیلئے تا کہ چکھائے تمہیں اپنی رحمت

وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور چلتی ہے کشتی اس کے حکم سے تا کہ تم تلاش کرو اس کا فضل تا کہ تم شکر کرو۔

(آیت نمبر ۴۶) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت وقدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو شمال وجنوب سے بھیجتا ہے جو رحمت سے بھری ہوئی ہوتی ہیں جو خوشخبری دینے والی ہیں۔ ان کے چلنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ جلد بارش آرہی ہے۔

ہواؤں کے بارے میں تحقیق:

قاموس میں ہے۔ مطلع الشمس اور بنات النعش کے درمیان یا مطلع الشمس سے سقط النسر الطائر تک ہوا چلے۔ یہ رات کو بہت کم چلتی ہے اور جنوب کی ہوا شمال والی ہوا کے مخالف چلتی ہے۔ یہ مطلع سہیل اور مطلع ثریا کے درمیان چلتی ہے اور صبا مطلع شمس سے ان دنوں میں چلتی ہے۔ جب دن رات برابر ہوں یہ طیب وروح سے موصوف ہے۔ یعنی دل کو سکون پہنچاتی ہے۔

فائدہ: امام وکیع فرماتے ہیں اگر ہوا اور مکھی نہ ہو تو زمین پر ہر طرف بدبو پھیل جائے۔

آگے فرمایا کہ یہ ہوائیں خوش خبری دینے کیلئے چلتی ہیں کہ بارش آنے والی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت چکھائے۔ جس میں لوگوں کے منافع ہیں۔ اسی طرح ہواؤں کے ذریعے دریاؤں میں کشتیاں چلتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

فائدہ: کشتیوں اور (جہازوں) کو چلانے والی اصل ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

آگے فرمایا تا کہ تم اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔ یعنی تجارت اور کاروبار کیلئے سفر کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔ اس پر جو اس نے تمہیں نعمتیں عطا کیں۔ تا کہ اللہ تعالیٰ مزید نعمتیں عطا فرمائے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

البتہ تحقیق ہم نے بھیجے آپ سے پہلے کئی رسول ان کی قوم کی طرف پس لائے ان کے پاس معجزات

فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

پھر بدلہ لیا ہم نے مجرموں سے۔ اور تھا حق ہمارے ذمہ کرم پر مدد کرنا مسلمانوں کی۔

(آیت نمبر ۴۷) اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول ان کی اپنی قوموں کی طرف اور وہ تمام رسول اپنی قوم کے پاس واضح دلائل (معجزات) لیکر آئے تو ان کے قوموں کے کفار نے جب ان کو جھٹلایا تو پھر ہم نے مجرموں سے انتقام لیا۔ یعنی انہیں ایسی سزا دی کہ وہ تباہ برباد ہو گئے۔ چونکہ ہمارے ذمہ کرم اور ہماری شان کے لائق تھا۔ یعنی ہم پر یہ واجب نہیں۔ محض فضل وکرم سے ہم مومنوں کی مدد فرماتے ہیں۔ یہ ہم نے خود اپنے لئے گویا لازم کرلیا ہے۔ کہ مسلمانوں کی مدد کریں۔ اور کفار نے جو مسلمانوں پر ظلم کئے خصوصاً نبیوں سے دشمنی کی اس کا انتقام لیں۔

حدیث شریف: جب بھی کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے احترام کیلئے اس کی عزت بچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے ذمہ کرم میں لے لیتا ہے کہ دنیا میں اس کی مدد فرمائے اور آخرت میں اسے جہنم سے بچائے گا۔ (احیاء العلوم ورواہ الطبرانی)

فائدہ: اس آیت میں حضور ﷺ کیلئے بھی خوشخبری ہے کہ بالآخر فتح آپ کی ہی ہوگی اور جو آپ کی تصدیق کرتے ہیں ان کی مدد کرنا بھی میرے ذمہ کرم پر ہے اور جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں انہیں ہلاک کروں گا اور مسلمانوں کو بھی بتایا گیا کہ تمہارا انجام بخیر ہوگا۔ **حکایت**: شیخ ابوعلی اردباری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں فقراء کی ایک جماعت آئی۔ تو ایک فقیر بیمار ہوگیا۔ وہ چند دن وہیں رہ گئے۔ تو خدام تنگ پڑ گئے۔ اور شیخ کے پاس آکر شکایت کی۔ تو شیخ قدس سرہ العزیز نے نفس کی مخالفت کرتے ہوئے قسم کھائی۔ کہ آئندہ مہمانوں کی وہ خود خدمت کریں گے۔ اتفاقاً سے بیمار فقیر فوت ہوگیا۔ تو انہوں نے خود ہی غسل وکفن کے بعد جنازہ پڑھا پھر دفن کردیا۔ تو قبر میں جب میت کا کفن منہ سے ہٹایا۔ تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اور کہا۔ ابوعلی تم نے میری مدد کی میں قیامت کے دن تمہاری مدد کروں گا۔ **فائدہ**: معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب حقیقت میں زندہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ ظاہراً مر جائیں۔ وہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ

اللہ ہی چلاتا ہے ہوائیں جوابھارتی ہیں بادلوں کو پھر پھیلاتا ہے آسمان میں جیسے

یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ج فَاِذَآ

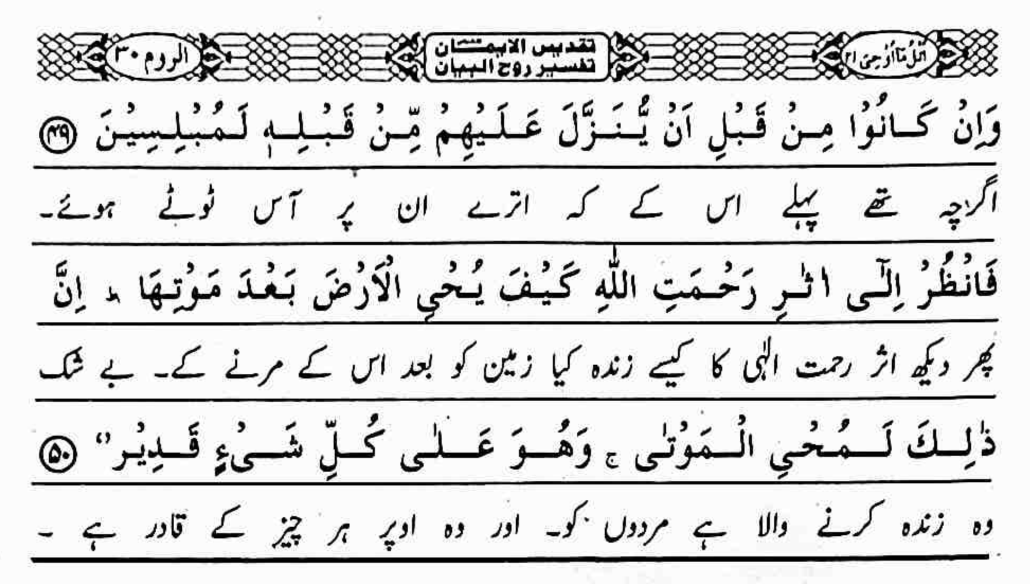
چاہتا ہے اورکرتا ہے ٹکڑے تو دیکھتا ہے کہ بارش نکلتی ہے اس کے اندر سے۔ پھر جب

اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ج ﴿۴۹﴾

پہنچایا اسے جس جگہ پر چاہا اپنے بندوں سے اس وقت وہ خوش ہو جاتے ہیں ۔

(آیت نمبر۴۸) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جو صبا کی طرح رحمت کی ہوائیں چلاتا ہے۔ وہ ہوائیں بادلوں کو پھیلاتی ہیں اور انہیں ابھار کر اپنی جگہ سے ادھر ادھر لے جاتی ہیں۔ اصل میں یہ کاریگری تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ مگر ہوائیں اس کا سبب بنتی ہیں۔ اس لئے نسبت ہواؤں کی طرف کر دی ہے کہ کبھی کبھی افعال کو اسباب کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بادلوں کو چلا کر ایک دوسرے کے نزدیک کر دیتا ہے۔ پھر وہ جہاں اور جس مقام کی طرف چاہتا ہے کبھی انہیں جنوب سے شمال کی طرف کبھی شمال سے جنوب کی طرف چلا کر لے جاتا ہے اور کبھی ٹھہر جاتے ہیں اور کبھی ان بادلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے الگ الگ کر دیتا ہے۔ روئی کی طرح کوئی ادھر کوئی ادھر۔ اے محبوب تو دیکھے گا یا ہر دیکھنے والا بارش کے قطروں کو دیکھتا ہے کہ بارش کے قطرے ان بادلوں سے نکلتے ہیں۔ اور زمین پر ہر طرف وہ قطرے پھیل جاتے ہیں۔

قطرات کب سے شروع ہوئے: مروی ہے کہ طوفان نوح میں آسمانوں سے یکبارگی پانی اترنے سے زمین میں دراڑیں پڑ گئیں۔ جس پر زمین نے شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے بادل کو چھلنی کی طرح بنا دیا۔ اس کے بعد بارش قطرات کی صورت میں اترتی ہے۔ آگے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے۔ ان تک بارش پہنچا دیتا ہے تو اس وقت وہ بندے خوش ہو جاتے ہیں۔ یعنی جب اچانک خشک سالی ختم ہو کر خوش حالی ملتی ہے۔ اور قحط سالی ختم ہوتی ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ اور زمین کو سرسبز و شاداب دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔



وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾

اگرچہ تھے پہلے اس کے کہ اترے ان پر آس ٹوٹے ہوئے۔

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ

پھر دیکھ اثر رحمت الٰہی کا کیسے زندہ کیا زمین کو بعد اس کے مرنے کے۔ بے شک

ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

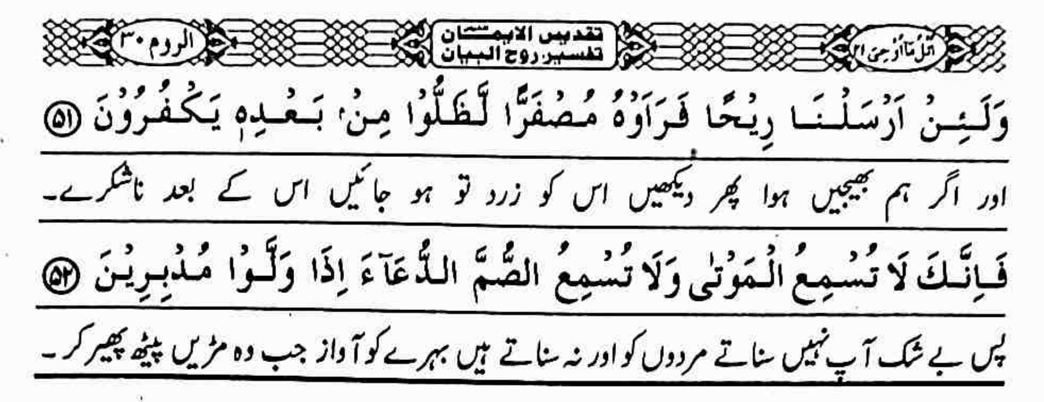
وہ زندہ کرنے والا ہے مردوں کو۔ اور وہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔

(آیت نمبر۴۹) اور بے شک وہ بندے اس بارش کے اترنے سے پہلے ناامید ہو چکے تھے۔ یہاں لفظ قبل کا تکرار تاکید کیلئے ہے۔ چونکہ بارش نہ ہونے سے کافی عرصہ گذر چکا تھا اور لوگ مایوس ہو چکے تھے کہ اب بارش نہیں ہوگی کہ اچانک اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے انہیں بارش عطا فرمائی تو ان کی مایوسی خوشی میں بدل گئی۔

(آیت نمبر۵۰) اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار دیکھو۔ یہ خطاب حضور ﷺ کو ہے لیکن تمام مکلف اس ارشاد میں شامل ہیں۔ رحمت اللہ سے مراد بارش ہے کیونکہ بارش محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار ہر طرف ہریالی پھلوں اور پھولوں اور سبز درختوں میں دیکھے جاسکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے مردہ اور ویران زمین کو اس کی ویرانی کے بعد زندہ فرمایا مراد یہ ہے کہ زمین کو ویرانی کے بعد دیکھو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور وسیع رحمت کے آثار کہ کس طرح یکدم انقلاب آگیا۔

آگے فرمایا کہ بے شک وہی عظیم الشان قدرت والا ہے جس نے زمین مردہ کو زندہ فرمالیا۔ وہی آخرت یعنی قیامت کے دن مردوں کو زندہ فرمانے والا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کوئی کام اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ انسان مرنے کے بعد حشر کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوبارہ زندہ ہوگا۔ تمام ممکنات اس کی قدرت کے ماتحت ہیں کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں ہوسکتی۔

سبق: خلاصہ یہ ہے کہ آنکھ سے دنیا کی رونق بھی دیکھو۔ ساتھ ہی اس کا فنا ہونا بھی مدنظر رکھو۔ موسم بہار کو دیکھو۔ خزاں کو بھی مدنظر رکھو۔ اور خزاں کے بعد پھر بہار آتی ہے۔ یوں ہی زندگی کے بعد موت اور پھر قیامت کے دن زندہ ہونا۔ اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔



وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور اگر ہم بھیجیں ہوا پھر دیکھیں اس کو زرد تو ہو جائیں اس کے بعد ناشکرے۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾

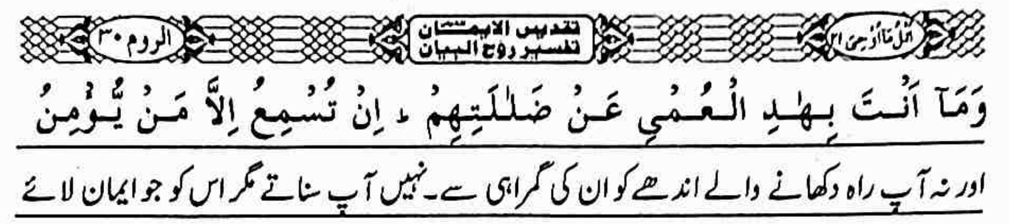
پس بے شک آپ نہیں سناتے مردوں کو اور نہ سناتے ہیں بہرے کو آواز جب وہ مڑیں پیٹھ پھیر کر۔

(بقیہ آیت نمبر۵۰) **حدیث شریف** :حضور ﷺ نے فرمایا۔موسم بہار کو دیکھو تو مردوں کا قبروں سے اٹھنا بھی یاد رکھو۔گرمی کی شدت میں قیامت کی گرمی کو بھی یاد کرلیا کرو۔(تفسیر کبیر اور مفاتیح الغیب)

(آیت نمبر۵۱) اور البتہ اگر ہم بھیج دیں ایسی ہوا۔جیسی ہم نے پہلے کافروں پر بھیجیں کہ جس نے ان کے فصلوں کو تباہ کردیا تھا۔وہی ضرر رساں ہوا بھیجیں تو تم دیکھو کھیت کو زرد ہوا کے اثر سے جو پہلے سبز تھی پھر زرد ہوگئی پھر تباہی کے کنارے پہنچ گئی تو اس کھیتی کے زرد ہونے کے بعد وہ ہو جائیں۔ناشکرے جیسے کافروں کا اپنے رب تعالیٰ پر کوئی بھروسہ نہیں۔اسی طرح یہ بھی بلا تاخیر منکر ہو جائیں اور اگر انہیں کوئی خوشحالی اور خیر وصلاح حاصل ہوجائے تو بھی بجائے شکر کرنے کے بڑے خوش ہوتے ہیں پھر غرور وتکبر شروع کر دیتے ہیں۔اور اگر ان پر کوئی معمولی سی بھی تکلیف آجاتی ہے تو فوراً جزع فزع شروع کر دیتے ہیں۔ان سے معمولی سا صبر بھی نہیں ہوسکتا بلکہ وہ تو سابقہ نعمتوں کو بھی بھلا دیتے ہیں۔حالانکہ انہیں اس وقت چاہئے کہ وہ توبہ استغفار کریں۔اور مسلمانوں کا حال اس کے برخلاف ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور مصیبت وتکلیف میں وہ صبر کرتے ہیں اور وہ کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے۔طاعت وعبادت اور استغفار میں لگے رہتے ہیں (اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی مزید توفیق نصیب فرمائے)۔

(آیت نمبر۵۲) اے محبوب۔جن کافروں کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے بے شک یہ مردے ہیں۔آپ ان مردوں کو نہیں سناتے۔لہٰذا انہیں بات سمجھانے یا سنانے یا منوانے کی امید نہ رکھیں۔

فائدہ : کفار کو مردوں سے اس لئے تشبیہ دی کہ جس طرح مردوں سے بات کرنا بے کار ہے۔اسی طرح ان کافروں سے بھی بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی پیدائش سے پہلے بھی جانتا تھا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔**فائدہ**:اس آیت میں دلیل ہے اس بات کی کہ کبھی زندوں کو بھی مردہ کہا جاسکتا ہے کہ جب ان میں زندوں والا نفع ختم ہوجائے (اس سے بعض لوگوں نے سماع موتی کا انکار کردیا ہے حالانکہ اس آیت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ کفار بات نہ قبول کرنے میں مُردوں کی طرح ہیں نہ کہ اس سے مراد عدم سماع ہے۔



اور نہ آپ راہ دکھانے والے اندھے کو ان کی گمراہی سے۔ نہیں آپ سناتے مگر اس کو جو ایمان لائے

بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ع ﴿۵۳﴾

ہماری آیتوں پر۔ پس وہی فرمانبردار ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر۵۲) سماع موتی پر اہل سنت کے پاس قرآن وحدیث سے بے شمار دلائل ہیں۔ (جو ان دلائل کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ فیوض الرحمان کا مطالع کرلیں)۔ حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ مال جمع کرکے (اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہ دینے والے) بھی ظاہراً تو زندہ ہیں۔ لیکن حقیقتاً وہ بھی مردے ہیں۔ باعمل علماء ہمیشہ زندہ ہیں۔ اگرچہ ظاہراً ان کے جسم ہمارے سامنے نہیں رہے اس لئے کہ ان کے آثار اور کارنامے زندہ ہیں۔

مسئلہ : کفر دل کیلئے موت ہے۔ اسی طرح گناہ بھی ایک قسم کی بیماری ہے تو جس کا دل کفر کی وجہ سے مرجاتا ہے۔ اس کے سننے والا مادہ گویا ختم ہوجاتا ہے۔ پھر اسے نصیحت کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔

آگے فرمایا کہ نہ آپ بہرے کو سناتے ہیں۔ یعنی جو حق کی طرف توجہ نہیں دیتا اور نہ اسے قبول کرتا ہے تو اسے بہرا کہا گیا کہ جو کوئی آواز نہیں سنتے خصوصاً جب وہ بلانے والے سے پیٹھ پھیر کر مڑ جاتے ہیں۔

(آیت نمبر۵۳) اور اے محبوب آپ اندھے کو راہ دکھانے والے نہیں ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو دل کے اندھے ہیں۔ **فائدہ**: دل کے اندھوں سے مراد گمراہ لوگ ہیں۔

نکتہ : کفار کو یہاں اندھا کہا گیا اس لئے کہ وہ حق کو نہیں دیکھتے۔ اصل میں ان کے دل ہی اندھے ہوگئے۔ اس لئے فرمایا کہ تم ان دل کے اندھوں کو گمراہی سے نکال کر راہ حق دکھانے والے نہیں ہو۔ بلکہ وہ تو مردے ہیں تو مردے نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں۔ پھر وہ کیا ہدایت پائیں گے۔

آگے فرمایا کہ اے میرے محبوب (ﷺ) آپ قرآنی مواعظ ونصائح نہیں سناتے مگر صرف انہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ جس سے ان کے دل زندہ ہوتے ہیں۔ جب دل زندہ ہو تو اسے دیکھنے سننے اور بولنے اور غور وفکر کرنے اور حق کو قبول کرنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ آگے فرمایا۔ پس وہی لوگ حق کے آگے جھکنے اور اسے تسلیم کرنے والے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً

اللہ ہے جس نے پیدا کیا تمہیں کمزور پھر کیا بعد کمزوری کے طاقتور

ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ

پھر بنایا بعد قوۃ کے کمزور اور بوڑھا۔ وہ پیدا کرتا ہے جو چاہے ۔

وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾

اور وہ علم والا قدرت والا ہے۔

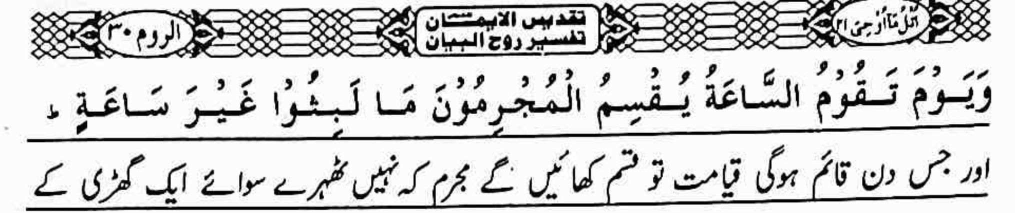
(بقیہ آیت نمبر ۵۳) **سبق**: لہذا ہر عقل والے پر لازم ہے کہ وہ فرع سے اصل کی طرف رجوع کرے اور کوشش کرے تا کہ اسے حواس ختم ہونے سے پہلے پہلے سننے کی طاقت اور قبول کرنے کی ہمت مل جائے۔ (آمین)

(آیت نمبر ۵۴) اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ جس نے (اے انسانو) تمہیں انتہائی کمزور چیز یعنی منی یا مٹی سے بنایا۔ پھر اسی ذات نے کمزوری کے بعد طاقت ور بنایا۔

فائدہ: بعض علماء نے فرمایا کہ ایک سال تک بچے میں طاقت باطنی ہوتی ہے۔ پھر وہ بدن میں سرایت کرتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اس میں چیزوں کو پکڑنے اور انہیں حاصل کرنے کی قدرت ہوتی ہے۔ پھر ایک وقت پوری قوت مل جانے کے بعد ضعف آتا ہے۔ یعنی جوانی کے بعد بڑھاپا آتا ہی۔ شیبہ ۶۰ سالہ زندگی کو کہتے ہیں۔ جب بال پوری طرح سفید ہو جاتے ہیں۔ شیب بالوں کی سفیدی کو کہا جاتا ہے۔

فائدہ: ضعف اور قوت سے مراد ایک حالت سے دوسری حالت ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی پیدا کرتا ہے۔ یعنی انسان میں ضعف سے قوت اور قوت سے ضعف وہی پیدا کرتا ہے۔ یہ طبعی ادوار نہیں ہیں۔ بلکہ یہ مشیت ایزدی سے ہے۔ آگے فرمایا۔ وہ علیم وقدیر ہے۔ یعنی وہ تخلیق کو جانتا بھی ہے اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پھیرنے پر قدرت بھی رکھتا ہے۔ نیز وہ نیک بخت اور بد بخت کو بھی جانتا ہے۔

فائدہ: یہ حالات کا تغیر وتبدل اس لئے ہے تا کہ وہ صانع کی کامل معرفت حاصل کرے۔ کہ وہ علم وقدرت والا ہے تا کہ طاعت وعبادت میں اس کا دل لگے۔ **فائدہ**: بندے کو چاہئے۔ کہ جوں جوں موت کے قریب ہو۔ توں توں اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرے۔ اور توبہ استغفار کرے۔



وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ

اور جس دن قائم ہوگی قیامت تو قسم کھائیں گے مجرم کہ نہیں ٹھہرے سوائے ایک گھڑی کے

كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾

اسی طرح ہوتے تھے اوندھے۔

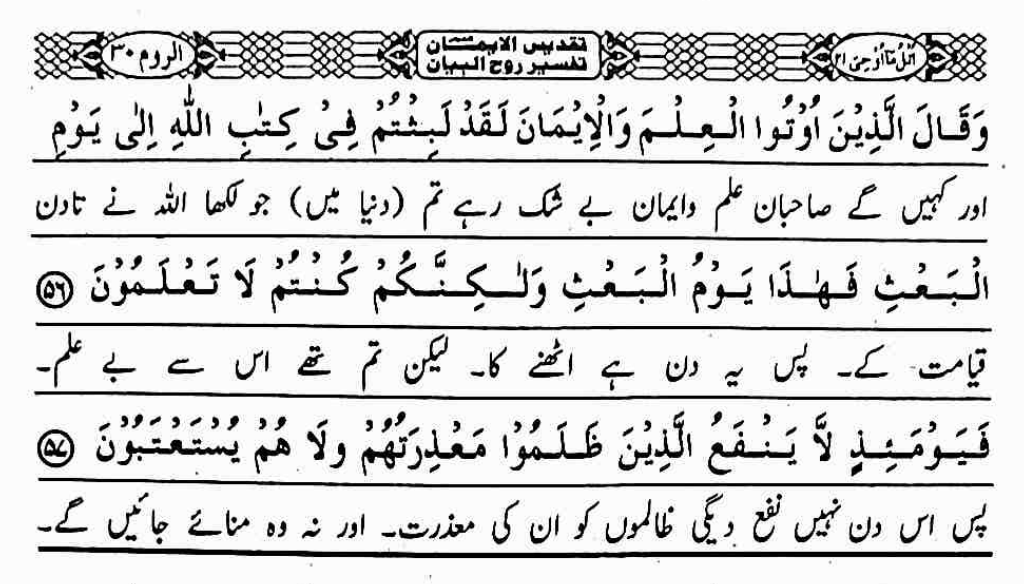
(بقیہ آیت نمبر۵۴) **فائدہ**: ایک بزرگ فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرماتا ہے۔ جو اپنی قوت کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف کرتا ہے۔ **حکایت**: بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے آئینے میں بال سفید دیکھ کر فرمایا۔ افسوس شیب (بڑھاپا) آ گیا مگر عیب نہیں گئے۔ **سبق**: عقل والا اپنی موت کو یاد رکھتا ہے اور لمبے سفر کی تیاری میں لگا رہتا ہے کہ ایمان وعمل صالحہ سلامت رہے۔ لوگوں کو تکلیف دینے سے بچتا ہے۔

(آیت نمبر۵۵) اور جس دن قیامت قائم ہوگی۔ یادن کی وہ گھڑی جس میں قیامت قائم ہوگی۔ تو مجرم لوگ قسم کھائیں گے کہ ہم نہیں ٹھہرے قبروں میں سوائے ایک لمحہ کے یا تو جھوٹ بولیں گے یا ان کو بھول ہوگئی ہوگی یا ٹک اور تخمینہ سے کہیں گے۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ یہ دنیا میں ٹھہرنے کے متعلق کہیں گے۔ چونکہ دنیا کا قیام قیامت کے مقابلے میں ایک گھڑی ہی ہے۔

آگے فرمایا کہ اسی طرح یعنی جیسے وہ آخرت میں صحیح بات نہیں کررہے۔ دنیا میں بھی اسی طرح مرنے کے بعد زندہ ہوکر اٹھنے کا انکار کیا کرتے تھے اور قیامت کے دن دوبارہ زندہ نہ ہونے پر قسمیں بھی کھاتے تھے کہ قیامت کو کوئی اٹھنا وغیرہ نہیں ہے۔ اصل میں وہ حق اور صداقت سے ہٹ کر باطل اور جھوٹ میں لگ گئے۔ چونکہ وہ دنیا میں جھوٹ بولا کرتے تھے۔ ایسے ہی آخرت میں بھی جھوٹ بولیں گے دراصل وہ جھوٹ کے عادی ہوگئے۔

نکتہ: جب اللہ تعالیٰ نے صدق کو پیدا فرمایا۔ تو اس کے زیر سایہ ایمان واخلاص ظاہر ہوئے اور جب جھوٹ پیدا ہوا تو اس کے زیر سایہ کفر ونفاق ظاہر ہوگئے۔ لہٰذا صدق کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایمان والے قیامت کے دن بھی کہیں گے۔ "الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ الخ" اور جھوٹ سے نکلنے والے کفر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کافر کہیں گے "ما کنا مشرکین"۔ ہم نے تو کبھی شرک کیا ہی نہیں۔



وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ

اور کہیں گے صاحبان علم وایمان بے شک رہے تم (دنیا میں) جو لکھا اللہ نے تادن

الْبَعْثِ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

قیامت کے۔ پس یہ دن ہے اٹھنے کا۔ لیکن تم تھے اس سے بے علم۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

پس اس دن نہیں نفع دیگی ظالموں کو ان کی معذرت۔ اور نہ وہ منائے جائیں گے۔

(آیت نمبر ۵۶) اصحب علم وایمان اور فرشتے ان کے قول کا رد کرتے ہوئے کہیں گے کہ تم تو اتنا ٹھہرے جتنا اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھا تھا۔ یا اللہ تعالیٰ کے علم وقضاء کے مطابق جو لکھا تھا۔ یعنی قیامت کے اٹھنے تک تم قبروں میں یا دنیا میں رہے۔ یہ بہت بڑی مدت اور طویل زمانہ ہے۔ آگے فرمایا کہ تم قیامت کے دن اٹھنے کا جو انکار کرتے تھے تو یہی وہ دن اٹھنے کا ہے جس کے متعلق تمہیں دنیا میں ڈرایا جاتا تھا۔ لیکن تم نے اس وقت نہیں مانا تمہارا باطل ہونا اب واضح ہوگیا ہے لیکن اس وقت دنیا میں تم اپنی جہالت اور اپنی کوتاہ نظری سے نہیں جانتے تھے کہ یہ حق ہے اور اپنی جہالت سے تم استہزاء کیا کرتے تھے اور اس قیامت کو جلد مانگتے تھے۔

(آیت نمبر ۵۷) تو اب پھر آج کے دن میں مشرکوں کو جو ظالم ہیں معذرت یا عذر کوئی کام نہیں دے گا۔

فائدہ :اپنی غلطیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنا۔ مثلاً یہ کہنا کہ میں نے یہ کام نہیں کیا۔ یا اس وجہ سے یہ کیا تا کہ اپنے آپ کو غیر مجرم ثابت کرے۔ یا یہ کہے کہ اب میں یہ نہیں کرونگا۔ میری توبہ ہے۔ اور یہی عذر بھی ہے۔ یہ قیامت میں نہیں چلے گا اور نہ انہیں منایا جائیگا۔ یعنی انہیں کہا جائے کہ ایسا کام کرو یا توبہ وطاعت کرو کہ جس کی وجہ سے غضب وعقاب ختم ہو جائے۔ جیسے انہیں دنیا میں بلا کر کہا جاتا تھا۔ اس لئے کہ اب قیامت کے دن نہ توبہ کرنا کام آئے گا۔ نہ طاعت۔ نہ واپس دنیا کی طرف جانے کی اجازت کہ اب وہ ایمان لائیں یا عمل صالح کر سکیں۔

حکایت :ایک بزرگ پر وقت آخر آیا تو وہ رونے لگے۔ فرمایا دنیا سے جانے کا تو افسوس نہیں۔ افسوس اس رات پر ہے جس میں جاگ نہ سکا اور اس دن پر جس میں روزہ نہ رکھ سکا اور اس گھڑی پر جس میں ذکر الٰہی نہ کر سکا۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ

البتہ تحقیق بیان کردیں ہم نے لوگوں کیلئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں۔ اور البتہ اگر

جِئْتَهُمْ بِاٰیَةٍ لَّیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

لائے تو ان کے پاس نشانی تو ضرور کہیں گے کافر نہیں تم مگر باطل والے

كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾

اسی طرح مہر لگاتا ہے اللہ اوپر دلوں ان کے جو نہیں علم رکھتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۷) **فائدہ**: قابل مبارک ہے وہ جو دن کو روزہ رکھے اور ساری رات بیدار رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے بروز قیامت کھلائے پلائے اور عرش کا سایہ نصیب فرمائے۔

(آیت نمبر ۵۸) ہم نے لوگوں کیلئے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں بیان کردی ہیں۔ یعنی جیسے کہاوت اور مثال ایک عجیب وغریب مضمون پر مشتمل ہوتی ہے اسی طرح قرآن پاک کا ہر مضمون عجائب وغرائب سے بھرا ہوا ہے۔ جیسے توحید اور رسولوں کا صدق۔ قیامت میں اٹھنا۔ اسی طرح دین ودنیا کے معاملات جن کے یہ محتاج ہیں۔ ان تمام مضامین کو ایسے اچھوتے طریقے سے بیان کیا گیا ہے کہ معمولی سا غور وفکر کرنے والا اس سے ہدایت پاسکتا ہے اور تدبر کے ساتھ احسن طریقے سے عبرت حاصل کرسکتے ہیں۔

آگے فرمایا۔ اے محبوب۔ ان معاندین اور منکرین کے پاس جب بھی آپ کوئی آیت لائیں جو انہیں یہ باتیں کھول کر بتائے تو ضرور بہ ضرور کافر اپنی جہالت کے زور سے اور دل کی سختی سے (یہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام علیہم سے) کہیں گے۔ نہیں ہو تم مگر باطل والے۔ یعنی بناوٹی باتیں بنانے والے یا جھوٹ لانے والے۔ (معاذ اللہ)

(آیت نمبر ۵۹) اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے کفر اختیار کرنے کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر کردیتا ہے۔ یعنی جو لوگ اپنے گندے اعتقادات پر اور اپنی نکالی ہوئی بری بدعات پر اصرار کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی جہالت انہیں ادراک حق سے روکتی ہے حق اور حق والوں کو جھٹلانے پر ابھارتی ہے۔

ربع ۲

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ع ﴿٦٠﴾

تو صبر کریں بے شک وعدۂ الٰہی برحق ہے۔ اور نہ ہلکا سمجھیں آپ کو وہ جو یقین نہیں کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۹) **نکتہ**: اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر کفر اور گناہوں سے محبت کرنے کی بناء پر اور ایمان وطاعت سے نفرت کرنے کی وجہ سے مہر لگادی۔ جس طرح شراب کی بوتلوں پر مہر لگادی جاتی ہے۔ یہ اس لئے تشبیہ دی کہ جس طرح بوتلوں وغیرہ کو مہر کر کے الگ رکھ دیتے ہیں۔ ایسے ہی کفار کے دلوں کو مہر لگا کر انہیں حق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اس ہیئت کو طبع یعنی مہر سے تشبیہ دی۔ اسے استعارہ تبعیہ کہا جاتا ہے۔

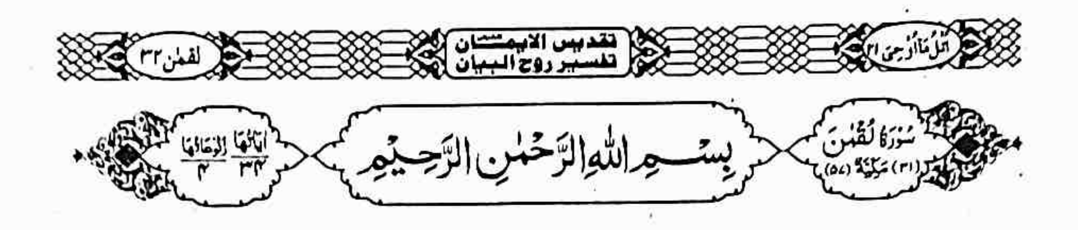
فائدہ: اسی لئے طبیعت کو بھی طبیعت کہتے ہیں کہ وہ نفس میں ایک مہر کی مانند ہے۔ چاہے خلقۃً ہو یا عادۃً جو خلقۃً ہو اس کا اس لفظ کے ساتھ اکثر استعمال ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۶۰) اے محبوب کفار کی ایذاؤں پر آپ صبر کریں جو وہ صبح وشام ہاتھوں اور زبان سے آپ کو تکالیف پہنچاتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے جو آپ سے وعدہ کر رکھا ہے وہ ضرور پورا ہوگا کہ آپ کی مدد کر کے آپ کے دین کو سب دینوں پر غالب کرے گا۔ ابھی کچھ انتظار کریں۔ اس لئے کہ ہر کام کیلئے وقت مقرر ہے اور آپ کو ان کی طرف سے تکالیف جزع فزع پر نہ ابھارے۔ یعنی ان لوگوں کی تکذیب کرنے کی وجہ سے جو آیات پر یقین نہیں رکھتے اور آپ کو غلط کہتے ہیں۔ یہ بد بخت گمراہ ہیں۔ ان کی کسی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔

فائدہ: یہاں ظاہراً تو استخفاف سے منع کیا ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کے اثرات قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

کفار نے ایذائیں دینے میں حد کردی: ہر نبی کے زمانہ والے کفار ومشرکین بڑے جابر وظالم ہوئے۔ یعنی کفار تو شروع سے ہی مسلمانوں کو ایذائیں دیتے رہے۔ مگر جب حضرت ابوطالب وفات پا گئے تو کفار نے حضور ﷺ کو از حد تکالیف دینی شروع کر دیں کبھی حضور ﷺ کے سر مبارک پر مٹی ڈالتے۔ تو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا روتے ہوئے سر مبارک کو صاف کرتیں تو آپ فرماتے بیٹی رو نہیں۔ عنقریب تیرا رب ان تکالیف کو ختم فرمادے گا۔ یہی حالت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی ہوتی تھی۔ انہوں نے بھی صبر کیا۔ تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ عرب وعجم کی تمام دولت ان کے قدموں میں آ گئی۔ دین ودنیا میں انہوں نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔

اختتام: سورۃ آج مورخہ ۱۴ ستمبر ۲۰۱۶ء بمطابق ۱۲ ذوالحج بروز بدھ بوقت نماز صبح



الٓمّٓ ۚ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۙ ② هُدًى وَّرَحْمَةً

یہ آیتیں کتاب حکمت والی کی ہیں۔ ہدایت ہے اور رحمت ہے

لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۙ ③

نیک لوگوں کیلئے۔

(آیت نمبر۱) وہ حروف مقطعات جو سورتوں کے شروع میں لکھے جاتے ہیں۔ یہ عبرت کے خزانوں کی چابیاں ہیں۔ **فائدہ**: ان حروف میں الف سے مراد "انا اللّٰہ" یعنی میں ہی اللہ تعالیٰ ہوں اور لام سے مراد "لی جمیع صفات الکمال" یعنی کامل تمام صفات میری ہی ہیں اور میم سے مراد "منی الغفران والاحسان" یعنی بخشش اور احسان میری طرف سے ہے۔ الم پر مختلف مفسرین کی آراء بیان ہوئیں۔ لیکن اس کی حقیقی مراد اللہ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے۔

(آیت نمبر۲) یہ آیات اس کتاب کی ہیں جو حکمت والی ہے۔ اس کتاب کو حکمت والی کتاب اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں بے شمار حکمت کی باتیں بیان کی گئیں۔ یا حکم کا معنی محکم ہے۔ یعنی یہ کتاب ایسی محکم اور مضبوط ہے کہ اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا۔ یہ فساد و بطلان سے بہت دور اور تحریف سے محفوظ ہے۔

(آیت نمبر۳) یہ کتاب ہدایت دیتی ہے۔ یعنی ضلالت و گمراہی سے نکال کر ہدایت دینے والی ہے اور یہ کتاب رحمت ہی رحمت ہے۔ یعنی یہ کتاب اپنے اوپر عمل کرنے والوں اور تلاوت کرنے والوں کو عذاب سے نجات دلانے والی ہے۔ **فائدہ**: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کو ہدایت اس لئے کہا گیا کہ یہ کتاب کامیابی تک پہنچاتی ہے اور اس میں وہ اسباب ہیں۔ جو بھلائیوں تک پہنچانے والے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کتاب عابدین کیلئے ہدایت اور رحمت ہے اور عارفین کیلئے دلیل اور حجۃ ہے۔ امام نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب ہدایت اس لئے ہے کہ حق کی طرف راہ دکھاتی ہے اور رحمت اس لئے ہے کہ جو اسے مضبوط پکڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اسے ڈھانپ لیتی ہے۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ ۴

جو قائم کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔

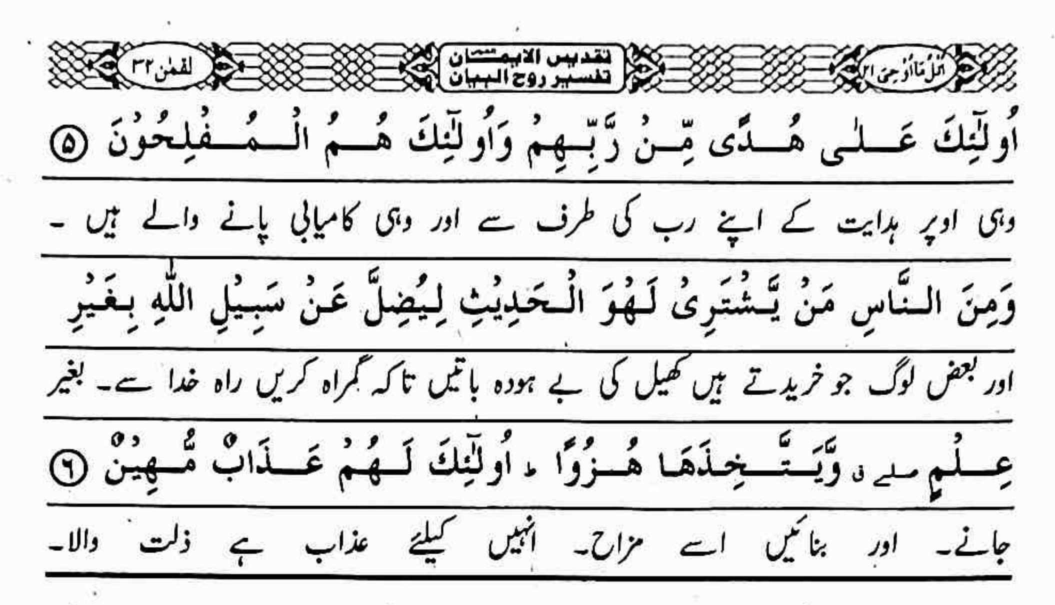
(بقیہ آیت نمبر۳) (یعنی مکمل طور سے جواس پر عمل پیرا ہے) اسے اسرار و جذبات کے ساتھ اللہ تعالیٰ تک پہنچاتی ہے۔ آگے فرمایا۔ یہ رحمت ہے محسنین کیلئے یعنی جو احسان یا نیکی کرنے والے ہیں۔ محسن کا لفظ مطلقاً ایمان والوں کی مدح کیلئے استعمال ہوا ہے۔ **فائدہ:** اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ کتاب صرف مسلمانوں ہی کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔ یا اس کتاب سے فائدہ صرف مسلمانوں نے اٹھایا۔ کہ انہوں نے ہدایت پائی۔

(آیت نمبر۴) محسنین کی صفات میں ان کے حسنات کا بیان ہے۔ یعنی اس میں تمام حسنات آ گئے خواہ اعتقادی ہوں یا عملی یہاں ان میں سے تین کا بیان ہے: (۱) یہ کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ اقامۃ صلوٰۃ سے مراد اس کو صحیح طور پر ادا کرنا کیونکہ یہ ہی دین کا ستون ہے۔ جسنے اس کو قائم رکھا اس کے دین کا ستون قائم ہے۔

فائدہ: المفردات میں ہے کہ اقامۃ صلوٰۃ کا معنی ہے کہ اسے صحیح طریقے سے ادا کرنا۔ اس کی تمام شرائط و ارکان واجبات و مستحبات کے ساتھ ادا کرنا۔

شرائط کی دو قسمیں ہیں: (۱) شرائط جواز: جیسے فرائض کے حدود و اوقات۔ (۲) شرائط قبول: جیسے تقوی۔ خشوع۔ اخلاص۔ تعظیم اور حرمت نماز۔ اور دوسری چیز کے بارے میں فرمایا کہ وہ شرائط کے مطابق مستحقین کو زکوٰۃ دیتے ہیں۔ **فائدہ:** کسی بدعقیدہ اور بدمذہب کو زکوٰۃ نہیں لگتی۔ اگر دی ہے تو پھر دوبارہ ادا کرے اور مستحق افراد کو زکوٰۃ دی جائے۔ **مسئلہ:** جو زکوٰۃ نہ دے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مال کی نہ حفاظت فرماتا ہے۔ نہ اس میں برکت رہتی ہے۔ بلکہ آخرت میں اس مال کو گرم کر کے اس کے بدن کو داغ دیئے جائیں گے۔

(۳) تیسری چیز فرمائی کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ان تینوں نیکیوں کی تخصیص ان کی باقی اعمال پر افضلیت کی وجہ سے ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ تینوں بقایا حسنات سے افضل ہیں۔ تیسری چیز کے بارے میں فرمایا کہ وہ آخرت کے متعلق کوئی شک وشبہ نہیں رکھتے۔ قیامت کے دن اٹھنے پر یقین اور جزاء وسزا کی تصدیق کرتے ہیں اور لفظ ''ھم'' کو ڈبل لانے میں تاکید کا اعادہ مراد ہے تاکہ قیامت کے بارے میں ان کو پختہ یقین ہو۔ کہ وہ ضرور بہ ضرور قائم ہوگی اور تمام مردے زندہ ہوں گے۔ اور سب کے اعمال کا انہیں بدلہ دیا جائیگا۔



اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

وہی اوپر ہدایت کے اپنے رب کی طرف سے اور وہی کامیابی پانے والے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ

اور بعض لوگ جو خریدتے ہیں کھیل کی بے ہودہ باتیں تاکہ گمراہ کریں راہ خدا سے۔ بغیر

عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۶﴾

جانے۔ اور بنائیں اسے مزاح۔ انہیں کیلئے عذاب ہے ذلت والا۔

(آیت نمبر۵) یہ محسنین ہی ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے۔ یعنی وہ سیدھی راہ پر ہیں جوان کے رب کی طرف سے انہیں ملا ہے اور جس پر انہیں چلنے کی توفیق دی۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ جب تک توفیق حق نہ ہو ہدایت نہیں مل سکتی۔

آگے فرمایا کہ یہی کہ یہی لوگ ہر مطلوب میں کامیابی پانے والے ہیں۔ اس لئے کہ ان کا عقیدہ حق ہے اور عمل صالح ہے۔

کامیابی دو قسم ہے: (۱) دنیوی اور (۲) اخروی۔۔۔۔ دنیوی کامیابی تو یہی ہے کہ بندہ کو دنیا میں ہی وہ سعادتیں ملیں جن سے دنیوی زندگی اس کی خیر و برکت سے گذرے۔ **حدیث:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ اصل عیش وعشرت آخرت میں ہے۔ (بخاری و مسلم)

اخروی کامیابی چار چیزوں میں ہے: (۱) بقاء بغیر فنا۔ (۲) غنا بلا فقر۔ (۳) عزت بغیر ذلت۔ (۴) علم بغیر جہل۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ مومن کو دنیا میں ان تین باتوں سے سابقہ ہوگا۔ قلت (مالی کمی)۔ علت (بیماری)۔ اور ذلت (مصائب و آلام)۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

(آیت نمبر۶) لوگوں میں وہ بھی ہیں جو فضول باتوں کو لے لیتے ہیں۔ یعنی جن باتوں کا کوئی مقصد نہیں ہوتا یا جن کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔ **فائدہ:** ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول یا اولیاء کی کلام کے علاوہ کلام لہو ہے۔ جیسے جادو کے علوم یا فلسفہ یا زندیقوں کی باتیں۔ سب فضولیات میں ہیں۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ

اور جب پڑھی جائیں اس پر ہماری آیات مڑتا ہے تکبر سے۔ گویا کہ نہیں سنا اس نے گویا

فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑦

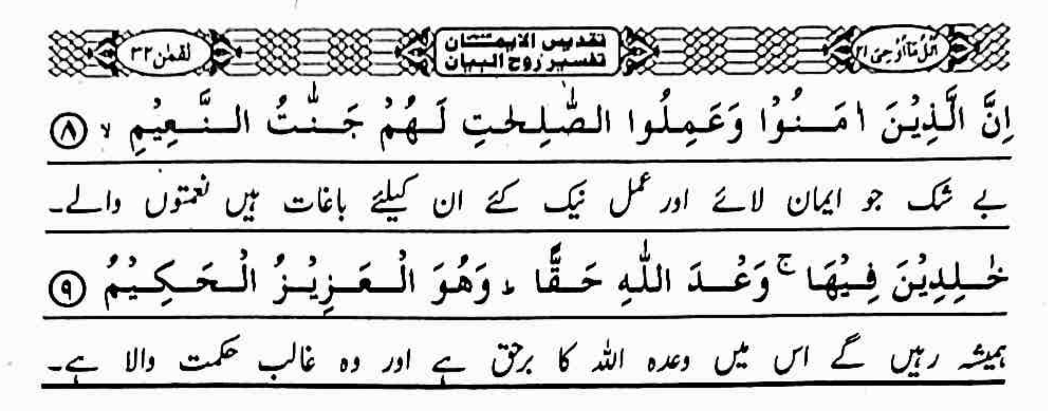
کانوں میں اس کی روئی ہے۔ پس مژدہ سناؤ اسے عذاب دردناک کا۔

(بقیہ آیت نمبر ۶) **شـــان نـزول :** اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ ایسا سنگدل کافر تھا جو ہمہ وقت حضور ﷺ سے برسر پیکار رہتا تھا۔ جسے غزوۂ بدر کے بعد قتل کر دیا گیا تھا۔ یہ خبیث قصے اسفندیار۔ کلیلہ اور دمنہ وغیرہ کے لاتا۔ یا بادشاہوں کے قصے لا کر لوگوں کو مجلس لگا کر سناتا تھا اور کہتا کہ محمد بھی تمہیں قصے کہانیاں سناتا ہے اور میں بھی تمہیں قصے سناتا ہوں۔ یہ وہ اس لئے خرید کر لاتا کہ لوگوں کو گمراہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے ایمان لانے سے دور کرے یعنی لوگ دین حق کی طرف جو سراسر ہدایت ہے نہ جائیں بلکہ مجھ سے قصے سنیں اور وہ رسول یا کلام الٰہی سے ٹھٹھہ مزاح بناتا ہے۔ ان لوگوں کیلئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے باطل کو حق پر ترجیح دی۔

(آیت نمبر ۷) اور جب اس کافر نضر بن حارث کے سامنے ہماری آئتیں پڑھی جاتیں تو وہ تکبر کے ساتھ وہاں سے مڑ جاتا۔ یعنی لوگوں کو طاعت سے ہٹا کر باطل سے آشنا کرتا۔ اور ایسے مڑ جاتا۔ جیسے اس نے سنا ہی نہیں۔ حالانکہ وہ سنتا تھا۔ **فـــائـده:** قرآن کے مضامین تو ایسے دلکش ہیں۔ سننے والا دل لگا کر سنتا ہے۔ اس سے روگردانی کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ ظالم تو ایسا ہے۔ گویا اس کے کانوں میں بوجھ آ گیا ہے۔ جو اسے کچھ بھی سننے نہیں دیتا۔

فـــائـده: قرآن کے آشنا جب قرآن سنتے ہیں تو وہ دیوانہ وار سربسجود ہو جاتے ہیں اور وہ زندہ دل لوگوں کی طرح اسے سن کر زار و قطار روتے ہیں۔

آگے فرمایا۔ اے محبوب ان متکبروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں۔ جو لازماً انہیں پہنچے گا اور انہیں ایسے عذاب میں ضرور مبتلا کیا جائے گا۔ جو انتہائی سخت اذیت دینے والا ہے۔ یہاں بشارت کا ذکر تہکماً ہے۔ اس لئے کہ وہ قرآن میں دلچسپی لینے کے بجائے اس سے مزاق اڑاتے ہیں۔ (مزامیر اور ڈھول باجے کے متعلق تفصیلی بیان دیکھنے کیلئے فیوض الرحمٰن کا مطالعہ کریں)۔



اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۙ ⑧

بے شک جو ایمان لائے اور عمل نیک کئے ان کیلئے باغات ہیں نعمتوں والے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑨

ہمیشہ رہیں گے اس میں وعدہ اللہ کا برحق ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

(آیت نمبر۸) کفار پر ہونے والے عذاب کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو آخرت میں ملنے والے انعامات کا ذکر فرماتے ہیں۔ بے شک وہ لوگ جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور اس کے مطابق نیک عمل کئے۔ یعنی نماز روزہ کی پابندی کی۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کیا۔

مسئلہ : کشف الاسرار میں ہے۔ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے صرف اقرار کافی نہیں اور ایمان اعمال صالحہ سے محقق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان کو عمل کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا۔ اس لئے کہ جنت کی حقداری کا دار و مدار ان ہی دو چیزوں پر ہے۔ اسی لئے آگے فرمایا کہ جنتیوں کو ایمان و عمل صالح کے بدلے میں نعمتوں والے باغات ملیں گے۔ اس سے بہشت کی نعمتیں مراد ہیں۔ جو جنتیوں کو جنت میں دی جائیں گی۔

(آیت نمبر۹) اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ وعدہ ہے حق تعالیٰ کا۔ جو بالکل برحق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اور اس کا ہر کام حکمت و مصلحت کے مطابق ہے۔

فائدہ : بعض علماء نے فرمایا کہ جنتیں آٹھ ہیں: (۱) جنۃ النعیم۔ (۲) جنۃ الفردوس۔ (۳) جنۃ الخلد۔ (۴) جنۃ الماوی۔ (۵) جنۃ عدن۔ (۶) دار القرار۔ (۷) دار السلام۔ (۸) دار الجلال۔ وہب بن منبہ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا۔ جن لوگوں کے اعمال جس جنت کے لائق ہوں گے۔ انہیں اسی جنت میں ٹھکانہ دیا جائیگا۔

گانا اور مزامیر حرام کام ہیں: حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عالیٰ نے مجھے ہدایت دیکر اور رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔ اور مجھے حکم دیا۔ کہ ہر قسم کے مزامیر ڈھول باجے۔ سارنگی بانسری اور جاہلیت کی تمام رسوم ختم کر دوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھا کر فرمایا۔ جس نے ایک گھونٹ شراب پیا۔ اسے بروز قیامت جہنمیوں کے بدن سے نکلنے والی گندی بدبودار پیپ پلائی جائے گی۔ **حدیث شریف:** مجھے مزامیر توڑنے اور خنزیر ختم کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ (بحر الرائق)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ

اس نے بنائے آسمان بغیر ستون کے تم دیکھتے ہو۔ اور ڈالے زمین میں پہاڑ

اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ

کہ نہ کانپے تم سے اور پھیلائے اس میں ہر قسم کے جانور۔ اور اتارا ہم نے آسمان سے

مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۰﴾

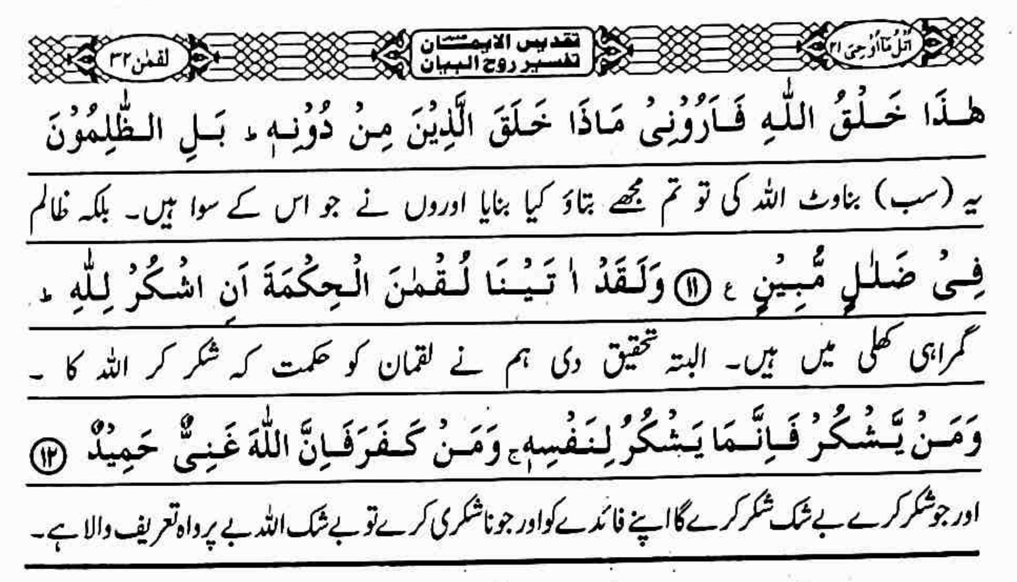
پانی پھر اگائے اس میں ہر قسم کے جوڑے عزت والے۔

(آیت نمبر ۱۰) اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمان اور کرسی اور عرش بغیر ستونوں کے بنائے۔ تم مشاہدہ کر رہے ہو کہ واقعی آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بنایا۔ تا کہ باشعور لوگ یقین کر لیں کہ وہ ذات بہت بڑی قدرت کی مالک ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی زمین میں لنگر ڈال دیئے۔ جن کی وجہ سے زمین ساکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے۔ کہ اس نے اتنی بڑی مخلوق اپنی قدرت سے بنائی۔

فائدہ: زمین اگرچہ بہت بڑی مخلوق ہے۔ اس کے باوجود چونکہ پانی پر تھی۔ اس لئے وہ ہل رہی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے چند پتھروں کے ساتھ ایسا قابو کیا ہے کہ اب وہ ہل نہیں سکتی۔

فائدہ: زمین تھر تھرا رہی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑ گاڑ دیئے۔ اسی لئے فرمایا کہ اب وہ ہل نہیں سکتی۔ تم جیسے مرضی ہے اس پر چلو پھرو۔ خلاصہ یہ کہ زمین کو پہاڑوں کے ساتھ اس لئے جکڑا تا کہ وہ حرکت نہ کرے۔ جیسے کشتی ایک جگہ نہیں ٹھہرتی۔ **فائدہ**: بعض علماء فرماتے ہیں کہ پہاڑ زمین کی ہڈیاں اور رگیں ہیں۔

آگے فرمایا کہ ہر طرف جانور پھیلا دیئے۔ اس میں تمام اقسام حیوانات وحشرات آ گئے۔ آگے فرمایا کہ ہم نے آسمان کی طرف سے بارش کی شکل میں پانی اتارا۔ پھر اس پانی کے سبب اس زمین میں ہر قسم کے جوڑے اگائے۔ جن سے مخلوق کو بہت نفع حاصل ہے۔ المفردات میں ہے۔ کریم وہ شیء ہے۔ جو اپنے معاملہ میں شرافت کی حامل ہو اور جس کا نفع بہت زیادہ ہو۔ اور عالم دنیا کی ہر چیز زوج یعنی جوڑا جوڑا ہے۔



هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ

یہ (سب) بناوٹ اللہ کی تو تم مجھے بتاؤ کیا بنایا اوروں نے جو اس کے سوا ہیں۔ بلکہ ظالم

فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ع ⑪ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ

گمراہی کھلی میں ہیں۔ البتہ تحقیق دی ہم نے لقمان کو حکمت کہ شکر کر اللہ کا ۔

وَمَنْ یَّشْكُرْ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ⑫

اور جوشکر کرے بے شک شکر کرے گا اپنے فائدے کو اور جو ناشکری کرے تو بے شک اللہ بے پرواہ تعریف والا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر۱۰) **فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق دی کہ ہم اس کی صنعت کے عجائب وغرائب قدرت میں غوروفکر کرسکتے ہیں۔ اس بات پر عقلیں حیران ہیں کہ اس قادر مطلق نے نباتات واشجار میں کیسے کیسے عجائبات رکھے۔ جن میں بے شمار فوائد ومنافع ہیں اوران اشیاء کی شکلیں مختلف رنگ مختلف خوشبوئیں اور ذائقے مختلف۔ ہر رنگ میں کئی رنگ۔ ہر ذائقے میں کئی طرح کے ذائقے اسی طرح پھل اوردانوں کے کئی اقسام۔

(آیت نمبر۱۱) آگے فرمایا یہ تو وہ مخلوق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بنایا۔ بھلا مشرکو تم مجھے دکھاؤ جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے۔ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے اگر انہوں نے کچھ نہیں بنایا۔ اور یقیناً نہیں بنایا تو پھر وہ عبادت کے مستحق کیسے بن گئے۔ بلکہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ کیونکہ وہ حق سے بہت دور چلے گئے ہیں۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ ان گمراہوں سے مراد قریش مکہ ہیں۔ **فائدہ**: کاشفی لکھتے ہیں کہ مشرکین کی گمراہی واضح ہے کہ وہ ایک عاجز مخلوق کو قادر بنارہے ہیں اور پوجا میں خدا کا شریک بنارہے ہیں۔ **فائدہ**: افضل الفضائل توحید ہے اور اکبر الکبائر شرک ہے توحید نور ہے اور شرک نار ہے۔ نور توحید موحدین کے گناہوں کو جلا دیتا ہے۔ اسی طرح نار مشرکوں کی نیکیوں کو کھاجائے گی۔

(آیت نمبر۱۲) اور تحقیق ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی۔

تعارف: لقمان علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے پڑدادا کے بھائی تھے۔ انہوں نے ہزار سال عمر پائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ بھی پایا۔ جناب داؤد سے پہلے فتوی انکا چلتا تھا۔ شرعی فتاویٰ کے مفتی وہی تھے۔ آپ طب میں ماہر اور علم وحکمت میں حکیم تھے۔ مخلوق خدا کو آپ وعظ ونصیحت اور حکمت سے بھری باتیں سناتے تھے۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ

اور جب کہا لقمان نے بیٹے سے اور وہ نصیحت کرتے تھے اے بیٹے نہ شریک کرنا اللہ کا ۔

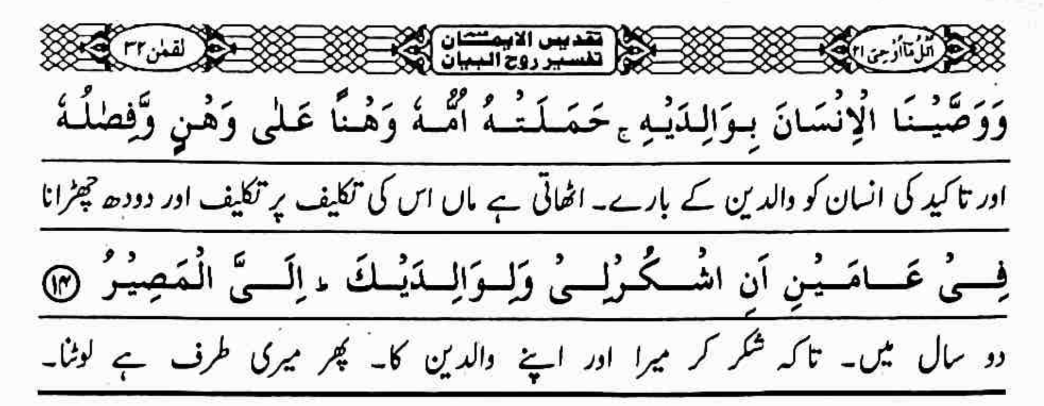
اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾

بے شک شرک ظلم ہے بہت بڑا۔

(بقیہ آیت نمبر۱۲) ایک ہزار کے قریب انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔صحیح یہ ہے کہ آپ نبی نہیں تھے۔ چونکہ آپ سیاہ فام تھے اور سیاہ فام نبی نہیں ہوسکتا۔آپ حکمت میں بے مثال اعلیٰ درجے کے مفکر تھے۔آپ کی حکمت بھری باتوں سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت عطا کی اور قرآن میں ہے۔جسے حکمت ملی وہ خیر کثیر دے دیا گیا۔آگے فرمایا کہ اے لقمان اللہ تعالیٰ کا شکر کر۔کہ اس نے آپ کو حکمت سے نوازا اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرے تو سوائے اس کے نہیں۔اس کے شکر کرنے کا فائدہ اس کی اپنی ذات کو پہنچتا ہے کہ شکر کرنے سے نعمت اس کے پاس ہمیشہ رہتی ہے بلکہ اس سے اور زیادہ اسے نصیب ہوتی ہے۔اس لئے کہ وعدۂ الٰہی ہے تم شکر کرو تو میں تمہیں اور زیادہ دونگا۔آگے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ناشکری کرے گا۔اس کا وبال اسی پر ہوگا۔اور بے شک اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے شکر کرنے سے بے نیاز ہے اور وہ اپنی ذات وصفات میں اور اپنے افعال میں محمود ہے۔کوئی اس کی تعریف کرے یا نہ کرے۔اسے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

(آیت نمبر۱۳) اور جب لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا۔جس کا نام انعم تھا۔جبکہ آپ اسے نصیحت فرمارہے تھے کہ اے میرے بیٹے۔میں تجھے وہ وصیت کرنے لگا ہوں جو دونوں جہانوں میں سعادت کا موجب ہے۔ لہذا اس پر ضرور عمل کریں۔نمبر۱۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کر۔اس لئے کہ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔اس لئے کہ اس میں نعمت نہ دینے والے کو نعمت دینے والے کے ساتھ شریک کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا گویا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے اور شرک کی سزا یہ ہے کہ مشرک کو ہرگز نہیں بخشا جائیگا۔

فائدہ : جناب لقمان نے بیٹے کو شرک سے بچنے کی تلقین کی اس کے بعد اسے اور بھی بہت کچھ وعظ ونصیحت فرمائی کہ بیٹا اپنے نفس کو خدمت حق میں لگادے اور دل کو بھی ماسوی اللہ کی طرف متوجہ نہ ہونے دینا اور روح کو مشاہدۂ حق میں مشغول رکھنا۔اس کو مقام التفرید فی التوحید کہا جاتا ہے۔


وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ ج حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ

اور تاکید کی انسان کو والدین کے بارے۔ اٹھاتی ہے ماں اس کی تکلیف پر تکلیف اور دودھ چھڑانا

فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ط إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿١٤﴾

دو سال میں۔ تاکہ شکر کر میرا اور اپنے والدین کا۔ پھر میری طرف ہے لوٹنا۔

(آیت نمبر۱۴) اور ہم نے انسان کو وصیت کی کہ اپنے ماں باپ کے حقوق کا خیال رکھنا۔ خصوصاً ماں کا بیٹے پر بہت بڑا احسان ہے کہ ماں نے بچے کے پیٹ میں ہوتے ہوئے تکلیف پر تکلیف اٹھائی اور دن بدن ماں کے ضعف اور کمزوری میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ پھر دو سال تک بچے کو دودھ پلانا اور دو سال کے بعد دودھ چھڑانا۔

مسئلہ: بچے کو دودھ پلانے کی مدت دو سال امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اس مدت کے بعد کوئی بچہ اس عورت کا دودھ پئے گا تو رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ **مسئلہ**: اجرت دودھ پلوانے کی دو سال تک ہی ہے۔ اس کے بعد دودھ پلانے والی عورت کا نان نفقہ ضروری نہیں اور دو سال مدت رضاعت بچے کی پیدائش سے شروع ہوگی۔

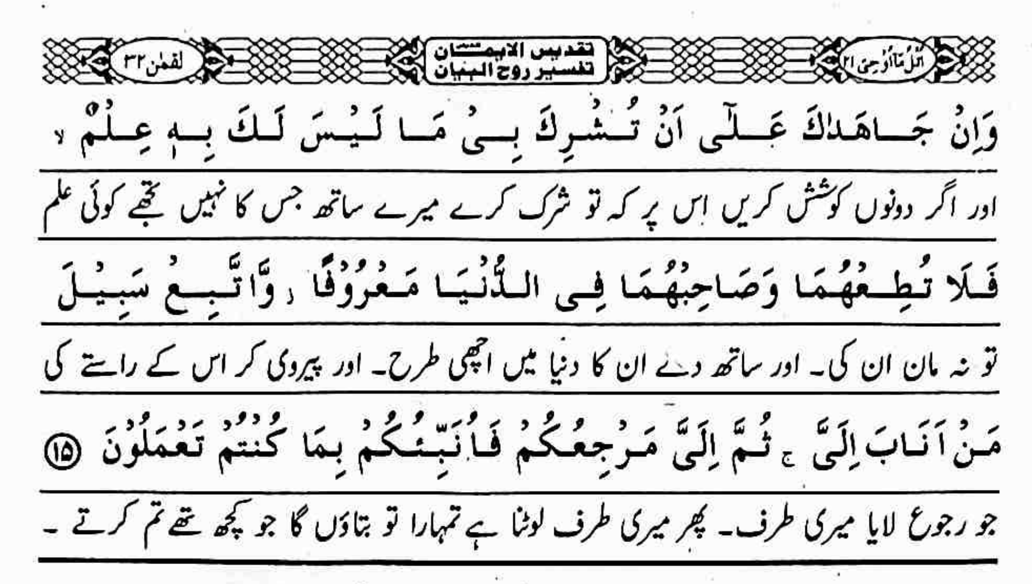
آگے فرمایا کہ اے انسان میرا بھی شکر کر اور اپنے والدین کا بھی شکر ادا کر۔ میرا شکر اس لئے کہ میں تجھے عدم سے وجود میں لایا اور اس کے بعد ماں باپ کا شکریہ بھی ادا کر کہ وہ تیرے دنیا میں آنے کا سبب بنے اور تیری تربیت کی جبکہ تو بہت چھوٹا تھا۔ لہذا ان کی تعظیم وتوقیر بھی کر اور ان پر رحمت وشفقت بھی کر۔ یعنی ان کے سامنے باادب رہ۔

حدیث شریف میں ہے۔ جو بندوں کا شکر گذار نہیں وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی نہیں کرتا۔ (رواہ احمد وابوداؤد)۔ **فائدہ**: معلوم ہوا بندوں کے شکر پر اللہ تعالیٰ نے اپنا شکر موقوف کر دیا۔

مسئلہ: استاد کا شکریہ والدین کے شکریہ پر فوقیت رکھتا ہے۔

حکایت: سکندر سے کسی نے پوچھا کہ تو والدین سے زیادہ استاد کی تعظیم وتکریم کیوں بجالاتا ہے تو اس نے کہا۔ والدین آسمانوں سے زمین پر لائے اور استاذ گرامی پھر مجھے زمین سے آسمان پر لے گئے۔ افسوس ہے کہ آج استاد کا ادب واحترام لوگوں کے دلوں سے جاتا رہا۔

حکایت: بزرجمہر سے پوچھا گیا کہ آپ والدین کے بجائے استاد کی زیادہ تعظیم کرتے ہیں تو [illegible] والدین میری فانی دنیا میں آنے کا سبب ہیں اور استاد محترم میری باقی رہنے والی زندگی کا سبب ہیں۔



وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ

اور اگر دونوں کوشش کریں اس پر کہ تو شرک کرے میرے ساتھ جس کا نہیں تجھے کوئی علم

فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۙ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ

تو نہ مان ان کی۔ اور ساتھ دے ان کا دنیا میں اچھی طرح۔ اور پیروی کر اس کے راستے کی

مَنْ اَنَابَ اِلَىَّ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

جو رجوع لایا میری طرف۔ پھر میری طرف لوٹنا ہے تمہارا تو بتاؤں گا جو کچھ تھے تم کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر۱۴) آگے فرمایا۔ میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے پھر میں تمہیں جزاء یا سزا دونگا۔

شکریہ کی ادائیگی: سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو پانچوں وقت نماز ادا کرتا ہے۔ وہ اللہ کے احسانات کا شکر ادا کرتا ہے اور جو ماں باپ کی بخشش کی دعا کرتا ہے۔ گویا وہ والدین کے احسان کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

مسئلہ: جو والدین کی وفات کے بعد احسان کرنا چاہتا ہے وہ ان کے دوستوں، عزیزوں اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کرے۔ **مسئلہ:** ماں باپ ناراضگی میں فوت ہوگئے تو اولاد کو چاہئے کہ ان کیلئے کثرت سے بخشش کی دعا کریں اور ان کی طرف سے زیادہ سے زیادہ صدقہ خیرات کرے۔

(آیت نمبر۱۵) اگر تیرے والدین تجھے اکسائیں کہ تو عبادت میں انہیں شریک کر جس کا تجھے علم نہیں تو پھر تو ان کا حکم نہ مان۔ یعنی تمہیں شرک کرنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ علاوہ ازیں والدین کی خوب خدمت کرو جب تک وہ زندہ ہیں ان کی خدمت میں کوتاہی نہ کرو۔ ان کے ساتھ اچھی معاشرت کرو۔ یعنی جس بات کی شریعت نے اجازت دی۔ ان کی خدمت اور نان نفقہ میں کمی نہ کرو۔ **حدیث شریف:** ماں باپ کی مصاحبت کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ بھوکے ہوں تو انہیں کھانا کھلاؤ اور کپڑوں کی ضرورت ہو تو کپڑے پہناؤ (احیاء العلوم)۔ **حدیث شریف:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو والدین کی زیارت کرے اسے مقبول حج کا ثواب ملتا ہے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)۔ ماں باپ کی جتنی مرتبہ زیارت اتنے حجوں کا ثواب۔

مسئلہ: ماں باپ کا نفقہ اور لباس اولاد پر واجب ہے۔ خواہ وہ کافر ہوں۔ اسی طرح ان سے احسان اور ان کی خدمت اور روزانہ ان کی زیارت ضروری ہے۔ کفر و شرک میں ان کی اطاعت نہیں۔ معروف وہ نیکی ہے جسے عقل و شرع اچھا کہے اور منکر وہ برائی ہے۔ جسے عقل و شرع برا کہے۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ

اے میرے بیٹے بے شک برائی اگر ہوئی برابر ایک دانے رائی کے خواہ ہو کسی چٹان میں یا

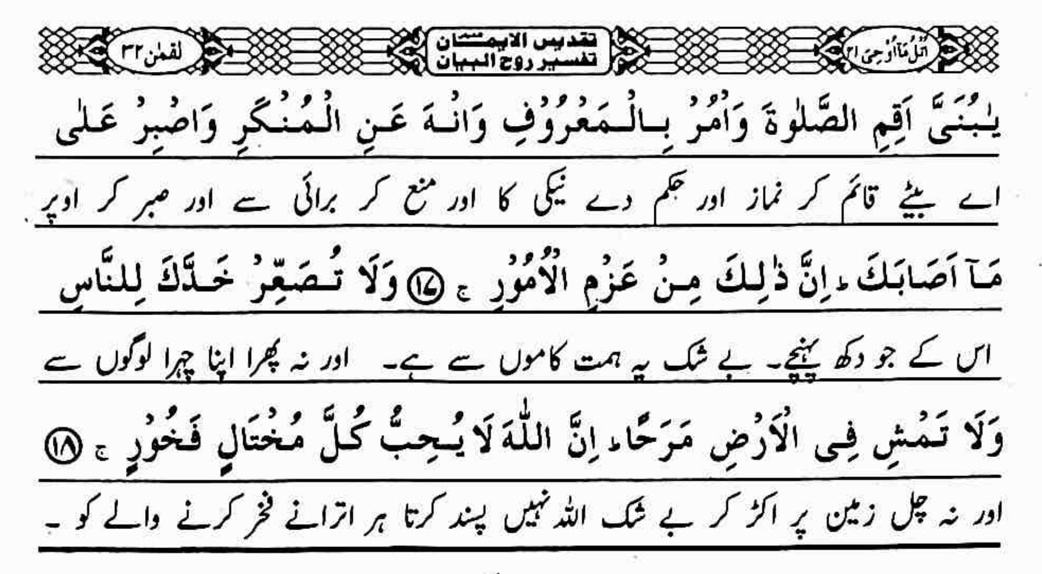
فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾

آسمانوں میں یا زمین میں لے آئے گا اسے اللہ۔ بے شک اللہ باریکیوں سے خبردار ہے۔

(بقیہ آیت نمبر۱۵) آگے فرمایا۔ ان لوگوں کا راستہ اختیار کر جو اخلاص وطاعت میں میری طرف رجوع کرتے ہیں۔ یعنی مومنین کاملین ہیں۔ کیونکہ تم سب کا لوٹنا میری طرف ہے۔ پھر میں تمہیں بتاؤں گا۔ جو جو تم خیر یا شر کرتے رہے۔ پھر تمہیں ان کا بدلہ دیا جائیگا۔ اچھے اعمال کا اچھا اور برے اعمال کا برا بدلہ ہوگا۔ **فائدہ**: اس آیت کے اس جملے سے تقلید کا ثبوت ملا اور کسی اللہ والے کی بیعت کا ثبوت بھی اسی آیت سے ملا۔ تقلید کے بغیر آدمی گمراہ ہوسکتا ہے۔ اور چاہیئے کہ مرید بھی اس کا ہو۔ جو ہر وقت یاد الٰہی میں مستغرق ہو۔ (آج کل کے پیروں کی طرح مال بٹورنے والا نہ ہو۔)

شان نزول: آیت کا یہ ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں ہیں وہ جب مسلمان ہوئے تو والدہ نے قسم کھالی کہ جب تک سعد اسلام نہ چھوڑے میں نہیں کھاؤں گی تو انہوں نے کہا والدہ مر بھی جائے اور پھر زندہ ہو یہاں تک کہ ستر مرتبہ ایسا ہو پھر بھی میں اسلام کو نہیں چھوڑوں گا۔ واہ رے اسلام کے شیدائی۔ (یہ وہی سعد ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے ماں باپ تجھ پہ قربان تیر چلا)۔ **فائدہ**: اس آیت میں کافروں اور فاسقوں کی صحبت سے روکا گیا اور صالحین اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی۔ اس لئے کہ صحبت اور دوستی کو طبائع سے گہرا تعلق ہو جاتا ہے۔

(آیت نمبر۱۶) لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اے میرے بیٹے بے شک اگر تیری برائی خواہ چھوٹی سی ہو اور اس کی مقدار رائی کے دانے کے برابر ہو اور وہ کسی پہاڑ میں انتہائی محفوظ مقام پر ہو یا آسمانوں میں یا ان سے بھی اوپر ہو۔ یا زمین کے طول وعرض کی کسی تہہ میں ہو یا ساتویں زمین سے بھی نیچے ہو تو اسے اللہ تعالیٰ محشر کے میدان میں لے آئیگا۔ اسی لئے فرمایا کہ جس نے ذرہ برابر نیکی کی۔ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی تو اسے بھی دیکھ لے گا۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر باریک تر اور خفی تر چیز کو بھی جانتا ہے اور خبیر ہے کہ وہ ہر چیز کی کنہ کو جانتا ہے۔ **فائدہ**: شرح حزب البحر میں ہے۔ خبیر سے مراد وہ ذات جو ان باریکیوں کو بھی جانے۔ جن تک رسائی اس کے بغیر کسی کو نہ ہو اور جس کا یہ عقیدہ ہوگا وہ خالص اسی کی عبادت کرے گا۔ جس میں نہ ریاء ہوگی۔ نہ دنیوی نفع۔



يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى

اے بیٹے قائم کر نماز اور حکم دے نیکی کا اور منع کر برائی سے اور صبر کر اوپر

مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۚ ⑰ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ

اس کے جو دکھ پہنچے۔ بے شک یہ ہمت کاموں سے ہے۔ اور نہ پھرا اپنا چہرا لوگوں سے

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۚ ⑱

اور نہ چل زمین پر اکڑ کر بے شک اللہ نہیں پسند کرتا ہر اترانے فخر کرنے والے کو ۔

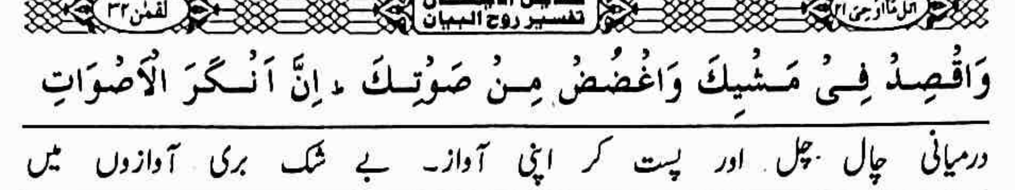
(آیت نمبر ۱۷) اے میرے بیٹے نماز قائم کر کیونکہ یہ اکمل العبادات ہے۔ اعتقادیات کے بعد عمل کے لحاظ سے عبادات کی تکمیل اسی سے ہے۔ اسی لئے پہلے شرک سے روکا گیا اس لئے کہ اس سے بچنا ہر انسان پر واجب ہے۔ آگے فرمایا نیکی کا حکم دے۔ معروف وہ ہے جو شرعاً مستحسن ہو اور بندے کو مولا سے ملانے والا ہو اور فرمایا۔ برائی جسے شرع اور عقل برا کہے تو اس سے لوگوں کو روک اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندے کو اس امر سے روکا جائے۔ جو اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب ہو۔ آگے فرمایا اور صبر کیجئے اس پر جو آپ کو تکلیف پہنچے۔ یعنی سختیوں۔ بیماریوں اور محتاجی پر صبر کریں نیکی کا حکم دینا یا برائی سے روکنا یا مصیبت پر صبر کرنا یہ بڑے ہمت کے کاموں سے ہے۔

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سابقہ امتوں میں بھی عبادات کی بہت بڑی اہمیت تھی اور اس امت کو بھی بتایا گیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔ پھر اس معاملے میں جو بھی تمہیں تکلیف پہنچے اس پر صبر کریں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کو تکالیف ضرور آتی ہیں بشرطیکہ ان سارے اعمال میں صرف اور صرف رضاء الٰہی مطلوب و مقصود ہو اور اس میں آنے والی تکالیف کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے (انعام) سمجھے۔

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بلاء و محنت محبت کے لوازم سے ہے۔

فرمان فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہے کہ رات کو مجھے معلوم نہیں کہ میرا کل کیسا ہو گا۔ بھلائی ہو گی یا برائی بہر حال میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میری بھلائی ہی لکھی ہو گی۔

(آیت نمبر ۱۸) اور لوگوں سے چہرے کو نہ پھرا۔ صعر۔ تکبر کے ساتھ چہرا پھرانے کو کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ کسی سے سلام و کلام یا ملاقات کے وقت تکبر کے ساتھ لوگوں سے اپنا چہرہ نہ ہٹا۔



وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ

درمیانی چال چل اور پست کر اپنی آواز۔ بے شک بری آوازوں میں

لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ع ﴿۱۹﴾

آواز گدھے کی ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۸) بلکہ تواضع کے ساتھ اپنا پورا چہرا لوگوں کے سامنے رکھ۔ متکبروں کی طرح ایسا نہ کر کہ آدھا چہرا لوگوں کے سامنے اور آدھا دوسروں طرف اور ان لوگوں کی طرح نہ چل جو اتراتے ہوئے چلتے ہیں۔ یعنی جاہلوں اور دنیا پرست لوگوں کی چال نہ چل۔ اس لئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پسند فرماتا ان کو جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں۔ مختال۔ الخیل سے بنا ہے۔ جس کا معنی گھوڑا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جو گھوڑے پر سوار ہو۔ وہ اپنے اندر کبر پاتا ہے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نہ اکڑنے والے کو پسند کرتا ہے۔ نہ فخر وناز کرنے والے کو۔

حدیث شریف میں ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص پوشاک پہنے فخر وناز سے چل رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا اسے پکڑ لے۔ چنانچہ وہ زمین میں دھنس گیا اور قیامت تک دھنستا جائیگا۔ جیسے قارون نے تکبر کیا تو وہ بھی زمین میں دھنس گیا۔ (البحر الزخار)

نکتہ: اگر تمہیں گھوڑے پر ناز ہے۔ یا کپڑوں پر ہے۔ یا کسی اور چیز پر ہے۔ تو یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ یہ کمال وخوبی ان اشیاء میں ہے۔ **سبق**: تم پر لازم ہے کہ اس چیز پر فخر کرو جو تمہیں آخرت کے عذاب سے نجات دلا دے۔

عبرت: اگر کوئی چیز بہت پسند آئی ہے تو اس کے فنا یا اپنے فنا ہونے کو بھی نہ بھول۔ اس لئے کہ ایک دن یا وہ چیز نہیں ہوگی۔ یا تو نہیں ہوگا۔ یعنی یا تو دنیا سے چلا جائیگا۔ یا وہ چیز تیرے ہاتھوں سے نکل جائے گی۔

(آیت نمبر ۱۹) اور چلتے وقت درمیانی چال چلو۔ نہ چیونٹی کی طرح بہت آہستہ اور نہ تیز رفتار دوڑنے کی طرح۔ بلکہ متقی اور پرہیز گار لوگوں کی چال چلو۔ عیار اور شاطر اور متکبر لوگوں کی طرح نہ چلو۔ بلکہ دنیا میں سکینہ اور وقار کے ساتھ رہو۔ **حدیث شریف**: دوڑ مومن کے وقار کو لے جاتی ہے۔ (ذکرہ ابونعیم فی الحلیۃ) یعنی ختم کر دیتی ہے۔ آگے فرمایا کہ اپنی آواز کو پست رکھ۔ یعنی بات کرتے وقت آواز بہت اونچی نہیں ہونی چاہئے۔ خصوصاً تین مقامات پر: (۱) نیکی کا حکم دیتے وقت۔ (۲) برائی سے منع کرتے وقت۔ (۳) اور اللہ تعالیٰ سے مناجات ودعا کے وقت۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے کام میں تمہارے لگادیں جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں۔

وَاَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ

اور انڈیل دیں تم پر اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی۔ اور بعض لوگ جو جھگڑتے ہیں

فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًی وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ﴿۲۰﴾

اللہ کے بارے میں بغیر علم کے۔ اور بغیر ہدایت اور بغیر کسی کتاب روشن کے۔

(بقیہ آیت نمبر۱۹) **فائدہ**: انجیل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے عیسیٰ میرے بندوں سے کہو کہ وہ مجھے آہستہ پکاریں۔ اس لئے کہ میں تو ان کے دلوں کی باتوں کو بھی جانتا ہوں اور آہستہ آواز کو بھی سن لیتا ہوں۔

مسئلہ: تلاوت اور ذکر الٰہی درمیانے آواز سے کی جائے۔ ذکر اگر معمولی جہر کے ساتھ ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ بشرطیکہ کوئی قریب نماز نہ پڑھ رہا ہو یا سویا ہوا نہ ہو۔ اگر ایسا ہو تو بغیر آواز کے تلاوت اور ذکر کرے۔

آگے فرمایا کہ بے شک قبیح تر آوازوں سے گدھے کی آواز ہے۔ جہنمیوں کی آواز بھی اسی طرح ہوگی۔ جسے سن کی وحشت ہوگی۔ اس آواز سے سب نفرت کرتے ہیں۔ **فائدہ**: اس سے مراد یہ ہے کہ بہت اونچی آواز سے بولنا قابل مذمت ہے اس لئے اس آیت میں ضرورت سے زیادہ زور لگا کر بولنے پر زجر و توبیخ کی گئی ہے۔ کہ بہت اونچی آواز سے بولنا صحیح نہیں۔ (سوائے بادشاہ اور خطیب کے)

(آیت نمبر۲۰) کیا تم نے دیکھا نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مسخر کر دیا جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ جیسے۔ سورج۔ چاند اور ستارے وغیرہ تمہارے ہی فائدے کیلئے لگا دیئے۔

فائدہ: کاشفی مرحوم فرماتے ہیں کہ تمہارے ہی منافع کیلئے تمہارے تابع کر دیا ان چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں۔ جیسے چاند۔ سورج اور ستارے تاکہ تم ان سے روشنی حاصل کرو اور راستہ پاؤ۔ اور تمہارے پھل وغیرہ پک جائیں۔ آگے فرمایا کہ وہ بھی تمہارے مسخر کیا جو زمین میں ہے۔ جیسے پہاڑ جنگل۔ دریا اور نہریں اسی طرح حیوانات۔ نباتات اور معدنیات ان سے بالواسطہ یا بلاواسطہ نفع حاصل کرنے کی تمہیں قدرت دی ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ

اور جب کہا گیا انہیں کہ پیروی کرو اس کی جو اتارا اللہ نے۔ تو انہوں نے کہا ہم پیروی کریں گے جس پر پایا

اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾

ہم نے اپنے باپ دادا کو۔ خواہ شیطان ہو بلاتا انہیں طرف عذاب دوزخ کے۔

(آیت نمبر ۲۰) اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی نعمتیں مکمل فرمادیں۔ وہ جن سے انسان خوش ہوتا اور لذت پاتا ہے۔ مثلاً سننا۔ دیکھنا۔ سونگنا۔ چکھنا۔ چھونا۔ بولنا۔ ذکر کرنا۔ رزق مال۔ جاہ۔ خدام۔ اولاد۔ صحت۔ عافیت۔ امن۔ ادب۔ خلق۔ اسلام۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ قرآن۔ اتباع۔ رسول۔ یہ تو وہ ہیں جو ظاہری نعمتیں ہیں اور اسی طرح باطنی نعمتیں ہیں جن کا عقل سے تعلق ہے جو محسوس نہیں ہوتیں۔ جیسے فہم۔ معرفت۔ عقل۔ تزکیہ۔ نفس وغیرہ اسی طرح شرح صدر۔ بصیرت۔ صفاء قلبی۔ فطرت سلیمہ۔ قبول الفیض وغیرہ۔ **حدیث شریف**: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کی۔ یارسول اللہ ظاہری اور باطنی نعمتوں سے مراد کیا ہے تو ارشاد فرمایا۔ ظاہری تو یہ ہے۔ اسلام۔ حسن خلق اور جو رزق روزی ملا ہے اور باطنی وہ جو تیرے گناہوں کو چھپا دیا گیا۔ دنیا میں رسوا نہیں کیا۔ (تفسیر بیضاوی)۔ آگے فرمایا۔ بعض وہ لوگ جو جھگڑا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں۔ یعنی توحید کا انکار کر کے شرک کی طرف وہ جھکتے ہیں۔ جیسے نضر بن حارث قرآن کو گذشتہ لوگوں کے افسانے کہتا تھا تو ان کا جھگڑا بغیر علم و دلیل بغیر ہدایت اور بغیر کسی روشن کتاب کے ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر اتاری ہو جو حجت کے لحاظ سے روشن بھی ہو۔

(آیت نمبر ۲۱) اور جب ان جھگڑا کرنے والوں سے کہا گیا کہ تم پیروی کرو اس کی جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا۔ اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ یعنی قرآن جو واضح اور روشن کتاب ہے۔ تم اس پر ایمان لے آؤ۔ تو انہوں نے جواباً کہا۔ ہم تو اس کی اتباع کریں گے۔ جس پر ہم نے باپ دادا کو پایا۔ یعنی جیسے وہ ہم سے پہلے بت پرست تھے۔ ہم بھی بت پرستی کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ اگرچہ شیطان انہیں بلا رہا ہو جہنم کے عذاب کی طرف یعنی باپ دادا کو وہ جہنم میں لے گیا۔ تو یہ بھی اسی میں جائیں گے۔ یہ استفہام انکاری اور تعجب کا ہے۔ یعنی وہ گویا کہ شیطان سے اپنا تعلق جوڑ رہے ہیں۔ اور اس کی دعوت پر لبیک کہہ رہے ہیں۔ تو گویا اپنے آپ کو جہنم میں ڈال رہے ہیں۔

ربع

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ

اور جو جھکا دے اپنا منہ طرف اللہ کے اور وہ نیک ہو تو تحقیق تھام لی اس نے رسی

الْوُثْقٰى ۗ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾

مضبوط۔ اور طرف اللہ کے انجام سب کاموں کا۔

(بقیہ آیت نمبر۲۱) **مسئلہ**: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایمان تقلیدی قبول ہے۔ یعنی جو یہ کہے کہ جو عقیدہ صحابہ کا تھا یا تابعین کا وہی عقیدہ میرا ہے۔ یہ ایمان تقلیدی ہے یہ بھی قبول ہے لیکن تقلید فروعات اور عملیات میں جائز ہے۔ اعتقادیات میں کسی کی تقلید نہیں ہے اور ایمان تحقیقی کا مرتبہ زیادہ ہے وہ یہ کہ بندہ صناع باری کو دیکھ کر وجود باری تعالیٰ پر استدلال کرے۔ حکایت: ایک بوڑھی عورت نے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا۔ کہ میں نے اپنے چرخے سے رب کو پہچانا۔ وہ اس طرح۔ کہ میں اسے چلاؤں تو یہ چلتا ہے۔ نہ چلاؤں تو نہیں چلتا۔ میں سمجھ گئی۔ کہ یہ چھوٹا سا چرخہ بغیر چلائے نہیں چلتا۔ تو یہ اتنا بڑا چرخہ بغیر چلائے کیسے چلتا ہے۔ ضرور اس کائنات کو چلانے والا کوئی ہے۔

(آیت نمبر۲۲) جو شخص اپنے آپ کو اس طرح اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے۔ جیسے کسی کا سامان اس کے مالک کے حوالے کیا جاتا ہے۔ اس حال میں کہ وہ نیکی کرنے والا ہے۔ یعنی وہ نیکی بھی ایسے کہ جو ادائیگی کے لائق ہو۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی یوں عبادت کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اسے نہیں دیکھتا تو پھر یہ یقین کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ آگے فرمایا پس تحقیق تو نے مضبوط رسی کو تھام لیا۔ یہ ایسے حال سے تشبیہ دی گئی۔ جیسے کوئی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے کیلئے ایک مضبوط رسی کا سہارا لے۔ جس کے ٹوٹنے کا وہم و گمان بھی نہ ہو۔

آگے فرمایا اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سب کام لوٹائے جائیں گے۔ پھر وہی انہیں اچھے بدلے سے نوازے گا۔ **فائدہ**: اس آیت میں طاعت و عبادت میں مشغول رہنے والے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والے سے تشبیہ دی گئی۔ اسے جو اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے وہ اس طرح ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی اپنے جانور کو مضبوط باندھ کر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اب یہ محفوظ ہو گیا ہے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ

اور جو کافر ہوا تو نہ غم کھائیں اس کے کفر سے۔ ہماری طرف ہی لوٹنا ان کا پھر ہم بتائیں گے

بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ

کہ کیا کیا انہوں نے۔ بے شک اللہ جانتا ہے بات دلوں کی۔ ہم نفع دیں گے ان کو تھوڑا پھر

نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾

مجبور کریں گے ان کو طرف عذاب سخت کے۔

(آیت نمبر۲۳) اور جس نے کفر کیا۔ یعنی اس رسی کو نہیں تھاما۔ بلکہ اس کے خلاف کیا تو اے محبوب آپ اس کے کفر پر غمزدہ نہ ہوں۔ اس لئے کہ وہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے اور انہوں نے لوٹ کر ہمارے پاس ہی آنا ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر آنے کا مطلب یہ ہے کہ روز قیامت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس دن کسی کا حکم نہیں چلے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں بتائے گا کہ انہوں نے دنیا میں جو جو کفر یا گناہ وغیرہ کے ارتکاب کئے اور بتانے کا بھی مطلب یہ ہے کہ انہیں اپنے اپنے جرموں کی سزا دی جائے گی اور طرح طرح کے گناہوں کے مطابق طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کیا جائیگا۔

آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی باتوں اور نیتوں کو جانتا ہے۔

(آیت نمبر۲۴) ہم انہیں دنیا میں کچھ نفع دیں گے۔ لیکن وہ کچھ وقت کیلئے ہوگا۔ پھر وہ نعمتیں منقطع ہو جائیں گی۔ **فائدہ**: اسے قلیل اس لئے فرمایا کہ جو چیز زوال پذیر ہو۔ وہ خواہ کتنا زمانہ بھی رہے۔ پھر بھی اسے قلیل ہی کہا جائیگا۔ آخرت کی دائمی نعمتوں کے مقابلے میں۔ وہ قلیل ہی ہے۔

آگے فرمایا۔ پھر ہم اسے مجبور کر کے لے جائیں گے۔ یعنی بروز قیامت زبردستی لے جائیں طرف سخت عذاب کے۔ جو انہیں ایک بوجھل چیز کی طرح محسوس ہوگا۔ یعنی ان کے عذاب میں تنگی اور تلخی کے لحاظ سے دن بدن اضافہ ہوگا۔ **فائدہ**: نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں دائمی عذاب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ

اور اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے بنائے آسمان وزمین تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ تو آپ کہہ دیں

الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

ہر تعریف اللہ کی بلکہ ان میں اکثر بے علم ہیں۔ اللہ ہی کا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾

بے شک اللہ بے نیاز تعریفوں والا ہے۔

(آیت نمبر ۲۵) اور اگر آپ ان کفار سے پوچھیں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے بنایا تو ضرور بہ ضرور کہیں گے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی بنایا۔ یہ بات تو روز روشن کی طرح واضح ہے اور اس اعتراف کے بغیر تو چارہ ہی نہیں (کیونکہ اتنی بڑی مخلوق اس کے سوا کوئی بنا سکتا ہی نہیں کوئی پاگل ہی اس کا انکار کر سکتا ہے) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب آپ فرما دیں کہ تمام حمد وثنا اللہ تعالیٰ کیلئے ہے کہ توحید کے دلائل اتنے واضح ولائح ہیں کہ مخالفین بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں کہ جب وہ اس بات کے قائل اور معترف ہیں تو پھر اس تقاضا کے مطابق انہیں شرک چھوڑنا چاہئے اور انہیں جان لینا چاہئے کہ جو اتنی بڑی چیزیں بنا سکتا ہے۔ وہ چھوٹی چیزیں بھی بنا سکتا ہے۔ لیکن وہ جاہل ہیں۔

(آیت نمبر ۲۶) جب زمین وآسمان اللہ تعالیٰ نے بنائے تو جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہے۔ وہ بھی اسی نے پیدا کیا اور اسی کی ملکیت میں ہے تو پھر عبادت کے لائق بھی وہی ہے۔ اور کوئی بھی نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی ذات وصفات کے لحاظ سے بے پرواہ ہے۔ یعنی آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے پہلے بھی اور ان کے بعد بھی وہ اپنے وجود میں کسی شیء کا محتاج نہیں۔ لفظ "ھو" سے معلوم ہوا کہ غنی بھی اصل میں وہی ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں۔

امیر بننے کا نسخہ: سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جو بندہ امیر بننا چاہے۔ وہ "یَاحَمِیْدُ" کا وظیفہ ہمیشہ پڑھے (اور میرا خیال ہے جو یاغنی یاحمید کا) وظیفہ کثرت سے پڑھے۔ وہ دنیوی اسباب سے مالا مال ہو جائیگا۔ یعنی بے شمار مال ودولت حاصل ہوگا۔ **فائدہ:** اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ یہ دنیا فانی ہے بلکہ اس کی عمر ایک لمحہ سمجھو لیکن دنیا دار اسے بہت لمبا سمجھتے ہیں۔ **سبق:** عقل مند وہی ہے جو اس سے دھوکا نہ کھائے کیونکہ دنیا کا نفع قلیل ہے اور آخرت کا دن بڑا طویل ہے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ

اور اگر بے شک جو بھی زمین میں درخت ہیں وہ قلمیں ہوں۔ اور سمندر اس کی سیاہی ہو اس کے بعد

سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۷﴾

سات سمندر اور ہوں تو بھی نہیں ختم ہوتے کلمے اللہ کے۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے

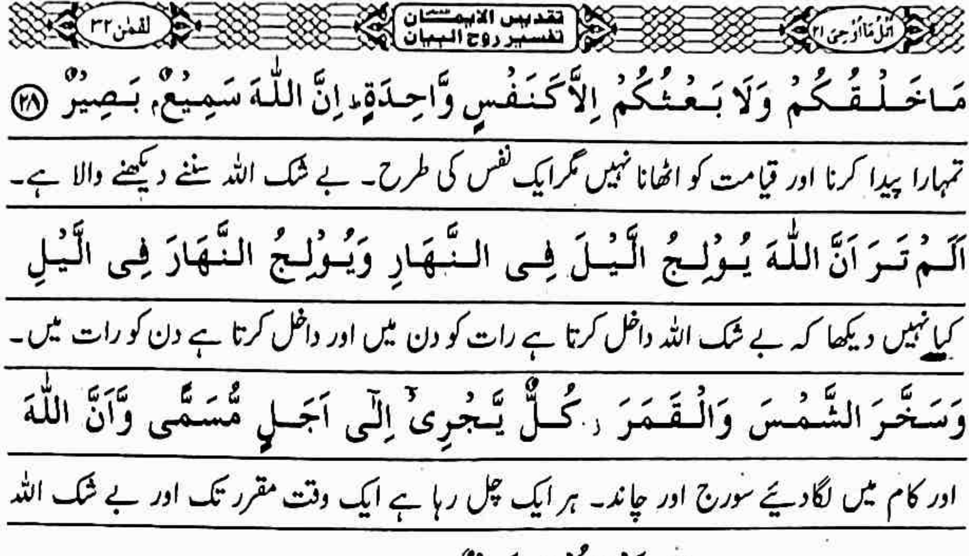
(بقیہ آیت نمبر ۲٦) دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس لئے بنایا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے فائدہ حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے نہ فائدہ نہ اس کی ضرورت۔ وہ تمام عالم سے بے پرواہ ہے۔ نہ لوگوں کی طاعت وعبادت سے اسے نفع ہے اور نہ ان کے گناہوں سے اس کا نقصان ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے خالص بندوں میں شامل فرمائے۔

(آیت نمبر ۲۷) اور اگر بے شک جو بھی درخت زمین میں ہیں۔ قلمیں ہوں۔

یہود کے سوال کا جواب: یہود نے کہا کہ قرآن میں ہے کہ تم جو علم دیئے گئے وہ تھوڑا ہے اور توراۃ میں ہے کہ ہر چیز کا علم اس میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ توراۃ کے علوم بہ نسبت قرآنی علوم کے زیادہ ہیں۔ اسی طرح مشرکین بھی کہتے تھے کہ قرآنی علوم عنقریب مٹ جائیں گے تو ان دونوں کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر سب درخت قلمیں ہوں اور سب سمندر یا دریا سیاہیاں بن جائیں اور اس کے بعد سات سمندر اور بھی ہوں۔ بحر چین۔ بحر تبت۔ بحر ہند۔ بحر فارس۔ بحر شرق۔ بحر الغرب یا اس سے مراد سات دریا ہیں۔ دجلہ۔ فرات۔ سیحان۔ سیحون۔ جیحان۔ جیحون۔ نیل۔ **فائدہ:** اہل عرب بہت زیادہ پانی کو بحر ہی کہتے ہیں تو سات دریاؤں کے ساتھ سات دریا اور بھی ہوں تو بھی اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت کے کلمات ختم نہیں ہوتے۔ البتہ قلمیں اور سیاہیاں ضرور ختم ہو جائیں گے۔

آگے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ یعنی غالب ایسا کہ اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا۔ اور حکیم ایسا کہ اس کے علم وحکمت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

عزت وغنا کیلئے وظیفہ: جو بندہ چالیس دن چالیس بار لفظ یا عزیز کا ورد کرے۔ اسے ظاہری اور باطنی غنا نصیب ہوگی اور وہ کسی کا محتاج نہیں ہوگا سوا اللہ تعالیٰ کے اور جو یا حکیم کا ورد کثرت سے کرے۔ وہ تمام آفات ومصائب اور پریشانیوں سے محفوظ رہے گا اور حکمت کے دروازے اس پر کھل جائیں گے۔



مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾

تمہارا پیدا کرنا اور قیامت کو اٹھانا نہیں مگر ایک نفس کی طرح۔ بے شک اللہ سننے دیکھنے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ

کیا نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؗ كُلٌّ يَّجْرِىْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ

اور کام میں لگادیئے سورج اور چاند۔ ہر ایک چل رہا ہے ایک وقت مقرر تک اور بے شک اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾

جو تم عمل کرو اس سے خبردار ہے۔

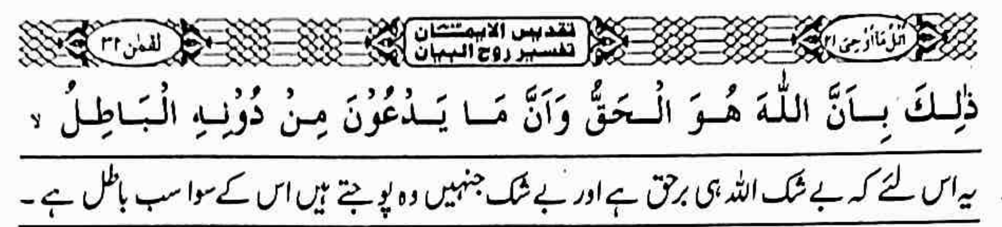
(آیت نمبر ۲۸) تمہیں پہلی دفعہ ماں کے پیٹ سے زندہ کر کے نکالنا اور قیامت کے دن زندہ کر کے قبروں سے نکالنا اللہ تعالیٰ کے لئے برابر ہے۔ یعنی دنیا میں ایک ایک کر کے آئے اور آخرت میں یکدم سب نے اٹھنا ہے۔

شانِ نزول: قریش مکہ نے سوال کیا کہ ہماری پہلی خلقت میں تو کئی طریقے ہوئے کبھی نطفہ۔ کبھی خون۔ کبھی لوتھڑا۔ کبھی بوٹی وغیرہ۔ تو قیامت کے دن اللہ ہمیں کیسے اٹھائے گا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ اس کیلئے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ اس کے آگے قلیل و کثیر ایک ہی جیسے ہیں۔ وہ لفظ کن فرماتا ہے تو سب موجود ہو جاتے ہیں۔

فائدہ: بروز قیامت بھی اللہ تعالیٰ جب جناب اسرافیل علیہ السلام سے فرمائے گا۔ صور میں پھونکو تو اس کے پھونکتے ہی سب لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

آگے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا۔ خصوصاً جو لوگ قیامت کے دن اٹھنے کے خلاف باتیں کر رہے ہیں۔ ان کی سب باتیں سن رہا ہے اور وہ سب کو دیکھ بھی رہا ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

(آیت نمبر ۲۹) اے مخاطب کیا تجھے معلوم نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی اپنی قدرت و حکمت سے رات کو دن میں داخل فرماتا ہے۔ یعنی کبھی دن پندرہ گھنٹوں اور رات نو گھنٹوں کی رہ جاتی ہے اور پھر رات بڑھتی ہے تو دن کی گھڑیاں رات میں داخل ہو جاتی ہیں۔ پھر رات بڑی اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے۔



ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ

یہ اس لئے کہ بے شک اللہ ہی برحق ہے اور بے شک جنہیں وہ پوجتے ہیں اس کے سوا سب باطل ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ع ﴿۳۰﴾

اور بے شک اللہ ہی بلند بڑائی والا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۹) آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا کہ دونوں لوگوں کو نفع پہنچا رہے ہیں اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں اور اپنے مالک کے فرمانبردار ہیں۔ اسی لئے ان کو حضور ﷺ نے مومن قرار دیا ہے۔

فائدہ : دونوں کا نور برابر اس لئے نہیں کہ چاند کا نور اتار کر وہ بھی سورج کو دے دیا۔ اگر دونوں برابر ہوتے تو پھر رات اور دن کا فرق معلوم نہ ہوتا۔ آگے فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک باقاعدہ چل رہا ہے۔ بحسب تعداد ایام ان کا سفر جاری ہے اور دائمی ایک مقرر میعاد تک جو میعاد اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں کر دی۔ قیامت کے دن دونوں کو بے نور کر کے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ تا کہ ان کے پوجنے والوں کو عبرت حاصل ہو۔ آگے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔

(آیت نمبر ۳۰) یہ اللہ تعالیٰ کی وسعت علمی اور قدرت سے معلوم ہوا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات ہی برحق ہے اور جو بھی اللہ تعالیٰ کے سوا پوجے جاتے ہیں۔ یعنی بت وغیرہ سب باطل ہیں۔ اس لئے کہ وہ کسی چیز پر قدرت ہی نہیں رکھتے۔ نہ پیدا کر سکیں نہ کسی کو مار سکیں۔ اس لئے ان کی پرستش کا کوئی فائدہ نہیں۔

فائدہ : اس سے اللہ تعالیٰ کی توحید مہتم بالشان معلوم ہوئی۔ آگے فرمایا۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی بہت اعلیٰ وارفع ہے اور سب سے بڑا ہے۔ یعنی ہر چیز پر غالب ہے۔ اس کی شان کبریائی کے آگے۔ ہر چیز حقیر اور لاشیء ہے۔

فائدہ: جس نے اپنے رب کی کبریائی کو جانا اور اپنی خودی کو فراموش کیا تو اسے تواضع اور انصاف کا دامن نصیب ہوا۔

وسعت رزق: سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ جو بندہ ان دونوں اسموں کو کثرت سے پڑھے۔ اس کا قرض بھی ختم ہوگا۔ اور اس کے رزق میں بھی وسعت ہوگی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ

کیا نہیں دیکھا کہ بے شک کشتی چلتی ہے دریا میں فضل الٰہی سے تاکہ تمہیں دکھائے۔

مِّنْ اٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾

اپنی نشانیاں۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر بڑے صابر شکر گذار کیلئے۔

(بقیہ آیت نمبر۳۰) **عہدہ کی بحالی:** جوشخص ان دونوں اسموں کو اپنا وظیفہ بنالے یعنی ایک ہزار مرتبہ روزانہ (یاعلی یا کبیر) کاورد کرے۔اس کی ملازمت بحال ہوجائیگی۔بلکہ عہدہ میں ترقی بھی ہوسکتی ہے۔

فائدہ: اس آیت میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ماسوی اللہ سے طلب باطل ہے۔

دعا: ہم اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہیاں دور ہونے کا سوال کرتے ہیں۔(آمین)

(آیت نمبر۳۱) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ دریا میں جو کشتیاں چلتی ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت سے اور اس کے فضل وکرم سے چلتی ہیں۔اگرچہ ان کو ظاہراً چلانے والے انسان ہیں۔جولوگوں کا سامان ایک ملک سے دوسرے ملک میں یا ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔اگرچہ ان کو آج کل تیل وغیرہ سے چلایا جاتا ہے۔مگر پہلے ان کو چلانے کیلئے ہوا کی ضرورت ہوتی تھی۔درحقیقت اللہ تعالیٰ چلاتا ہے اور انہیں ڈوبنے سے اللہ تعالیٰ بچاتا ہے۔اس لئے یہاں نعمت بمعنی رحمت ہوگا کہ کشتیاں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پانی پر تیرتی ہوئی جاتی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے وحدت وعلم وقدرت کی کچھ نشانیاں دکھائے۔اور تاکہ ان عجائبات کو دیکھ کر اس کی توحید کو تم بھی سمجھ سکو۔

حکایت: ایک تاجر سے پوچھا گیا۔اتنے بڑے دریا کو عبور کیا وہاں کیا عجوبہ دیکھا تو اس نے کہا کہ میرے نزدیک اس سے بڑا عجوبہ نہیں ہے۔کہ آدمی دریا کو سلامتی کے ساتھ عبور کرجائے۔

آگے فرمایا کہ اس دریا اور کشتی میں بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ان لوگوں کیلئے جو مشقتوں اور تکلیفوں پر بہت صبر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر بہت زیادہ شکر کرتے ہیں۔مذکورہ دونوں صفات اہل ایمان کی ہیں کیونکہ ایمان کے دو حصے ہیں۔صبر اور شکر۔

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا

اور جب ڈھانپ لے ان کو موج پہاڑوں کی طرح تو پکارتے ہیں اللہ کو خالص عقیدے سے۔ پھر جب

نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

وہ بچالے ان کو طرف خشکی کے تو ان میں کوئی اعتدال پر ہے۔اور نہیں منکر ہماری آیتوں کا مگر ہر بے وفا ناشکرا۔

(آیت نمبر۳۲) اور جب دریا کی موج ان پر چڑھ کر انہیں ڈھانپ لے یا انہیں گھیرے۔ جیسے بادل یا پہاڑ اوپر سایہ کرتے ہیں تو اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کو ہی پکارتے ہیں اور دعا اور طاعت میں ایسے لگ جاتے ہیں کہ پھر کسی اور چیز کا نام بھی نہیں لیتے نہ کسی اور کے آگے فریاد کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اس وقت وہ خوف شدید میں ہوتے ہیں۔ لیکن پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں سلامتی عطا فرما کے خشکی کی طرف لے آتا ہے۔ تو پھر بعض تو توحید پر قائم رہتے ہیں۔ یا مقتصد کا معنی ہے کہ وہ میانہ روی مزاج ہو جاتے ہیں۔ نہ کفر کی طرف نہ اسلام کی طرف۔

امن عام:

نبی پاک ﷺ نے فتح مکہ کے وقت سب کفار کیلئے امن کا وعدہ فرمایا سوا چار شخصوں کے۔ (۱) عکرمہ بن ابوجہل۔ (۲) عبداللہ بن ابی سرح۔ (۳) عبداللہ بن خطل۔ (۴) مقیس بن سبابہ۔ عکرمہ اسے بہن نے سمجھایا۔ کہ اب مسلمان ہوئے بغیر چارہ نہیں۔ بہتر ہے تو مسلمان ہو جا۔ لیکن وہ وہاں سے بھاگا اور کشتی پر سوار ہو گیا۔ کشتی بھنور میں غرق ہونے لگی تو اس نے کہا۔ اے اللہ اگر میں اب سلامت رہا تو میں مسلمان ہو جاؤنگا۔ اللہ پاک نے کرم فرمایا اور وہ بچ نکلا اور فوراً جا کر مسلمان ہو گیا۔ پھر زندگی اسلام میں گذاری۔ عبداللہ بن ابی سرح عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سفارش سے بچ نکلا پھر وہ بھی پکا مسلمان ہو گیا۔ باقی دونوں کو قتل کیا گیا۔

آگے فرمایا کہ ہماری قدرت کی نشانیوں کا نہیں انکار کرتا مگر ہر وہ شخص جو غدار ہے۔ اس لئے کہ اس نے عہد فطری کو توڑا۔ یا جس نے دریا میں غرق ہوتے وقت وعدہ کیا تھا کہ میں بچ گیا تو توحید کو مانوں گا۔ بعد میں اسے توڑ ڈالا وہی کفور ہے۔ یعنی انتہائی ناشکرا۔ یہ مذکورہ دونوں صفات کافر میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔

سبق: عقلمند پر لازم ہے کہ وہ وعدہ پورا کرنے میں پوری کوشش کرے۔ خصوصاً وہ وعدہ جو ازل میں "قالو بلٰی" والا کیا۔ اسے پورا کرے توحید پر قائم رہ کر صرف اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرے۔

يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَن وَلَدِهِ

اے لوگو ڈرو اپنے رب سے اور خوف رکھو اس دن کا کہ نہیں کام آئے گا کوئی والد اپنے بچے کو۔

وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَالِدِهِ شَيْـًٔا ۚ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ فَلَا

اور نہ بچہ کام آئے گا اپنے والد کو کچھ بھی۔ بے شک وعدۂ الٰہی برحق ہے پھر نہ

تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴿٣٣﴾

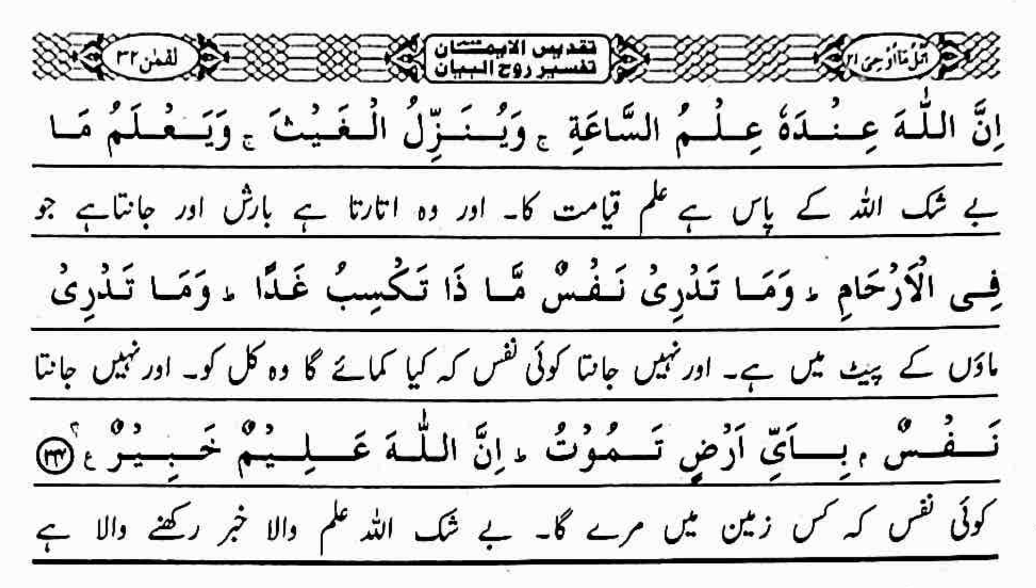
دھوکے میں ڈالے تمہیں زندگی دنیا کی۔ اور نہ تمہیں دھوکے میں ڈالے اللہ کے ساتھ کوئی دھوکے باز۔

(آیت نمبر ۳۳) اے لوگو یہ خطاب کفار مکہ کو ہے کہ اپنے رب کے غضب اور عذاب سے بچو۔ کفر اور گناہوں سے باز آؤ۔ خصوصاً ماسوی اللہ کی پوجا سے اور ڈرو اس دن سے یعنی روز قیامت سے جس دن نہیں کام آئے گا۔ کوئی اپنے بیٹے کو یعنی باپ بیٹے کی طرف سے کسی کے حق کا بدلہ نہ دے سکے گا۔ (جیسے دنیا میں باپ بیٹے کے نقصانات کو پورا کرتا ہے) اور نہ باپ بیٹے کے گناہوں کو اٹھائے گا۔ (یہ بوجھ بیٹا خود ہی اٹھائے گا) اور نہ ہی باپ اپنی طاعات وعبادات میں سے کوئی نیکی دے گا۔ جزا بمعنی قضاء دین ہے اور دوسرے مقام پر فرمایا۔ کوئی نفس کسی نفس کے کام نہیں آئیگا۔ اگرچہ یہاں صلبی بیٹا مراد ہے۔ لیکن یہ قریب وبعید سب کیلئے استعمال ہوگا۔ یعنی جب صلبی بیٹے کو نہیں بچا سکے گا۔ اس کو عذاب سے نہیں نکال سکے گا۔ تو دوسروں کے عذاب ٹالنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فائدہ: اس آیت میں رد ہے ان لوگوں کا جو اپنے باپ دادا پر فخر کرتے ہیں۔ خود کوئی نیک عمل نہیں کرتے۔ وہ اس غرور اور گھمنڈ میں ہیں کہ ہمارے بڑے بزرگ نیک تھے۔ وہ بخشوا لیں گے۔

آگے فرمایا۔ جس طرح باپ بیٹے کے کام نہیں آئے گا۔ اسی طرح بیٹا بھی باپ کے حقوق ادا کر کے اسے نہیں بخشوا سکے گا۔ ہر ایک کو اس کے اپنے عمل ہی کام آئیں گے۔

فائدہ: اس سے اندازا لگالیں۔ جب اتنے گہرے تعلق کا قیامت کے دن یہ حال ہے۔ پھر غیروں کا کیا حال ہوگا۔ اس سے اہل ایمان بھی سبق حاصل کریں۔



اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا

بے شک اللہ کے پاس ہے علم قیامت کا۔ اور وہ اتارتا ہے بارش اور جانتا ہے جو

فِى الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِىْ

ماؤں کے پیٹ میں ہے۔ اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ کیا کمائے گا وہ کل کو۔ اور نہیں جانتا

نَفْسٌ ۢ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۧ ﴿۳۴﴾

کوئی نفس کہ کس زمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ علم والا خبر رکھنے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر۳۳) آگے فرمایا کہ بے شک وعدۂ الٰہی برحق ہے۔ لہٰذا تمہیں دنیا کی زندگی میں یہ زیب وزینت یہ آرائش وزیبائش اور اس کا مال ومتاع دھوکہ نہ دے اور نہ ہی بڑا دھوکے باز شیطان اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکا دے کہ وہ تمہیں توبہ اور مغفرت کی امید دلا کر تم سے بڑے بڑے گناہ کرالے اور تمہیں موت قبر اور قیامت ہی بھلا دے۔

حدیث شریف : حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہوشیار وہ آدمی ہے۔ جو اپنے نفس کو نیکی کیلئے سنوارے اور آخرت کا سامان کرلے۔ یعنی وہ وہ عمل کرے جو اسے آخرت میں کام دیں۔ (رواہ الترمذی)

(آیت نمبر۳۴) بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی قیامت کا علم ہے کہ وہ کب قائم ہوگی اور کسی کو اس کا علم نہیں ہے کہ وہ کس دن یا کس وقت میں قائم ہوگی۔

شان نزول : حارث بن عمر بدوی حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ قیامت کب قائم ہوگی۔ بارش کب ہونیوالی ہے۔ میری بیوی بچہ جنے گی یا بچی اور گذشتہ کل کے کاموں کا تو مجھے پتہ ہے۔ آئندہ کل کون سی کام کروں گا اور میں کہاں مروں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے تمام سوالوں کا جواب اس ایک آیت میں دیدیا اور یہ پانچوں علوم اللہ تعالیٰ کے خزانہ مشیت میں ہیں۔ جس کی چابی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

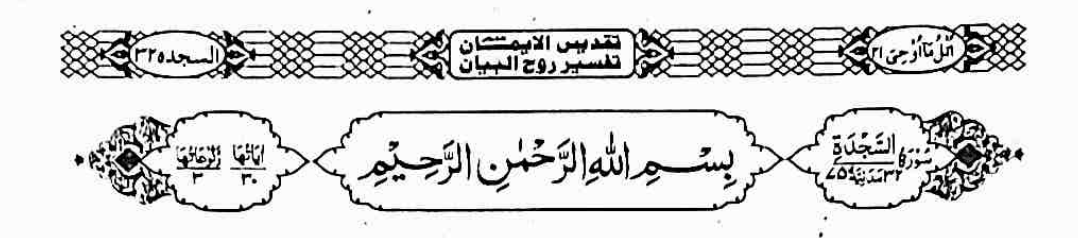
حدیث شریف میں ہے: ایک صحابی نے پوچھا قیامت کب ہے۔ فرمایا تو نے اس کی کیا تیاری کی ہے۔ عرض کی اور تو کچھ نہیں۔ صرف یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ تو فرمایا۔ تو قیامت کے دن اسی کے

ساتھ ہوگا۔ جس سے محبت کرتا ہے۔ (بخاری) (الحمد للہ ہم اہل سنت نبی کریم ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں)۔ (ان شاء اللہ ہمیں امید ہے۔ کہ ہمارا حشر بھی ان ہی کے ساتھ ہوگا۔)

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی بارش نازل فرماتا ہے۔ جو اس کے اترنے کا وقت بھی جانتا ہے۔ اس سے آگے پیچھے نہیں ہوتی۔ آگے فرمایا کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ بچہ دانی میں کیا ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ نر ہے یا مادہ۔ زندہ ہے یا مردہ۔ صحیح سالم ہے یا ناقص۔ خوبصورت ہے یا بدصورت۔ نیک بخت ہے۔ یا بد بخت۔ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہیں۔ آگے فرمایا کہ کسی کو معلوم نہیں کہ کل کیا کمائے گا۔ فائدہ ہوگا یا نقصان ہوگا۔ موافق ہوگا یا مخالف۔ لہذا جب انسان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کل میں نے کیا کرنا ہے۔ یا میرے عمل کا فائدہ ہوگا یا مجھے نقصان ہوگا۔ (تو وہ کیوں اتنا اتراتا ہے کہ میں بہت پڑھ گیا ہوں)۔ آگے فرمایا کہ کسی انسان کو بھی معلوم نہیں کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ گھر یا باہر۔ جنگل میں یا دریا میں۔ زمین پر یا پہاڑ پر۔ ہر ایک کی موت اپنے وقت پر آئے گی۔ لہذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ ہر وقت موت کو اپنے سامنے رکھے اور طاعات وعبادات میں لگا رہے۔ آگے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو جاننے والا اخبردار ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ غیب کے خزانوں کی چابیاں پانچ ہیں۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا جو ان مغیبات میں سے کسی ایک کے جاننے کا دعویٰ کرے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہے۔ اس لئے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (صحیح بخاری)

اہل سنت وجماعت کا عقیدہ:

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کے حقائق کو ظاہر وباطن سے جانتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا غیب کی چابیاں پانچ ہیں۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ چونکہ جاہلیت کے دور میں لوگ کاہنوں نجومیوں کے پاس جاتے۔ اور ان سے علوم غیبیہ پوچھتے تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ ان کی تصدیق کرنا کفر ہے۔ ایک **حدیث** میں فرمایا۔ جس نے کاہنوں سے کوئی بات پوچھی اس کی چالیس دن کی نمازیں ضائع ہوگئیں۔ (ریاض الصالحین)۔ بہر حال علم غیب ہونا خاصہ خداوندی ہے۔ البتہ انبیاء واولیاء کا علوم غیبیہ کا بتانا وحی یا الہام کے ذریعے یہ جائز ہے۔ قرآن وحدیث سے کافی شواہد اس پر موجود ہیں۔ جیسے سورۂ جن کی آیت ۲۶۔۲۷۔ اسی طرح سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۷۹۔ یا عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان۔ جو کھا کے آئے وہ بھی بتاؤں گا اور جو گھروں میں چھوڑ آئے وہ بھی بتاؤں گا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے۔



الٓمّٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾

اتارنا کتاب کا نہیں شک اس میں کہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے یہ خود بنائی۔ بلکہ یہ تو برحق ہے تیرے رب کی طرف سے تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو

مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾

کہ نہیں آیا ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آپ سے پہلے شاید وہ ہدایت پاجائیں۔

(آیت نمبر۱) حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہر کتاب کا ایک خلاصہ ہوتا ہے اور قرآن کا خلاصہ حروف مقطعات ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے۔ الف سے اللہ تعالیٰ کی طرف اور لام سے جبریل امین کی طرف اور میم سے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

(آیت نمبر۲) کتاب کا آسمان سے زمین کی طرف اترنا اس حال میں کہ اہل عقل کو تو اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔ اس لئے کہ وہ جانتے مانتے ہیں۔ کہ یہ رب العالمین کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنا سرا سر معجزہ ہے۔ بندوں کو چاہئے کہ اس سے فائدہ حاصل کریں۔ (بے وقوف اگر حماقت سے نہیں مانتے تو نہ مانیں)۔

(آیت نمبر۳) کیا کفار یہ کہتے ہیں کہ اس کتاب کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی گھڑ لیا ہے۔ یہ بات تو بڑی تعجب والی اور نہایت غلط ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ کہ یہ قرآن مجید برحق کلام الٰہی ہے اور تمہارے رب تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس کے اترنے کی غرض وغایت یہی ہے کہ اے محبوب آپ ڈرائیں ایسی قوم کو کہ نہیں آیا کوئی ڈرانے والا ان کے پاس آپ سے پہلے۔ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک چھ سو سال میں اور کوئی نبی تشریف نہیں لائے۔ **فائدہ**: یہ بات بالکل صحیح ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے زمانہ فترت رہا ہے۔ لوگ گمراہ اور ہدایت سے بہت دور ہو گئے تھے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی

اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو ان میں ہے چھ دنوں میں پھر استویٰ کیا

عَلَی الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴﴾

اوپر عرش کے۔ نہیں ہے تمہارا اس کے سوا کوئی حمایتی اور نہ سفارشی۔ کیا پھر بھی نصیحت نہیں پکڑتے

(بقیہ آیت نمبر۳) **حدیث شریف** میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے اور عیسیٰ نبی کے درمیان اور کوئی نبی عرب میں نہیں آیا۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی صرف شام میں اپنی قوم کیلئے نبی بن کر تشریف لائے۔ آگے فرمایا کہ اس ڈر سنانے سے شاید وہ ہدایت پا جائیں۔ (سنن ابوداؤد)

فائدہ: معلوم ہوا بعثت انبیاء علیہم السلام کا اصل مقصد لوگوں کو راہ حق کی پہچان کرانا ہے۔

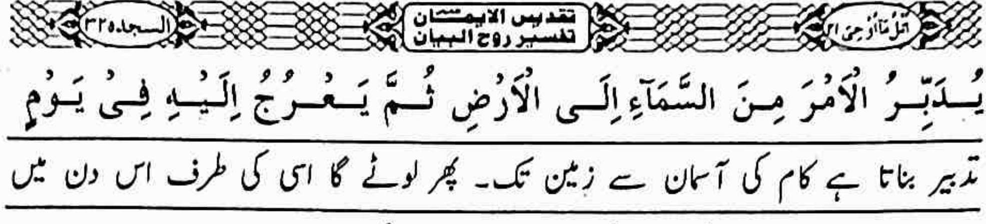
فائدہ: ہدایت سے مراد جنت اور اس کے درجات کی طرف ہدایت مراد ہے۔

حکایت: نجم الدین کبریٰ مکہ مکرمہ میں ایک جنازے کے بعد تدفین کیلئے گئے تو آپ نے دیکھا کہ ایک شخص تلقین قبر پر کرنے لگا۔ (معلوم ہوا قبر پر تلقین سینکڑوں سالوں سے چلی آرہی ہے یہ بدعت نہیں ہے)۔ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ دیکھ کر ہنس پڑے۔ حالانکہ آپ کی عام ہنسنے کی عادت نہ تھی۔ دوستوں کے پوچھنے پر فرمایا کہ جب وہ تلقین کر رہا تھا تو اندر سے اللہ تعالیٰ کے ولی نے فرمایا۔ تعجب کی بات ہے۔ مردہ زندے کو تلقین کر رہا ہے۔

دعا: اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت پانے والوں میں بنائے۔ (آمین)

(آیت نمبر۴) اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور ان کو بھی جو چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں۔ جیسے بادل اور ہوا وغیرہ ان تمام چیزوں کو چھ دنوں میں بنایا۔

مسئلہ: اگرچہ اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ ایک لمحہ میں بنا سکتا تھا۔ لیکن بندوں کو بتا دیا کہ ہر کام میں تیزی نہ دکھاؤ۔ آگے فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے عرش پر اپنی شان کے مطابق استویٰ فرمایا۔ اس کی تحقیق سورۂ فرقان میں گذر گئی۔ آگے فرمایا تمہارا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہ دوست ہے نہ سفارشی۔ جو کسی طرح سے تمہاری مدد کر سکے۔ یا سفارش کر کے تمہیں عذاب سے بچا سکے۔ کیا تم ربانی مواعظ سے اور قرآنی نصائح سے نصیحت نہیں حاصل کرو گے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ تم قرآنی وعظ سن کر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔



يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِیْ يَوْمٍ

تدبیر بناتا ہے کام کی آسمان سے زمین تک۔ پھر لوٹے گا اسی کی طرف اس دن میں

كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۵﴾

ہے مقدار اس کی ہزار سال اس سے جو تم شمار کرتے ہو۔

(آیت نمبر۵) تدبیر کرتا ہے ہر کام کی آسمان سے زمین کی طرف۔

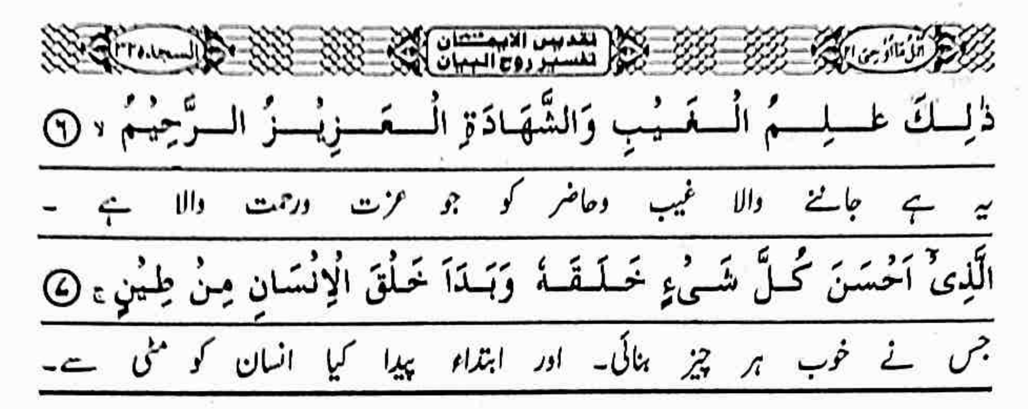
مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو امور دنیا کے متعلق تدبیریں کرتے ہیں۔ مثلاً جبریل امین ہواؤں کے اور لشکروں پر مؤکل ہیں اور میکائیل بارش اور نباتات پر اور عزرائیل روح قبض کرنے پر اور اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے پر مقرر ہیں کہ وہ زمین والوں کے لئے حکم الٰہی سے تدبیریں کرتے ہیں۔ پھر وہی فرشتے ان ہی اسباب کو آسمان سے زمین کی طرف لاتے ہیں۔

فائدہ: یاد رہے فرشتوں کا تدبیر کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا ہی تدبیر کرنا ہے کہ وہ اس کے حکم سے ہی ایسا کرتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ پھر وہ امر اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتا ہے۔ ایسے ایک ہی دن میں کہ جس کا انداز ایک ہزار سال ہے جو تم گنتے ہو۔ یعنی جو کام ہزار سال میں ہو وہ کام تھوڑے وقت میں فرشتے کر لیتے ہیں۔

فائدہ: اگر کوئی انسان پیدل جائے تو سدرۃ المنتہیٰ تک پچاس ہزار سال لگیں۔ لیکن فرشتہ ایک دن میں یہ مسافت طے کر سکتا ہے (اس سے بھی اگر جلدی کی ضرورت پڑے تو آن واحد میں بھی زمین پر آ سکتا ہے بلکہ چند مرتبہ آیا ہے۔ جس کا بیان پیچھے گذر گیا۔)

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دنیوی امور ایام دنیا کے حساب سے تدبیر فرماتا ہے۔ یہاں تک کہ قضاء وقدر آسمان سے زمین کی طرف نازل فرماتا ہے۔ اس کے بعد کسی آمر کا امر یا حاکم کا حکم نہیں چلے گا۔ وہاں امر و حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہوگا۔ اس دن کی مقدار ہزار سال ہے۔ وہ دن پچاس ہزار سال کا کفار اور فجار کے لحاظ سے ہے لیکن مومن کیلئے جیسے ایک نماز سے دوسری نماز تک کا وقت ہوتا ہے۔ گویا دن ایک ہی ہے لیکن چھوٹا اور بڑا ہر ایک کے عمل کے مطابق ہوگا۔ اور اس دن کئی مواقف اور کئی مواطن ہونگے اور وہ بھی لوگوں کے اعمال و احوال اور مقامات کے لحاظ سے چھوٹے بڑے ہوں گے۔



(آیت نمبر ۶) وہ اللہ تعالیٰ جو اپنی ذات وصفات اور افعال میں عظیم الشان ہے۔ جس کی صفات میں تخلیق۔ استواء اور مدد دینا ہے۔ امر کائنات کی تدبیر کرنا ہے۔ وہ ہر پوشیدہ چیز کو جاننے والا ہے۔ یعنی جو اشیاء خلوق سے غائب ہیں۔ وہ انہیں اچھی طرح جانتا ہے اور جو کچھ دنیا میں ظاہر ہے۔ اسے بھی وہ جانتا ہے اور وہ اپنی حکمت بالغہ کے تقاضے سے ان امور کی تدبیر فرماتا ہے۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ دنیا آخرت کے امور کو جانتا ہے۔ یا یہ معنی ہے کہ جو کچھ اس سے پہلے ہوا اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ بعد میں ہوگا اسے بھی جانتا ہے۔

فائدہ: صوفیاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں۔ غیب سے مراد روح اور شہادت سے مراد نفس وبدن ہے۔ العزیز وہ ذات ہے جو اپنے امر پر غالب ہے اور وہ اپنے بندوں کے کاموں کی تدبیر میں رحیم ہے۔ **فائدہ**: اور وہ بندوں کی مصلحتوں کے مطابق تدبیر کرتا ہے لیکن یہ اس پر واجب نہیں بلکہ اس کا فضل وکرم ہے۔

(آیت نمبر ۷) وہ اللہ تعالیٰ جس نے ہر چیز کی تخلیق کو بہتر بنایا۔ **فائدہ**: یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو صورۃ اور معنیٰ اچھا بنایا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا۔ ہر انسان کے ہر عضو کو مبنی بر حکمت ومصلحت اسی طرح بنایا۔ جو اس کی معاش میں اس کی مدد کرے۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق بہتر ہے۔ اگرچہ شکل وصورت کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ بعض حسن اور بعض احسن ہیں۔ کسی کی بدصورتی پر اعتراض دراصل اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو خوبصورت شکل میں بنایا۔ علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حسن وقبح کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کا ہر فعل جمیل ہے۔ آگے فرمایا کہ مخلوق کی ابتداء یعنی آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا۔ **فائدہ**: طین اس مٹی کو کہتے جس میں پانی ملا ہو۔ جسے گارا کہتے ہیں۔ **فائدہ**: خاک آدم مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان سے لی گئی اور چالیس سال تک اسے گوندکر رکھا گیا۔ بعض روایات کے مطابق پوری زمین سے تھوڑی تھوڑی مٹی لی گئی۔

22

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ج ⑧ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ

پھر رکھی اس کی نسل اس نچوڑ سے جو پانی ہے بے قدر۔ پھر اسے درست کیا اور پھونکا اس میں

مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ⑨

اس کا روح۔ اور بنائے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل۔ تھوڑا ہے جو تم شکر کرتے ہو۔

(بقیہ آیت نمبر ۷) **فائدہ** : کشف الاسرار میں ہے کہ انسان بنا تو مٹی سے ہے مگر مرتبہ اور شان یہ کہ وہ عبادت وریاض سے فرشتوں سے بھی آگے نکل جائے۔ اگر جب وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ بنے کیونکہ بندہ بندگی سے بنتا ہے۔ ورنہ تو وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ فرشتے صرف اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور انسان بندہ بھی ہے اور محبوب بھی ہے۔

(آیت نمبر ۸) کہ پھر اسی آدم کی نسل کو اس نطفہ سے جو انسان کی پیٹھ سے جدا ہوا جو کہ حقیر سا پانی ہے اور ضعیف ہے۔ اسے منی کہا جاتا ہے جو ماں کے نطفہ سے مل کر بنا۔ آگے وہ کئی مدارج سے گذر کر انسان بنا۔

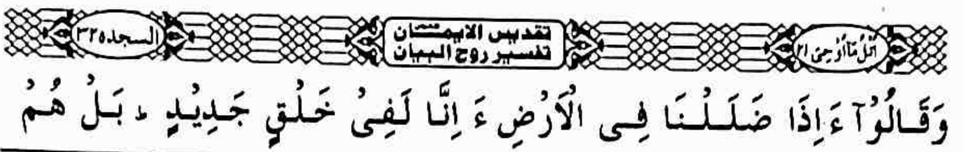
(آیت نمبر ۹) پھر اسی انسان کو اللہ تعالیٰ نے جیسے اس کی تصویر اور تشکیل اس کے لائق تھی ایسا بنایا اور اعضاء مناسب بنائے اور اسے رحم مادر میں ہی مکمل کر دیا۔ تسویۃ کا مطلب ہے کہ اس کے ارکان کو برابر کیا۔ جیسے کوئی کاری گر اپنی کاری گری میں جہاں کوئی خامی دیکھتا ہے تو اسے درست کر دیتا ہے۔ اسی طرح انسانی ڈھانچے کو مکمل فرما کر پھر اس میں اپنی طرف سے روح پھونکا۔ اور اسے نئی زندگی عطا فرما دی۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ کی طرف روح کی اضافت تشریفی ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ اس کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ایک خصوصی تعلق ہے اور مناسبت ہے۔

روح کی اقسام : (۱) روح طبعی اس کا مقام جگر ہے جو انسان کے دائیں پہلو میں ہے۔ (۲) روح حیوانی اس کا محل دل ہے جو بائیں پہلو میں ہے۔ (۳) روح نفسانی اس کا محل دماغ ہے۔ (۴) روح انسانی اس کا محل روح نفسانی کے ساتھ ہے۔ (۵) روح قدسی یہ بتی کی طرح ہے اور روحانی بمنزلہ زجاجہ کے ہے۔

فائدہ : انسان میں جو روح پھونکی گئی۔ وہ روح انسانی ہے۔ روح طبعی اور حیوانی میں انسان اور حیوان ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔ روح انسانی سے انسان حیوان سے الگ ہو گیا ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ روح قدسی میں ان سے ممتاز ہو گئے۔ لیکن روح قدسی اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو فناء تام کے بعد عطا کرتا ہے۔

منزل ۷



وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ بَلْ هُمْ

اور بولے کیا جب ہم مل جائیں گے مٹی میں کیا ہم واقعی مخلوق نئی ہونگے۔ بلکہ وہ

بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ⑩

ملاقات خداوندی کے ہی منکر ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۹) **دعا**: اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس مقدس روح کے ساتھ زندہ رکھے۔ اور اسی کے ساتھ موت آئے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے فائدے کیلئے کان عطا کئے۔ تاکہ آیات قرآنی کو سنو جن میں توحید اور قیامت کے دن اٹھنے کا ذکر ہے اور آنکھیں دیں تاکہ تکوینی آیات کو دیکھو۔ یعنی جن جن اشیاء کا ان آنکھوں سے مشاہدہ ہوسکتا ہے ان کو دیکھے اور دل بنائے تاکہ جو کانوں سے سنا وہ دل سے سمجھو۔ آگے فرمایا کہ بہت تھوڑا ہے جو تم لوگ شکر کرتے ہو۔ کفار تو بالکل ہی ناشکرے ہیں اور مسلمانوں کا بھی نعمتوں کے مقابلے بہت کم شکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا محبت کرنا: مقام غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش۔ کرسی۔ جنت۔ آسمان و زمین بنائے لیکن یہ کہیں نہیں فرمایا کہ مجھے ان میں کسی سے پیار ہے۔ محبت و پیار کا اظہار اگر فرمایا تو انسان کے ساتھ۔ انسان کو معرفت عطا کی۔ انوار و اسرار سے اور تجلیات و برکات سے نوازا۔ بلکہ فرشتوں سے سجدہ کرا کر عزت بخشی۔ انہیں انسان کا خادم اور نگران بنایا۔ اس کے اندر سوز عشق و محبت کا مادہ رکھا اور فرمایا کہ دنیوی نعمتیں بھی اسی کیلئے بنائیں اور اخروی نعمتیں بھی فقط اس انسان کیلئے ہیں جو میری معرفت حاصل کرے۔ **سبق**: دانا وہی ہے جو نعمت دینے والے کو پہچانے اور خدمت شکر میں پوری کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شکر و طاعت کی توفیق عطا فرمائے۔

(آیت نمبر ۱۰) قریش مکہ نے کہا کہ جب ہم مر کر مٹی سے مل جائیں گے۔ جیسے دودھ پانی میں مل کر تمیز ختم ہو جاتی ہے یا یہ مطلب ہے کہ جب ہم لوگوں سے اوجھل ہو کر زمین میں گم ہو جائیں گے تو کیا پھر ہم ایک نئی مخلوق ہو جائیں گے۔ یہ تو بڑا عجب معاملہ ہے کہ معدوم ہونے کے بعد پھر زندہ وجود میں آ جائیں گے۔ یعنی انہیں مرنے کا انکار نہ تھا۔ مرنے کے بعد زندہ ہونے پر اعتراض تھا۔ اسی لئے آگے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے کے منکر تھے۔

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾

فرمادو تمہیں مارتا ہے فرشتہ موت کا جو مقرر ہوا تم پر پھر طرف اپنے رب کے لوٹائے جاؤ گے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا

کاش تو دیکھے جب مجرم جھکائے ہوں گے اپنے سر اپنے رب کے پاس۔ اے ہمارے رب دیکھ

وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور سن لیا ہم نے۔ ہمیں پھر بھیج کہ کام کریں نیک بے شک ہمیں یقین آ گیا۔

(بقیہ آیت نمبر۱۰) **فائدہ**: اللہ تعالیٰ کا منکر قیامت کے دن بھاگے ہوئے غلام کی طرح حاضر ہوگا۔ وہ غلام جس پر مالک ناراض ہو اور مومن اس طرح حاضر ہوگا۔ جس طرح کوئی ملازمت سے چھٹی کر کے گھر میں آئے۔

(آیت نمبر۱۱) میرے محبوب انہیں فرمادیں کہ تم سب کی روحیں موت کا فرشتہ (عزرائیل علیہ السلام) قبض کرے گا۔ کسی ایک فرد کو بھی نہیں چھوڑے گا۔ کفار کو تکلیف دے کر روح نکالے گا۔ اور ایمان والوں کی روح آرام سے نکالے گا۔ آخر وہ وقت بھی آئیگا۔ جب ملک الموت پر بھی موت آئیگی۔ مروی ہے کہ جب فنا کلی ہو جائیگی تو اللہ تعالیٰ عزرائیل سے پوچھیں گے کہ کوئی بچ تو نہیں گیا۔ تو عزرائیل عرض کریں گے۔ میں ہی بچ گیا۔ تو حکم ہوگا۔ اب تیری روح نکالی جائیگی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے بدن سے بھی روح نکل جائیگی۔ پھر تم اپنے رب کی طرف جزاء وسزا کیلئے حاضر کئے جاؤ گے۔ تاکہ تمہارے اعمال کا تمہیں بدلہ دیا جائے۔

(آیت نمبر۱۲) کاش تو دیکھے جب مجرم لوگ اپنے رب کریم کی بارگاہ میں سرنگوں ہو کر حاضر ہونگے اور کہیں گے۔ اے ہمارے رب ہم نے سب دیکھ سن لیا۔ جس کا ہمیں پہلے ادراک نہیں تھا۔ اب ہمیں سمجھ آ گیا لہذا تو ہمیں واپس دنیا میں بھیج دے۔ ہم دنیا میں جا کر نیک کام کریں گے۔ تیری آیات طیبات کے مطابق عمل کریں گے۔ اب ہمیں بالکل یقین آ گیا ہے۔ کہ قیامت بھی برحق ہے۔ جنت و دوزخ سب برحق ہے۔

فائدہ: الارشاد میں ہے عذاب دیکھ کر آیات کے مطالب سمجھ آ گئے۔ دلوں کی حالت بھی صحیح ہوگئی۔ اس لئے کہہ رہے ہیں ورنہ دنیا میں تو ان آیات کے ساتھ انہیں سخت بغض تھا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ

اگر ہم چاہتے تو ضرور دیتے ہر شخص کو ہدایت۔ لیکن ثابت ہوئی بات میری کہ میں ضرور بھرونگا

جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ⑬

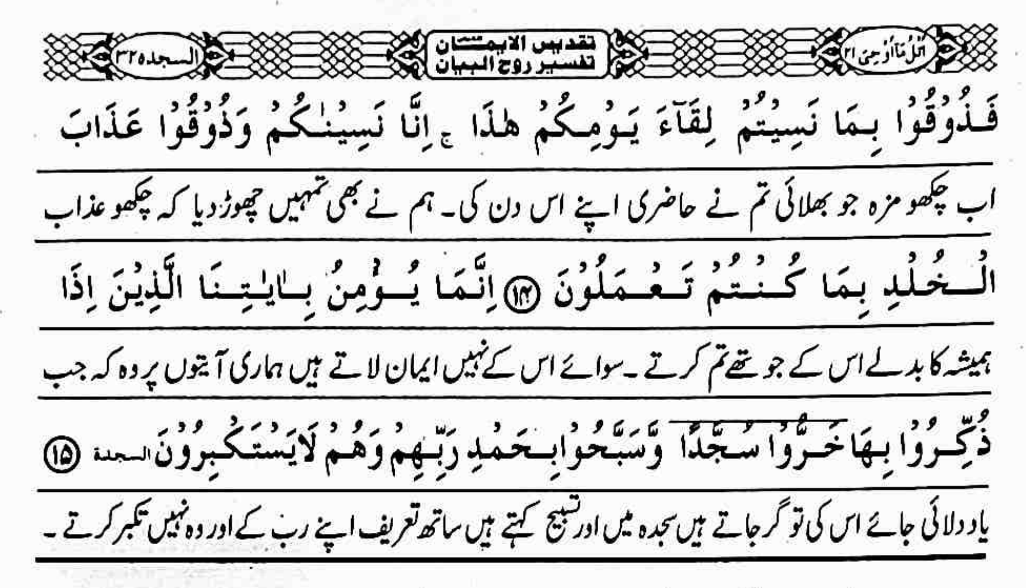
جہنم جنوں سے اور تمام انسانوں سے۔

(بقیہ آیت نمبر۱۲) **نکتہ**: چونکہ دنیا میں دنیادار خواہشات وشہوات کے پیچھے لگے رہے اور دنیا کے سامنے سرنگوں رہے اور اسی حالت میں ان پر موت آئی اور اسی حالت پر ان کا حشر بھی ہوگا تو جب انہیں دہشت چاروں طرف سے گھیر لے گی تو شرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عذر ومعذرت کریں گے۔

(آیت نمبر۱۳) اور اگر ہماری مشیت ہوتی یعنی اگر ہم ہر ایک کو ہدایت دینا چاہتے تو ہدایت دے سکتے تھے اور نیک اعمال سے ہم انہیں مالا مال کر دیتے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ لوگ اپنے اختیار اور اپنی خوشی سے ایمان لائیں بہر حال اب تو میری قضاء وقدر ثابت ہوگئی اور جو وعید سنائی تھی اس کا وقت آ گیا چونکہ میں نے یہ بتادیا تھا کہ میں ضرور جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دونگا یعنی جنہوں نے بھی کفر کیا یا گناہ کئے اور دنیا میں میری نافرمانی کرتے رہے۔ اور وہ شیطان کے تابعدار بنے رہے۔ اب میں ان سب سے جہنم کو پر کرونگا۔

نکتہ: اور یہ وعید آدم علیہ السلام اور شیطان کے پیدا ہونے سے پہلے کا فیصلہ ہے کہ جو میری ہدایت پر رہے گا وہ کامیاب ہے اور جو گمراہ ہوں گے۔ وہ جہنم میں جائیں گے۔ وہ بات پوری ہوئی اب ایک جماعت ہمیشہ کیلئے جہنم میں اور دوسری جنت میں مقیم رہے گی۔

حکایت: شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے آیت کا مفہوم پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا یا اللہ شبلی کو خوب موٹا کر کے جہنم میں دھکیل دے تاکہ جہنم بھر جائے اور بقایا سب لوگوں کو جنت میں بھیج تاکہ شبلی کا دل ٹھنڈا ہو اور لوگ عفو وکرم سے خوش ہوتے ہیں۔ اور شبلی کو تیرے عذاب میں راحت وسرور نصیب ہوتا ہے۔



فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِیْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ

اب چکھو مزہ جو بھلائی تم نے حاضری اپنے اس دن کی۔ ہم نے بھی تمہیں چھوڑ دیا کہ چکھو عذاب

الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا

ہمیشہ کا بدلے اس کے جو تھے تم کرتے۔ سوائے اس کے نہیں ایمان لاتے ہیں ہماری آیتوں پر وہ کہ جب

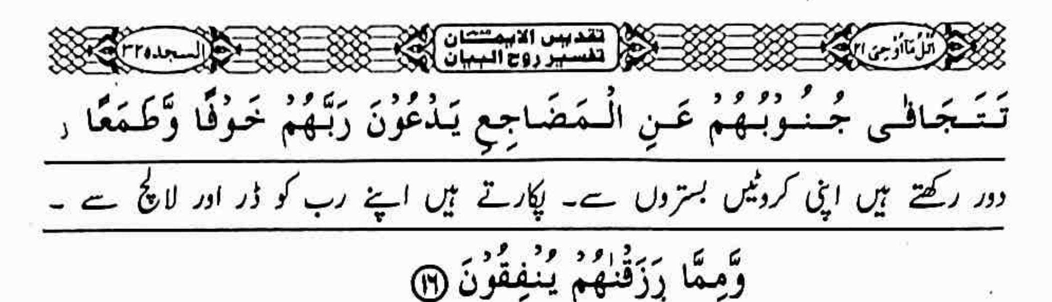
ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ السجدۃ ﴿۱۵﴾

یاد دلائی جائے اس کی تو گر جاتے ہیں سجدہ میں اور تسبیح کہتے ہیں ساتھ تعریف اپنے رب کے اور وہ نہیں تکبر کرتے۔

(آیت نمبر ۱۴) پس چکھو عذاب کو اس وجہ سے کہ تم نے اس دن کی حاضری کو بھلا دیا تھا۔

فائدہ: آیت ہذا میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہم نے عذاب ان کے مقدر میں کر دیا اس کا ایک سبب ان کی جانب ہے کہ انہوں نے قیامت کے دن کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کو بھلا دیا تھا۔ یہ دنیا کی لذتوں میں ایسے منہمک ہوئے کہ نہ ان کو حاضری یاد نہ آخرت کے ہولناک عذاب کی فکر رہی اور یہ قاعدہ ہے کہ جو دنیوی مشاغل میں منہمک ہو جاتا ہے۔ وہ یاد الٰہی اور آخرت کی فکر سے محروم ہو جاتا ہے تو جب تم نے ہمیں بالکل بھلا دیا۔ اب ہم نے بھی تمہیں عذاب میں مبتلا کر کے ایسا چھوڑ دیا گویا تم ہمیں بھی یاد نہیں رہے۔ لہٰذا اب تم جہنم کا دائمی عذاب چکھو اس سبب سے جو تم عمل کرتے رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دائمی عذاب کا سبب ان کا اس دن کو بھولنا ہی نہیں۔ بلکہ اس کے اور بھی کئی اسباب ہیں۔ مثلاً کفر۔ ظلم اور طرح طرح کے جرائم اور نافرمانیاں جو ہمیشہ کرتے رہے۔

(آیت نمبر ۱۵) بے شک ہماری آیات پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں۔ جنہیں نصیحت کی جائے تو وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں اور ہماری آیات سن کر فوراً سجدہ میں گر جاتے ہیں اور وہ اپنے سجدہ میں اپنے رب کی تسبیح و تحمید کہتے ہیں۔ **فائدہ**: یعنی وہ تین کام کرتے ہیں سجدہ بھی کرتے ہیں اور سجدہ میں تسبیح و تحمید کہتے ہیں۔ تسبیح کا مطلب ہے کہ جو امور اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ ان سے اسے پاک جانتے ہیں۔ جیسے اولاد۔ بیوی اور شریک وغیرہ سے اور حمد یہ کہ جو امور اس کی شان کے لائق ہیں۔ انہیں اور اس کی نعمتوں کا ذکر کر کے اس پر شکر کرتے ہیں۔ آگے فرمایا وہ تکبر بھی نہیں کرتے۔ **فائدہ**: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نواں اور امام شافعی کے نزدیک یہ دسواں سجدہ ہے۔ اے اللہ ہمیں سجدہ کرنے والوں میں بنا۔ ہم تکبر والوں سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔



تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا

دور رکھتے ہیں اپنی کروٹیں بستروں سے۔ پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر اور لالچ سے۔

وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور جو ہم نے دیا وہ اس کو خرچ کرتے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۵) **فائدہ:** مشائخ کرام فرماتے ہیں۔ نماز کے بقیہ ارکان میں انسان شیطان کی شرارتوں سے نہیں بچ سکتا۔ البتہ سجدہ کی حالت میں اسے وسوسہ ڈالنے کی قدرت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ اس وقت وہ اپنی حالت کو یاد کر کے غم وحزن میں پڑ جاتا ہے۔ کہ میں سجدہ نہ کر کے لعنتی بنا اور یہ سجدہ کر کے جنتی بن گیا۔

سبق: عقلمند پر لازم ہے کہ نماز کی ادائیگی میں سستی نہ کرے۔ خواہ نماز فرض ہے یا نفل۔ تا کہ شیطان اسے دیکھ کر ذلیل ہو اور رب رحمان راضی ہو۔ ورنہ شیطان خوش اور رحمان ناراض ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۶) ان سجدہ کرنے والوں کی کروٹیں دور رہتی ہیں بستروں سے۔ یعنی وہ سوتے ہی نہیں۔ اگر سو جائیں تو وہ غافل لوگوں کی طرح نہیں سوتے کہ وہ خواہ مخواہ بستروں پر پڑے ہیں۔ **حدیث** میں ہے کہ اس سے مراد نماز تہجد ہے۔ اس لئے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق اتری جو تہجد کی ادائیگی کیلئے اٹھتے ہیں۔ اس لئے کہ فرض نماز کے بعد افضل نماز نماز تہجد ہے۔ **فائدہ:** کاشفی فرماتے ہیں جب رات ہو جائے تو غافل غفلت کی نیند سو جاتے ہیں اور اللہ والے نرم اور گرم بستروں کو چھوڑ کر عجز و نیاز کے ساتھ عبادت و مناجات میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

اویس قرنی رضی اللہ عنہ کبھی فرماتے آج رات رکوع کی ہے تو پوری رات رکوع میں کبھی پوری رات سجدہ میں اور کبھی پوری رات قیام میں گذارتے اور فرماتے کاش کوئی لمبی سی رات ملتی میں خوب لمبا سجدہ کرتا۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت کے ایسے بالا خانے ہیں جن کا اندر باہر برابر ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کیلئے تیار کئے ہیں۔ جو بات نرمی سے کرتے ہیں۔ غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور لگاتار روزے رکھتے ہیں اور راتیں عبادت میں گذارتے ہیں۔ جب کہ باقی لوگ میٹھی نیند سو رہے ہوتے ہیں۔ (بخاری شریف)

فائدہ: یہ رات کا قیام بھی کسی قسمت والے کو ملتا ہے۔ یہ بھی گویا عطیہ الٰہی ہے۔ رب جسے چاہتا ہے اسے ہی عطا کرتا ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا

نہیں معلوم کسی شخص کو جو چھپا رکھی ہے ان کے لئے ٹھنڈک آنکھوں کی۔ بدلہ ہے اس کا جو تھے

يَعْمَلُوْنَ ⑰ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ ⑱

وہ عمل کرتے۔ تو کیا جو ہے مومن وہ ہے مثل اس کے جو ہے فاسق نہیں برابر ہو سکتے۔

(آیت نمبر ۱۷) کوئی نفس نہیں جانتا خواہ فرشتہ ہے یا نبی مرسل۔ (جب یہ نہیں جانتے تو پھر اور کون جان سکتا ہے) تو فرمایا کہ کوئی نہیں جانتا کہ کیا کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے چھپا کر تیار کر رکھا ہے۔ یعنی جو راتوں کو بستر ے چھوڑ کر رب کو یاد کرتے ہیں اور دن کے وقت راہ مولا میں مال خرچ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی وہ نعمتیں تیار کیں۔ جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان کے دلوں کو تسکین ہو۔

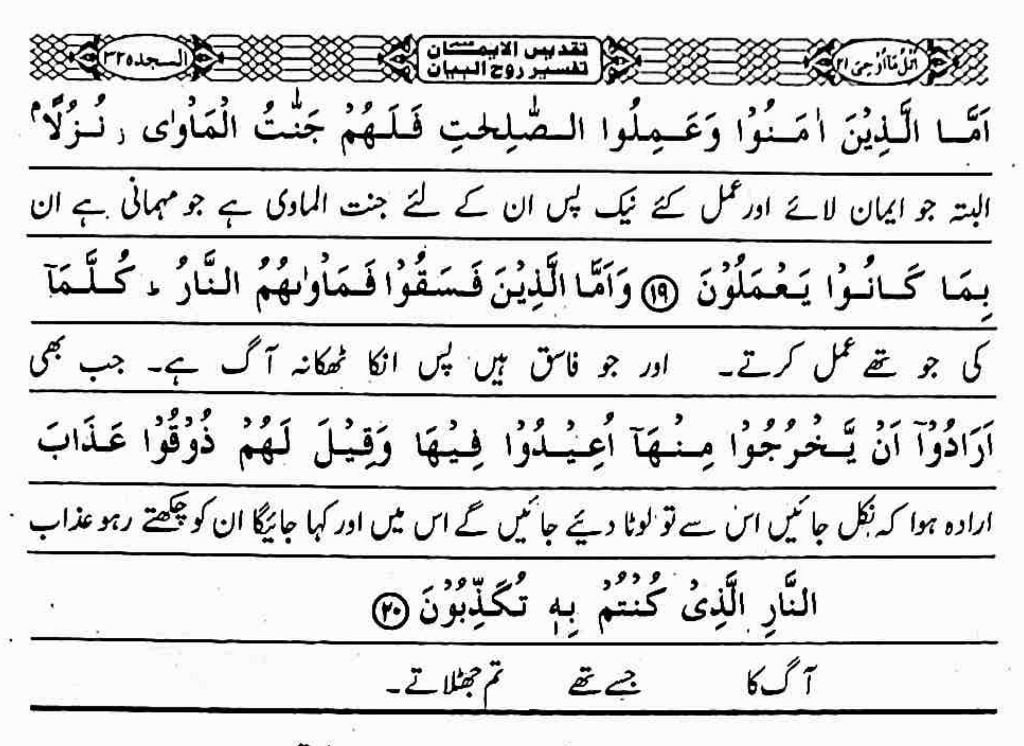
حدیث قدسی: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں نے اپنے بندوں کیلئے ایسی چیزیں تیار کیں۔ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں۔ نہ کسی کے دل میں ان کا خیال گذرا۔ یہ بدلہ ہے اس کا جو وہ عمل کرتے تھے۔ (بخاری شریف)۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب عمل پوشیدہ ہو تو جزاء بھی ان کی پوشیدہ ہوگی۔ اگر کسی نے عمل کیا اور کسی کو معلوم نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ بروز قیامت جب اس کا بدلہ دیگا تو اس کا بھی کسی کو علم نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۸) کیا پس جو مومن ہے۔ وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے۔ آگے فرمایا۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

شان نزول: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ ولید بن عقبہ نے فخر سے کہا۔ اے علی میرا تیر تیرے تیر سے سخت۔ میری زبان تیری زبان سے زیادہ تیز۔ مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ تیری میری کیا برابری تو فاسق اور میں مومن ہوں تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی بات قرآن میں لکھ دی بلکہ قیامت تک آنے والوں کیلئے فیصلہ فرمادیا۔

فائدہ: انوار طاعت وایمان والا فسق وطغیان والے کی طرح نہیں ہو سکتا۔ نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ اس فاسق سے مراد وہ فاسق ہے۔ جس میں ایمان نہیں۔ یعنی کافر کیونکہ مومن کے بالمقابل کافر ہی ہوتا ہے۔ اور آگے اس کیلئے دائمی عذاب کی خبر دی جا رہی ہے تو دائمی عذاب بھی کافر ہی کیلئے ہے۔



اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰی ۫ نُزُلًۢا

البتہ جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک پس ان کے لئے جنت الماوی ہے جو مہمانی ہے ان

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ

کی جو تھے عمل کرتے۔ اور جو فاسق ہیں پس انکا ٹھکانہ آگ ہے۔ جب بھی

اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَاۤ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ

ارادہ ہوا کہ نکل جائیں اس سے تو لوٹا دیئے جائیں گے اس میں اور کہا جائیگا ان کو چکھتے رہو عذاب

النَّارِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾

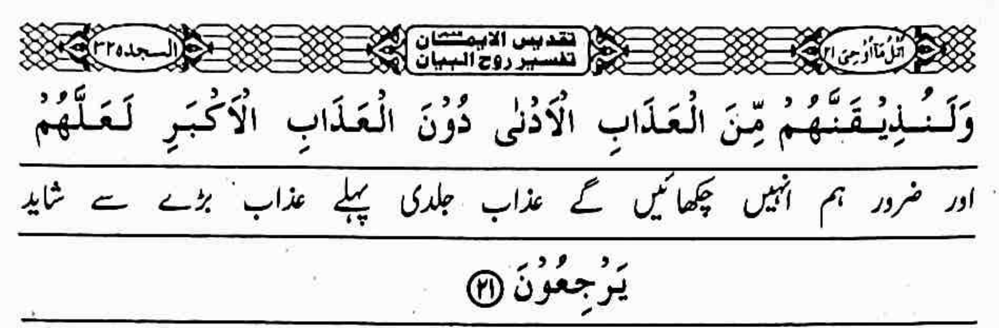
آگ کا جسے تھے تم جھٹلاتے۔

(آیت نمبر ۱۹) البتہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ وہ جنت الماوی کے مستحق ہیں۔

فائدہ: بعض علماء نے معنی کیا کہ ایسے ایمان والوں کیلئے جنت کے باغ ہیں۔ دنیا جنۃ الماوی کی طرح نہیں ہے۔ یہ تو کوچ کرنے کا مقام ہے۔ اسی لئے دنیا کو پل کہا گیا کہ اسے عبور کر کے آخرت کی طرف جانا ہے۔ جو اسے دارالقرار سمجھتا ہے وہ پرلے درجے کا بے وقوف ہے۔ دنیا میں جو کیا آخرت میں اس کا بدلہ ملنا ہے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جنۃ الماویٰ پوری کی پوری سونے کی بنی ہوئی۔ یہ آٹھ جنتوں میں سے ایک ہے۔ آٹھ جنتوں کا ذکر پیچھے بیان ہو چکا ہے۔ آگے فرمایا یہ جنتیں مہمانی کا مقام ہیں۔ اس وجہ سے کہ جو لوگ نیک اعمال کرتے رہے۔ ان کیلئے جنت میں ہر وقت مہمانی ہوگی۔

(آیت نمبر ۲۰) البتہ جو لوگ فاسق ہیں یعنی دین و ایمان سے خالی ہیں۔ اپنے کفر اور گناہوں کو ایمان و طاعت پر ترجیح دیتے رہے۔ ان کا پکا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے۔ جیسے اہل ایمان کا ٹھکانہ جنۃ الماوی ہے تو جب بھی وہ کافر فاسق جہنم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو پھر واپس اسی جہنم میں لوٹا دیئے جائیں گے۔ یعنی ان کا وہ ٹھکانہ دائمی ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ جہنم نیچے سے جوش مارے گی تو نیچے والے کافر اوپر آ جائیں گے۔ پھر اوپر سے نیچے چلے جائیں گے۔ اوپر سے نیچے سرے تک دنیا کے پچاس سالوں میں پہنچے۔



وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢١﴾

اور ضرور ہم انہیں چکھائیں گے عذاب جلدی پہلے عذاب بڑے سے شاید وہ باز آئیں

(بقیہ آیت نمبر۲۰) یہاں تک کہ دروازے کے قریب پہنچ جائیں گے۔ جب نکلنے کا ارادہ کریں گے تو جہنم کے شعلے پھر انہیں نیچے لے جائیں گے۔ ایک روایت میں ہے۔ فرشتے چابک مار کر انہیں جہنم کی تہہ میں پہنچا دیں گے۔ یہ عمل ان کے ساتھ ہمیشہ ہوتا رہے گا اور کہا جائیگا کہ چکھو آگ کا عذاب جو دنیا میں تم تکذیب کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ نہ مرنے کے بعد کوئی جی اٹھنا ہے۔ نہ جنت دوزخ ہے۔

(آیت نمبر۲۱) اور البتہ ضرور ہم انہیں چکھائیں گے۔ قریب والا عذاب یعنی دنیا میں یا قبر میں۔

فائدہ: چنانچہ جب کفار نے نبی کریم ﷺ کو سخت تکالیف پہنچائیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سات سال تک قحط میں مبتلا رکھا۔ یہاں تک کہ وہ مردار۔ چمڑے اور ہڈیاں تک کھا گئے۔ جب وہ سخت مصائب میں مبتلا ہوئے۔ تو جوتے اور اونٹوں کی لید بھی کھا گئے۔ پھر بدر میں قتل وقید کے ساتھ جہان میں رسوائی ہوئی یہ تو دنیا کا عذاب تھا۔ اس کے بعد ان کیلئے بڑا عذاب جو ان کو آخرت میں ہوگا۔ دنیا والا تو پھر بھی چند روز میں ختم ہوگیا۔ لیکن آخرت والا عذاب تو دائمی ہوگا۔ دنیا والے عذاب میں انہیں اس لئے مبتلا کیا گیا کہ شاید وہ کفر و شرک اور ظلم و تعدی سے باز آ جائیں اور کفر و جرائم سے توبہ کرلیں۔ **فائدہ**: ممکن ہے عذاب ادنیٰ سے مراد قبر کا عذاب ہے۔

سبق: یہ دنیا میں آزمائش ہوتی ہی اس لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کو بلاء و محن میں مبتلا کرتا ہے تاکہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور اپنی کمزوری اور غلط کاری کا ازالہ کرسکیں۔ اس سے مقصد ان کو آخرت کے عذاب شدید اور بڑی رسوائی سے بچانا ہے تو پھر جو خوش نصیب ہوتے ہیں وہ باز آ جاتے ہیں۔ اور بدنصیب نافرمانیوں میں پوری زندگی گذارتے ہیں۔ منع کرنے اور نصیحت کرنے سے بھی وہ برائی کو نہیں چھوڑتے۔ بلکہ وعظ و نصیحت کرنے والوں کے خلاف ہو جاتے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا

اور کون بڑا ظالم ہے اس سے کہ جسے نصیحت کی گئی آیات خداوندی سے۔ پھر منہ پھیر گیا اس سے بے شک ہم

مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا

مجرموں سے بدلہ لینے والے ہیں۔ البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب تو نہ

تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾

ہو تم شک میں اس کے ملنے میں۔ اور ہم نے بنایا اسے ہدایت بنی اسرائیل کیلئے۔

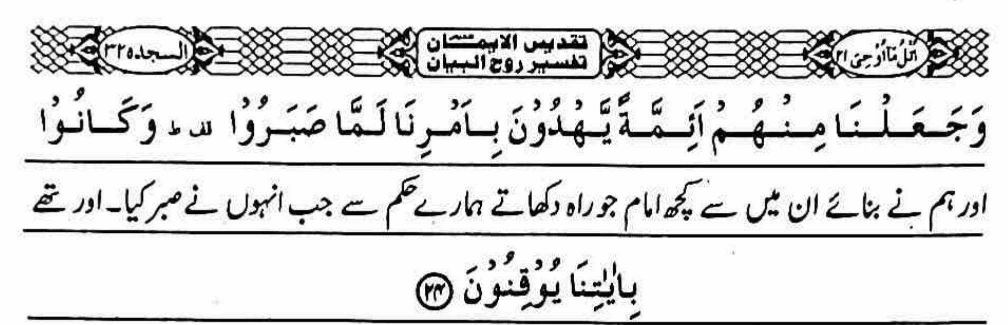
(آیت نمبر۲۲) اور اس سے بڑا کون ظالم ہوگا کہ جسے آیات قرآنی کے ذریعے نصیحت کی جائے اور وہ اس سے منہ پھیر لے کہ نہ ان میں غور وفکر کرے۔ نہ ان کی دعوت قبول کرے اور نہ ان کے مقتضیات پر عمل کرے تو ایسے ظالم یہ بات یاد رکھیں۔ بے شک ہم مجرموں سے بہت جلد بدلہ لینے والے ہیں۔ خواہ جرم چھوٹا ہو۔ اسے بدلہ ضرور ملے گا تو جنہوں نے ظلم کیا یعنی کفر وشرک اور نافرمانی کی۔ انہیں تو مجرموں سے زیادہ سزا ملنی چاہئے۔

سبق: عقلمند پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مواعظ سے نصیحت حاصل کرے اور اس کے اخلاق سے متخلق ہو۔

(آیت نمبر۲۳) اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ کتاب دی تا کہ تم شک میں نہ رہو۔

نکتہ : یاد رہے کہ شک موسیٰ علیہ السلام کو نہیں تھا۔ بلکہ یہ کفار کو تعریض ہے کہ انہیں موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کتاب ملنے کا شک تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ کفار پر یہ واضح کیا کہ نبی کریم ﷺ کے ہاں کتاب کا آنا یہ کوئی نئی بات نہیں تھی کہ جس پر وہ شک وشبہ کرتے اس آیت کریمہ میں لقاء سے مراد توراۃ کا ملنا ہے۔

آگے فرمایا کہ ہم نے اس کتاب توراۃ کو بنی اسرائیل کیلئے ہدایت دینے والی بنایا۔ یعنی یہ کتاب صرف بنی اسرائیل کی طرف اتری اور وہی اس پر عمل کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے۔ اس وقت اگرچہ بنو اسماعیل بھی تھے لیکن وہ اس کے مکلف نہ تھے۔



وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا

اور ہم نے بنائے ان میں سے کچھ امام جو راہ دکھاتے ہمارے حکم سے جب انہوں نے صبر کیا۔ اور تھے

بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

ہماری آیتوں پر یقین رکھتے۔

(آیت نمبر۲۴) اور ہم نے ان ہی میں سے پیشوا بنائے۔ امام اسے کہا جاتا ہے۔ جس کی اقتداء کی جائے۔ وہ امام توراۃ کے شرائع واحکام اور حکم کے مطابق مخلوق کو حق کی راہ بتاتے ہیں۔ ہمارے حکم سے جس کا ہم نے انہیں حکم دیا تھا۔ پھر جب انہوں نے حق کی راہ دکھانے میں تکالیف واحوال پر صبر کیا تو ہم نے انہیں ان کا امام بنادیا جو ہماری بھیجی ہوئی کتاب کے جملہ احکامات پر پورا پورا یقین رکھتے تھے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کو مخاطب فرمایا کہ تم توراۃ میں شک نہ کرو۔ جیسے کفار مکہ نے ہماری اتاری ہوئی کتاب قران مجید پر شک کیا۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ جیسے توراۃ بنی اسرائیل کیلئے ہادی اور رہبر تھی۔ ایسے ہی قرآن مجید اہل اسلام کے لئے ہادی اور راہبر ہے۔ لہذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ قرآن مجید کے شرائع واحکام پر عمل پیرا رہیں تا کہ جملہ عالم کیلئے انہیں پیشوا بنایا جائے اور انہیں سب پر افضلیت حاصل ہو اور یہ قاعدہ ہے جو شخص اپنے اندر یہ فضائل وکمالات رکھتا ہے وہی سب سے افضل ہوتا ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ اس قرآن کے ذریعے بہت ساری۔ اقوام سر بلندی ہوگی۔ اور دوسری اقوام اسی کی وجہ سے ذلیل ہوں گی۔ (مشکوٰۃ)

امام غزالی کی شان:

ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ایک رات میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا تو آپ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا نام لے کر موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے سامنے فرما رہے تھے کہ کیا تمہاری امت میں کوئی ایسا عالم ہے۔ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ **فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے امت مصطفویہ کو یہ شرف بخشا کہ انہیں معرفت سے معمور فرمایا۔ اسی وجہ سے بروز قیامت انہیں نورانی پوشاک پہنائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی برکتوں سے ہمیں بھی حصہ عطا فرمائے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾

بے شک تیرا رب ہی فیصلہ فرمائے گا ان میں بروز قیامت اس میں کہ تھے جس میں اختلاف کرتے ۔

(بقیہ آیت نمبر۲۴) **حکایت**: ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ میں نے ابواسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ سفید لباس پہنا ہوا ہے۔ اور سر پر نورانی تاج ہے۔ میں نے عرض کی یہ اتنا اعلیٰ لباس اور تاج کیسے ملا تو فرمایا۔ طاعت کی برکت سے۔

(آیت نمبر۲۵) بے شک آپ کا رب ان میں فیصلہ فرمائے گا۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام اور جھٹلانے والوں میں اسی طرح مومنوں اور کافروں میں بروز قیامت فیصلہ فرمائے گا۔ تو خود بخود حق و باطل میں فیصلہ ہو جائیگا۔ پھر ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ (جزاء یا سزا) مل جائیگا۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان امور میں فیصلہ فرمائے گا۔ جن میں وہ دنیا کے اندر آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے ہاتھ میں فیصلے لینے کی وجوہات:

(۱) ان کے اعزاز و اکرام کی وجہ سے کہ انہیں کسی اور کے پاس نہ جانا پڑے۔ (۲) ان پر غیرت کی وجہ سے تا کہ ان کے حالات کسی اور پر نہ کھلیں۔ (۳) ان پر رحم ولطف وکرم کی وجہ سے تا کہ ان کے عیوب پر پردہ رہے۔ (۴) وہ کریم ہے اور کریموں کی عادت ہے۔ جب کسی لغوبات کو دیکھتے ہیں تو درگذر کر کے آگے گذر جاتے ہیں۔ اسی فضل وکرم کی ہمیں بھی امید ہے۔ (۵) اس سے زیادتی کی ذرہ بھی امید نہیں ہے کہ وہ ذات فضل فرما کر بخشے گا۔ اگر عدل بھی ہوا تو اس میں بھی فضل ہی ہوگا ظلم نہیں ہوگا۔ (۶) اس نے مخلوق کو پیدا ہی اس لئے کیا۔ لوگ اس سے نفع اٹھائیں تو قیامت کے روز بھی اس سے نفع کی ہی امید ہے۔ (۷) اپنی رحمت سے بندوں کے ساتھ بے حد محبت ہے۔ اسی رحمت سے ہی تو ایک دفعہ توبہ سے سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔ (۸) بندوں کو اسرار کا خزانہ بنایا۔ ان کی قدر ومنزلت کو بھی جانتا ہے۔ انہیں اپنے جمال کا آئینہ بنایا اور اپنی صفات کا مظہر بنایا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ ہر قسم کے اختلافات سے دور رہے۔ بلا وجہ کسی کے ساتھ جھگڑنے کی کوشش نہ کرے۔ اس لئے کہ جھگڑے ختم کرنے کیلئے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن اتارا۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ

کیا نہیں ہدایت ہوئی ان کو کتنی ہم نے ہلاک کیں ان سے پہلے قومیں یہ چل پھر رہے ہیں ۔

فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا

ان ہی کے گھروں میں۔ بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں۔ تو کیا نہیں وہ سنتے کیا نہیں دیکھتے

اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ

کہ بے شک ہم چلاتے ہیں پانی زمین کی طرف جو خشک ہے پھر نکالتے ہیں اس سے کھیت کھاتے ہیں اس سے

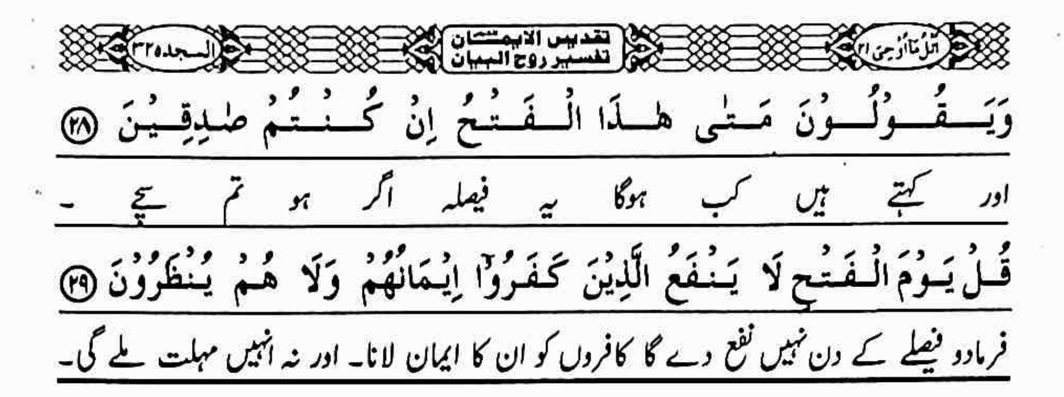
اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

ان کے جانور اور وہ خود بھی کیا ۔ نہیں وہ دیکھتے ۔

(آیت نمبر ۲۶) کیا ان کفار مکہ کو معلوم نہیں ہوا کہ جو کر رہے ہیں اس کا انجام کیا ہے ہم نے ان سے پہلے ان جیسے کتنے ہی کثیر التعداد لوگوں کو تباہ وہلاک کیا۔ ان سے پہلے کئی سنگتیں تباہ ہوئیں۔ قوم عاد۔ ثمود اور قوم لوط وغیرہ۔ قرن ایک صدی کو بھی کہتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ وہ پہلے لوگ ان کفار مکہ کی طرح ٹھیک ٹھاک اپنے گھروں میں رہتے تھے۔ یعنی یہ مکہ والے تجارت کی غرض سے ان کے تباہ شدہ گھروں اور شہروں کے پاس سے گذرتے ہیں اور ان شہروں کی تباہی وبربادی کو اور ان کے گھروں اور شہروں کی ویرانی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ بے شک ان شہروں کی تباہ حالیوں اور ویران کھنڈرات میں ضرور نشانیاں ہیں۔ یعنی دلائل ومواعظ ہیں۔ ہر اس انسان کیلئے جو ان کو دیکھنے اور ان سے عبرت حاصل کرنے کی اہلیت وصلاحیت رکھتا ہے۔ تو کیا وہ سنتے نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات اور مواعظ کو سن کر ان میں تدبر نہیں کرتے اور پند وعبرت حاصل نہیں کرتے تا کہ کفر وتکذیب سے باز آئیں اور غفلت سے بیدار ہوں۔ غالبًا شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے شعر کا ترجمہ ہے کہ جس کے سر میں کبر وغرور ہو اس سے یہ امید مت رکھو کہ وہ نصیحت حاصل کرے گا۔

(آیت نمبر ۲۷) کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ بے شک ہم چلاتے ہیں پانی کو اس سے مراد یا تو بادلوں کا چلانا ہے جو پانی اٹھا کر چلتے ہیں یا نہروں کا چلنا مراد۔ بہرحال حقیقی طور پر انہیں چلانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔



وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾

اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ فیصلہ اگر ہو تم سچے ۔

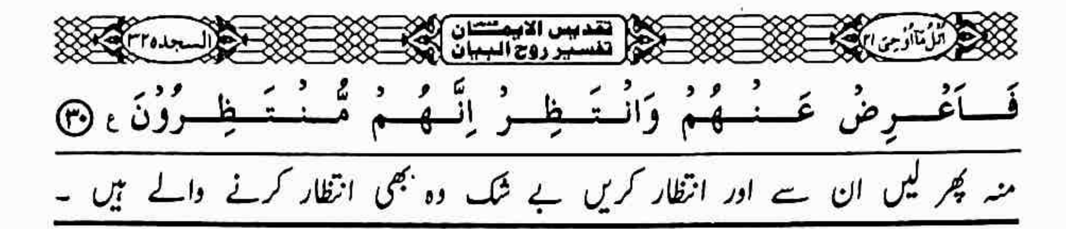
قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾

فرمادو فیصلے کے دن نہیں نفع دے گا کافروں کو ان کا ایمان لانا۔ اور نہ انہیں مہلت ملے گی۔

(بقیہ آیت نمبر۲۷) بندوں کی طرف نسبت من وجہ ہوگی۔تو فرمایا کہ ہم ویران زمین کی طرف لے جاتے ہیں۔جرز وہ زمین مراد ہے۔جس پر کھیتی اگنے کی امید نہ ہو۔آگے فرمایا کہ پھر ہم زمین میں اس پانی کے ذریعے نکالتے ہیں۔کھیتوں میں باغات اور اناج جس میں سے گھاس اور پتے جانور کھاتے ہیں اور پھل دانے وغیرہ یہ خود کھاتے ہیں۔کیا یہ اسے دیکھ کر اس میں غور وفکر نہیں کررہے۔اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت اور فضل وکرم پر استدلال کرکے یقین کرتے کہ عبادت کا مستحق تو صرف وہی ہے۔جس نے یہ سب کچھ عطا کیا اور پھر یہ کسی فرشتے یا انسان کو معبود یا خدا کا شریک نہ بناتے اور پتھروں جیسی ادنی مخلوق کو جو نہ نفع دے سکے نہ نقصان ان کو نہ پوجتے۔اور زمین سے بار بار پودے نکلنے سے معلوم ہو جاتا کہ ہم انہیں بروز قیامت اسی طرح دوبارہ زندہ کرکے قبروں سے نکالنے پر بھی قادر ہیں۔**مسئلہ**: جو اللہ تعالیٰ کو عاجز سمجھے وہ کافر ہے۔

(آیت نمبر۲۸) مسلمان کفار سے کہتے ایک دن فتح ہی ہوگی تو وہ کہتے کہ وہ فتح کب ہوگی۔یہ بات ٹھٹھہ مخول کرتے ہوئے کہتے تھے بلکہ جھٹلاتے ہوئے کہتے تھے کہ وہ تمہاری فتح کا دن کون سا ہے۔جلد بتاؤ اگر تم سچے ہو کہ وہ فیصلہ کب ہوگا۔ (یا تو اس سے مراد فتح مکہ ہے کیونکہ مسلمانوں کو یقین کامل تھا کہ ایک نہ ایک دن ضرور دین غالب ہو کر رہے گا اور مسلمان کفار پر غالب آئیں گے۔اس لئے وہ پوچھتے کہ وہ فتح کب ہے) لیکن زیادہ موزوں یوم الفتح سے مراد روز قیامت ہے۔

(آیت نمبر۲۹) اے محبوب ان کافروں کو خاموش کرنے اور حق کو واضح کرنے کیلئے فرمادیں کہ جلدی نہ کیجئے اور نہ اسے ٹھٹھہ مذاق سمجھو۔فتح کا دن جب آئیگا تو تمہارے سب شبہات دور ہو جائیں گے۔اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔مراد ہے کہ جب قیامت کا دن آجائیگا تو پھر کافروں کو ایمان لانا اس دن کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ انہیں کوئی مہلت دی جائے گی۔



فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ع ﴿۳۰﴾

منہ پھر لیں ان سے اور انتظار کریں بے شک وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں ۔

(بقیہ آیت نمبر۲۹) کیونکہ ان کے ایمان لانے کا وقت گذر گیا۔انہوں نے خود وہ وقت ضائع کر دیا پھر عذاب میں ڈالے جانے کے وقت جو بھی عذر معذرت کریں گے۔کوئی بھی قبول نہیں ہوگا۔کیونکہ عذر قبول کرنے کا وہ وقت نہیں ہے۔دنیا میں عذر وغیرہ سے معافی مل جاتی۔مگر وہ وقت ان سے فوت ہو گیا۔

فائدہ:اور اگر یوم فتح سے مراد غزوہ بدر ہو تو پھر بھی قتل کے وقت انکا ایمان لانا بے فائدہ تھا۔جیسے فرعون نے غرق ہوتے وقت ایمان کا اظہار کیا لیکن قبول نہیں ہوا۔

(آیت نمبر۳۰) اے محبوب ان سے منہ پھیر لیں۔اور ان کی تکذیب پر کوئی توجہ نہ دیں اور اپنی نصرت اور ان کی ہلاکت کا انتظار کریں۔میرا وعدہ سچا ہے۔وہ ہو کر رہے گا اور وہ کافر بھی آپ کے غلبے اور فتح کا انتظار کر رہے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ حوادث زمانہ مسلمانوں کو گھیرے گا اور یہ ختم ہو جائیں گے۔(معاذ اللہ) **حدیث** میں ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا۔کہ جس گھر میں سورۂ الم تنزیل پڑھی جائے۔اس گھر میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔**حدیث**:حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔کہ حضور ﷺ یہ اور سورۂ ملک پڑھے بغیر نہیں سوتے تھے۔اور فرماتے۔کہ یہ سورتیں باقی سورتوں سے ستر گناہ زیادہ نیکیاں دیتی ہیں۔جو انہیں پڑھے۔ان کو ستر نیکیاں ملتی ہیں۔ستر گناہ معاف ہوتے ہیں۔اور ستر درجے بلند ہوتے ہیں۔

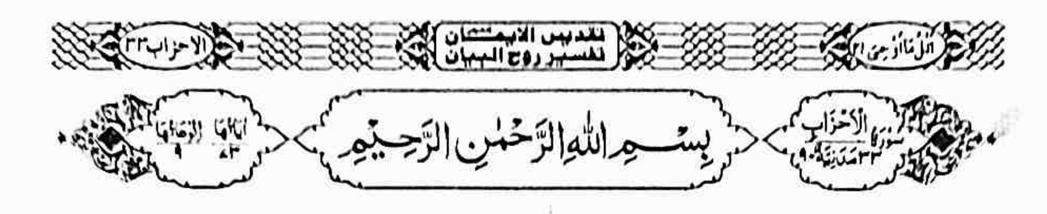
اس سورۃ کے فضائل:

حدیث میں ہے جس نے یہ سورۃ اور سورۂ ملک پڑھی۔اس نے گویا لیلۃ القدر کی رات میں عبادت کی۔

حدیث: جو اس سورۃ کی تلاوت گھر میں کرے۔اس گھر میں شیطان نہیں آتا۔مزید فضائل کیلئے فیوض الرحمٰن کا مطالعہ کر لیں۔

یہ سورۃ ۲۲ ستمبر بمطابق ۲۰ ذوالحج ۱۴۳۷ھ

بروز جمعرات کو صبح کے وقت ختم ہوئی



يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اے پیارے نبی ڈرتے رہیں اللہ سے اور نہ مانیں کافروں اور منافقوں کی بات۔ بے شک اللہ ہے

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ ①

علم و حکمت والا

(آیت نمبر ۱) سورۃ الاحزاب مدنیہ ہے۔ اے پیارے نبی ﷺ۔ نبی غیبی خبر دینے والے کو کہتے ہیں۔ نبی چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی خبریں امت کو دیتے ہیں۔ اس لئے انہیں نبی کہا جاتا ہے۔

شان نزول: واقعہ احد کے بعد ابوسفیان چند کفار کے ساتھ مدینہ شریف میں حضور ﷺ سے پناہ لیکر حاضر ہوئے۔ ساتھ منافقوں کے سردار بن ابی وغیرہ کو بھی لیا اور آ کر کہا کہ آپ ہمارے بتوں کی خدمت نہ کریں اور ان کی شفاعت کا اعلان کردیں۔ حضور ﷺ نے ان سے چہرہ مبارک پھیر لیا۔ منافقوں نے ان کی تائید کی تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جلال میں آگئے اور تلوار نکال لی تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ عمر میں نے انہیں امان دی ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مسجد سے نکال دیا۔ بلکہ مدینہ شریف سے بھی باہر نکال کر آئے اور فرمایا نکل جاؤ۔ تم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب ہو۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ عہد و پیمان اور امان نہ توڑو۔ یا تقوے کے بے انتہاء درجات ہیں کہ اس پر قائم رہ کر اگلے درجات حاصل کرو۔ یا مراد مداومت ہے۔ اس آیت میں تقوے کی اہمیت کو بیان کیا گیا۔

فائدہ: ابن عطا فرماتے ہیں کہ اے میری طرف سے سچی خبریں دینے والے اللہ تعالیٰ سے ڈرو یعنی میرے بغیر کسی کی طرف توجہ نہ کرو۔ نہ کسی کی بات مانو۔ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ متقی وہی ہے جو اطاعت گذار ہے۔ ہر گناہ اور حرام سے پرہیز کرتا ہے اور جو تمام کمالات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے۔ اپنی طرف کسی کمال کا تصور بھی نہ کرے۔ آگے فرمایا کہ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو۔ اگرچہ حضور ﷺ تو پہلے سے ہی ان کی اطاعت کو اپنے لئے حرام سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر مزید قائم رہنے کا حکم دیا۔ کہ میرے احکام پر عمل جاری رکھو۔

وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ ﴿۲﴾

اور پیروی کریں اس کی جو وحی ہوتی ہے آپ کو رب کی طرف سے۔ بے شک اللہ تمہارے اعمال سے خبر دار ہے

وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾

اور بھروسہ کریں اللہ پر۔ اور کافی ہے اللہ کارساز۔

(بقیہ آیت نمبر۱) **فائدہ:** اطاعت اور عبادت میں فرق یہ ہے کہ اطاعت حکم کے بعد لازم ہوتی ہے اور عبادت میں حکم کی قید نہیں ہے۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے علم والا ہے۔ وہ تمام مصالح و مفاسد کو اچھی طرح جانتا ہے۔ تمہیں جو بھی حکم دیا یا دیگا۔ اس میں ضرور تمہاری مصلحت ہوگی اور جن امور سے منع فرمایا یا فرمائے گا۔ اس میں ضرور تمہارا نقصان ہے اور وہ حکمت والا ہے۔ یعنی وہ جو بھی حکم دیتا ہے۔ اس میں کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے۔

(آیت نمبر۲) اے محبوب پیروی کریں امور دین میں ان باتوں کی جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہیں۔ یعنی تمہارے رب نے جو تقویٰ کا حکم دیا یا کافروں اور منافقوں کی باتیں نہ ماننے کا جو حکم دیا۔ اس پر قائم رہیں اور آپ صرف قرآن مجید کے مطابق عمل کریں اور کفار و مشرکین اور منافقین جو رائے وغیرہ دے رہے ہیں۔ اس کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ اس لئے کہ ان کی ہر بات میں شر ہے۔ اور ہر شر سے بچنا لازم ہے۔

فائدہ: حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ قرآن کی اتباع یا اس پر عمل کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے اچھا طریقہ شریعت کا ہے۔ اس کے علاوہ تمام طریقے غلط ہیں۔ ظلم اور بدعات (سیئہ) ہیں اور نا قابل قبول ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس سے جو تم عمل کرتے ہو خبر دار ہے۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ اور رسول کے احکام کی فرمانبرداری کرتے ہو اور جن امور سے منع کیا ان سے باز رہتے ہو۔ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ **فائدہ:** یہ خطاب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مومنوں کو ہے۔ لہذا ہر عمل کرنے والے کے عمل پر ہی جزاء اور سزا مرتب ہوگی۔ اس آیت میں ترغیب و ترہیب دونوں ہیں۔

(آیت نمبر۳) اے محبوب۔ اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کریں۔ یعنی اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کریں اور فرمایا کہ کافی ہے اللہ تعالیٰ نگاہ بان۔ اسی لئے تمام کام اسی کے سپرد کئے جاتے ہیں کہ وہی کارساز بھی ہے اور وہی نگہبان بھی ہے اور تمام مشکلات میں کفایت کرنے والا بھی ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ

نہیں رکھے اللہ نے کسی مرد میں دو دل اس کے پیٹ میں۔ اور نہیں بنائیں تمہاری بیویاں

الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ

جنہیں تم ماں کہو ان میں سے کہ وہ تمہاری مائیں ہیں۔ اور نہ بنایا تمہارے منہ بولے بیٹے کو تمہارا بیٹا۔

ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ﴿۴﴾

یہ تو تمہارا کہنا تمہارے منہ سے ہے۔ اور اللہ کہتا ہے حق بات اور وہی راہ دکھاتا ہے سیدھی۔

(بقیہ آیت نمبر۳) **فائدہ**: اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ اس کا ورد کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا محتاج نہیں رہتا۔ نہ کسی مصیبت کا شکار ہوگا۔ کسی قسم کے خطرہ کے وقت اس اسم کا ورد کثرت سے کیا جائے۔ تمام مصائب ختم ہو جاتے ہیں۔ خیر و برکت اور رزق کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ غیر اللہ کی طرف سے توجہ ہٹائے اور محبوب کے طریقے پر قائم دائم رہے۔ اللہ تعالیٰ سے مانگنا آداب عبودیت سے ہے۔ ہم فقیر محتاج ہیں اور وہ غنی ہے۔ لہذا ہم ایسے کریم سے سوال کرتے ہیں۔ جو بہت بڑے فضل والا ہے۔ وہ دیتا ہی ہے۔ لیتا کسی سے کچھ بھی نہیں۔

(آیت نمبر۴) اللہ تعالیٰ نے کسی کے اندر دو دل نہیں بنائے۔

شان نزول: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ منافق کہتے تھے کہ محمد ﷺ کے دو دل ہیں۔ ایک ہمارے ساتھ ہے۔ دوسرا اپنے یاروں کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی۔ کہ میں نے کسی انسان کے دو دل بنائے ہی نہیں۔ **فائدہ**: بعض مفسرین نے فرمایا کہ سمجھدار آدمیوں کے متعلق عرب لوگ کہتے تھے کہ اس کے دو دل ہیں اس لئے ایک شخص ابوالعمر کو ذوقلبین کہا جاتا تھا۔ اسی طرح ایک شخص جمیل بن اسد کہتا تھا کہ میرے اندر دو دل ہیں اور لوگ بھی اسے اس کے دعوے میں سچا سمجھتے تھے۔ لیکن بدر کے میدان سے جب مار کھا کے بھاگا۔ اس حال میں کہ ایک جوتا پاؤں میں دوسرا ہاتھ میں ابوسفیان نے پوچھا دوسرا جوتا کدھر ہے تو کہا مجھے خیال نہ رہا کہ وہ میرے ہاتھ میں ہے۔ اس وقت لوگ سمجھے کہ ہم جسے بہت بڑا عقلمند کہتے رہے وہ تو بے وقوف نکلا۔ تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کی تردید کرتے ہوئے

فرمایا کہ کہ میں نے کسی انسان کے اندر بھی دو دل نہیں رکھے۔ آگے فرمایا کہ تمہاری عورتوں کو نہیں بنایا (وہ عورتیں) جن سے تم ظہار کرتے ہو۔ یعنی ان سے کہتے ہو کہ تم ہماری ماؤں کی پیٹھوں کی طرح ہو۔ مقصد ان کا اپنے اوپر ان کو حرام کرنا ہوتا تھا تو یوں کہتے مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ یعنی حرام ہے۔ اگر چہ یہ جملہ کہنے سے وہ تمہاری مائیں نہیں بن جاتیں۔ لیکن من وجہ بیوی خاوند پر حرام ضرور ہو جاتی ہے اب وہ بیوی سے جماع نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ وہ کفارہ ادا نہ کرے۔ (اس کے کفارے کو سورۂ مجادلہ کے شروع میں بیان ہوں گی)۔

فائدہ: اہل عرب اس کو طلاق سمجھتے۔ قرآن نے اس کا بھی رد کیا اور یہ بتایا کہ یہ طلاق نہیں بلکہ یہ ظہار ہے۔

کفارۂ ظہار تین کاموں میں سے ایک کام کا کرنا ضروری ہے: (۱) غلام آزاد کرنا۔ (۲) دو ماہ مسلسل روزے رکھنا کہ جن کے درمیان رمضان یا ایام منہیہ (جن میں روزہ رکھنا منع ہے) نہ ہوں۔ اگر روزہ نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

مسئلہ: ظہار صرف بیوی سے ہو سکتا ہے۔ اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہیں اور سب سے اکٹھا یہ جملہ کہا تو سب سے ظہار ہو گیا۔ سب کی طرف سے الگ الگ کفارہ دینا ہوگا۔

آگے فرمایا کہ نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے۔

فائدہ: چونکہ عربوں میں منہ بولے بیٹے کو اصل بیٹا کے برابر سمجھتے اور میراث وغیرہ میں شریک ہوتا اور اس کی بیوی اپنے اوپر حرام سمجھتے حقیقی بیٹے کی زوجہ کی طرح۔

نکتہ: ابتداء فرمایا ایک جسم میں دو دل نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ماں بیوی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ کہ اجتماع ضدین محال ہے۔

آگے فرمایا کہ مذکورہ سب باتیں صرف تمہارے منہ کی باتیں ہیں۔ جن کی حقیقت کچھ نہیں۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ

بلاؤ انہیں ان کے باپوں سے یہ زیادہ صحیح ہے نزدیک اللہ کے۔ اگر نہیں تم جانتے ان کے باپوں کو

فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ

تو وہ تمہارے بھائی ہیں دینی۔ اور تمہارے رشتے دار۔ اور نہیں تم پر کوئی گناہ اس میں

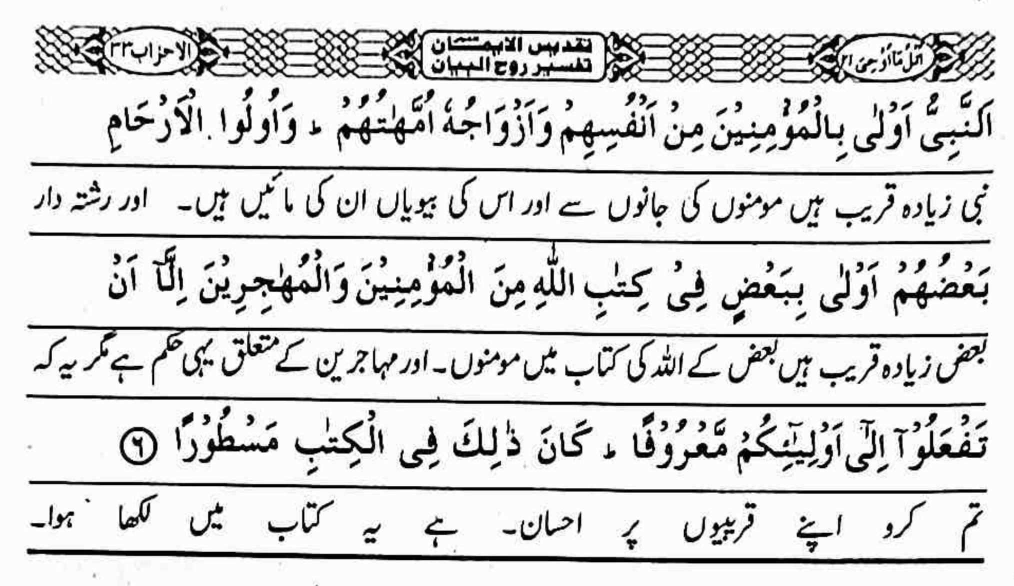
اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑤

جو غلطی ہوئی تم سے لیکن (گناہ ہے) جو جان بوجھ کر تمہارے دلوں نے کیا۔ اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔

(آیت نمبر ۵) انہیں ان کے اصل باپ کی طرف منسوب کرو۔

شان نزول: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ چھوٹی عمر میں کسی نے انہیں اغوا کر کے غلام بنایا اور بیچ دیا۔ بکتے بکاتے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ گئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا۔ آپ کے والد اور چچا تلاش کرتے ہوئے مکہ شریف میں آ گئے۔ زید کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رہائی کا مطالبہ کیا۔ حضور علیہ السلام نے زید کو اختیار دیا کہ زید اگر تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہے تو میں بغیر کسی عوض کے بخوشی جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا زیادہ پسند کیا۔ اور والد کے ساتھ خاندان میں جانے سے انکار کر دیا۔ آپ نے اسے آزاد فرما کر اپنی تربیت میں رکھ لیا اور اسے اپنا بیٹا کہا۔ یہ واقع نزول وحی سے پہلے کا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ کہ آئندہ ہر بندہ کو اس کے اصلی باپ کے نام سے پکارا جائے۔ اگر اس کے باپ کا علم نہ ہو۔ تو پھر وہ تمہارے بھائی ہیں۔ یعنی اسے بھائی کہہ کر بلاؤ۔ اور جو تم سے غلطی ہو گئی وہ معاف کر دی گئی ہے۔ **حدیث شریف**: بخاری میں ہے کہ جس نے خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا اور وہ جانتا ہے کہ یہ غلط ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ گناہ اس صورت میں ہوگا۔ کہ جب تم نے جان بوجھ کر ایسا کیا۔ آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی بہت زیادہ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی وہ اتنا بڑا مہربان ہے۔ خطائیں وہ خود ہی معاف کرتا رہتا ہے۔ البتہ گناہ ہو جائے۔ تو اللہ تعالیٰ توبہ کرنے سے معاف کرتا ہے۔

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے۔ اے اللہ میری خطائیں معاف فرما۔ تو آپ نے فرمایا۔ خطائیں تو وہ معاف کرتا ہے۔ تو کہہ یا اللہ جو جان بوجھ کر گناہ کئے وہ معاف فرما۔



اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ

نبی زیادہ قریب ہیں مومنوں کی جانوں سے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ اور رشتہ دار

بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ

بعض زیادہ قریب ہیں بعض کے اللہ کی کتاب میں مومنوں۔ اور مہاجرین کے متعلق یہی حکم ہے مگر یہ کہ

تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِکُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۶﴾

تم کرو اپنے قریبیوں پر احسان۔ ہے یہ کتاب میں لکھا ہوا۔

(آیت نمبر ۶) نبی ﷺ مومنوں کی جانوں سے قربت کے لحاظ سے زیادہ لائق ہیں۔

شان نزول : جب غزوۂ تبوک کیلئے اعلان ہوا تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم گھر والدین سے مشورہ کرلیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا نبی مومنوں کے جملہ امور کیلئے اس لائق ہیں کہ ان کی بات کو سب پر اولیت دی جائے۔ اس لئے کہ میرا نبی اسی طرف دعوت دیتا ہے۔ جس میں مومنوں کی نجات اور کامیابی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو نبی علیہ السلام جانوں سے زیادہ پیارے ہونا چاہئے۔ لہذا تمام حقوق میں ان کے حکم کو ترجیح دیں۔ اپنے نفسوں کو ان پر قربان کریں۔ ان کی ہر دعوت پر لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوں۔ ان کے فرمان کو اپنے اوپر واجب سمجھیں۔

حدیث شریف میں فرمایا کہ میں ہر مومن کیلئے دنیا آخرت میں بڑا شفیق ہوں۔ ان کی جانوں اور باپوں سے (بخاری و مسلم)۔ **حدیث شریف**: تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ میں اسے اس کی جان مال اور اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہوں (بخاری)۔ آگے فرمایا۔ میرے نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ وہ تعظیم و تکریم میں اور حرمت نکاح میں ماؤں کی طرح ہیں۔ لیکن ان سے پردہ ضروری ہے۔ نہ وہ کسی کی وارث نہ ان کا کوئی وارث۔ حضور ﷺ کو کسی رشتہ سے پکارنا منع ہے۔ نہ ان کی ازواج سے کسی رشتہ کو پکارا جائے۔ (جیسے بعض لوگ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خال المؤمنین کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح بدعت ہے)۔

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ مومنوں کی روحانی باپ ہیں۔ (لیکن کسی کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ حضور کو ابا کہے)۔ جب بھی پکاریں۔ تو یا رسول اللہ۔ یا حبیب اللہ جیسے القاب سے پکاریں۔

حدیث شریف :حضور ﷺ نے فرمایا۔اے علی میں اور تو اس امت کے باپ ہیں۔(بحارالانوار)۔
یعنی روحانی۔آ گے فرمایا۔رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔اللہ تعالیٰ کی کتاب ہیں۔

نسخ :ابتداء اسلام میں موالات فی الدین اور مواخات) بھائی چارے اور ہجرت کی بناء پر وراثت ملتی تھی۔
پھر جب اسلام خوب پھیل گیا۔تو پھر وراثت کے مکمل احکام قرآن نے بیان کردیئے اور سابقہ قوانین منسوخ ہو گئے۔

آ گے فرمایا مہاجرین وانصار کے مومنوں میں سے جن کے درمیان حضور ﷺ نے بھائی چارہ قائم فرمایا تھا۔
ان میں سے بعض بعض کے وارث ہیں۔یعنی ان میں بھی جو قرابت والے ہیں۔وہ وراثت کے زیادہ حقدار ہیں۔

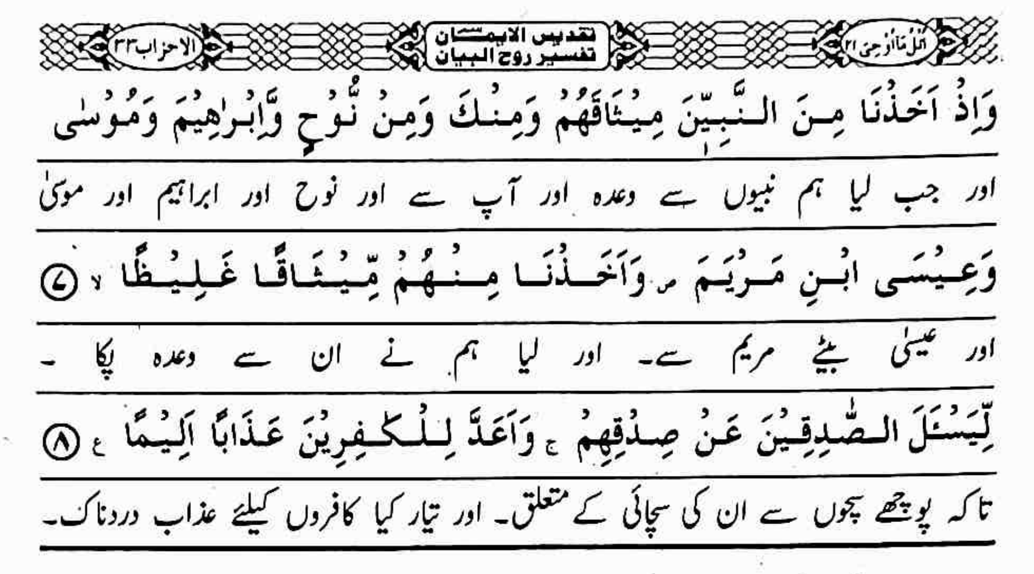
آ گے فرمایا۔مگر یہ کہ تم اپنے رشتہ داروں میں سے کسی پر احسان ومروت کرو۔جیسے کہا جاتا ہے کہ قریبی رشتہ دار
میراث وہبہ۔صدقہ یا ہدیہ وغیرہ کے نفع اٹھانے کا زیادہ حقدار ہے۔سوائے وصیت والے کے۔

وصیت :تہائی مال یا اس سے کم میں جائز ہے۔اس سے زیادہ میں جائز نہیں اور اگر یہ استثناء منقطع ہے تو پھر
معنی یہ ہے کہ میراث کے حقدار قریبی رشتہ دار ہی ہیں۔نہ کہ بعید والے لیکن وصیت بھی غیروں کیلئے ہوتی ہے۔نہ کہ
رشتہ داروں کیلئے۔کیونکہ وارثوں کے حقوق تو قرآن مجید میں تفصیل کے ساتھ بیان کردیئے گئے ہیں۔

آ گے فرمایا کہ اولویت نبی کریم ﷺ کیلئے اور وراثت رشتہ داروں کیلئے یہ سب کتاب میں لکھا ہوا ہے۔یعنی یہ
سب کچھ لوح محفوظ میں ثابت اور محفوظ ہے۔یا یہ قرآن میں لکھا ہوا ہے۔

مسئلہ :مسلمان کافر کا یا کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا ہے۔البتہ وصیت کا اجراء دونوں کیلئے ہوسکتا
ہے۔یعنی مرنے والے نے جس کیلئے وصیت کی۔اس وصیت کو پورا کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ :جمہور علماء کے نزدیک وصیت نیکی کے کاموں میں کرنی چاہئے تاکہ زندگی کی کوتاہیوں کا ازالہ ہو
جائے۔وصیت تین قسم ہے: (۱) وصیت واجبہ: جیسے نمازوں اور روزوں کے کفارہ یا فدیہ کے متعلق۔(۲) وصیت
مباح: رشتہ داروں کے علاوہ کسی غنی کیلئے وصیت کرنا۔(۳) وصیت مکروہ: کسی گناہ والے کام کی وصیت کرنا۔



وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى

اور جب لیا ہم نبیوں سے وعدہ اور آپ سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ

وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۪ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ ⑦

اور عیسیٰ بیٹے مریم سے۔ اور لیا ہم نے ان سے وعدہ پکا ۔

لِّيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۧ ⑧

تاکہ پوچھے سچوں سے ان کی سچائی کے متعلق۔ اور تیار کیا کافروں کیلئے عذاب دردناک۔

(آیت نمبر ۷) اے محبوب وہ وقت یاد کریں جب نبوت ورسالت دیتے وقت ہم نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے وہ پختہ وعدہ لیا کہ تم نے رسالت کا کام اور دین حق کی دعوت دینی ہے اور اے محبوب تجھ سے بھی وعدہ لیا۔

نکتہ: معلوم ہوا۔ حضور ﷺ کا مقام باقی انبیاء کرام علیہم السلام سے اونچا ہے۔ اس لئے تعظیماً ان کا الگ ذکر کیا۔

حدیث: حضور ﷺ نے فرمایا۔ بروز قیامت میں ساری اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔ مگر میں اس پر فخر نہیں کرتا۔ (صحیح مسلم شریف)۔ (بلکہ یہ تو اولاد آدم کیلئے فخر کی بات ہے کہ میرے جیسا انہیں رسول ملا ہوا ہے)۔ آگے فرمایا کہ اسی طرح نوح۔ ابراہیم خلیل اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ اور عیسیٰ روح اللہ علیہم السلام۔ ان کا پھر سے الگ ذکر کیا اس لئے کہ یہ اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں تاکہ ان کی مزید فضیلت ظاہر ہو۔ ان کی شرائع کی شہرت کی وجہ سے بھی۔

آگے فرمایا کہ ان سے پختہ اور مضبوط وعدہ لیا کہ وہ تبلیغ پیغامات اور ادائے امانت میں التزام کریں گے۔

(آیت نمبر ۸) اللہ تعالیٰ نے ان حضرات سے وعدہ پختہ اس لئے لیا تاکہ قیامت کے دن انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق پوچھ سکیں کہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قوموں تک پیغامات پہنچانے میں سچے ہیں یا نہیں اور جو قوم نے کہا وہ صحیح ہے یا نہیں۔

لوح وقلم سے سوال: مروی ہے کہ بروز قیامت قلم سے سوال ہوگا۔ میری امانت کا کیا کیا تو وہ کہے گی میں نے لوح کے حوالے کی تھی اور قلم کانپ رہی ہوگی کہ کہیں لوح تردید نہ کردے۔ پھر لوح سے سوال ہوگا تو وہ کہے گی قلم نے صحیح کہا۔ میں نے بھی سب اسرافیل علیہ السلام کے حوالے کردیا۔ اسرافیل عرض گذار ہونگے۔ میں نے جبریل امین کو دیدی۔ پھر جبریل بتائیں گے۔ وہ امانت میں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے سپرد کردی تھی۔ پھر انبیاء کرام علیہم السلام سے پوچھا جائے گا کہ میری امانت کا کیا کیا تو وہ عرض گذار ہوں گے کہ ہم نے بندوں تک وہ امانت پہنچادی تھی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا

اے ایمان والوں یاد کرو نعمت خداوندی جو تم پر ہوئی کہ جب آ گئے تم پر لشکر۔ پھر بھیجی ہم نے

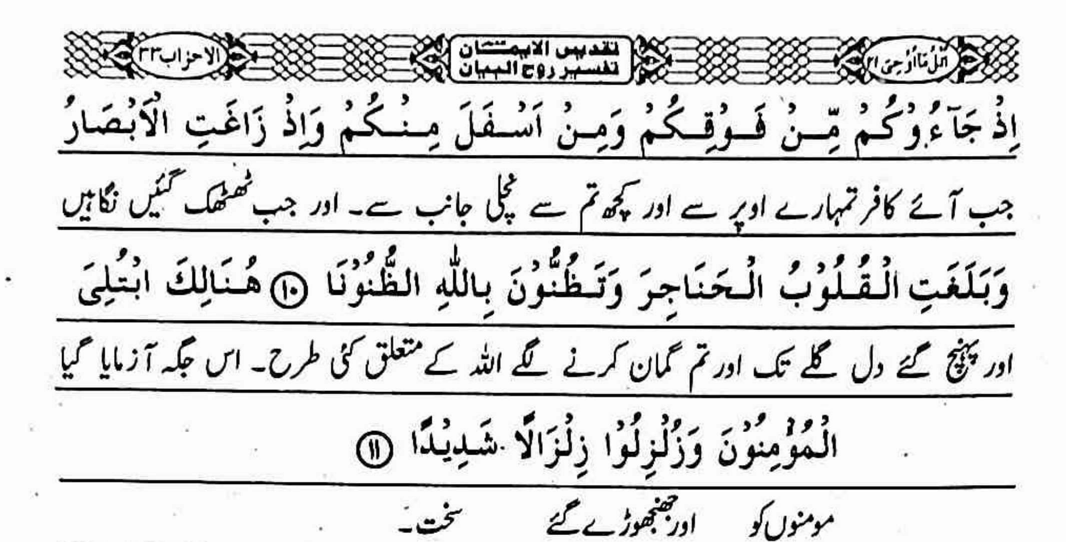
عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ ﴿۹﴾

ان پر آندھی اور کچھ وہ لشکر نہیں دیکھا تم نے ان کو۔ اور ہے اللہ تمہارے عملوں کو دیکھنے والا

(بقیہ آیت نمبر ۸) **نکتہ**: انبیاء کرام علیہم السلام کے صدق کا سوال اور اس کی حقیقی مراد تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ غالباً یہ کافروں پر اتمام حجت ہے۔ یا صدق سے مراد کلمہ شہادت ہے یا یہ سوال ہوگا کہ کیا اقرار کے ساتھ تصدیق بھی کی تھی یا نہیں۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کیلئے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

(آیت نمبر ۹) اے ایمان والو۔ یاد کرو اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان جو تم پر کیا کہ کفار کو ذلیل و رسوا کر کے واپس کر دیا۔

شان نزول: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ شریف میں آتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ بنو قریظہ اور بنو نظیر سے صلح اس شرط پر کر لی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہیں کریں گے۔ بلکہ آپ کا ساتھ دیں گے۔ لیکن انہوں نے خباثت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بروقت آپ کو خبردار کر دیا اور آپ بچ گئے۔ واپس مدینہ شریف میں جا کر محمد بن مسلمہ کو بھیجا کہ بنو نظیر کو کہو مدینہ شریف سے نکل جائیں تو یہودیوں نے نکلنے سے انکار کر دیا۔ ان کا سردار حیی بن اخطب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا۔ مسلمانوں کے غلبے کی وجہ سے وہ امان لے کر شام کی طرف نکل گیا۔ یہاں سے نکل کر ان کا سردار حیی سیدھا مکہ کے سرداروں سے جا ملا اور انہیں کہا۔ مسلمانوں پر حملہ کرو۔ تمام یہودی تمہارا ساتھ دیں گے۔ وہ تو پہلے ہی جلے بھنے تھے۔ پھر وہ تمام قبائل کے پاس گئے اور بارہ ہزار کا لشکر اکٹھا کر کے لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ مدینہ شریف کے گرد خندق کھودی جائے۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمائی اور فرمایا۔ عورتوں اور بچوں کو ایک قلعہ میں بند کیا جائے اور شہر کو چاروں طرف سے خندق کے ذریعے محفوظ کر دیا جائے اور ساتھ ہی صحابہ کرام کو ان حملہ آوروں کی ناکامی کی خوشخبری بھی سنا دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑی جانفشانی سے خندق کھودی۔ دور بھی تنگی کا اور موسم سردی کا تھا۔ تمام مشکلات کے باوجود چھ دنوں میں اتنی بڑی خندق تیار ہوگئی۔ قریش نے خندق دیکھی تو ہکے بکے ہوگئے۔ حیی بن اخطب (شیطان) نے بنو قریظہ کو بھی کہا۔ معاہدہ ختم کر دو اور مسلمانوں کو (معاذ اللہ) نیست و نابود کرنے میں ہمارا ساتھ دو تو انہوں نے بھی معاہدہ توڑ دیا۔ تو مسلمان پریشان ہوگئے۔



اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ

جب آئے کافر تمہارے اوپر سے اور کچھ تم سے نچلی جانب سے۔ اور جب ٹھٹھک گئیں نگاہیں

وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ

اور پہنچ گئے دل گلے تک اور تم گمان کرنے لگے اللہ کے متعلق کئی طرح۔ اس جگہ آزمایا گیا

الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾

مومنوں کو اور جھنجھوڑے گئے سخت۔

(بقیہ آیت نمبر۹) ان کو بچوں اور عورتوں کی فکر لاحق ہوئی۔ یہ وقت مسلمانوں پر سخت کڑا آیا تھا۔ (مزید تفصیلات کیلئے فیوض الرحمٰن کا مطالعہ کیجئے) تو اللہ تعالیٰ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ وقت یاد کرو کہ جب کافروں کے کئی لشکر تم پر چڑھائی کر کے آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر انتہائی تیز اور ٹھنڈی ہوا بھی چلا دی اور ایسا لشکر بھی بھیج دیا۔ جسے مسلمان نہیں دیکھ رہے تھے۔ یعنی فرشتے بھی آ گئے۔ اس ٹھنڈی تیز ہوا نے کفار کے خیمے اڑا دیئے۔ جس آگ پر ہانڈیاں پکا رہے تھے۔ وہ آگ بجھ گئی اور ہانڈیاں الٹ گئیں اور ان پر رعب چھا گیا۔ ان کے جانور گھوڑے وغیرہ بھی بھاگ گئے۔ پھر کافروں نے بھی بھاگنے میں ہی اپنی خیر سمجھی۔ (ع: بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے)۔ آگے فرمایا جو تم کر رہے تھے۔ خندق میں کام وغیرہ سب اللہ تعالیٰ دیکھ رہا تھا۔

(آیت نمبر۱۰) اے مسلمانو وہ وقت یاد کرو۔ جب لشکر تمہارے اوپر سے بنو غطفان وغیرہ اور تمہارے نیچے سے یعنی قریش مکہ وغیرہ یعنی ہر جانب سے لشکر اکٹھے ہو رہے تھے۔ اور تمہاری آنکھیں حیرت زدہ تھیں اور تم فوجوں کی کثرت دیکھ رہے تھے اور خوف سے تمہارے دل بھی گلے تک پہنچ گئے تھے۔ یعنی تمہاری کیفیت بھی اضطراب کی تھی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئی طرح کے گمان کر رہے تھے۔ یعنی مخلصین تو پورے یقین پر تھے کہ وعدہ پورا ہوگا اور غلبہ اسلام کو ہوگا۔ یہ ہمارا امتحان ہے اور کچھ لوگوں کو ڈر تھا کہ کہیں احد والا حال نہ ہو اور کمزور ایمان والوں نے کہا۔ اب ہماری خیر نہیں ہے۔ یہ کافر اب ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

(آیت نمبر۱۱) اس موقع پر کہ جب بڑوں بڑوں کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں۔ اس وقت میں اہل ایمان کی آزمائش کی گئی تا کہ مومن اور منافق کا پتہ چل جائے۔ تو اس وقت لوگ ہلا دیئے گئے سخت ہلانا۔

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ

اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں مرض تھا۔ نہیں وعدہ لیا ہم سے اللہ

وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾

اور اس رسول نے مگر دھوکے کا۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۱) **فائدہ:** صحیح بات تو یہی ہے کہ جن کے دلوں میں کھوٹ تھا۔ وہ تو وہاں سے بھاگ گئے اور جن کے دل ایمان میں پختہ اور مضبوط تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

ابوسفیان کا خط: سرورِ عالم ﷺ کی طرف ابوسفیان کا خط آیا کہ ہمارے تمام گروہ تمہیں ختم کرنے آئے تھے کہ تمہیں نیست و نابود کر کے آئیں گے لیکن افسوس ہے کہ ہمارا مقابلہ نہ ہوا۔ عرب تیر و تلوار کو جانتے ہیں تم نے تو خندق میں چھپ کر اپنی جان بچائی۔ گویا ہم سے بھاگنے کا مظاہرہ کیا۔

حضور ﷺ کا جواب: اس خط کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ تجھے دھوکا ہوا کہ ہم چھپ کر بیٹھ گئے۔ سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس نے ہمیں اچھا انجام بخشا تو گھبرا نہیں۔ تجھ پر ایک وقت آنے والا ہے کہ تیرے بت بھی تجھے ملامت کریں گے اور میں تجھے یاد دلاؤں گا۔ فتح مکہ تک حضور ﷺ اور صحابہ نے حق کی راہ میں سخت تکالیف برداشت کیں۔

(آیت نمبر ۱۲) اور جب منافقوں نے یہ کلمہ کہا اور ان لوگوں نے بھی کہا جن کے دلوں میں مرض ہے۔ **فائدہ:** دلوں کے مرض سے مراد عقیدہ کی خرابی ہے یعنی کمزور ایمان والے۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کچھ وہ لوگ ہیں جو ایک کنارے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر عبادت کے بعد کچھ مال وغیرہ مل جائے تو مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر آزمائش آ جائے تو الٹے منہ پھر جاتے ہیں۔ یعنی پھر کفر میں چلے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ نفسانی مرض والے لوگ جن میں جہالت، بزدلی اور منافقت ہوتی ہے۔ بلکہ ان میں اور بھی خراب رذائل ہوتے ہیں۔ یہ فضائل سے محروم ہی رہتے ہیں۔ ان کا دھیان حیات اخرویہ کی طرف نہیں ہوتا۔ یہ دنیا کی لذات اور شہوات کے عاشق ہوتے ہیں تو ان لوگوں نے جب دیکھا کہ کفار چڑھائی کر کے آ گئے ہیں۔ تو کہنے لگے ہم سے اللہ اور رسول نے جو کامیابی اور دین کی سربلندی کا وعدہ کیا تھا۔ وہ تو دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔ ورنہ یہ کافر اتنی دیر یہاں نہ ٹھہرتے۔ **فائدہ:** رسولہ کا لفظ تو قرآن نے کہا اور نہ وہ بے ایمان تو محمد ہی کہتے تھے کیونکہ انہیں حضور ﷺ کی رسالت کا یقین ہی نہیں تھا۔

وَاِذۡ قَالَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ يٰۤاَهۡلَ يَثۡرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمۡ فَارۡجِعُوۡا ج

اور جب کہا ایک جماعت نے ان میں سے اے یثرب والو نہیں ٹھہر سکتے تم لہذا لوٹ جاؤ گھروں کو۔

وَيَسۡتَاۡذِنُ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمُ النَّبِىَّ يَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ بُيُوۡتَنَا عَوۡرَةٌ ط

اور اجازت مانگی ایک جماعت نے جو نبی پاک سے کہتے بے شک ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔

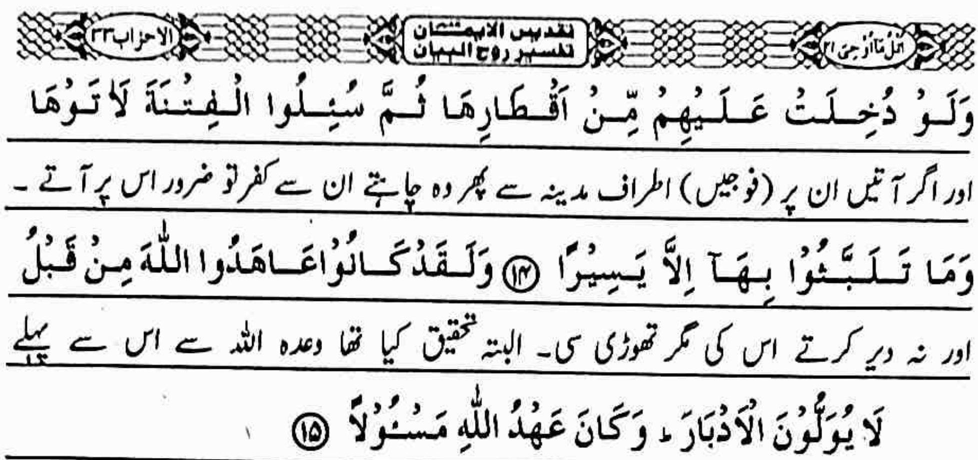
وَمَا هِىَ بِعَوۡرَةٍ ج اِنۡ يُّرِيۡدُوۡنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾

حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے۔ نہیں ارادہ کیا مگر بھاگنے کا

(آیت نمبر۱۳) اور جب ایک گروہ نے کہا۔ اس سے مراد اوس بن قیظی ہے اور اس کے ساتھی ہیں یثرب کا معنی ملامت ہے۔ منافقین چونکہ حضور ﷺ کی ہر بات کی مخالفت کرتے تھے اس لئے وہ مخالفت سے مدینہ کے بجائے یثرب ہی کہتے۔ ان کے ہی الفاظ کو قرآن میں نقل کیا گیا۔ ورنہ مدینہ کو یثرب کہنے سے حضور ﷺ نے سختی سے منع فرمایا۔ اور فرمایا۔ یہ طیبہ ہے۔ مکہ اور مدینہ طیبہ وہ مقام ہیں۔ جہاں دجال بھی داخل نہیں ہو سکے گا۔

یثرب کہنے کی وجہ: یثرب بن عبیل عمالقہ میں سے تھا۔ جس کے نام سے یہ شہر آباد ہوا۔ **فائدہ:** بعض کے نزدیک یثرب ثرب بمعنی فساد ہے۔ بدبودار ہوا اور کثرت بخار کی وجہ سے یہ شہر مشہور تھا۔ **طیبہ:** نام حضور ﷺ نے رکھا تو سب بدبو اور بیماریاں وہاں سے چلی گئیں۔ پہلے بیماریوں کا شہر تھا۔ کوئی باہر سے تندرست یثرب میں آ کر بیمار ہو جاتا۔ لیکن حضور کی تشریف آوری سے تمام بیماریاں نکل گئیں۔ اور مدینہ خاک شفا بن گیا۔ ہر قسم کی بیماریوں خصوصاً جذام کی بیماری خاک مدینہ سے ختم ہو جاتی ہے۔

واہ عاشق رسول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ: آپ نے فرمایا کہ جو مدینہ شریف کی مٹی کو ردی کہے۔ اسے دس کوڑے مارے جائیں اور قید کر دیا جائے۔ مزید فرمایا کہ ایسے بد بخت کی گردن اڑا دینی چاہئے۔ **حدیث شریف:** جو مدینہ کو یثرب کہے۔ وہ استغفار کرے اللہ سے بخشش مانگے (صحیح بخاری)۔ تو ان منافقوں نے کہا کثیر التعداد دشمن کے مقابلے میں اب ٹھہرنا ناممکن ہے۔ لہذا واپس مدینہ میں اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ یعنی یہاں سے بھاگ جاؤ۔ صاف بھاگنے کا نہیں کہا کہ اس سے ان کی مذمت تھی۔ ان کی موافقت ان کے ہمنوا منافقوں نے ہی کی۔



وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا

اور اگر آتیں ان پر (فوجیں) اطراف مدینہ سے پھر وہ چاہتے ان سے کفر تو ضرور اس پر آتے۔

وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ

اور نہ دیر کرتے اس کی مگر تھوڑی سی۔ البتہ تحقیق کیا تھا وعدہ اللہ سے اس سے پہلے

لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ﴿۱۵﴾

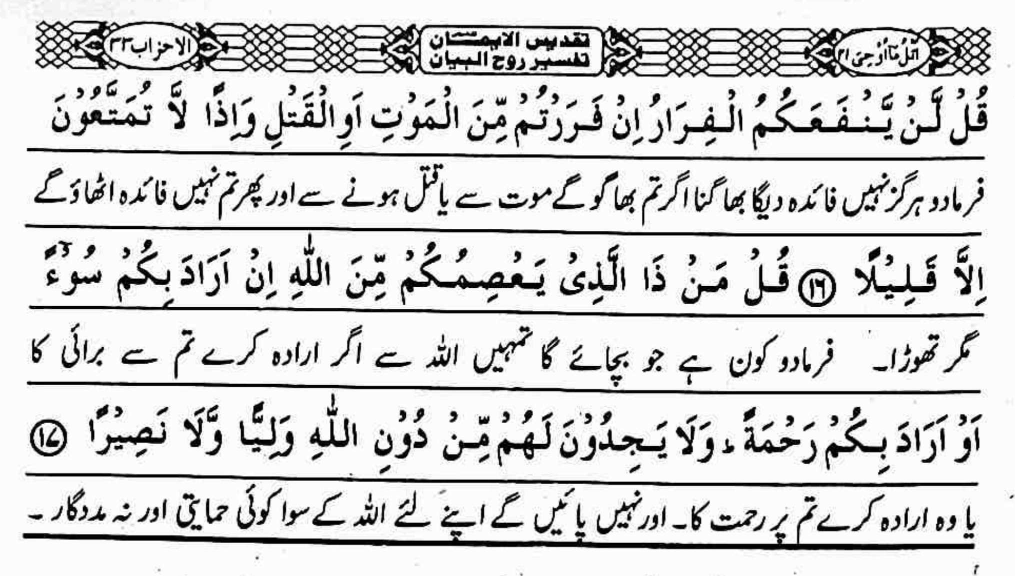
کہ نہیں پھیریں گے پیٹھیں۔ اور ہوگا وعدۂ الٰہی کے متعلق سوال۔

(بقیہ آیت نمبر۱۳) **فائدہ:** معلوم ہوا مخلصین کے ساتھ ہر زمانے میں مفسدین بھی رہے اور ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حشر مخلصین مومنین کے ساتھ فرمائے۔

آگے فرمایا۔ ایک گروہ نے (جس سے مراد بنو حارثہ اور بنو سلمہ تھے) کہا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ کوئی بھی جا کر نقصان پہنچا سکتا ہے۔ لہذا ہمیں اجازت دی جائے کہ ہم گھروں کو محفوظ کر آئیں تو آپ نے انہیں اجازت دیدی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی قلعی کھول دی اور فرمایا کہ ان کے گھر غیر محفوظ نہ تھے۔ بلکہ بہت محفوظ تھے۔ اجازت کا مقصد میدان جنگ سے بھاگنے کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

(آیت نمبر۱۴) یعنی اگر ان پر داخل ہو جاتیں۔ بالفرض مدینہ شریف کے کئی اطراف سے۔ یعنی کفار کئی راستوں سے ان کے گھروں میں داخل ہو جاتے۔ پھر ان سے مرتد ہونے کے بارے میں کہا جاتا تو ذرا دیر نہ لگاتے تو فنافٹ ان کی بات مانتے۔ یعنی فوراً کفر اختیار کر لیتے۔ پھر کسی بھی ڈرانے والی چیز سے ذرا نہ ڈرتے۔ پھر نہ ٹھہریں اس فتنہ کی جوابی کارروائی سے مگر بالکل معمولی سا۔ یعنی جتنی دیر میں سوال و جواب ہوتا ہے۔ پھر یہ عذر وغیرہ کو بھول جاتے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ کے بہانے نہ بناتے وغیرہ جیسے اب کہتے ہیں۔ چونکہ اسلام دشمنی اور بغض تو ان کی رگ رگ میں بھرا ہے اور کفر سے اتنی محبت کہ اس پر جان قربان کرتے ہیں۔

(آیت نمبر۱۵) اور البتہ تحقیق جنہوں گھروں کو جانے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ پیٹھ دے کر نہیں بھاگیں گے۔ یعنی جنگ سے نہ فرار کریں گے نہ شکست کھائیں گے۔ نہ احد کی طرح مسلمانوں کو اکیلا چھوڑ کر کہیں جائیں گے اور اب ان کا اجازت لیکر جانا۔ یہ یقیناً وعدے سے فرار ہے۔



قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ

فرمادو ہرگز نہیں فائدہ دیگا بھاگنا اگر تم بھاگو گے موت سے یا قتل ہونے سے اور پھر تم نہیں فائدہ اٹھاؤ گے

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا

مگر تھوڑا۔ فرمادو کون ہے جو بچائے گا تمہیں اللہ سے اگر ارادہ کرے تم سے برائی کا

اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

یا وہ ارادہ کرے تم پر رحمت کا۔ اور نہیں پائیں گے اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۵) واضح طور پر نقض عہد ہے اور انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدے کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اس نے وعدہ پورا کیا یا وعدہ توڑ دیا۔ اس پر اگر وعدہ پورا کیا تو پھر جزاء ورنہ سزا ہوگی گویا یہ وعید سنائی گئی ہے۔ کہ جو وعدہ کیا ہے۔ اس میں اگر برائی نہیں۔ تو اسے ضرور پورا کرو۔

(آیت نمبر ۱۶) اے محبوب ﷺ ان کو بتادیں کہ تمہارا جنگ سے بھاگنا تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اگر تم موت سے پہلے بھاگ رہے ہو۔ یا قتل ہونے سے گریز کرتے ہو تو یاد رکھو ہر ایک شخص کو لازماً ایک دن مرنا ہے۔ خواہ بستر پر مرے یا تلوار سے۔ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ جسے تقدیر کی قلم نے پہلے ہی لکھ دیا ہے جو تبدیل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے جنگ سے بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ آگے فرمایا کہ اگر تم جنگ سے بھاگ بھی جاؤ۔ تو اس کے بعد تم کتنا نفع اٹھالو گے۔ اس لئے فرمایا کہ اگر جنگ سے بھاگو گے تو بھی بچ کر نکل نہیں سکتے۔ ہم تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ بالآخر فنا اور موت کا پیالہ تم نے ضرور پینا ہے۔

نکتہ: جب دنیا کی ہی عمر تھوڑی ہے تو اس میں رہنے والوں کی عمریں زیادہ کیسے ہوسکتی ہیں۔ اس لئے کہا گیا کہ دنیا کی سب سے زیادہ لمبی عمر آخرت کے مقابلے میں ایک سانس کے برابر ہے۔

(آیت نمبر ۱۷) اے میرے محبوب فرمادیں۔ وہ کون ہے۔ جو تمہیں بچائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے اگر وہ تمہارے لئے برائی کا ارادہ کرے۔ اس سے مراد قتل یا عزیمت ہے۔ یا وہ ارادہ فرمالے تمہارے لئے رحمت کا کہ تمہیں عافیت یا رحمت عطا فرمائے۔ یا وہ اپنی مہربانی فرمائے گناہوں سے بچالے۔ البتہ مال غنیمت کے بڑے عاشق ہیں۔ اس موقع پر بھاگے بھاگے آتے ہیں۔ اور اپنا حصہ مانگتے ہیں۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ج

تحقیق جانتا ہے اللہ جہاد سے روکنے والوں کو جو تم سے ہیں اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے آؤ ہماری طرف۔

وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا لا ﴿۱۸﴾

اور نہیں آتے جنگ میں مگر تھوڑے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۷) خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ رحمت کا ارادہ فرمالے تم پر تو پھر تمہیں کون برائی پہنچا سکتا ہے۔ آگے فرمایا کہ نہیں پائیں گے وہ اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست جو انہیں فائدہ دے اور نہ مددگار جو انہیں دکھ تکلیف یا نقصان سے بچائے۔

فائدہ: انسان موت سے نہ بھاگے وہ تو ہر حال میں آ کر رہے گی۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں۔ جب عمر چالیس سال ہو جائے تو آسمان سے پکارنے والا کہتا ہے کوچ کا وقت قریب ہے تیاری کر لے۔

فائدہ: شیخ ثوری نے فرمایا۔ جب عمر تریسٹھ سال ہو جائے تو اپنا کفن تیار کر لے۔ اس لئے جنگ سے بھاگنا عمر بڑھا نہیں سکتا۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ سب سے اعلیٰ موت شہادت کی موت ہے۔

(آیت نمبر ۱۸) تحقیق اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کو جو رسول اللہ ﷺ کی مدد سے یا خیر کے کاموں سے روکتے ہیں اور جو مدینہ کے بقایا منافقین کو بھی کہتے ہیں۔ (اس اخوت سے مراد کفر ونفاق کی اخوت ہے۔ یعنی وہ دوسرے منافق بھائیوں سے کہتے ہیں۔ تم ادھر ہماری طرف آؤ۔ یعنی وہ لشکر سے نکل گئے اور مدینہ شریف میں اپنے گھروں کے قریب چلے گئے۔ اور دوسرے حامیوں کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔ آگے فرمایا کہ نہیں آتے وہ جنگ میں مگر تھوڑے اور وہ جنگ میں شریک نہ ہونے کی معذرت کرتے ہیں۔ ان سے جس قدر ہو سکے وہ جنگ سے دور ہی رہتے ہیں۔ اگر وہ ایمان والوں کے ساتھ چل بھی پڑتے ہیں تو صرف دکھاوے کیلئے کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ ان کے ساتھ ہیں۔ لیکن جنگ میں شرکت کرنے کیلئے انتہائی سست ہیں۔ بہت ہی کم میدان جنگ میں اترتے ہیں۔ یہ تب ہے کہ جب انہیں مجبور کیا جائے اور پھر جب بھی بھاگنے کا انہیں موقع مل جائے تو بھاگ جاتے ہیں۔

اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ

بخل کرتے ہوئے تم پر۔ پھر جب آ گیا خوف تو نے دیکھا کہ وہ دیکھتے ہیں تیری طرف

تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ

گھما کر اپنی آنکھوں کو۔ جیسے کہ چھاگئی اس پر موت۔ پھر جب نکل گیا وقت

الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ

خوف کا تو چلائیں گے تم پر زبانیں تیز۔ لالچ کرتے اوپر مال غنیمت کے۔ یہ ہیں

لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾

جونہیں ایمان لائے تو ضائع کردیئے اللہ نے ان کے عمل۔ اور ہے یہ کام اوپر اللہ کے آسان

(آیت نمبر۱۹) ان کا حال یہ ہے کہ وہ تمہاری مدد کرنے یا غریب مسلمانوں کو فی سبیل اللہ کچھ دینے میں سخت بخیل ہیں۔ یا یہ معنی ہیں کہ وہ نہیں چاہتے کہ تمہیں فتح نصرت یا مال غنیمت ملے اور جب انہیں دشمن کا خوف ہوتا ہے تو دیکھے گا انہیں کہ وہ تمہاری طرف ایسے حال میں دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں ایسی پھرتی ہیں۔ جیسے ان پر موت کی غشی طاری ہے۔ یعنی سکرات موت کے وقت جو حالت ہو جاتی ہے اور جب خوف چلا جاتا ہے اور غنیمتیں اکٹھی کی جاتی ہیں تو تم پر تیز تیز زبانیں چلاتے ہیں۔ یعنی زور زور سے باتیں کر کے آپ کو تکلیف اور رنج پہنچاتے ہیں۔ اور زبان درازی کر کے اپنا حصہ مانگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہماری وجہ سے تمہیں فتح ملی۔

آگے فرمایا کہ وہ مال غنیمت حاصل کرنے میں بڑے لالچی ہیں اور مال دنیا میں سب سے بڑے بخیل اور جنگ میں شریک ہونے کیلئے سخت بزدل ہیں۔ آگے فرمایا۔ ان بری صفات والوں نے اخلاص کے ساتھ ایمان لایا ہی نہیں۔ اس لئے کہ ان کا ظاہر باطن کے خلاف ہے۔ یہ خبیث ترین کافر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مبغوض ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے سب اعمال ضائع کردیئے۔ یعنی ان کے اعمال سرے سے ہی باطل ہیں۔ اس لئے کہ وہ منافق ہیں۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اعمال قبول ہوتے ہیں۔ جن کی تصدیق (عقیدہ صحیحہ) سے ہو۔ (الحمد للہ عقائد اگر بالکل صحیح ہیں تو صرف اہل سنت کے)

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ

وہ سمجھتے تھے کہ لشکر ابھی نہیں گئے۔ اور اگر آ جائیں پھر وہ لشکر تو چاہیں گے کہ اگر وہ ہوں

بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ

رہنے والے دیہاتوں میں۔ پوچھیں (لوگوں سے) تمہاری خبریں۔ اور اگر ہوں تم میں

مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ۧ ﴿٢٠﴾

تو نہ لڑیں مگر تھوڑے ہی۔

(بقیہ آیت نمبر۱۹) آگے فرمایا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کیلئے آسان ہے۔ یعنی بدمذہبوں کے اعمال صرف ریاکاری پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے اعمال کا ابطال اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے۔

(آیت نمبر۲۰) منافقین لوگ یہی سمجھتے رہے کہ آئے ہوئے گروہ واپس نہیں گئے۔ حالانکہ وہ میدان سے بھاگ گئے۔ احزاب سے مراد وہ لوگ جو مختلف جگہوں سے اکٹھے ہوکر حضور ﷺ پر حملہ کرنے کی غرض سے آئے تھے۔ اگر وہ لشکر مدینہ پر حملہ کرکے آجاتے تو پھر یہ لوگ تمنا کرتے کہ کاش مدینہ سے دور بادیہ نشین ہوتے اور جنگ میں شریک نہ ہوتے اور مدینہ کی طرف سے آنے والے لوگوں سے تمہاری خبریں پوچھ لیتے۔ یعنی تمہارا ماجرا پوچھا کرتے کہ مسلمانوں پر کیا گذری یا تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان کیا معاملہ ہوا۔ یعنی یہ ان کی آرزو ہے کہ کاش وہ تم سے غائب ہوتے اور لوگوں سے تمہاری خبریں سنتے اور وہ تمہارے حالات پوچھ لیا کرتے۔

آگے فرمایا کہ اگر وہ دوسری بار تمہارے ساتھ خندق میں آ ہی جاتے اور بھاگ کر نہ نکل سکتے۔ تو بھی وہ نہ کافروں سے لڑتے مگر تھوڑے ہی ان میں سے۔ وہ بھی ریاکاری سے۔ یا عار کے خوف سے۔ یعنی جنگ میں شرکت ثواب کی نیت سے نہ کرتے بلکہ ریاء سے یا عار کے خوف سے۔ یا مال غنیمت کی لالچ میں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ

تحقیق ہے تمہارے لئے رسول خدا کی زندگی نمونہ اچھا۔ اس کیلئے جو ہے امیدوار اللہ

وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝۲۱

اور قیامت کا ۔ اور یاد کیا اللہ کو بہت۔

(آیت نمبر۲۱) تحقیق تمہارے لئے ہے رسول اللہ ﷺ کی حیات بہترین نمونہ۔ یعنی اے مسلمانو تمہارے لئے محمد ﷺ کی تمام عادات بہترین نمونہ ہیں اس کا حق یہی ہے کہ ان کہ اقتداء کی جائے۔ خصوصاً جنگ میں کتنی تکالیف آئیں۔ مگر آپ ثابت قدم رہے۔ احد میں ابرو مباک پر زخم آیا۔ دانت مبارک شہید ہوا۔ چچا امیر حمزہ شہید ہوئے اور بھی کئی طرح کے مصائب آئے۔ مگر آپ ڈٹے رہے۔ جنگ کو چھوڑ کر مدینہ میں نہیں چلے گئے۔ نہ اس میں گھبرائے۔ لہٰذا اے مسلمانو۔ تم بھی ان کی اقتداء کرو۔ بلکہ ان کی مدد کرو۔ اور ان کی مخالفت نہ کرو۔

آگے فرمایا کہ میرے رسول ﷺ کی ذات اسوہ ہے اس کیلئے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کا امیدوار ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے ثواب اور آخرت میں نعمتیں ملنے کی امید رکھتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ اور قیامت کا خوف رکھتا ہے اور دوسرا کام یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتا ہے۔ یعنی ہر وقت اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا رہتا ہے۔ کثرت ذکر کا امید کے بعد اس لئے ذکر کیا کہ بندہ طاعت کو اپنے اوپر لازم کرے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی اقتداء نصیب ہوگی۔

فائدہ: حکیم ترمذی فرماتے ہیں کہ اسوۂ رسول کا مطلب یہ ہے۔ حضور ﷺ کی سنتوں کا اتباع کیا جائے۔ آپ کے کسی قول و فعل کے خلاف نہ کیا جائے۔ یاد رہے۔ حضور ﷺ کی ساری زندگی مسلمانوں کیلئے بہترین نمونہ ہے۔ (بعض لوگ آج حضور ﷺ کی حیات مبارکہ کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ نمبر۱: آپ کی سنت اور نمبر۲: آپ کی عادت۔ اور وہ کہتے ہیں۔ سنت پر عمل کیا جائے اور عادت پر عمل ضروری نہیں۔ یہ بات بالکل غلط ہے اور اس آیت کے خلاف ہے۔ نبی ﷺ نے جو کیا جیسے کیا۔ بالکل اسی طرح کرنا شریعت ہے۔ اور ہمیں اسی طرح کرنا چاہئے۔)۔ **فائدہ:** ہر مسلمان مرد و عورت پر اللہ تعالیٰ کے رسول کی اتباع واجب ہے تاکہ آخرت کی امید کا تحقق ہو۔ عمل صالح کا صحیح اجر بھی تب ملے گا۔ اس لئے کہ قبولیت کا وسیلہ آپ ہی کی ذات ہے۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

اور جب دیکھا مسلمانوں نے لشکروں کو تو کہا یہ ہے جو وعدہ کیا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے

وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۭ ﴿۲۲﴾

اور سچ فرمایا اللہ اور رسول نے۔ اور نہیں بڑھا ان کا مگر ایمان اور تسلیم۔

(آیت نمبر۲۲) اور جب مسلمانوں نے کفار کے گروہوں کو دیکھا۔ جو سب اکٹھے ہو کر حضور ﷺ کے ساتھ مل کر کفار سے جنگ کرنے کیلئے آ گئے۔ حزب وہ جماعت جو کثیر بھی ہو اور اکٹھی بھی ہو تو مسلمانوں نے تو انہیں دیکھتے ہی کہا۔ یہ بلاء عظیم وہی ہے۔ جس کا اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ نے وعدہ دے رکھا ہے۔ جس کا ذکر سورۂ آل عمران میں بیان ہو چکا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ تم یوں ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے کیا تم تک ان پہلے لوگوں کی کہاوت نہیں آئی۔ جن پر تنگیوں تکلیفوں کی انتہاء ہوئی۔ لہٰذا مسلمانوں نے یقین کر لیا۔ کہ یہ وعدہ الٰہی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ سے اس میدان میں کامیابی کی دعائیں کر رہے تھے۔ اور شہادت کی آرزو کر رہے تھے۔

حدیث شریف میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ عنقریب تمہیں ایک بہت بڑے لشکر سے مقابلہ پڑے گا۔ جس میں کامیابی اور نیک انجام تمہارا ہی ہوگا۔ ایک اور مقام پر فرمایا نو یا دس دنوں تک ایک بہت بڑا لشکر تمہارے ہاں آنے والا ہے تو جب وہ بہت بڑا لشکر آ گیا تو مسلمانوں نے کہا۔ اللہ نے بھی سچ فرمایا اور اس کے رسول نے بھی سچ کہا۔ یعنی آج ان کا صدق ظاہر ہو گیا تو مسلمان خوف زدہ ہونے کے بجائے۔ ان کا ایمان اللہ تعالیٰ اور اس کے وعدوں پر اور زیادہ پختہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر انہوں نے سر تسلیم خم کر لیا۔ **فائدہ:** کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرتے تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ دونوں جہانوں کی سعادت اسی جہاد میں ہے۔ لہٰذا اللہ و رسول کے حکم کو بسر و چشم قبول کیا جائے۔ (افسوس ہوتا ہے۔ ان لوگوں پر جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھونکتے ہیں۔ اگر یہ بھونکنے والے وہاں ہوتے۔ تو یقیناً کفار کے ساتھ ہوتے۔ یا منافقین کے ساتھ ہوتے۔ صحابہ کے ساتھ ہرگز نہ ہوتے۔ جیسے آج بھی مسلمانوں کے ساتھ نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے بچائے۔ اور ہمیں صحابہ و اہل بیت کی غلامی نصیب فرمائے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ

مسلمانوں میں وہ مرد ہیں سچ کر دکھایا جو وعدہ کیا انہوں نے اللہ سے اس پر۔ تو ان میں کوئی

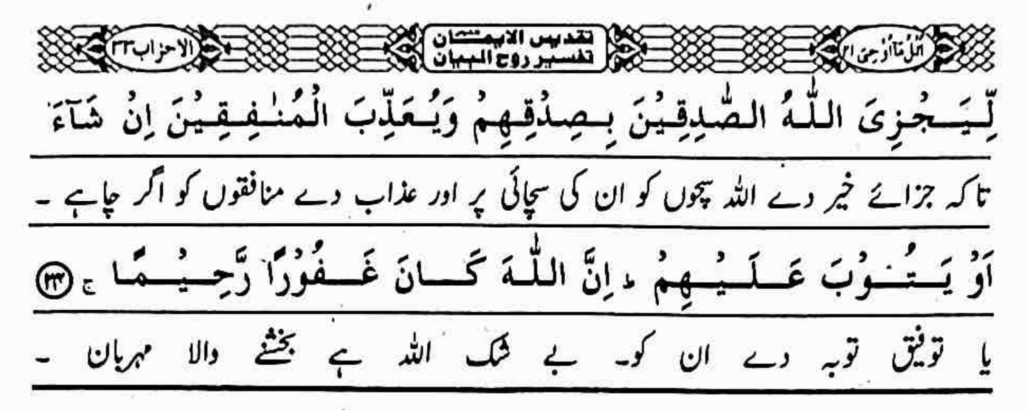
مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

تو پوری کرچکا اپنی منت اور کوئی ان میں منتظر ہے۔ اور نہیں بدلے ذرا برابر

(آیت نمبر۲۳) بعض مخلص مومن وہ لوگ ہیں۔ جو سچائی کے عامل ہوتے ہیں۔اس پر جوانہوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ پورا پورا دیں گے اور ثابت قدمی دکھائیں گے اور دین کی سربلندی کیلئے لڑتے ہی رہیں گے۔یعنی جو وعدہ کیا وہ پورا کر دکھایا۔ جیسے چند صحابہ کرام حضرت عثمان غنی، طلحہ بن عبید اللہ، سعید بن زید، امیر حمزہ اور مصعب بن عمیر اور انس بن نضر رضی اللہ عنہم۔ان لوگوں نے منت مانی تھی کہ جب مخالف لشکر آئے گا تو ہم رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور شہادت تک لڑتے ہی رہیں گے۔

نکتہ: حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے انسان کو اور انسانوں میں مسلمان کو اور مسلمانوں میں سے اہل صدق رجال کو پسند کیا گویا جو اہل صدق نہیں وہ وہ رجال ہی نہیں۔ **مسئلہ**: منت ماننا یہ قربت شرعی ہے۔اس کی ادائیگی لازم ہے۔اس پر امت کا اجماع ہے۔ **فائدہ**: اکثر منت بخیل ہی مانتا ہے ورنہ سخی آدمی تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ نہ کچھ دیتا ہی رہتا ہے۔ بخیل صرف اس وقت دیتا ہے۔ جب وہ مصیبت میں پڑتا ہے۔اس وقت کوئی منت مانتا ہے اور پھر بھی دیکھتا ہے کہ جب کام ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیتا ہے۔البتہ یہ بات ضرور ہے کہ منت ماننے سے بخیل کے ہاتھ سے بھی کچھ نہ کچھ نکل ہی جاتا ہے۔آگے فرمایا کہ بعض ان میں وہ ہیں کہ کہ جنہوں نے منت پوری کر لی۔یعنی مومنین صادقین میں دو قسم کے لوگ ہیں: (ا) وہ جنہوں نے جیسے منت مانی ویسے ہی پوری کی کہ وہ جنگ میں بھی گئے اور درجہ شہادت بھی پایا۔ جیسے حضرت حمزہ اور مصعب بن عمیر اور انس بن نضر انصاری رضی اللہ عنہم۔

عاشق رسول انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی شہادت: مروی ہے کہ احد کی جنگ میں شیطان نے اعلان کر دیا کہ محمد ﷺ شہید ہو گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت پریشان ہو گئے اور سر جوڑ کر کہنے لگے۔اب کیا کیا جائے۔اتنے میں انس بن نضر آ گئے تو ان کو بتایا گیا تو وہ کہنے لگے۔وہ شہید ہو گئے تو ہم نے زندہ رہ کر کیا کرنا ہے۔ پھر وہ گھمسان کی لڑائی میں داخل ہو گئے۔اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دے دی۔



لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ

تاکہ جزائے خیر دے اللہ سچوں کو ان کی سچائی پر اور عذاب دے منافقوں کو اگر چاہے ۔

اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ ﴿۲۴﴾

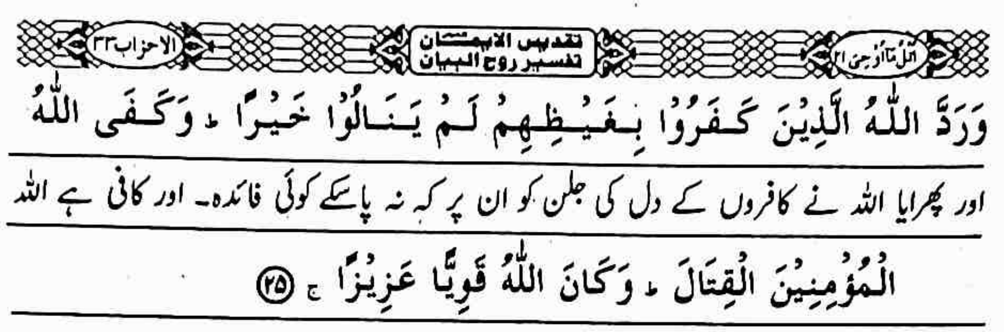
یا توفیق توبہ دے ان کو۔ بے شک اللہ ہے بخشنے والا مہربان ۔

(بقیہ آیت نمبر۲۳) تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اٹھواور تم بھی ان کافروں سے لڑ مرو۔ خود انہوں نے تلوار اٹھائی اور تلوار گھما کر کفار میں گھس گئے اور لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ آپ کے جسم پر اسی سے زیادہ زخم آئے۔

(۲) آگے فرمایا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اپنی منت پوری کرنے کے انتظار میں ہیں کیونکہ موت کا وقت مقرر ہے۔ جن کی قسمت میں موت پہلے تھی وہ پہلے شہید ہو گئے اور جن کی موت ابھی نہیں آئی وہ اپنی منت کو پورا کرنے کے منتظر ہیں۔ یہ ان کے شوق شہادت کی طرف اشارہ ہے۔ آگے فرمایا کہ انہوں نے اپنا وعدہ نہیں بدلا۔ نہ اس میں کسی قسم کا تغیر ہوا۔ یعنی کسی قسم کی تبدیلی نہیں آنے دی تو جنہوں نے منت پوری کر لی۔ ان کا صدق تو ظاہر ہے اور جو انتظار میں ہیں ان کا بھی شاہد عدل ہے۔

جنگ احد میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا عشق: مروی ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ رہے اور حضور ﷺ کی طرف آنے والے ہر تیر کو اپنے بدن پر لیتے رہے اور اسی حفاظت میں ان کا ہاتھ کٹ گیا اور آپ نے چوبیس زخم کھائے اس پر حضور ﷺ نے فرمایا۔ طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اوپر جنت واجب کر لی۔ اسی موقع پر حضور ﷺ نے ان کا نام طلحۃ الخیر رکھا اور حنین کے موقع پر ان کا نام طلحۃ الجود رکھا اور غزوہ ذات العشیرہ میں طلحۃ الفیاض کا لقب حاصل کیا۔ حضرت طلحہ جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے۔ کہ یہ احد کے گھمسان میں ایک موقع ایسا آیا۔ کہ حضور ﷺ کے پاس صرف سعد بن ابو وقاص اور حضرت طلحہ ہی رہ گئے۔ باقی حضرات بھاگے نہیں۔ صرف حضور ﷺ سے اوجھل ہو گئے تھے)۔

(آیت نمبر۲۴) صادقین سے جو کچھ بھی صادر ہوا۔ اس پر ان کے صدق ووفا جو قولاً یا فعلاً ہوئی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزائے خیر دے گا۔ دنیا میں تمکین۔ فتح۔ نصرت دشمنوں پر غلبہ اور اسلام کا جھنڈا بلند کرنے پر انہیں آخرت میں بہترین ثواب۔ اچھا انجام اور جنت کی نعمتیں ملیں گی جو ہمیشہ رہیں گی اور منافقوں کو بداعمالیوں کی سزا یعنی انہیں عذاب ملے گا۔ اگر اللہ چاہے تو توبہ کی توفیق دے کر ان کے گناہ بخش دے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی جو توبہ کر لے اس کے گناہ مٹا دیتا ہے اور ان پر رحم کر کے انہیں جنت کا انعام دینے والا ہے۔



وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ

اور پھرایا اللہ نے کافروں کے دل کی جلن کو ان پر کہ نہ پاسکے کوئی فائدہ۔ اور کافی ہے اللہ

الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۚ ﴿۲۵﴾

مومنوں کو جنگ میں۔ اور ہے اللہ طاقت و غلبے والا۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۴) **سبق:** سالک کو توبہ پر صدق وثبات ضروری ہے۔ تا کہ اسے مغفرت ورحمت حاصل ہو جائے۔

ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت: ایک مرتبہ آپ کو روم کی طرف جانے کی غیبی کشش ہوئی۔ فرماتے ہیں کہ میں اس کشش وجذب سے حیران تھا۔ بالآخر میں روم کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں ایک سرائے میں ڈیرہ لگایا۔ ایک گروہ زنار پہنے میرے گرد جمع ہو گیا۔ میں نے غیرت اسلامی سے انہیں دیکھ کر اپنا پیراہن تار تار کر دیا اور شور وواویلا کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ سب میرے قریب جمع ہو گئے اور پوچھا۔ بابا تجھے کیا ہوا کہ تو نے اپنا پیراہن بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ میں نے کہا۔ میں تمہارے زنار نہیں دیکھنا چاہتا۔ انہوں نے کہا تو محمدی ہے۔ میں نے کہا ہاں میں محمدی ہوں تو انہوں نے کہا۔ تمہارے نبی کے متعلق سنا ہے کہ وہ پتھروں کو کلمہ پڑھا دیتے تھے۔ اگر ہمارے یہ زنار تمہارے نبی کی نبوت کے متعلق گواہی دے دیں تو ہم زنار پھینک کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ آپ فرماتے ہیں۔ میں نے سر سجدے میں رکھ کر نہایت عجز وانکساری سے بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔ اے الہ العالمین مجھے بخش دے اور اپنے حبیب ﷺ کے معجزے کو سچا کر دکھا۔ اور اسلام کی مدد فرما۔ میں ابھی سجدے میں تھا اور مناجات ابھی مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ ہر زنار فصیح زبان سے پڑھ رہا تھا: "لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ"۔

(آیت نمبر ۲۵) اور واپس لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے غصے کے ساتھ۔

فائدہ: اس سے مراد وہ کفار ہیں۔ جو جمع ہو کر حضور ﷺ سے مقابلہ کرنے آئے تھے لیکن وہ منہ کی کھا کر اور بڑے بے آبرو ہو کر جس غیظ وغضب میں آئے تھی۔ اسی غیظ وغضب میں سخت ذلیل ہو کر حسرت کے ساتھ واپس لوٹے۔ (ع۔ بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے ہم لوٹے) کہ وہ کچھ بھی خیر وبھلائی نہ پا سکے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جو مسلمانوں کا مددگار ہے۔ وہ ہمیشہ سے مسلمانوں کی مدد فرتا رہا ہے۔

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ

اور اتارا ان کو جنہوں نے مدد کی ان (کفار کی) اہل کتاب میں سے ان کے قلعوں سے۔ اور ڈال دیا

فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ج ﴿۲۶﴾

ان کے دلوں میں رعب۔ ایک جماعت کو تم قتل اور دوسری جماعت کو قیدی بنا رہے تھے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۵) بلکہ کئی دکھ لے کر لوٹے ایک دکھ یہ کہ جو وہ ارادہ لے کر آئے تھے کہ ہم غلبہ پا کر مسلمانوں کو ملیامیٹ کریں گے۔ وہ بھی خواب پورا نہ ہوا۔ دوسرا مسلمانوں کے اموال لوٹیں گے وہ بھی نہ ملا اور جو اپنے پاس تھا وہ بھی چھوڑ کر بھاگے۔ الٹا ناکام و نامراد ذلت کے ساتھ واپس ہوئے۔

فائدہ: ان کا چونکہ گمان تھا کہ خیر یعنی مال غنیمت ملے گا تو یہ بھی انہوں نے اپنے گمان سے کہا تھا۔ لیکن انہیں خیر تو کیا ملنی تھی۔ الٹا نہیں شر ہی شر ملا۔ آپس میں ان کی پھوٹ بھی پڑ گئی اور ادھر یہ بھی ہوا۔

کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی عزت رکھ لی اور ان کفار پر سخت تیز اور ٹھنڈی آندھی چلا دی۔ تو اس میں ان کے خیمے اکھڑ کر اڑ گئے اور جانور بھی بھاگ کر غائب ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ کے مطابق جو کچھ وہ کرنا چاہتا ہے۔ اس پر قوی ہے اور ہر چیز پر غالب ہے۔ اس موقع پر بھی مسلمانوں کی مدد کیلئے فرشتے اترے۔

(آیت نمبر ۲۶) اور دوسری کفایت یہ کی کہ جنہوں نے ان کافروں کی مدد کی یعنی بنو قریظہ جو ان کفار کو اکٹھا کر کے لائے تھے۔ انہیں اتارا ان کے قلعوں سے۔ (انہیں انتہائی ذلت کا سامنا کرنا پڑا)۔

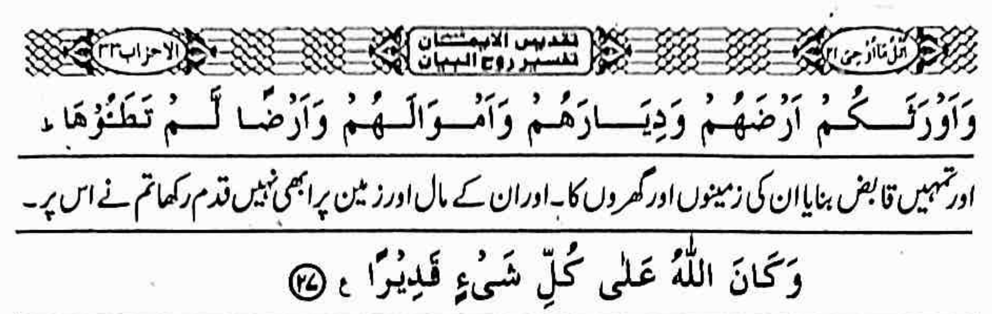
واقعہ: مدینہ منورہ میں سرکار دو عالم ﷺ نے باقی قبائل کی طرح بنو قریظہ سے معاہدہ کر لیا تھا کہ تم نے ہمارے دشمنوں کا ساتھ نہیں دینا۔ لیکن انہوں نے جب دیکھا کہ اتنے کفار مسلمانوں کو ختم کر کے چھوڑیں گے۔ انہوں نے معاہدہ توڑ دیا اور کافروں کے ساتھ ہو گئے چونکہ وہ یہودی تھے اس لئے انہیں اہل کتاب کہا گیا۔

غزوہ بنو قریظہ: حضور ﷺ جنگ احزاب سے فتح یاب ہو کر لوٹے نماز ظہر ادا کرنے کے بعد بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ غسل کیلئے ابھی سر اقدس کا نصف حصہ دھویا تھا کہ جبریل امین تشریف لائے اور عرض کی کہ آپ نے ہتھیار اتار دیئے اور فرشتوں نے ابھی ہتھیار نہیں اتارے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بنو قریظہ پر حملہ کیا جائے۔

ہم ابھی چلتے ہیں تو نبی پاک ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اعلان کر دو کہ سب لوگ نماز عصر بنوقریظہ میں ادا کریں۔ نبی کریم ﷺ نے فوراً زرہ زیب تن فرمائی اور خود پہنا۔ عصا مبارک ہاتھ میں لی اور تلوار گلے سے لگا کر گھوڑے پر سوار ہوئے۔ تقریباً تین ہزار صحابہ کے ساتھ چل پڑے اور نماز کیلئے عبداللہ بن ام مکتوم کو مقرر فرمایا۔ جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ بنوقریظہ حضور ﷺ کی اور ازواج مطہرات کی شان میں اکثر بکواس کرتے رہتے تھے۔ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ نے جاتے ہی بنوقریظہ کے قلعوں کے ساتھ جھنڈا گاڑ دیا۔ اوپر سے بنوقریظہ حضور ﷺ کی شان میں طرح طرح کے بکواس کرتے رہے۔ اتنے میں نبی کریم ﷺ بھی تشریف لے آئے۔ اکثر حضرات نے نماز عصر عشاء کی نماز کے بعد قلعہ بنوقریظہ کے پاس ادا کی۔ کیونکہ نبی پاک ﷺ کا حکم مبارک ہی یہی تھا کہ نماز عصر بنوقریظہ میں آ کر پڑھیں۔ بعض حضرات کا یہ خیال تھا کہ حضور ﷺ نے یہ صرف وہاں پہنچنے کی تاکید کیلئے حکم دیا تھا تاکہ بنوقریظہ پہنچنے میں کوئی دیر نہ کریں۔ اس لئے انہوں نے نماز عصر اپنے وقت پر راستے میں ادا کر لی تھی۔ بہر حال نبی پاک ﷺ نے نہ رستے میں پڑھنے والوں کو کچھ کہا اور نہ ہی قضا کرنے والوں پر ناراض ہوئے بلکہ دونوں کے موقف کو برقرار رکھا۔ اسی دلیل سے قیاس اور اجتہاد کرنے کا ثبوت ملا۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے قلعے کے معاصرے کا حکم دیدیا۔ یہ معاصرہ پچیس دن تک رہا۔ یہاں تک کہ بنوقریظہ پر قید و بند کی صعوبت ناقابل برداشت ہوگئی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ اب جب یہود کو یقین ہوگیا کہ حضور ﷺ اب ہمیں کسی صورت میں نہیں چھوڑیں گے۔ ضرور قتل کریں گے تو ان کے سردار کعب بن اسید نے ان میں تقریر کی اور انہیں سمجھایا بہتر یہی ہے کہ تم (محمد ﷺ) کی بیعت کرلو۔ ان کو رسول مان لو۔ تمہاری کتاب میں جس نبی کی پیشین گویاں ہیں وہ یہی ہیں۔ فی الواقع مدینہ ان کا دار الہجرۃ ہے۔ اب ان سے ضد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں تو ان سے کئے ہوئے معاہدے کو نہیں توڑتا۔ اس وقت حیی بن اخطب شیطن بھی وہیں تھا تو اس نے کہا کہ یہ ساری بلا اسی حیی کی وجہ سے آئی ہے۔

یہود نے سردار کو جواب دیا۔ ہم توراۃ چھوڑ کر قرآن کو نہیں مان سکتے تو سردار نے کہا۔ پھر یوں کرو کہ بچوں اور عورتوں کو قتل کرو۔ پھر باہر نکل کر مسلمانوں سے جنگ کرو۔ پھر جو ہوا دیکھ لو تو لوگوں نے کہا یہ بھی نہیں ہوسکتا۔ پھر اس نے کہا خراج دیکر صلح کرلو۔ انہوں نے یہ ماننے سے بھی انکار کردیا۔ اس نے کہا۔ چلو پھر مسلمانوں پر حملہ کردو۔ انہوں نے کہا ہفتے کا دن ہے۔ اس دن ہمیں لڑنے سے منع کیا گیا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا۔ میرے حکم پر قلعوں سے اتر آؤ۔ انہوں نے اس کا بھی انکار کردیا۔



وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ؕ

اور تمہیں قابض بنایا ان کی زمینوں اور گھروں کا۔ اور ان کے مال اور زمین پر ابھی نہیں قدم رکھا تم نے اس پر۔

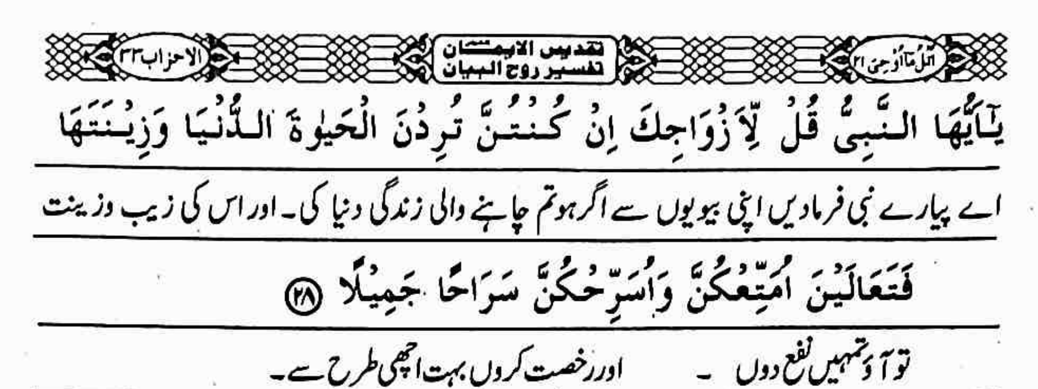
وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ع ﴿۲۷﴾

اور ہے اللہ اوپر ہر چیز کے قادر۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۶) پھر آپ نے پوچھا کس کا فیصلہ مانو گے تو انہوں نے کہا۔ سعد بن معاذ کا۔ جب انہیں گھر سے بلایا گیا تو چونکہ خندق میں انہیں زخم آ گیا تھا۔ وہ گھر میں تھے۔ وہ گدھے پر سوار ہو کر تشریف لائے تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ اٹھو اپنے سردار کا استقبال کرو۔ (بخاری و مسلم)

مسئلہ : آنے والے کیلئے کھڑے ہو کر استقبال کرنے کیلئے دلیل یہی واقعہ ہے کہ انصار نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔ حضرت سعد نے فیصلہ یہ کیا کہ جنگجوؤں کو قتل کر دو اور عورتیں اور بچے غلام بنالو اور جو کچھ ان کے قلعوں میں ہے۔ سب سمیٹ لو۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ اے معاذ تم نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ تعالیٰ کو پسند تھا۔

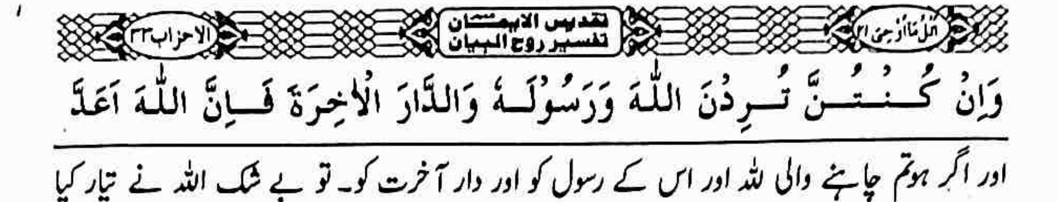
(آیت نمبر ۲۷) اور تمہیں ان کی زمین اور ان کے گھروں کا وارث بنایا اور ان کے تمام اموال نقدی وغیرہ تمہارے قبضے میں دیئے۔ چنانچہ اس قلعے سے ایک ہزار پانچ سو تلواریں ملیں۔ تین سو زرہیں۔ دو ہزار تیر۔ پانچ سو ڈھالیں اور بے حساب جانور اور دیگر اشیاء تھیں۔ زمینیں صرف مہاجرین کو دی گئیں۔ اس کام کو سرانجام دیکر دوسرے دن مدینہ شریف کو واپس ہوئے۔ جنگجوؤں کو قتل کیا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو آپ نے حکم دیا کہ انہیں نجد میں بیچ کر ان کا اسلحہ خرید کر لائیں۔ پھر وہ اسلحہ ان میں تقسیم کیا گیا ان میں سے ایک عورت کو قتل کیا گیا کہ اس نے حضرت سوید پر چکی گرا کر شہید کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہیں وہ زمینیں دیں کہ تم نے ان پر ابھی قدم نہیں رکھا تھا۔ اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر کہ وہ لمحے میں مالکوں کو گداگر اور قیدی بنادے اور غریبوں کو مالدار بنادے۔



(آیت نمبر ۲۸) اے پیارے نبی ﷺ آپ اپنی ازواج سے فرمادیں۔اگرتم دنیا کی زندگی چاہتی ہو۔

شان نزول : کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ازواج مطہرات نے نان ونفقہ کی فراوانی کا حضور ﷺ سے مطالبہ کردیا۔اس مطالبہ کے تکرار سے حضور ﷺ کوسخت رنج پہنچا تو آپ نے ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کرلی اورقسم کھائی کہ ایک ماہ تک ان کے پاس نہیں جائیں گے۔لہذا آپ مسجد نبوی کے ایک حجرے میں گوشہ نشین ہوگئے۔ انتیس دن گذرنے کے بعد جبریل امین اللہ تعالیٰ کا یہ حکم لے کرآئے۔اس آیت کوآیۂ تخییر کہا جاتا ہے۔یعنی ازواج مطہرات کواختیار دے دیا گیا۔کہ وہ دنیا کا مال چاہتی ہیں۔یا اللہ تعالیٰ کے رسول کو چاہتی ہیں۔آپ کی اس وقت نوازواج تھیں: (۱) حضرت عائشہ۔ (۲) حضرت حفصہ۔ (۳) حضرت ام حبیبہ۔ (۴) حضرت ام سلمہ۔ (۵) حضرت سودہ۔(۶) حضرت زینب۔(۷) حضرت میمونہ۔(۸) حضرت صفیہ۔(۹) حضرت جویریہ رضی اللہ عنہن تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب آپ اپنی ازواج سے فرمادیں کہ اے ازواج مطہرات اگرتم دنیا کی وسعت اوراس کی نعمتیں اوراس کی زیب وزینت چاہتی ہوتو آ ؤ۔ہم تمہیں وہ چیزیں عطا کردیتے ہیں جوتمہیں دنیا میں نفع دیں۔یعنی کچھ مال دیکر رخصت کردیتے ہیں۔رخصت کا مطلب طلاق صریح ہے۔

مسئلہ :وہ الفاظ صریح جن سے لازماً طلاق ہوجائے۔نیت ہو یا نہ ہو۔طلاق واقع ہوجاتی ہے۔یہی سب ائمہ کا مذہب ہے۔**مسئلہ**: یکبارگی تین طلاق دینابدعت ہے۔ائمہ کے نزدیک حرام ہے۔لیکن طلاق واقع ہوجاتی ہے۔اس میں ائمہ کا اتفاق ہے۔**مسئلہ**:تین طلاق دینے سے تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔تین طلاق کو ایک سمجھنا بالکل غلط ہے۔



وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ

اور اگر ہوتم چاہنے والی للہ اور اس کے رسول کو اور دار آخرت کو۔ تو بے شک اللہ نے تیار کیا

لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

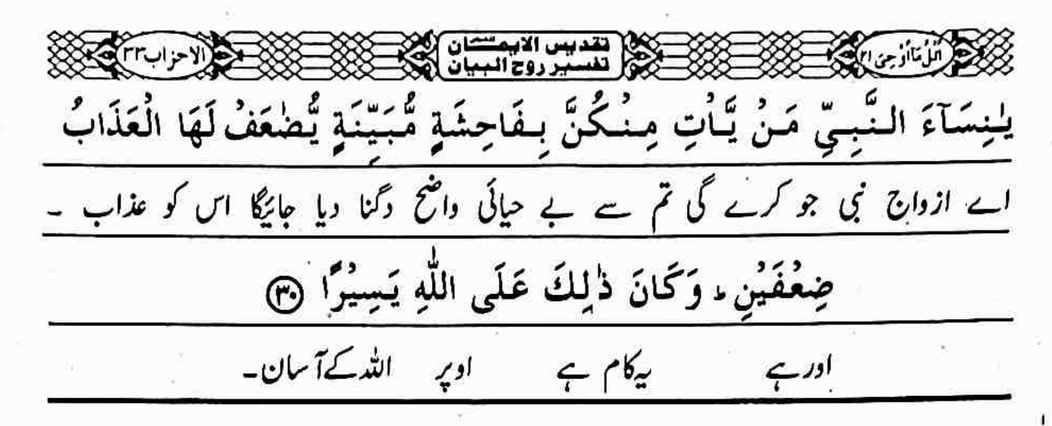
نیکی والوں کیلئے تم سے اجر بہت بڑا۔

(آیت نمبر ۱۹) اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو چاہتی ہو۔ یعنی میرے رسول کو راضی کر کے ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہو اور آخرت کے گھر اور اس کی نعمتوں کو چاہتی ہو۔ جن کے مقابلے میں دنیا کی نعمتوں کی کوئی وقعت نہیں تو پھر یاد رکھو بے شک اللہ تعالیٰ نے نیکی کرنے والیوں کیلئے تم میں سے ہر ایک کیلئے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ جس کی حقیقت کو کوئی نہیں جانتا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا امتحان:

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو تمام ازواج کو بلا کر یہ حکم الٰہی سنایا اور ان کو فرمایا۔ کہ تم غور وفکر کر لو۔ اور آپ کو سب سے زیادہ محبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھی تو آپ نے سب سے پہلے انہیں یہ آیت سنائی اور پوچھا کہ تم کس چیز کو اختیار کرتی ہو۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ تم جلدی نہ کرنا اور ماں باپ سے مشورہ بھی کر لینا تو مائی صاحبہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ اس بارے میں ماں باپ سے مشورہ کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو اللہ اور اس کے رسول کو چاہتی ہوں اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔ صدیقہ کائنات کے اس جواب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی خوش ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب سن کر باقی ازواج نے بھی یہی جواب دیا کہ ہم اللہ رسول اور دار آخرت کو چاہتی ہیں تو ان کی اس رضا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محبوب اب ان کو چھوڑنا نہیں اور ان پر کسی اور عورت کو بیوی بھی نہ بنانا۔ اس لئے کہ انہوں نے دنیا پر اللہ ورسول کو ترجیح دے دی ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا۔ کہ بالغ عورت عقد نکاح میں خود مختار ہے۔ اسی طرح اگر مرد نے مذاکرہ طلاق میں عورت کو اختیار دیا۔ اور عورت نے اپنے کو طلاق دے لی۔ تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ **فائدہ:** دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایک دل میں محبت دنیا اور محبت رسول جمع نہیں ہو سکتیں۔



يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ

اے ازواج نبی جو کرے گی تم سے بے حیائی واضح دگنا دیا جائیگا اس کو عذاب ۔

ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اور ہے یہ کام ہے اوپر اللہ کے آسان۔

(آیت نمبر ۳۰) اے نبی پاک ﷺ کی بیویو۔ جو بھی تم میں سے صریح حیا کے خلاف کوئی جرات کرے گی۔ یعنی ایسا ناپسندیدہ فعل جس کی قباحت واضح ہو۔

فائدہ: یہ جملہ بہ فرض محال کے معنی میں ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے فرمایا۔ اگر تم نے شرک کیا تو عمل ضائع ہو جائیں گے تو ایسے جملے بہ فرض محال کے زمرے میں آتے ہیں۔ ورنہ حضور ﷺ سے شرک کب ممکن ہے۔

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ اس سے مراد عام عورتوں والی بے حیائی نہیں ہے۔ بلکہ کسی بات میں حضور ﷺ کی مخالفت یا بداخلاقی کی بات مراد ہے۔ کیونکہ ازواج مطہرات تو بڑے اونچے مقام کی مالکہ اور شرافت وبزرگی کی پیکر تھیں۔ خصوصا وہ کام جو حضور ﷺ کیلئے اذیت کا باعث ہو۔ وہ کام کرنے کی انہیں اجازت نہ تھی۔ اسی لئے آگے فرمایا۔ اس کیلئے عذاب دگنا ہوگا اور یہ دگنا عذاب دینا اللہ تعالیٰ کیلئے آسان ہے۔ اس سے نبی کریم ﷺ کی عزت وتکریم مطلوب ہے۔ یعنی ازواج مطہرات کو نبی کریم ﷺ کی عزت وحرمت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

فائدہ: چونکہ ازواج مطہرات کی نسبت حضور ﷺ کی طرف ہے۔ ہر طرح کی برکات انہیں حاصل تھیں۔ ان کے حجروں میں قرآن نازل ہوا۔ ملائکہ کا آنا جانا۔ ان ہی کے حجروں میں ہوتا تھا۔ اس لئے ان کی سزا کا پہلو بھی زائد کیا۔ **مسئلہ**: اسی لئے بے خبر گناہ گار کی نسبت گناہ جان کر کرنے والے کی سزا زیادہ ہے چونکہ ازواج النبی کا امہات المؤمنین ہونا اشرف نساء العالمین ہونا بہت بڑے مراتب ہیں۔ اس لئے ان سے غلطی کا صدور ہونا بھی قبیح تر ہے۔

اختتام پارہ : ۲۷ ستمبر ۲۰۱۷ء بروز منگل صبح بوقت نماز

الحمد للہ جلد ہفتم ختم ہوئی

یادداشت